

پاک سوشل سٹوری

ڈاٹ کام
رفعت سراج

www.paksociety.com

انسان اس دنیا میں جنم لیتا ہے تو محض سانس لینے والا ایک گوشت پوست کا مختصر ترین وجود ہوتا ہے۔ احساس ذمہ داری کے بوجھ سے بے نیاز بجائے خود کسی کی ذمہ داری ہوتا ہے۔ مگر گزرتا وقت جب اس کے شعور کی کوئٹھیں کھلانے لگتا ہے تو فکر کا ہر چمکنے والا غچہ بکھول بننے سے پہلے کے کرناک مگر لذت انگیز مرحلے سے گزرتا ہے۔

اور اس مرحلے میں تخلیق کا ثبات کا کوئی ایک سبب آشکارا ہوتا ہے اور پھر یہ پھول اپنے رنگ اور اپنی مہک سے اپنے ارد گرد کی دنیا کو ایک نئے خوش۔۔۔ ایک نیا خیال دینے لگا ہے۔ قدرتی انجام کو پہنچ جاتا ہے۔

فکر کے چراغوں کی روشنی ایک امانت ہوتی ہے۔

سانس لیتا ہوا وجود ذمہ داری کا دوسرا نام ہے اپنا محاسبہ کرنا یا نینداری ہے۔

اپنے اعمال کی چھان بین انسان کو خود پر واضح ہونے میں مدد دیتی ہے۔

میں اپنی فکر کو فروزاں کرنے کی خواہش مند ہوتی تو قلم کا بار امانت تا بھی میں اٹھالیا۔

میری جہالت قرآن سے ثابت ہے

میں نے یہ بار امانت (قرآن) زمین، آسمانوں، پہاڑوں کے سامنے پیش کیا مگر سب نے یہ بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا مگر انسان نے یہ بار امانت اٹھانے کا اقرار کر لیا، انسان ظالم ہے، جاہل ہے

مگر قلم کا بار امانت اٹھا کر مجھے احساس ہوا جس طرح عورت ہونے کے ناتے ایک لڑکی ہونے کے ناتے، ماں، بہن، بیوی، بیٹی، پردہ، دوست ہونے کی ذمہ داری خود بخود مجھ پر عائد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قلم کا ہونے کے ناتے مجھ پر کڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ میں اس حوالے سے وہ کام کروں جو شجر شر یا ظلمت ہو۔

پھر ایک مسلمان قلم کار کی حیثیت سے بھی مجھ پر کچھ قرض ہیں۔

ناول ایک تعریفی صنف کا تعارف رکھتا ہے خصوصاً خواتین ناول نگاروں کا۔ مگر میں نے کوشش کی کہ ایک دنیاوی رنگارنگی کی بات کرتے کرتے وہ اصل بات بھی بیان ہو جائے جس کی تشریح کرنے اور سمجھنے کے لیے انسان ازل سے آج تک وجود میں آ رہا ہے۔

نصیحت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ خوف سنا بھی پسند نہیں کرتا اور عقلمند کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔

میں بھی سمجھتی ہوں کہ بھلائی کا ایک عمل بھی اگر اپنانے کی خواہش ہے تو وہ راستہ کیوں نہ اختیار کیا جائے جو دونوں طرف قابل قبول ہو۔ آخر اس پر نصیحت کا لیبل کیوں چپکا جائے اگر

ایک انسان کسی کی بھلائی کا سستی ہے تو آخر اپنے مخاطب، مقابل کے پسندیدہ انداز کو کیوں ترجیح نہیں دیتا جبکہ اس کا معدا اپنی فکر غفل کرنا اور بھلائی چاہتا ہے۔ اور اپنے آراء پر پندو ناسخ سے وہ کیوں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ان کے مقابلے میں مخلوق حقیر کمترین اور محروم ہے۔

عمل خود ایک خوبصورت نصیحت ہے۔

اتنی خوبصورت نصیحت کہ اس کے محاسن اپنی جگہ آپ بتا لیتے ہیں

میں نے بھی کوشش کی، کہ اذہان جو رہیں ستم ہائے روزگار ہیں، شک و دقت نصیحتوں سے مزید رہن ستم ہائے نہ کروں۔

بلکہ اپنی فکر سے اذہان پر دستک دوں اور مہذب طریقے سے ان کے افکار کے بیچ اپنی فکر پیش کروں گویا تسلط نہ ہو، انتخاب ہو۔

میں ایک خوفناک واعظ،

ایک خود پسند تجزیہ دہی فلکار،

اپنے ایک کو یکتا ولا خانی ہنرمند کہلانے کے عارضے میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی۔ مجھے قدرت نے جو سکھایا، وہ پیش کر دیا۔ جب میں خود کو پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتی تو مجھے کسی ہنرمین گمان کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

کمال تو یہ ہے کہ مجھے ور سے اعضاء اور متحرک دماغ کے ہمراہ زندگی سے آشنا کرایا جس

نے یہ پہلا کمال کیا۔

باقی کمال بھی چاروں سے موسوم ہیں۔

میں چاہتی ہوں کہ قلم کا زباں نہ ہو۔ اپنی فکر آگے بڑھاؤں اور اس ہنر کو یا مقصد کروں۔ یہ میری کوشش ہے، کمال نہیں۔

ایک انسان ہونے کے ناتے میری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ذہنی و ذہنی پات مہبتوں کی بہار کا اہتمام رکھوں۔ نہ کہ بھیران کی صورت میں تنازعوں کے جھاڑ کاٹنے، سلکا ڈالنے۔

میں نے حقیر سے کوشش کی کہ میری تحریر میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو۔

میں جس معاشرے میں رہتی ہوں،

میں نے ان ہی کے مسائل کو دیکھا ہے، مادی کی باتیں کرنا ہے۔

پہلے انسان انسان سے تو متعارف ہو جائے۔

پھر کائنات تک بات پہنچے۔

اسے یہ تو سمجھ آ جائے کہ روٹی پائٹ کر کھانا نہیں،

اور چھین لینا بھی۔

فرض ادا کرنا بلندی،

اور حق اس کے بعد طلب کرنا اس بلندی کا وقار ہے،

مجھے اسی معاشرے میں رہتے ہوئے انہی انسانوں کی باتیں کرنا ہے۔

گی۔ پانچ ہزار روپے کا ڈرافٹ بڑا ہوا ہے اس میں تمہارے باپ کی خون پیسے کی کمائی۔

وہ دم سادھ کر یہ سوج-ساکہ باپ کے خون کی اہم ترین کمائی تو میں ہوں۔ وہ اتر گیا۔

ٹرین چل پڑی تھی۔ پانچ برس کچھ سینے اوپر کی کمائی کیسی اندھی کائی۔ کسی سادھ جھوٹ کوڈ حفوظی

رہ گئی۔ کسی انسان کو یہ ضمیر کہنا مناسب نہیں۔ ہاں مردہ ضمیر کہنا مناسب رہتا ہے اس لیے ضمیر تو

وہ زندہ ہے جو ہر انسان کی مشین میں فٹ کیا جاتا ہے۔ اور اس پر زے کو بعض اوقات گناہ کا ایسا

مرطوب ماحول میسر آتا ہے کہ یہ پرزہ ابتدائی میں رنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اس گھسرتی ہوئی،

سبکی ہوئی سیاہ رات میں آج اس عورت کے ضمیر کا ہتھکڑیاں آلود ہو گیا تھا۔

اللہ سے یہ بچے۔ ارے کم جستجو تمہیں یہ بتا رہی ہیں وہ لڑکیاں

کیا پتا۔ طارقی بھائی نے کسی انہونی سے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا اماں نے کھا جانے والی

نظروں سے انہیں دیکھا۔

کوئی ضرورت نہیں اتنا خرچہ کرنے کی۔ کوئی نوابزادیان نہیں ہیں وہ تمہاری سنگی ماموں

زاد ہیں۔ اپنا گھر ہے ان کا۔ انہوں نے پانچ ان آگے کھسکا کر پان کھانے کا پروگرام بنایا۔

تو اماں پہلے بتا پاؤں۔

کیا وہ سمجھیں نہیں۔

یہی کہ یہ ان کا اپنا گھر ہے۔ فاروق نے شرارت سے کہا۔

یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔ عقل کے اندھ۔ وہ اس کی معنی خیز بات سمجھ نہ سکے تھیں۔

☆

ٹرین چلتے چلتے ایک دم رگ کی تھی نہ جانے کیا چٹھی ابھی تک تو رقی رمیں ایک سلسل

تھا۔ شاید لائن لکھنے ہونے کا سکتل نہیں تھا اس نے کھڑکی سے باہر بھاٹکا۔ ٹرین کے ذراؤں کی

ظہار ایک کمان کی تصویر پیش کر رہی تھی کئی کھڑکیوں سے سر باہر نکلے ہوئے تھے۔ نیچے اترنے

کی تو شاید کسی میں ہمت نہیں تھی۔ عجیب سا کوئی ویرانہ تھا۔

ایک گھٹا گھوپ اندھ سے کا سلسلہ چہا نہو تھا۔

اس نے برابر پیشے ہوئے بلکہ اوجھتے ہوئے بچے پر عادی بیزار سی نظر ڈالی۔ معصوم وجود

میں سرکشی سے دوڑتا ہوا ٹھٹھک مہم کر رات بھولنے لگا۔

اس نے گود میں لیٹی ہوئی بچی کو دیکھا تو فطری تاثرات آنا واحد میں مل گئے آسن

جھک کر بچی کا رخسار چوم لیا۔ محارین کو جھکا لگا۔ اور شاید اس کے ذہن کو بھی بجلی کی سی سرعت

سے ایک فیصلے طے پا گیا تھا۔

بشر

جی مہیا واڑ سبکی ہوئی تھی۔ ٹرین نے ریختا شروع کر دیا۔ میرا چھوٹا پرس گر گیا ہے۔ ابھی

میں باہر دیکھ رہی تھی۔ تاں۔ ڈر لاٹھا۔ کچھ پوری جان سے کانپ گیا ابھی وہ ٹرین۔ تو۔

ارے بھاگ کر جاؤ چلتے چلتے ہی چلے گی، بالآخر محال چل بھی پڑی تو میں زنجیر کھینچ لوں

آپا حلیم بھی کہہ رہی تھیں۔ تمہارے لڑکوں نے لڑکیوں کی کسر پوری کر دیے احساس ہی نہیں ہوتا کہ تمہارے ہاں بیٹیاں نہیں ہیں۔

مطلب کیا ہے ان کا۔ طارق کی مرمانہ نصرت پر مضرب پڑی۔

یعنی اس محلے کا جاسوس کی نظر اتنی خراب ہو گئی ہے کہ اسے مرد بھی عورتیں نظر آنے لگے ہیں۔

دم لے لڑکے۔ وہ تو بچاری تعریف کر رہی تھیں۔ اماں نے انگلیوں کی پوروں سے کٹھا چونا چاٹا۔

ہمیں نہیں چاہیے یہ مشکوک تعریف کہ کوئی کچھ بھی سمجھ لے۔ طارق نے پلنگ کی نواز کستے ہوئے تقریباً ہانپ کر کہا۔

توڑ دے گا سر پھر ہے۔

ٹھیک تو کہہ رہے ہیں طارق بھائی حبیب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

اے لو۔ آج تو شیطان بھی بظلمیں جھانک رہا ہوگا۔ یہ ننھے میاں۔ انہوں نے حبیب کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔

یہ ننھے میاں بھی طارق کی ہاں میں ہاں ملائیں۔ اللہ کی شان ہے۔ یہ جتنے پلنگ کس لیے انہیں کمرے میں لٹا دکھ آؤ۔

اماں۔ یہ دیر اور فوراً آپا کئے آنے سے پہلے پلنگ کیوں کسوائے جا رہے ہیں۔ حبیب

نے مصحوبی سے پوچھا۔

ہمارے ان کی ریسٹلنگ ہوگی تو بطور اسٹیج استعمال ہوں گے۔ فاروق نے مسکراتے جواب دیا۔

تم گول پکڑ میں سے پھیل کی آنکھ میں حیرانہ کی بجائے۔ ریسٹلنگ کی طرح ڈالو گے عثمان نے اندر داخل ہوئے تو فوراً فاروق کے جملے میں اضافہ کیا۔

فاروق جڑے بھائی کے جملے پر جھینپ سا گیا تھا۔

آگئے پیٹا۔ آج تو اتفاق سے سب اکٹھے ہیں۔ دیکھا کیا دھماچو کڑی چارکھی ہے۔ اماں نے بڑے بیٹے کے تھکے ہوئے چہرے پر نظر ڈال کر محبت سے کہا۔

اماں جان حبیب بسو۔ یہ دھماچو کڑی ہے۔ یہی کام لڑکیاں کر تھیں تو آپ بھائی جان سے اس وقت تعریفی انداز میں کہہ رہی ہوتیں۔ بہت شکریاں ہیں میری بچیاں ہم صبح سے

آپ کا ہاتھ بنا رہے ہیں آپ دھماچو کڑی کہہ رہی ہیں۔

وہ تو ٹھیک ہے۔ تمہارے کام کو نسا دھماچو کڑی سے کم ہوتے ہیں۔ اس طارق کوئی دیکھ لو۔ لگتا ہے آج سارے میراثیوں کا بھٹ بٹھانے لگا۔ دو گھنٹے میں دو پلنگ کسے ہیں۔ گانے گا گا کر۔

نہاؤ گے یا چائے لو آؤں اماں نے بڑی شفقت سے عثمان کو دیکھا۔

پہلے غسل کر دوں گا۔ تھکن بہت زیادہ ہے آج۔ وہ یہ کہتے ہوئے سامنے کمرے میں چلے

چھوٹے بھائی۔ یہ دونوں پلنگ جو آپ نے کسے ہیں مستقبل میں تخت طاؤس کے لیول کے ہوں گے۔ اس پر شہزادی وریہ اور فوزیہ محاسن راحت ہوگی۔ ایسے میں ان سے تہ کرہ ضرور کروں گا کہ ان پلنگوں کچھلوں میں چھوٹے بھائی کا پسینہ بھی شامل ہے۔ حبیب نے شہادت کے طاری کو دیکھا۔

میں یہ پلنگ اٹھا کر تمہارے سر پر دیکھا دوں گا۔ طاری نے جھٹکا کر کہا تھا۔ اس جملے کے چھپے فاروق کا جامہ رات بھر بھی آتا تھا۔

آفت چٹائی ہوئی ہے ان لڑکوں نے۔ ابھی تو برتن پڑے ہوئے ہیں۔

اب برتن بھی دھلوائیں گی۔ فاروق نے پوچھا۔

وہ دن بھی دور نہیں جب برتن بھی دھونا پڑیں گے۔ جو اب اماں نے کہا تھا۔

میری سمجھ میں یہ آج کی پلچل نہیں آ رہی۔ عثمان حسل کر کے باہر آ گئے تھے۔

ارے وہ آ رہی ہیں نال تمہاری بہنیں۔

بہنیں

ارے تمہارے بڑے ماسوں احسان کی بیٹیاں ذریہ بنو ذریہ۔ ان کے سوا گت کی تیار پاں

ہو رہی ہیں۔

تو پھر بھی۔ یہ ہلوا۔ یہ جوش و خروش۔ کیا انعام دینے آ رہی ہیں

بھائی جان۔ ہمارے ہاں پہلی مرتبہ لڑکیاں قیام کرتے آ رہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں انہیں شکایت کا موقع نہ ملے۔

یعنی کسی کی پوسٹنگ کراچی میں ہوگی تو اس نے عارضی ذریہ ڈال لیا۔

یا کسی کو پتا چلا کہ کوئی بہترین محافل کراچی آیا ہوا ہے تو میڈیکل چیک اپ کی غرض سے ہمارے ہاں چلا آیا۔

کسی کراچی کے لڑکے کی شامت نے دھکا دیا اور اس کے گھر والوں نے کراچی سے باہر کی لڑکی کا پیام ڈال دیا۔ تو لڑکی والے بکر میرا مطلب لڑکا دیکھنے کراچی آئے تو انہیں شہر بھر میں بہترین قیام گاہ ہمارا گھر نظر آیا۔

یعنی کوئی بھی بعد غلوں ہماری خاطر ہمارے گھر نہیں ٹھہرا۔ لیکن یہ واحد مہمانان کراچی ہیں جو ہمارے ہاں صرف ہمارے لیے آ رہی ہیں اسی لیے۔

ہم پلنگ کس رہے ہیں۔ حبیب نے فاروق کی بات میں پھر کلزا لگایا تو اماں اور عثمان دونوں اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ پاسکے۔

ارے تمہارے باوا آتے ہوں گے۔ بڑھاؤ مکان۔ کیا میں بیچ میں بیٹا بازدار لگائے بیٹھے

ہو۔ جلدی کرو۔

حبیب۔

جی اماں جان۔

ہیں۔ وہ صبح کہہ گئے تھے۔

وہ کون۔ اماں جان۔ وہ پھر شریر ہوں۔

اب تیرے گلیں گے جوتے۔ وہ برہم ہوئیں۔

دھوئی کے ہاں سے اُن کی شیر وائیاں لے آ۔ میرے دماغ ہی سے اتر گئی تھیں۔

شیر وائیاں۔ وہ دماغ ہے۔ شیر وائیاں پہنتا ہے۔ حبیب نے قہقہہ لگایا۔ تو دوسرے قہقہے

بھی شامل ہو گئے۔

ارے بہت سرچڑھا دیا ہے تجھے ان سب نے۔ چھوٹا چھوٹا کہہ کر۔ جب دیکھو زبان

پکڑنے کو تیار۔ اب وہ سچ کچ کرم ہو گئی تھیں۔ وہ جلدی سے کھسک لیا۔

ارے اب انہیں اٹھاؤ بھی طارق۔ اب کیا ان میں ستارے بھی ناکھو گے انہوں نے

تھوک چھڑے تو آزی پلنگوں کی طرف چیز اری سے دیکھ کر کہا۔ تھک گی تھیں وہ صبح سے ان کے

ساتھ لگے لگے۔

عثمان چائے کا کپ لے کر اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ حبیب بھی باہر نکل گیا تھا۔

اس گھر کی رنگ برنگی رونق یہ پانچ لڑکے تھے جو سارے گھر میں دندناتے پھرتے تھے۔ سب

سے بڑے عثمان تھے ان سے چھوٹے ارسلان جو ابھی آفس سے نہیں لوٹے تھے۔ تیسرے نمبر

پر طارق تھے پھر فاروق اور سب سے چھوٹا حبیب۔

یہ اونچے پورے لمبے چوڑے لڑکوں میں اماں کا نازک و جوان کمر گم ہو جایا کرتا تھا۔ عثمان

میکینکل انجینئر تھے ارسلان الیکٹرک انجینئر تھے تازہ تازہ ملازمت ملی تھی۔ باقی تینوں بڑے
رہے تھے۔ طارق کا حراج نکارنا تھا اس نے اگر انجینئرنگ کا انتخاب کر لیا تھا تو آرکٹیکچر کا
شعبہ پسند کیا تھا۔ فاروق ایف ایس سی کر رہا تھا اور حبیب میٹرک میں تھا اس کے پاس بھی
سائنس تھی۔ عموماً ان کے حقیقی چچا جولاہن بھتیجیوں کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں سہاتے تھے
کہا کرتے تھے۔

بھائی صاحب۔ رسائی میکانکالوجی تو آپ کے گھر میں آ جائے گی۔ میرا خیال ہے آپ

دشمنوں کی نظر میں کھوٹے پلانٹ کی بجائے آپ کے گھر پر لگ جائیں گی۔

لیکن یہ بات اپنی جگہ اہم تھی کیا ایمان یعنی فائز احمد فاروقی کو یہ منزل بہت کڑی اٹھا

کر ملی تھی ان کی زندگی مسلسل جدوجہد سے عبارت تھی۔ جب لڑکوں نے جوبلی کے پہلے ڈیڑے

پر قدم رکھا اس وقت فائز احمد فاروقی بمشکل سفید پوش لوگوں میں گنے جاتے تھے۔ تمام تر

صعوبتوں کے باوجود انہوں نے اولاد کی تعلیم و تربیت سے ذرا ہر پر غفلت نہیں بری تھی۔ تمام

ترکاز ایف کے باوجود اپنی اولاد کی دینی و دنیوی تعلیم کا کما حقہ بندوبست کیا تھا۔ اور آج یہ دن

دیکھنا نصیب ہوا تھا کہ دو بیٹے کلاس ون انجینئر تھے۔ اور گھر میں خوشحالی کا سورج طلوع ہوا تھا

اور یوں رشتے داروں کو بھی ان کی یاد آئے گی تھی۔ یعنی سوئے ہوؤں نے جاگنا شروع کیا تھا۔

فائز احمد اور ان کی صاحبزادی تھیں بیوی نے زمانے کی پرت پرت دیکھ لی تھی زمانے سے

مرد و گرم نے معلم بنادیا تھا جو صحیح معنوں میں معلم ہوتا ہے اس کے ظرف کی پیدائش نہیں کی

جاسکتی۔ لہذا دونوں عالی ظرفوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو بھی اپنا قریبی عزیز تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا جن سے ان کے آباؤ اجداد کی رسمی ملکہ ملکہ ہوتی ہوگی۔

تمام لڑکے بھی عجیب گن سی طبیعتوں کے مالک تھے بالفاظ و گھران کے والدین نے ان کی زندگی کے مقاصد کا تعین کر کے انہیں وقت میں مدغم کر دیا تھا۔

لیکن اپنی ماموں زاد بیلوں کی آمد کا سن کر وہ سب چونکے تھے کیونکہ ان کے گھر ان کے قصبے اماں جان الف ایامی داستانوں کی طرح بنایا کرتی تھیں۔

اماں جان یقیناً نہیں آتا کہ یہ ہمارے شکے ماموں ہیں اگر ہماری کوئی سگی بہن ہوتی اور شادی شدہ ہوتی۔ رات کو پھر وہ اکٹھے بیٹھے تو موضوع چھڑ گیا۔

تو روز دھرتا مار کر بیٹھا کرتے اس کے گھر۔ طارق نے حسیب کی بات کاٹ کر جملہ موزوں کردیا تو اماں حجاب بھی مسکراہٹ نہ روک سکیں۔

حسیب بھٹا کر رہ گیا۔

فاروق تے پلنگ پر پیڑے زور و شور سے کروٹ بدلی۔ یا اللہ کب آئیں گی وہ شہزادیاں المعروف ماموں زادیاں

زبان سنبھال کر رکھا کر لڑکے ان کے سامنے یہ اوگی ہوگی کی ضرورت نہیں۔

کیوں کیا ستر کلمہ کرادیں گی

خوبی کر دیں گی۔ شہ کا مصاحب کیا شہ سے تم ہوتا ہے۔ طارق نے فہم کر کہا۔

وہ کچھ تو ہمارے گھر میں کوئی عورت نہیں تھی۔

اماں جان مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں تو آپ کو عورت سمجھتا رہا تھا۔ حسیب نے اداکاری کی۔ اس نے اماں کی بات

کاٹ دی تھی۔

یہ لڑکا تجھ سے پتہ کر رہا ہے گا۔ اماں جان حسیب پر برہم ہو گئیں۔

میں یہ کہہ رہی تھی کہ تمہاری کوئی بہن نہیں تھی۔

فکر نہ کریں اماں جان ہم انہیں اپنی بہنیں ہی سمجھیں گے۔ طارق پھر سچ میں بول پڑا۔

پھر اماں جان کو خوفی نظروں سے گھونٹا دیکھ کر گھٹکھٹایا کر بولا۔ جی اماں جان کیا کہہ رہی تھیں

سرکہ رہی تھی تمہارا۔ یہی کہہ رہی تھی تم پانچ مردوے اس گھر میں دھناتے پھرتے رہے

ہو۔ لڑکیوں سے بات کرنا نہیں آتی تمہیں۔ خبردار انہی کوئی شکایت ہوئی۔

ہوتی ہے تو ہو جائے ہم انسان ہیں روایت نہیں۔ اماں جان۔ چائے کب گلے گی

اس نے ماں کو چائے کے لیے بہت خوب بتایا۔ جو اس وقت قریب لکھی چائے بنا رہی

تھیں۔

پھینک کر آگئی ہوں میں راستے میں۔ کوئی سکہ کوئی برتن تھا ناں۔ ادرے کیا ذرا سا لڑکا اور

کیا آنکھیں دکھاتا ہے۔ آنکھیں نہ پھوڑو وں تیری۔

بالوں میں رو لڑ گئے منہ پر جھریاں دودھ قسم کی کریم لگائے بے ہودہ سی تانہی پیسے مسز شیخ

نہ بانی انداز میں چیخ رہی تھیں انداز انتہائی گھٹیا اور جہالت سے متصف تھا۔

وہ کہہ کر دروازے سے جا لگا تھا۔

مم۔۔۔ ممی۔۔۔ میرا مطلب ہے۔ وہ کیسے کھو گیا

ارے۔۔۔ میں نے اسے کہا کھو جا۔۔۔ وہ کھو گیا۔ کیا جب زہاں لڑکا ہے۔ کس طرح سوال جواب کر رہا ہے۔

جیسے عصم ہو میرا۔ میرا پریشانی سے برا حال ہے۔ مرد پردیس میں ہے۔ اسے بھی سنبھالنا ہے۔ اس پر اس قدر اسے پودنے حال نہ کر رکھا ہے۔ نامراد شکر یہ اوار کرنے سے گیا کہ گھر اور روٹی دے رکھی ہے اوپر سے آنکھیں دکھا رہا ہے۔

ممی۔ وہ بہت چھوٹا ہے۔ اسے تو گھر کا ایڈریس بھی پتا نہیں۔

اسے نہیں پتا۔ تجھے تو پتا ہے۔ جا دھوٹا لا۔

ہاں میں اسے دھو کر لاؤں گا۔ آپ نے اسے کھویا ہے۔ آپ نے وہ روتا ہوا باہر نکلے

لگا۔

منز شیع نے آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ اور مار مار کر دھمکا کر دیا۔

روتے روتے اس کی آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے۔ وہ بیڑیاں چانور کی طرح دم

بخود اس ظالم عورت کو دیکھ رہا تھا جس کی عورت ہونے پر اسے شک سا تھا جو پڑ پڑ کرتی اس

کے سامنے سے گزر کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

تھا۔

بشر میں تمہیں دھونڈ کر رہوں گا۔ دیکھنا می سے ایک دن بدلہ لوں گا۔ تم کہاں ہو بشر تمہیں بھوک لگ رہی ہو کی ناں۔ تم چھوٹے ہوناں۔

اس نے دھما دھ کر جاتی ہوئی ٹرین کو دیکھا تھا۔

چمک چمک آخری ڈبہ بھی اس کے سامنے سے گزر گیا تھا۔

خوف بلا کا ہو تو آواز بھی گھٹ کر رہ جاتی ہے۔

آنسو بھی اس وقت اٹل اٹل کر آتے ہیں جب سامنے کوئی بھر دھمکی ہو۔

چیخ بھی اسی وقت ماری جاتی ہے جب یقین ہو کہ اس پاس کوئی سننے والا بھی ہو سکتا

ہے۔ کس قدر گھناؤں پ اندھیرا۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ بٹھا لیتا ہے۔

کہاں کا پرس۔ اور کیا پرس۔

ممی نے زنجیر کھینچی ہوئی ٹرین کے ڈرائیور نے گاڑی روکی نہیں۔

ممی نے آواز بھی دی ہوگی۔ شاید میں نے ہی نہیں۔

اف کسی ظالم کو خصوصیت کا ادراک اگر ہو جائے۔ تو سر میں خاک ڈال کر جگہوں میں نکل

جائے۔

ممی۔ ممی۔ ہر عورت پیدا کنی ماں ہوتی ہے۔

لیکن کیا صرف اپنے پیٹ سے پیدا کیے ہوئے نفوس کی وہ آخر قابو نہ پاسکتا خود پر۔

مٹی مٹی بچکیاں۔ جنگل بن رہا تھا۔

آسمان نس رہا تھا۔

بہت سارے ستاروں کو اس کی سسکیاں سنائی نہیں دی تھیں کی اس لیے کہ ان پر بادلوں کے آئینل چھپے ہوئے تھے۔

پانچا ندہ جنگلے میں آتھریا پاٹھن دن باقی تھے۔

وہ تو اس قدر معصوم تھا کہ حد سے ش کی بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ابھی تو وہ یقین و اہم اس گہی دوراک کے فلسفے سے کوسوں دور تھا۔

جیسا اس کی معصوم روح کے اندر یقین کے فیصلے ہی دھورے تھے تو وہ کس خدا کو پکارتا یہ

تو عمر تھی جس میں آنکھوں دیکھی کا ہی یقین آتا تھا۔

اب اس نے صرف ات کے نام سے جنہیں اس کی آنکھوں نے دیکھ کھا تھا۔

مٹی۔

بعض اوقات کتنا دکھ دیتی ہیں وہ چیزیں جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں

عمر بھائی۔

خون کے اندر غول رہنے عمو مائی سے کتنی دور ہوتا ہے

عاید آئی۔

جو خون میں دوڑ رہے ہیں۔ وہ کس قدر قاصر ہیں۔ بچاری عاید آئی

یہ آہ۔ نور دیکھ سکتی ہے لیکن جانے ویلا۔ باپ

آنسو۔ تو تر سے بہہ رہے تھے۔

دل خوف سے اس طرح دھڑک رہا تھا کہ گویا سینے کی دیواریں توڑ کر ہر آ جانے لگا۔ ارد

گرد جہاں یہاں سرسرا تھیں تو رنگوں میں دوڑتا لیو ٹھٹھک کر رکنے لگتا۔

عموم جن کو پکارتے ہیں۔ وہ نہیں آتے۔

ورجن کی طرف دھیان نہیں ہوتا۔ سچا وہ بن جاتے ہیں۔

اسے خدا کو مدد کے لیے پکارتا نہیں آتا تھا۔ تو کیا کبھی خدا۔ بغیر پکارے نہیں سنتا۔ صبح

کاؤب کا منظر تھا نا باتیں بچے کا لعل وہ بغیر چلکیں جھپکے بھی تک یا وادہ دور ہا تھا اس کا دل

اسے سمجھ رہا تھا۔ ابھی کوئی اور گاڑی ٹھہرے گی پھر وہ اس میں چڑھ جائے گا۔

گاڑی تو نہیں بہت، دل کا زہاں اس راستے سے کافی گزری تھیں۔

محاسن کافی فاصلے پر روشنی نظر آئی۔

پتا نہیں کیسی روشنی تھی۔ خوب جھوٹے لے رہی تھی۔

خوف کی سرد لہر اس کی ریزہ کی ہڈی میں اتر گئی۔

جھوٹی روشنی اس کے کافی نزدیک آئی۔ اس کا سانس رک گیا۔

سفید ریش آدمی جس کے ہاتھ میں ، ٹیس اور دھیرے میں ہونا تھا۔

لیویلا ڈھار سفید کرتا اور چار غلے کا تہ بند پہنے ہوئے۔ وہ اکھم کر۔ مارے گھر بیٹ کے کھڑا ہو گیا۔

رائین اس کے چہرے کے سامنے ٹھوکنے لگی۔ سہرا رنگ کس قدر نمایاں ہو گیا تھا۔ عشق کی کردہ مستوب میں اس قدر واقعات ہوئے ہیں کہ تھیر ختم ہو جاتا ہے۔

خوف کی اہمیت اس کے ساتھ خوف ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے دوستوں کو نہ خوف ہوتا ہے نہ غم

ہر چند کہ مجھے نہ حیرت ہے نہ اچھا ہوا۔

پھر بھی اے خوش رو اور معصوم ذی نفس تو کون ہے آواز انسان کی تھی۔ سبیا کی جاذبہ تھی۔

سوائے اپنے رب کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ اس لیے کہ لطیف انتھان صرف اسی کے اختیار میں ہے۔ تیرا نام گور کچھ ہے تو مجھے معلوم کہ تیری معصومیت میری عبادت میں غل ہے۔ میں چاہتا ہوں تیرے مجید گھلے۔

کیا ہی رنگت گلو تھا۔ کیا نری تھی۔ کیا جاو تھا۔

میرا نام بشر ہے۔ کا پختی آواز نے جنگل کو سعادت بخشی۔

یہ تو میرا نام بھی ہے۔ تیرے باپ کا نام بھی ہے۔ میرے باپ کا نام بھی ہے۔ تجھے تیری

ہاں کیا کہتی ہے

بھڑا ڈانڈ پوٹ بھی اکھم طاری تھا۔

اچھا۔ کس قدر ذی عقل تھا وہ۔ جس نے تیرا نام بشر رکھا۔ آ میرے ساتھ آ۔ عجیب سی مقناطیہیت تھی اس بزرگ کے وجود میں۔

وہ قرآنِ معلوم میں ان کے پیچھے بولیا تھا۔

چند قدم کے فاصلے پر پھوٹی سی کنیا تھی۔

تجھے بھوک لگی ہے تو تار۔ تیرے نصیب کا رزق ضرور نکل آئے گا۔ اے خوش بخت۔

نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔ مجھے مٹی کے پاس جانا ہے۔

تجھے اس اندھیری رات اور دیرنے میں کس نے چھوڑا ہے نیک بخت! انہوں نے بچے کے سر پر شفقت سے ہاتھ بھیرا۔

مٹی کا پرس گر گیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ بھاکر ، وہ میں ٹرین سے تر تو ٹرین چلی گئی۔ اس نے نگلیوں کے دوران بات تمام کی۔

وہ تیری ماں نہیں ہو سکتی۔ اس اندھیرے میں تو ہی بھی اپنے بچے کو تنہا نہیں اتار سکتی جبکہ یہ نشیمن بھی نہیں ہے۔

وہ میری مٹی ہیں۔ وہ رو پڑا

تھوکرے تو واقعی مآ حب نصیب ہو کہ تیری ماں بھی ہو اور باپ بھی۔ میرے بچے میرے

دل کچھ اور کچھ رہا ہے اور تو کچھ اور کچھ رہا ہے۔

صبح ل کر تیری ماں کا ہوا وضو میں گھر۔ ہنول گیا تو تو بچا۔ ہنول نہ ملا تو میرا دل
سٹ۔ تجھے گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈرنے والوں کو سہ سے بھول جایا کرتے
ہیں۔ چھانپھر۔ وہ اٹھ کر ایک مٹی کی ہنڈیا کے پاس گئے ورا یک لڈو نکال کر دئے۔
شام کو گاؤں سے واپس آ رہا تھا تو پٹواری کے لڑکے نے لڈو دیے تھے وہ دس برعت
پاس ہو گیا ہے۔ لے لڈو کھا۔

تبی حلاوت، غنڈک۔ جانیست اور چاہت تھی۔ وہ لمس تھا جس سے وہ ازل سے محروم
تھا۔ اس نے لڈو لے لیا۔ سے بہت مزے کا لگا۔ وہ کھا گیا۔

آج تیری نیند توچی نہ قرار پھر رہی ہوگی۔ کتنا خوب روکتا معصوم ہے تو، تجھے تو ہو، بھی چھو
کر گزرتی

ہوگی تو، پتی قسمت پر تازہ کرتی ہوگی۔ تو اس پوری پر سو جا۔ تیری نیند کو قہراً آ جائے گا۔
بچوں کی نیندان کی دوست ہوتی ہے۔

آپ کے گھر میں پانی ہے اس نے از حد تکلف سے پوچھا۔
شفیق و زور چہرے پر مسکراہٹ کی روشنی پھیل گئی۔ وہ اٹھے ورا یک کوزے میں پانی
لے آئے۔

وہ غن غن پانی گیا۔ آپ اس کے پیچھے نیند سے جو گھس تھے انہوں نے اسے پوری پر لٹا

دید، اور چھپکنے لگے۔ اس کے نرم سنہری ریشم جیسے بال پیشانی سے میٹھنے لگے۔ ہاتھوں سے
صدافت سے نہ محبت معصوم وجود میں سرایت کر گئی۔ اسے پوری کے بستر پر وہ سکون میسر آیا
اگر لوگوں کو اس سکون کا دور کھو جائے تو کھڑے کھڑے بدوست لٹا دیں۔

ایسا محسوس ہو، خوبصورت پر یاں حریر در شمع میں جہوں صبح زل کا منظر دکھانے آئی ہوں۔
اسے پوری اس سارے جوں۔ خوف کیا ہوتا ہے ڈر کسے کہتے ہیں جیسے اس کا وجود تمام مشقی
احساسات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔

میرا وجدان کہتا ہے۔

تو اپنے باپ کی دوست سکی۔ لیکن اس عورت کا یاسیدہ ہنولہ خان ہوا ہے۔ جسے ٹوٹی کبر رہا
ہے۔ انہوں نے تھک کر اس کی پیشانی چوم کر خوشی کی سریشہ کی تھی۔

رہے بھید تھی دیر ہوگی۔ بھی تک لست نہیں تھی۔ دیر ہوگی تو میں نہیں جاؤں گا یا زار۔

حسیب برآمدے میں بیٹھ پختا پھر رہا تھا۔ میں اسکول ضرور جاؤں گا۔ "ج میر پر یکینکل ہے۔
ی ہے کوئی بادشاہ" نے کیا اس کی زاریاں

دے کیا صبح صبح دل ول یک رہا ہے۔ دے رہی ہوں چھری تلے دم تو لے۔

اے ہا۔ لب پٹھریوں تلے بھی رکھا جائے گا۔ ہم تو رعب تلے پیپے ہی دب رہے

ہیں۔ دارے گھر کا نوکریا ہو، ہوں۔ دودھ ولا نہ آئے تو دودھ میں لڈو۔ باز رہے سودا

سلف۔ دس۔ دھولی سے کپڑے لڑاؤں۔

مجھے حساس ہے میرے بچے۔ مگر تیرے بھائی کس قدر مصروف رہتے ہیں۔ ذرا سوچ تو
 سکے۔ پھر حیرت خیال بھی تو کتنا کرتے ہیں۔ جو کپڑا کہتا ہے لے کر دیتے ہیں۔ موٹر سائیکل۔
 سائیکل ہر چیز تیرے پاس ہے۔ تیری پسند کے ریکارڈ پلیئر، ڈیک، کیا کرتے نہیں ہیں تیرا
 خیال

تو کام بھی تو کروں کی طرح لیتے ہیں۔

ابھی سے دل بدگن کرے گا تو آگے کیسے گزرے گی اماں کو اس کے الفاظ سے دکھ ہوا۔
 مسئلہ کیا ہے ارمغان اندر آ گئے تھے۔ مگر انہوں نے بہت کچھ سن لیا تھا۔

میں آنکھ بجے آفس جاؤں گا اماں جان۔ مجھے دھیمی لٹ میں گوشت بھری لے آتا
 ہوں۔ صیب نے چونک کر بھائی کی شکل دیکھی۔

میں جا رہا ہوں بھائی صاحب وہ فیل سا ہو گیا تھا۔

ارے۔ تم کیا سمجھ رہے ہو میں۔ مان کر جا رہا ہوں۔ بیوقوف نہ کے۔ یہ واقعی تمہارے
 ساتھ زیادتی ہے۔ کہ تم پر تمام گھر کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ کسی ملازم کا تنہا تم کرتا
 ہوں آپ کو صبح شام سو، سٹف، دیا کریگا۔ اس کے پاس پیسے ہی بہت کام ہے۔ امتحان
 نزدیک ہیں۔

نہیں۔ نہیں۔ بھائی صاحب۔ میں لے آؤں گا۔ صیب پتہ نہ چل تھا۔

میں تو اس سے کہہ رہا تھا چھوٹے بھائی، آج چھٹی پر ہیں۔ ماں جان جو بھی فارغ ہو

اس سے کام لیا کریں۔ اس طرح کبھی کسی کو زیادتی یا جھٹکی کا احساس نہیں ہوگا۔
 یہ دراصل اس کیلئے ہے نا۔ میرا اور امی پر چلتا ہے۔ بات صاف کی۔

کیوں نہیں چلتا زور کسی کی مجال ہے جو آپ کے کہنے سے انکار کرے۔ کمال ہے ماں
 جان۔ ایسے کبھی نہ سوچے گا۔ خود آپ کے بیٹے وزیر مشیر بھی ہو جائیں سب پر آپ کو ایک جیسا
 اختیار ہے۔ اور صیب تو اس قدر اوپر ڈھٹا اور چھا ہے کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس کے
 ساتھ زیادتی ہو۔

انہوں نے ماں کے ہاتھ سے لٹ لے لی۔ آخر یہ اہتمام کس سلسلے میں، انہوں نے
 لٹ پر نظر دوڑ لی۔

تمہاری ماموں زونینیں کر چکی ہیں کہنے آ رہی ہیں۔ اتنے دم سے تو انوکھ ہو رہا ہے کون
 سی دنیا میں رہتے ہو

چھا چھا انہوں نے ماں کی بات کو نہایت سرسری لیا۔

جاؤ کیا۔ تم تیاری کرو۔ اماں جان آپ ناشتا تیار کر لیں میں ابھی ہے، تاہوں۔ وہ صوف
 سائیکل کی طرف بڑھ گئے۔

گاڑی لے جاؤ۔ اماں نے کہا۔

نہیں بس ٹھیک ہے۔ مگر مجھے دیر ہوگی تو عثمان بھائی کو پریشانی ہوگی۔

کس قدر ٹھیک ہے میرا بچہ۔ خدا اس کا صیب، چھا کرے قدم قدم پر سے سکھ لے۔

وہ بھی۔ ایک دن میں اتفاقاً کہیں ماہر جان ہم آپ کی دعا لیتے کے کیا طریقے پڑائی کریں

میرے دل سے تو تم سب کے لیے ہر وقت دعائیں نکلتی ہیں۔ ہر کی دعا تو دعا ہوتی ہے۔ صد نہیں۔ پاگل لڑکے وہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

حسب یہ سوچ کر پھر شرمندہ ہو گیا کہ رمضان نے اس کی بکواس سن لی تھی۔

کتنے دھچھے ہیں بھائی صاحب۔ جو ب نہیں ان کا۔ ویسے بڑے بھائی جان بھی، مجھے ہیں۔

مجھے تو خیر سب ہی ہیں۔ میں دراصل ناشکر ہوں۔ سب ہی تو تپا پیر کرتے ہیں مجھ سے۔ کہیں میری باتوں سے بھائی صاحب کو دکھ نہ پہنچا ہو۔ اسے واقعی دیندہ مت تھی اپنی بدگمانی پر۔

باجان کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں۔ طارق نے جلدی جلدی قمیض کے بٹن لگاتے ہوئے کہا۔

ڈرائیگ ہا ہے طارق لے شرارت سے کہا۔

میں سے وہ بن کر لڑا۔

دو ذرے کی کیا بات ہے۔ ہنسنے لگیں ہیں تمہاری۔

کی بھائی صاحب نہیں چل رہے ہیں نے رمضان کی استیلا چارہ کیا۔

کیا بات لے کر عار ہے ہیں حسب کو گھوڑا پیسو چے بگھنے بونے کی عادت تھی۔

اور کیا ہانک رہا ہے۔ ہاں بھی ٹیٹا گئیں۔ بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔

بعض اوقات ڈور کی کوڑی لے کر آتا ہے۔ رمضان مسکرتے ہوئے نزدیک چلے آئے۔

اے لو کہ تم بھی ان میں شامل ہو گئے۔

بس تم دون چلے جاؤ۔ حسب بھی نہیں جانے گا مجھے اس پر پھر وہ نہیں زبان پر تو اسے ذرا قابو نہیں۔ انہوں نے فاروق، طارق کو دوزخ قرار دیا۔

کیا بتایا تھا، مومن جان نے سفید کپڑے اور خیرے پر ہی۔ خدا کی قسم شرم آ رہی ہے۔ یہ ہمارے لگی ہاموں زد ہیں خلیے سے پہچانا پڑ رہا ہے۔ ویسے ہاں جان ڈرا جائیے گا ضرور۔ بلکہ میں پوچھوں گا۔ یا اگر اندویش ہے یا دھندلی۔ تھوڑا سا بھی سنسن رکھتی ہوں تو شرم سے پانی پانی پوچھاں گی۔

ہسٹن کیا پڑی ہے کہ بچوں سے شکایت کریں۔ ہم تو ان کے باپ سے شکایت کرنا پسند نہیں کرتے۔

ماہر جان آپ تو ایک مرتبہ ماہر گئیں تھیں بلکہ دوسرے۔

جب انہوں نے جان کی نیگم نے آپ کو ملے کے کمرے میں ٹھہرا دیا تھا۔ فاروق عین متحر

ہے کہتے

گئی تھی مگر دونوں بڑی لڑکیاں گھر پر نہیں تھیں۔ مری کاٹھ۔ بنے کیا۔ وہ جھڑکیں۔

مری کو لوٹ طارق نے مشکل آسان کی۔

ہاں۔ چیمپنڈ نے گئی ہوئی تھیں۔

کر صورت شکل جہان میں ہوتی تو میں ہی جاتی نہیں۔

اگر جان کیا انہوں نے اپنا تو کچھ لیا ہے۔ آخر مری کے پاس ۱۶ ماہ لگے تو ہو گا؟

مگر جب بھائی جان نے تمہارے بھائی کو ٹیلی فون پر باقاعدہ حلیہ بتا کر کہا ہے کہ میر

پورٹ سے لے آئیں۔ تو برا سا لگتا ہے۔

سفید کپڑے نہیں۔ سرخ کپڑے سفید پرس ہوں گے۔ وہ بچے قد ہیں۔

ناک بھی اونچی ہوتی تو کیا کہنے۔ کس ڈھنٹائی سے آ رہی ہیں۔

اوپر۔ ہوں۔ ایسے نہیں کہتے۔ اور سخا نے حسیب کو ٹوکا۔

خدا خدا کر کے دونوں گھر سے نکلے۔ اس جان نے شکر کا کلہ پڑھا۔ میرا کے لیے وہ

علائقہ کے لیے چائے پلانے چلی گئیں کافی دیر سے آ رہا تھا۔

وہ رہے سرخ کپڑے اور سفید پرس۔ طارق حواس باختہ نظر آ رہا تھا۔

دوسری کا قد تو کافی چھوٹا ہے۔

کیا دونوں ٹیکسری سے ڈھل کر نکلی ہیں جو ذرا بھی لڑی نہ ہو گا۔ طارق۔ سخت برا ماں

کو طارق کو جواب دیا تھا۔

مگر یہ تو فائرنگ رہی ہیں۔ مے یہ اخیر ہوئیں بھی غیر ملکی جوانی کبھی کی لگ رہی

ہیں۔

اور۔۔۔ یہ لوگ تو جا رہے ہیں۔ تو نہیں رہے۔

راہول دا قوت۔ بے وقوف۔ وی۔ مجھے، تھا کر ٹریٹل نمبر ۲ پر لے۔ یہ طارق نے کھسکا کر

فاروق کی کھپائی کی۔

تھا کر کپ۔ چاہوں۔ بلکہ آپ میرے شانہ بٹانہ چل کرتے ہیں۔ فاروق کو ٹیلی آ رہی

تھی مگر وہ قابو پا رہا تھا مبادا طارق کو بچ بچ غصہ جائے۔

دونوں کافی دیر سے کھڑے ہوئے تھے اس کی فحاش بہت زیادہ تھی۔ دونوں نے

دو، بروں کی سمت بھی توجہ نہیں کی تھی ورنہ کسی طرف سے تو پتا چل جاتا۔ کہ وہ کون سے ٹریٹل پر

تھریٹل فرما ہیں۔

غیر ملکی پروازیں تو غالباً ٹریٹل نمبر ۲ پر آ کر تھیں۔ طارق پر ابھی تک کوفت سوار تھی۔

چھوڑیں جو ہو سو ہو۔ اس سلسلے میں ہم نا تجربہ کار تھے۔ یہ ابھی ہو جاتا ہے۔ دونوں

اب انکو انری کی طرف پھرتے تھے۔

یہ سرخ لباس ہے مگر پر عذ ہے۔ فاروق نے وضاحت کی اب وہ ڈومیسٹک فلائٹ کے

ٹریٹل پر آ چکے تھے ورنہ سیٹ ہو گئے تھے کہ ٹریٹل پر بھیڑ بھی چھٹ چکی تھی۔

بھئی اب اس پورے ٹریٹل اور اس کے احاطے میں صرف یہی سرخ لباس اور سفید پتلی نظر آ رہا ہے۔

اب انہوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ان کا سرخ لباس پر عذ ہو گیا۔ وہ اس سرخ لباس میں بیوس لڑکی کی طرف بڑھا تھا جبکہ فاروق دیکھیں! اس کی ساتھی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک سکیڑی۔

جی لڑکی نے بڑی نغوت سے کہا: اس نے بہت فیشن کر رکھا تھا۔ سر سے پاؤں تک لیکن ایک ایک چیز سے سمجھو، ثابت کرنے پر قلی ہوئی تھی۔

نو دو لٹیوں کا ٹکس اس کے چہرے پر صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔ نسان کا چہرہ بودو باش وہ چیزیں ہیں جو خاندانی پس منظر کا ظہار بہت واضح کرتی ہیں۔

اور جب سے مشرق وسطیٰ جا کر کمانے کی آزادی ملی ہے ایک نیا طبقہ اس سرزمین پر پیدا ہو گیا ہے۔

خاندانی اور مذہب لوگ جھو بیڑوں میں رہ کر بھی اپنی آن بان الگ ہی محسوس کراتے ہیں۔ یہ کہ اعلیٰ ظرفی اور شہر آدمیت پیدا کرنے کی ذمہ دار دوست نہیں ہے۔ گزرنے والے لوگوں کا علم، تہذیب رکھ رکھاؤ، ڈنسل ڈنسل، ہوتا رہتا ہے بغیر کسی مادی سہارے کے۔ اور اس کا ٹکس برنس کے چہرے پر دھکتا ہے۔

اس لڑکی کی بھونڈی او سے سخت کرہیت محسوس ہوئی تھی۔ مگر وہ مجبور تھا۔

اب اس پورے آئی ہیں؟
جی ہاں۔

اب کوئی کا تعلق تو نہیں اور آپ کے ساتھ کی۔
شرم نہیں آتی لڑکیوں کو جھینرتے ہوئے۔ شکل سے تو بہت۔
اپنی حقارت۔

مختصر کے کچھ کلتے چاکر شوریا تاروں۔

طارق کی شریالوں میں خون اٹنے لگا تھا اس کا جی چاہا اس سرخ رنگ کی چوبیا کو ٹھاکر
برٹل کی چھت پر پھینک دے۔

حول واقعات وہ ہی تھا فاروق کی سمت ہوا وہ بھی اسی طرف رہا تھا وہ طارق کا سرخ
چہرہ دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔ اور پھر جب اس نے یہ کہہ کر گاڑی کی سمت قدم بڑھائے۔

میں گھر جا رہا ہوں، آنا ہوتا، جاؤ ڈھونڈنا چاہتے ہو تو ڈھونڈ لو وہ کوئی بچہ نہیں ہیں۔ حواس
باخت فاروق اس کے پیچھے دوڑا تھا لیکن بھائی کے چہرے نے اسے چند منٹ
ہونے سے پار نکال دیا۔

سارے گھر میں اماں جان کو ہم ہی ہے وقوف نظر آتے ہیں۔ یعنی حد ہو گئی۔ چاکل سمجھ
رکھ بیویب زادیوں نے، کپڑوں کے رنگ بتا کر خلاصوں کو بیڑ پورٹ بلا رہی ہیں۔ اس قدر
فارغ سمجھ رکھا ہے۔ وہ بہت مند ہیں تو اپنے لیے ہیں، اپنے وارث ٹوئی نیٹ (نامزد) نہیں

کر رہی گی۔

دو تین دن تو فاروق مجھے ان کے سامنے نہ بلانا کروہ آجائیں اور نہ میں ان کے دروازے
پر دست کروں گا۔

چھوٹے بھائی کیا سڑکی نے۔ فاروق نے پوچھا۔

اب تم اپنی چونچ بند رکھو۔ ورنہ دے ماروں گا کہیں گاڑی۔ وہ غضب ناک ہو۔ فاروق
نے خاموش ہونے میں ہی حلیت بھی۔

خوش مزاج سے طارق کے بارے میں اسے یہ بہت اچھی طرح پتا تھا کہ وہ ہر بات اچھی
طرح، نہتا ہے سوائے اس بات کے جو اس کی مردانہ غیرت پر تازیانہ بن کر لگے۔ وہ بہت کچھ
سمجھ گیا تھا۔ یہ دہشت اور ملکی گلابی شرٹ میں غضب ناک سا طارق بڑی رشور سے تنگ کر رہا
تھا۔

بہد فاروق پر دم تھا کہ وہ قرنی آستیں ہی درد کر لے۔ وہی منٹ سے زیادہ اس سے
خاموش نہ ہو گیا۔

شاید وہ خود ہی گھر پہنچ گئی ہوں۔ وہ آخرویل ہی تھا۔

جی۔ میری طرف سے جہنم میں پہنچ جائیں۔

میں ان بے چاروں کے حق میں دعا کر رہا ہوں جن کا آپ سے سامنا ہونا پڑا ہے۔
اس نے طارق کا موڈ ٹھیک کر کے کی بوشش کی۔

مگر جلال اب بھی خون ان کے چہرے سے چھلک رہا تھا۔
وہ بے بس ہو کر پھر خاموش ہو گیا تھا۔

ایک سے بڑھ چھڑنا کسی قدر آسان تھا جتنی کہ معمولی سی داکاری کرنے کی بھی ضرورت
چشم نہیں آتی تھی۔ صرف سرسری سا کہہ دینا ہی کافی تھا کہ پس کر گیا ہے۔

ایک یہ عمل نہ لگتی ہے۔ داد میں زمینیں ہیں۔ رز کا نہ میں ہار رہا ہے۔ مصفاقات میں دو
تین گھریں جو کرائے پر ہیں۔ اور پھر خود ویت علی شاہ سعودی عرب محکمہ ٹیکس گراف کا ایک
معزز عہدے دار ہے جو چار ہندسوں والا ڈرائیوٹ، اس کے نام ہر وہ باقاعدگی سے بھیجتا نہیں
بھولتا۔ اور جائیداد سے جو مدد ملی ہوتی ہے اس کی باشرکت غیر سے وہ خود مالک ہے۔
لیکن کب تک؟ اس نے یہ سوچا تھا۔

وہ فلاہیت علی شاہ کی دوسری بیوی ہے۔ ہزاروں پسند اور مت چڑھتی ہے۔ لیکن ایک دن
جب اس کے یہ دونوں بیٹے اونچے لمبے چوڑے جوان بن کر بوڑھے وایت علی شاہ سے
جائیداد میں اپنا حصہ مانگیں گے تو۔

شاید مصفاقات والے دو مکان اس کی بیٹی کے حصے میں آئیں گے۔

پھر انہیں شعور آتے ہی یہ بھی احساس ہوگا کہ جائیداد سے آنے والی بے تک کی مددنی
کہاں جس ہے مگر خرچ کر دی گئی ہے تو کس مدد میں؟ گریٹک میں ہے تو کتنی ہے؟
پھر مددنی کا تحفہ لگا کر جائیداد میں حصہ بنایا جائے گا۔ اس کے پاس کیا رہ جائے گا؟

اس کی بچی کو کیا ملے گا؟ بیٹوں سے نصف۔ دوسرے حق میرے اور چند برادر پر۔

انگوں خرچ کرنے کے حاوی ہاتھ محدود قدر میں کس قدر پانچ ہو جائیں گے۔ اور جبکہ بد بختی کی، جتنا یہ بوجھ ہے کہ اب وہ تاحیات کسی اور بچے کو جنم نہیں دے سکتی۔ بچی کی پیدائش کے بعد کی سب سے ہولناک خبر یہ تھی کہ اب وہ آئندہ مزید کسی بچے کو جنم دینے کی بل نہیں ہے۔

مال کی دت رست کی پرہیزی، غیور نے آخر اسے فیصد کن قدم اٹھانے پر مجبور کر دی تھا۔ بعض اوقات عیش و نشاط مسلسل انسانوں کو سفاک اور خود غرض بنا دیتے ہیں اور اس کا رشتہ تو ویسے ہی بدنام تھا۔

قل۔ اب اتنی باہمت نہیں تھی۔ اس نے ایک دم نہیں آہستہ آہستہ وہ بچہ چھڑانے کا پروگرام بنایا تھا۔ دادو کی زمینوں پر جانے کے بعد نے بشر کو ساتھ لیا تھا۔ عمر کو ہوم ورک کی تلقین کے ساتھ گھر پر چھوڑ تھا۔ ایک کوچ روڈ میں چھوڑ دے گی۔

دوسرے کو گھر سے نکلنے کی ترکیب تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی دونوں بیاری وید و گامی کے دلوں میں اکٹھے رہیں اور پھر کوئی قوت بن کر مقابلہ جائیں گے۔

دونوں سے بچھا چھڑ کر وہ گھر تبدیل کر لے گی۔ دلوں بہت چھوٹے ہیں۔ انسان کے پاس جتنی عقل سمجھ ہوتی ہے اس کے مطابق اس کی زندگی کے پروگرام ہوتے ہیں۔

لگن کا جادو چلا کر اس نے وریٹ علی شاہ کو خاندان سے دبستی لگ تھلک کر دیا تھا اور

موجود یہ جانے کے مر جئے تھو وہ لوہا ہتا بیوی اور سارے کے حصہ میں تصور ہو چکے تھے۔

وہ عارضی طور سے سوچا یہ بھیجے گئے تھے اس سے مطمئن تھے اس پر سہ دونوں لڑکیوں کا بھی خیال تھا کچھ بھی سکی۔ کھائش پرست سکی۔ خرابا پ تھے بشر کو بھی حال ہی میں داخل کر دیا گیا تھا۔ فی حال تو زسری میں تھا۔ بہر حال نفسی دور تو شروع ہو گیا تھا۔

اس پر سے ان کی بیوی ان کی جیتی بیوی۔ معروف سوتیلی ماں۔ ان کے دلوں میں ان پر جان چھڑکتی تھیں۔ ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ شاہ صاحب نیگم کو شاپنگ کرانے جاتے تو نیگم عمر و بشر کی شاپنگ زیادہ کرتیں۔ اور اپنی کم۔ اس لیے کہ پتی شاپنگ تو تنہا بھی کی جاسکتی ہے مگر دکھاوے کا اگل تو شاہ صاحب کی غیر موجودگی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہ صاحب تو ایسی حسین اور نیک دل بیوی پا کر شکر کا کلمہ ادا کرتے نہیں تھکتے تھے۔

وہ بچوں کو بھی خود چاکر چلاتی تھیں۔ شاہ صاحب ناشتے کے وقت موجود ہوتے تو اپنے ہاتھ سے نوٹس

سے ٹوسٹ نکال کر اور مار علیطہ یا رجزیں لگا کر زبردستی کھاتیں تو پھر کون سا مرد ہے؟ جس کی بیوی حسین ہو۔ خوش لباس و خوش اندام ساتھ ہی خوش کام ہو پھر اگر قسمت سے سوتیلی بچوں کے مقامات میں ڈلی جائے تو اس قدر نیک و ن کامظاہرہ کرے۔ اور وہ اس پر قربان نہ ہو۔ ناممکن ہمد اس لحاظ سے تو شاہ صاحب تصور ہی تھے۔

ان کے خیال میں بچوں کی بہترین نگہداشت ہو رہی تھی۔ عورت کو ناقص اعتقل کہنے

والے نہیں مارکھ جاتے ہیں پہلا جرم تو خود بخود ہر پر لگا دیا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ گندم کا دند
کھانے کا مشورہ شیطان نے دیا تھا حوائے نہیں، پتا نہیں کس عورت پر دیتے یہ الزام حوا کے
سر منڈھ دیا۔

یہ طے ہے کہ اکثریت دلیل سے عادی بات سنتی بھی ہے اور مزے سے تنک مرغ لگا کر
اڑتی بھی ہے۔ یعنی پال سے ہر اور پر سے کوا ہو جاتا ہے بہت ہی قناعت پسندی ہے ورنہ
کوئے کو پہاڑی بکر بھی بنا سکتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہی ہو گا سوگ سمجھیں گے دیکھنے والے
کی نظر کمزور تھی وہ دھوپ اور پروں میں فرق نہ کر سکا۔

بیچاری عورت کا بیوقوف ہونا اس لیے طے ہے کہ اکثریت کہتی ہے اور خردوں کو یہ نہیں
معلوم بعض بیوقوف عورتیں بہت بڑی دنیا راہیں ہوتی ہیں۔ ظاہر یا ظن پر جان کنرول ہوتا ہے
کہ گمان سے بھی دور۔

اسی لیے شاہباز حب و صو کا کھا گئے۔ اور پھول جیسے بچہ کو، سسٹیم دنیا کو سو نپ گئے۔
کاش، نہیں سبھی ہوئی، آنکھوں کی بولی سمجھ میں آ جاتی۔

کاش۔ وہ بھی منہ پر چھپے پانچ نظیروں کے نشانات کا مجید پا جاتے۔ کاش بھی دست کو
ان کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے معصوم سسکیاں سن لیتے کاش وہ پرانی عورت پر
اس قدر غم و اندھا دھند ہوتا کرتے۔ نہیں نہیں معلوم تھا۔

جہاں سے انسان کے اختیار و اقتدار کو جب ملتی ہے وہاں سے خدا کی گرفت مضبوط ہوتا

شروع ہو جاتی ہے۔

اور پھر سب عین انسان کا پر تو بن جاتا ہے۔ مگر خدا بے کن و اختیار اور محدود اقتدار کا
مالک ہوتا تو روئے زمین پر انسانی وجود کو روز و رات سال پہلے ہی مٹ جاتا۔

کہ انسان سے دوسرے انسان کی نہ خوشی حلی برداشت ہوتی ہے نہ کامیابی۔
نہ زمین میں حصہ۔
نہ رزق میں سناٹا۔

اس کے باوجود بھی انسان بھٹکتے پھرتے ہیں۔ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ خوش حال بھی
ہوتے ہیں۔

یہ تمام مظاہر خدا کے وجود کی روشنی و بین دلیل ہیں۔ اور خدا ہمیں کہیں آس پاس کہتا
سنا لی دیتا ہے۔ کہ۔ وہ تیرا دوست ہے۔ باقی سب زبردست۔

جب گیند کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ جب کسی انسان کی شامت
آتی ہے تو وہ مفاد پرست، ورنہ غرض بن جاتا ہے۔ روشن آرا کی شامت ہی آتی تھی کہ وہ بھی
بھی عمر کی ہڈیوں کا چورا کر کے آتی تھی۔

اس کا تصور یہی تھا تا کہ بھائی کی جدائی میں پاگل ہو رہا تھا۔ اور احتجاج بدستور کر رہا
تھا۔ کہ کوئی اور بلکہ سارا دنیا اس پر کی چہرہ عورت کی آنکھوں میں غزال کے عکس تلاش کرتا ہو گا مگر
وہ بچہ صرف تاجا تھا تھا کہ وہ کوئی مادہ اثر دے جس کی آنکھوں سے شعلے نکلے ہیں تو سب

سے کریمہا منظر عورت ہوتی ہے۔

مٹی۔ بشر کہاں ہے؟ میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے۔ اس نے خود اسے منکر باہت بچے کو تجلب سے دیکھا۔

اے تلاش تو میں بھی کرو رہی ہوں۔ تمہیں سڑکیں نہ پنے کو کس نے کہا تھا؟ وہ مگر جی۔

تو کیا میں اسے ڈھونڈوں نہیں؟ اوہ رو پڑا۔

نہیں۔ وہ خلق پھاڑ کر چلی۔

کیوں نہیں؟ میں پوئیس اسٹیشن بھی گیا تھا۔ انہوں نے آپ کو دیا ہے۔

کس سے پوچھ کر گئے تھے پوئیس اسٹیشن؟

میں میں گیا تھا۔ وہ اڈیل وسرکش ہو چلا تھا۔ اس کا تو بھچو جی۔ سٹ گیا تھا۔ بھوکا شیرنی

کی طرح چل پڑی تھی۔ رمار کر دوہ مارا کر دیا تھا۔

تو کرومسا دے پھر رہے تھے جی چاہتے پر بھی وہ اس بیگم کے چنگل سے نہیں چھڑ سکتے تھے۔

تیرا کیا خیال ہے کہینے؟ میں اطمینان سے بیٹھی ہوئی ہوں مجھے پریشانی نہیں ہے۔ مجھے فکر

نہیں ہے۔ جب میں نے پولیس اسٹیشن فون کرویا تھا۔ تو نو کیوں گیا تھا۔ حیرتی تھی بہت۔ اتنا

حاصل۔

مجھے نہیں پتا۔ مٹی۔ مجھے بشر۔ کرو بیچے۔ وہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ اور اس عورت کا کچھ شق

نہ ہوتا تھا۔

مجھے بشر چاہیے مٹی بشر کو ڈھونڈ کر دیا ہے۔

اے رو دیا ہے۔ بن کر آ رہا ہے۔ دھونس کیسی ہے۔ تیرے باپ کی لوندی ہوں نا۔ وہ اس

کی ہمت پر غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

اب مگر تو نے قدم ہارنا کالے۔ کو کیوں پرکھ کر دوں گی جیسے ہوئے کو کیوں پر۔ سنا؟

پرانے نوکر اس نے اتنے ہی نکلوا دیے تھے۔ نئے نوکر گھر میں انہوں سے وہ وقف نہیں

تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے کوشش کی تھی۔ کہ بیگم صاحبہ بے حد تنگی تھی۔ اس نے چھانٹ کر

انتہائی بے بسوں در بے بسوں کو نوکر رکھا تھا۔ وہ تو اسے خوف کے کمرے سے بھی بہت دور

تھے مباد بیگم صاحبہ کئی چنگلی ایک دم ہوا آ جائیں اور انہیں من گن لیتا دیکھ کر۔ میں وہ نہیں سکتا

سوچتے تھے۔ پھر وہ واقعی ہا ہر نکل گئی تھیں۔ پیٹ بھر کر مار تو دیا تھا مگر اب یہ بھی کھٹکا تھا کہ

وہایت علی شاہ کی بیگم صاحبہ تشریف نہ لے آئیں۔ کیونکہ قریباً سب رشتے داروں نے نہ سہی

اکثریت نے اس کی مغرور طبیعت اور سرد دھڑی کے موجب آہستہ آہستہ اتنا چھوڑ دیا تھا مگر کلونی

مند صاحبہ بچوں کی خیر خیر معام کرنے بڑے لہسنے سے آیا کرتی تھیں اس لیے باہر سے دروازہ بند

کر دیا تھا اور نوکر کا کہدیت کر دی تھی کہ وہ دروازہ نہ کھولے۔ لیکن رات کو ڈرائیور کی بیٹی پنے

کو دروازے برف لگاتے آئی تو دیکھا چھوٹے صاحب دروازہ بجا کر کھول رہے ہیں۔

دروازہ کھول۔ دروازہ کھول۔

اس نے دروازہ کھولا چاہا۔ ٹوٹیک۔ کہ تھا مگر بہر حال چابی ہی سے کھلتا تھا۔ بچاری
بہت ڈھونڈ رہی تھی مگر نتیجہ صفر تھا۔

وہ آزدگی سے یہ کہہ کر چھوٹے صاحب نہیں کھتا۔ گے بڑھ گئی تھی۔ دروازے کے
پیچھے۔ سات آنسو سال کسمر نے شدت نفرت سے منہ بٹھائی تھی۔

صبح کا ناشتا اس کے لیے کمرے میں ہی آ گیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اور رات کا کھانا
بھی۔

جب رات کا کھانا آپا تو اس نے کیرہ پاؤں بھی نہیں کھاۓ۔ لٹیاں چباتی ہیں جاؤ وہی
لے کر آؤ۔

لو کر وہی لینے گیا وہ جھٹ باتھ روم میں گیا لال کھول کر جلدی سے باتھ روم کا دروازہ بند کیا
اور کمرے سے باہر آ گیا۔

نیگم صاحب گزرا کا فیڈ تک ٹائم ہو گیا ہے۔

تو وہ دو۔ وہ بدستور سگریٹیں میں لگن تھی۔

گزرا تو کڈ روم میں نہیں ہے۔

ڈرائیور کی لڑکی کے پاس ہوگی۔

وہ تو جی صبح ہی حالہ کے ہاں چلی گئی تھی۔

وہ، یا کے ساتھ باہر آئی تو ہلا چلا۔ غمزہ لگی، اپنے کمرے میں نہیں ہے۔

تو ہنر کر پک دلا سن حاضر کیے گئے۔

میں لنگر نہیں کھوں ہوں۔۔۔ ساقم لوگوں نے آدھ خلق پہ ذکر چینی تھی۔

بہت حاست غیر کر دی تھی۔

تھیں کام کرنے کی تحفہ ہلتی ہے۔ یہاں سے وہاں دھناتے پھرتے ہو۔ وہ کم ذات

ہو انہیں تھا۔ نہیں سے گزر کر باہر گیا ہوگا۔۔۔ دروازہ اتنا ڈھونڈا اتنا جو اب بھی نہیں تھا کہ تم سب

کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل جائے۔ تم میں سے کسی نہ کسی نے اسے ضرور پاہر جاتے

دیکھا ہوگا۔ وہ چوری قوت سے چیخ رہی تھی۔

خدا کی قسم۔۔۔ کئی کا پتی۔ وازوں نے قسم کھائی۔

تک حراموں۔۔۔ میں دیکھوں گی سب کو۔۔۔ ایک ایک کو اگر جیل کی ہو نہ

کھلوٹی۔۔۔ وہ آئینہ رو پڑی تھی۔

اس کی، لکھیاں ڈاکل گھم گھم کر رہی ہو چلی تھیں۔ گھر میں ملے جتنے وہوں کا جھوم بڑھتا

جا رہا تھا گھر کی فضا پر وحشت ہی طاری ہو چکی تھی۔

اس کی ماں آئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

ای۔۔۔ میری بچی۔۔۔ میں مر جاؤں گی۔ وہ ہنر حال ہو چلی تھی۔

وہ دونوں بھائی بہت چھوٹے ہیں۔ مکان کو ساتھ لے گئے ہوں گے، اپنے کسی دوست

کے گھر۔

وہ ننھوں عمر لے گیا ہے۔ ضرر اول کہہ رہا ہے۔ وہ ہڈیاں انداز میں جھکی۔

تو پھر بشر کہاں ہے؟ عائدہ نے چھٹی نظروں سے بھونچ کو دیکھا۔

روشن کا دل پوری قوت سے سن رہا تھا۔ اس نے خانی خان نظروں سے متذکر

ہیں۔؟ ہاں۔۔۔ بشر بھی تو نظر نہیں آ رہا۔۔۔

اپ رہتی کون سی دنیا میں ہیں۔۔۔ بھابی جان۔۔۔ بشر کی غیر موجودگی نے عائدہ کو

ایک نئے سانس سے دوچار کیا۔ آپ سے اگر ن بچوں کی قوم دار ہاں پوری نہیں ہو سکتی تھیں تو

آپ نے مجھ سے اسیا سے کہہ دیا ہوتا۔ ان کے بچے میں کتنی انداز تھی۔ وہ لوگوں کی طرف

بڑے لگنے والے انداز میں بڑھی تھیں۔

اے خدایا یہ کون سا دل جلانے کا وقت ہے۔ کیسے حرم ہوتے ہیں توگہ۔۔۔ اے

میں لگاؤں پر سو رہی ہوں۔ لوگ دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ روشن سر پہن کر رونے

لگی۔

ماں آئے جھٹ اپنی بیٹی کا سر سینے سے لگا دے۔

اے خدائے غرق ہو جائیں میری بیٹی کا سکون لوٹنے والے۔ یہی ہمارا ہی تھا

سے تو لے کیوں نہ گئی پھر بھی۔۔۔ اے میری بیٹی نے کیسی جان تھلائی تھی۔۔۔

کہتے ہیں۔ بھگی کر دیا میں ڈال۔

سرد جنگ گرم جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اگرچہ وہ بدلتی رہی۔ بہر حال سرحدی جہز میں

شروع ہو چکی تھیں۔ عائدہ ساری جان سے کانپ رہی تھیں۔ شام کے سائے بڑھ چکے تھے۔

تینوں بچوں کا وہ دردور تک پناہ نہیں تھا۔ بھتیجیوں کی پریشانی میں وہ اپنے گھر و بچوں سے

غافل ہو چکی تھیں۔

کس طرح وہ تڑپ رہی تھیں کتنی شش رہی تھیں۔

دوسرا روشن چرب ہوشی کے دورے پڑنا شروع ہو چکے تھے۔ یہ ایک نئی ابتدا تھی۔ انہوں

نے وراثت علی شاہ کے سرسلیوں کو سختی سے منہ کر دیا تھا کہ وہ وراثت علی کو اٹھا لے دوں۔ انہیں

خوف تھا کہ ان کے بھائی کو کچھ ہونہ جائے۔ جوان کا سب کچھ ہے۔

ان کو امید تھی کہ وہ معصوم بچے ہی تو ہیں کہاں جائیں گے؟ تو پھر وراثت علی شاہ کو خواہ مخواہ

کیوں ہر سار کیا جائے۔ وہ بہت حوصلے سے حالت سے بہرہ ور تھیں۔ انہیں ایک مل

چین نہیں آ رہا تھا۔ کبھی آتے جانے والوں سے ملتیں نہیں سار واقعہ بتاتیں۔ کبھی لوگوں

سے پوچھ کچھ شروع کرتیں۔ کبھی ڈھونڈ کر واپس آئے والوں کے بیانات سنیں۔ کبھی نیم

بہوش ہزاروں دھونچ کو دیکھ کر آتیں۔

پوئیس انکسٹن رپورٹ درج کر لی جا چکی تھی۔ وہاں بھی وہ کاہے بگا ہے فوان کر رہی

تھیں۔

اے خدا میرے بھائی کا آباؤ گھر نہ جڑے۔ وہ سچائی سے دعا کرتیں۔

بھائی بھی ایک ہی ہیں۔ عمر کی گڑیا کی رست لگائے جا رہی تھیں۔ تاجا بھی دھین نہیں کر
بشر بھی غائب ہے۔ ہائے اللہ کس حال میں ہوں گے میرے بچے۔ وہ بول کر دل چڑھتیں۔

پچھ کی پیاری پیاری صورتیں نکالوں میں گھوم جاتیں۔

ہزاروں وابھان کے دل میں آ رہے تھے۔

کہیں ایسا تو نہیں تھیں کہیں کھیل رہے ہوں۔ کوئی بروہ فروش۔۔۔

اس سے آگے ان کو عصاب جواب دینے لگتے۔

کہیں ایسا تو نہیں بھائی دونوں پچھ پر زیا دتی کرتی ہوں تو وہ گڑیا کو لے کر۔۔۔

لیکن۔۔۔

وہ تو بہت معصوم ہیں۔ ان کے ذہن کہاں انتقامی تانے بانے بن سکتے ہیں۔

وہ خود ہی خیالات کو روک دیتیں۔

وہ تو اتنے بھولے ہیں۔ بھلا کہاں جا سکتے ہیں۔ انہیں تو راستے بھی نہیں ہنک۔۔۔

انہیں رہ رہ کر بھائی کا خیال بھی آ رہا تھا۔

خدا نہ کرے یہ بھری بھری بھتی جڑے۔ میں تو مر جاؤں گی۔

جتنا خدہ میرا کائنات پر چھا رہا تھا اس سے زیادہ ان کی میدوں پر۔۔۔

وہ دن میں جا کر سب یا قاعدہ ٹانگیوں سے روکتی تھیں۔

بھیتا۔۔۔ خدا نہ کرے کچھ ہو گیا۔۔۔ تو میں آپ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔۔۔

ان کے تو اس سے بچتے آنسوؤں کا سلسلہ رک کر نہیں دے رہا تھا۔

انہیں تو وہ آوازیں بھی گرس گز رہی تھیں جو احوال پر پھینے کی کیفیت میں بند ہو رہی
تھیں۔

عائیکہ انہیں بچے شہر کی آواز سنائی دتی۔

ان کا دل بڑے تیز سے دھڑکا۔۔۔ شاید وہ خوشخبری لائے ہیں۔ وہ جدی سے نکلیں

پوچھ کر برا۔۔۔ کے جانب بڑھ گئی تھیں۔

عراق نے ایک جھٹکے سے گاڑی روکی گیٹ نیم واقعہ وہ گاڑی گیٹ چھڑوک کر اتر اور

گیٹ پارک کر گیا۔ یعنی اندر آئی تھا۔ راستے رہنا گاڑی اندر

فاروق چھل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا اور دبا کر بارن دیا۔

حسیب نے بہت پھرتی سے گیٹ کے پٹ دیکھے تھے گاڑی میں فاروق کو دیکھ کر

متعجب ہوا۔

اے۔۔۔ چھوٹے بھائی کہاں ہیں؟

ابھی تو گیٹ کے ذریعے وہ گھری میں داخل ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ ذرا دیکھ۔۔۔

غصے میں جل کر رہا تھا تو انہیں ہو گئے۔ اس نے دروازہ کھول کر پارک کر دیا۔ تڑتے بڑی عجیبگی

سے فرش کو گھوما۔

میرے خیال میں وہ اوپر ہیں۔ حسیب نے زینے کی طرف اشارہ کیا۔

جبکہ میں کہتا ہوں وہ حقیقت میں اوپر ہیں۔

حسیب تھکن کر رہ گیا۔

، پ تو دونوں ہی ایک گھنٹے سے وہ مہمان آپ کا انتظار کر رہے ہیں جنہیں آپ لینے گئے تھے۔

اچھا فاروق نے جدی سے کاردرست کیا۔ گویا چھوٹے بھائی ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔

ان کا ٹھیک، درحفاظت وہاں جان معلوم کر لیں گی۔۔۔ فی الحال آپ تو چلیے۔۔۔ مہمانانِ گرامی اپنے رہے۔ سیرور کو دیکھنے کے لیے بے حد بے قرار ہیں۔

وہ اسے لے کر برآمدے میں چلا آیا۔ جہاں باورق، اجتماع پورے مرد و عورت پر تھا۔

عثمان پلنگ پر گناڈ بٹھے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور معان پتلون کے پانچے چہلے گزری کے تخت پر نادر شاہ اسٹائل میں بیٹھے تھے۔ ان کے برابر میں انار جان اپنے پان دونوں میں تاکا سجھ گئی کہہ ہی تھیں۔

ثمن لڑکپن ایک سٹن سے کین کی کرسیوں پر برجمان تھیں۔

یا حسیب یہ تو ثمن ہو گئیں۔

یہ ثمن ہی ہوئی تھیں فاروق بھائی حسیب نے وثوق سے کہا۔ تو فاروق نے اسے گھورا۔

اسی لمحے

تو بھر طارق کہاں ہے؟ انار جان کو تشویش ہوئی۔

وہ اوپر کے کمرے میں ہیں شاید۔ حسیب نے اس کی ابھین رفع کی۔

ہاں کی۔۔۔ نیچے مہمان بیٹھے ہیں۔ وہ اوپر بیٹھا کیا مہیا رگا رہا ہے۔

مہیا روٹھیں گارہے۔ جو موڈ اس وقت ان کا ہے میرا خیال ہے اس کی تری جاتی کے لیے ابھی تک کوئی راگ بجاؤ نہیں ہوا۔

فاروق کی اس بات پر عثمان، اور معان، اور انار جان، تینوں معاملے کی تہ تک اتر گئے۔
انار جان نے فوراً بات بتائی۔

ار۔۔۔ جی اپنی بہنوں سے ملک سے تم لوگوں کا خط رہورہا ہے۔ یہ تمہاری دڈیہ پاپا ہیں اور یہ فوڈ بیڈ پاپا۔ یہ تو یہ ہے تمہاری ہم عمری ہے۔

اس نے تینوں کو پارہی بارہی دیکھا۔

دونوں پاپاؤں نے درحقیقت سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور سفید پنڈلیک جو ان سفید جوتوں سے غائب بھیج کیسے گئے تھے۔ ان کی گودوں میں رکھے ہوئے تھے تینوں کے بال تراشیدہ تھے۔ مگر اسٹائل مختلف تھے۔

چہرے کھانی، اور پھینکے پھینکے سے تھے۔ ہونٹوں کا رنگ بھی قدوتی ہی لگ رہا تھا۔

صحت مند، تر و تازہ، اور حسین کڑنڑو کچھ کر دے دیکھی خوشی ہوئی جو اس کائنات کے

دیگر محاسن کو دیکھ کر ہوتی ہے۔

اسے دہیہ آپا میں غیر معمولی پن نظر پاتا تھا۔ ان کا انداز گفتگو صورت و سر پر بہت موزوں
و مفرد لگا تھا۔ خوش حالی کا حواس حسن کا ناز، بے لگاری، بے نیازی، مذاک مزاحی، اور بیٹھنے کا
غیر معمولی و شانہ سادہ انداز بہت واضح محسوس ہوتا تھا۔

وہ فاروق کی سمت دیکھ کر مسکراتی بھی نہیں مگر اس انداز میں کہ دہیہ بھی تھی اور مختلف بھی۔
وہ دہیہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ یہاں ہم کب سے انتظار کر رہے ہیں کہ تم دونوں آؤ تو چائے
پئیں۔ چاکر سے جوار ڈال، ماں جان کو دہیہ پر سخت ناز پاتا تھا۔

بے نیے دیں ماں جان۔ ارمغان کو طارق کے موڈ کا اندازہ تھا۔ انہوں نے روک دیا۔
ہم لوگوں نے تو آپ کا بہت دیر۔ انتظار کیا۔ غالباً آپ بہت دیر سے پہنچے تھے۔
فوزیہ آپا نے فاروق کو دیکھا۔

نہیں بھئی۔ یہاں سے تو یہ لوگ بہت جلدی چلے گئے تھے۔ ارمغان نے فوراً کہا۔
پھر کیا ہو تھا؟ فوزیہ نے حیرانی سے پوچھا۔
بس براہ راست ہوا تھا۔ کچھ اچھا نہیں ہوا تھا۔
پھر بھی۔ دہیہ نے تجسس نہ کر لیا۔

پھر کیا جی۔۔۔ بس سرخ کپڑے، سفید پرس ڈھونڈ رہے تھے جن میں آپ لوگ
تھیں۔ وہ بے چارگی سے بولے تو سب بے ساختہ ہنس دیے۔

بس۔۔۔ آپ لوگ نکل ہو گئے۔ ہم نے تو امتحان لیا تھا آپ کا فوزیہ مسکرائیں۔
میرا۔۔۔ غفار روتی چلا گا۔

بھئی آپ سب کا۔ وہ متر متر ہی ہنسی ہنس کر بولیں۔
پ کا بھی قصور نہیں۔۔۔ بس امتحان ہی میں نا اہل لوگ بیٹھ گئے تھے۔
خیر یہ ہنسی مذاق تو زندگی کے ساتھ ہی ہے۔۔۔ سب اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ۔۔۔
کہ اوپر جا کر ہی بیٹھ جائیں۔ دہیہ نے پھوہ بھی کی بات کاٹ کر نکلوا لگایا تو ایک مرتبہ پھر
صیغہ فحش دیا۔

یہ بتائیے وہ نیچے آئیں گے کیسے؟ فوزیہ پوچھیں۔
غالباً گھوڑی کا انتظار کر رہے ہیں۔ ارمغان ہنس کر بولے۔
کیا سچ جج؟ دہیہ سن کی سمت دیکھ کر مسکرائیں۔

گر گھوڑی کے کپڑے۔۔۔ دل ہو تو شاہ پور۔ فاروق مسکرایا۔
وہ سب شاید بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھیں۔ فاروق کی بات پر مسکرا پڑیں۔
ماں جان چائے کا نظام کرنے لگے تھیں۔ وہ سب باتوں میں مشغول ہو گئے۔
رات کے کھانے پر جب ماں جان نے صیغہ گو یہ کہہ کر اوپر بیٹھا کہ جا کر کھو طارق سے
کہ آئے گئے کا خیال رکھن بھی اذیت میں شامل ہے۔ بہت ہو گیا۔ سب آ کر سب کے
ساتھ کھانا کھا جو۔

تو اس نے وہ سب سکر بہت پریشانی سے بھلو کر چھوٹے بھائی اور چھیلیں ہیں۔
وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ بھلا کیا سوچیں گی ان کی بھیمیاں۔۔۔
رات کے کھاتے پر اپنا میں بھی شامل تھے۔

رات دیر تک محفل جلی رہی۔ لڑکیوں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ وہ بہت مطمئن و خوش
باش نظر آ رہی تھیں۔ جانے کب تک یہ محفل جلی رہتی لیکن ایسا میں نے گھڑی دیکھ کر سو جانے کا
حکم صادر کیا۔ ساتھ ہی صبح سویرے لٹھے کے قوائد بھی گنوا دیے۔ تب ناچا ر سب اپنے اپنے
بستروں پر چلے گئے۔

اب جانانے عشاء کی نماز پڑھی۔ ہر بہت پروہ طارق کی منتظر تھیں۔

رات بارہ بجے کال بیل بجی تو وہ کھلتی ہوئی گیٹ پر گئیں۔

نیند سے سرخ آنکھوں اور کھڑے بالوں والے طارق کو دیکھ کر جانے کیوں دن کا اہال
بٹھنے لگا۔

یہ کیا طریقہ ہے؟ وہ بوہی سے بولیں۔

کون سا؟ کیا سادگی تھی۔ سنگ کر رہ گئیں۔

ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ جو چشمہ دہی گرمی ختم ہو کر نہیں دے رہی۔

مجھ سے کس موضوع پر بات نہ کریں اب جان۔ آپ کی مہربانی ہوگی۔

لیکن کیوں؟ وہ حتیٰ سے بولیں۔

اب جان یا تو مجھے اندازہ ہے کہ میں گھر میں شادیوں۔

پاگل ہو کر لڑکے۔ انہوں نے راستہ دیا۔ اندر راسی باتوں کا بھی سرویرا مانتا ہے؟

لیکن جو بہت معزز خواتین کی وجہ سے میرے ساتھ ہوا ہے۔ اس کا مرد سب سے زیادہ

منا ہے۔ یہ وہ ممکن سے چوتھا وار میں پورا تو اہل کا دل بٹکا گیا۔

کھا تا کھا دے؟

میں کھا چکا ہوں۔

ہائیں یہ حرکت تم کب سے کرنے لگے؟ وہ چونک کر گئیں۔

راجہ کی ہے، عرفان (دوست) کے گھر گیا تھا اس نے زبردستی کھا دیا۔

اب جان مطمئن ہی ہو گئیں۔ ورنہ وہ اس احساس سے بہت بے گل تھیں کہ وہ بھوکا ہے۔

تمہارا بستر اوپر ہی کر دیا ہے۔ درمختار اور خلیفہ بھی وہیں سو رہے ہیں۔ حتیٰ نہ چلانا

ہرمختار کی نیند بہت کچی ہوتی ہے۔ وہ ہدیات دینے کے بعد گیٹ میں تا۔ ڈانٹے لگیں۔ وہ

کپڑے تبدیل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ گیا۔

صبح کو سب ہی جدی، شگفتہ تھے۔ لیکن وہ آج زیادہ ہی جدی اٹھ گیا تھا۔ نماز سے فارغ

ہو کر وہ پائے کی طلب میں کچن کی طرف آیا تھا۔

صبح اٹھنا تو بہت اچھی بات ہے مگر

جی چھو پھو پھیلے دوسرا میرا وزن بڑھ گیا تھا میرے فزیشن کی ہدایت تھی کہ میں صبح کھانہ
 کرورزش کیا کروں۔ میں صبح سے عادت ہو گئی ہے۔

وہ یہ بڑیک سوٹ میں بیوی لڑکی کو منانہ چیرے دیکھ کر چھانچا گڑبڑا گیا۔

اس قسم کی چیز کا وہ اپنے گھر میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اوس جان نے طرہی کو دیکھا تو لڑکی بھی چونک کر مڑی۔

سطیڈ شلو، رقیض، میں بیوی ایک جلا گھراسا نو جوان تھا۔ وہ زخموں سمجھتی تھی کہ یہ طارق
 ہے ہاتی سب سے تو وہ دل چکی تھی۔

السلام علیکم۔ وہ نظریں چر کر آئے بڑھ گیا۔

ہائے۔ وہ مسکرا دی۔

آپ مسلمان ہیں وہ رک گیا۔ اس کی نظروں نے دریا کے گلابی چیرے کا حاطہ کیا۔

جی ہاں۔ تو ابھی تک جی۔

آپ کو معظوم ہوتا چاہیے کہ السلام علیکم کا جواب یہ نہیں دیکھ، السلام ہوتا ہے اس

نے چپ بتا کر اس میں چائے ڈالنا شروع کی۔

یہ مجھے معظوم ہے مگر بات یہ ہے کہ ہماری موسماں تھی۔

نقاہوں کی موسماں تھی ہے وہ شہزادہ تھا۔

جی اس کا ہڈ پریش ہائی ہونے لگا۔

(کیا اسے میرا حسن نظر نہیں آ رہا، کیا اسے حسن سے ہمکلام ہونے کے واجب معلوم
 نہیں؟)

جی آپ کی موسماں کی نقاہوں کی موسماں ہے اور سینس بیس موسماں ہے۔ آپ امریکیوں
 کی نقل کرتے ہوئے جسے آزاد ہوئے دو سو سال بھی نہیں ہوئے۔ میں تو سوچ رہا ہوں، اگر
 کوئیس امریکہ دریافت نہ کرتا تو آپ لوگوں کا کیا ہوتا۔

مگر آپ برطانیہ کی نقل کرتے ہیں۔ تو بھی آپ، انہیں بلکہ کنزرویٹیو (رجسٹر پسنڈ) ہی
 ہیں۔ جب کنزرویٹیو ہی بننا ہے تو اپنے شیلی کنزرویٹیو بھی برے نہیں، اسنا ہے نقل وہ کرتے
 ہیں جن کے پاس عقل کی کمی ہو۔ طارق نے سے جلا کر خاک کر دیا تھا۔

یہ آپ کا کپٹیکس بول رہا ہے۔ اس نے نخت سے ناک چڑھا دی۔

کیا کپٹیکس مجھے، اس باپ کی محبت یک گھر کی راحت حاصل ہے۔ ایک شہزادہ رقیض
 انارے میں تعلیم پا رہا ہوں۔ جہاں وہ استاد پڑھاتے ہیں جو باہر کی ہوا کھا کر آ چکے ہیں۔
 میں جتنا مطمئن خوشی اور مسودہ ہوں اگر لوگ جان جائیں تو فیس دے کر مشورے لینے کے
 لئے آئے لگیں۔ اس نے چائے کا گھونٹ مہر۔

آپ نے باہر کی دنیا نہیں دیکھی آپ کو نہیں معلوم اوور سیز۔ جب انسان قدم اٹھاتا ہے تو
 اس کی قوت مشاہدہ کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے شعور و مطالعے میں اضافہ ہوتا ہے۔ دریا نے
 سے ایسے دیکھا جیسے اس کا وجود بہت تغیر ہو۔

میں آپ کی بیوہات تسلیم کرتا ہوں یہ حقیقت ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے
 کہ ان کا معاشرہ ٹوٹل ایک معیار کا حامل نہیں ہے وہاں بھی اسی طرح کے گروہ ہیں
 جیسے ہمارے ہاں ہیں۔ غریب اور میانہ و امیر پھر امیر ترین۔ آپ جیسے روشن خیال لوگ صرف
 ان کی بندوبست ہی دیکھتے ہیں۔ ان کی سوسائٹی کی قوت پر دیکھتے ہیں۔ ان کی سادگی
 دیکھتے ہیں۔ آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ وہ حقیقی خوشی سے کس قدر دور ہیں۔ گریہ ترقی ہے تو کیسی
 ترقی ہے کہ جس نے ان کے دلوں میں اندھیرہ کر دیا ہے۔

ان کے اخلاق کی زمین بخر ہو گئی ہے۔ حتیٰ میں کسی شگونے کے پھونکنے کا امکان نہیں۔
 وہ روح پر بحث کر سکتے ہیں مگر جان نہیں سکتے کہ روح کیا ہے۔ ان کے ہاں سے نیند دور
 دواؤں کا رواج چلا ہے۔ انسان خوش ہو مظلوم ہو اس کے رویوں روکیں سے سکون پھوٹ رہا
 ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ منطقی ہی نیند آئے۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ مجھے مطالعے کا کس قدر شوق
 ہے۔ اور میں مغرب کے معیاری تحریری مواد بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ فیشن کے طور پر جن
 آگاہی کے لئے یہ تحریریں تیار ترین بھی ہوتی ہیں۔ جو مجھے نا لوگوں کے ذریعے سے میسر
 آتی ہیں۔ جو آپ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے دوست کہہ تے ہیں۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں آپ کے طبقے سے جیلس ہوں۔ بات یہ ہے کہ خدا نے آپ کو
 سب کچھ دیا ہے تو اس کا ظہار مغربی ذکر پر چلے بغیر بھی تو ہو سکتا ہے۔

کھائے، پیئے، اعلیٰ شان گھر میں رہیے۔ مادی شان سوار کی کیجئے، کیا مگر جڑوں جیسے ملر

آنا بہت ضروری ہے۔ وہ تو پچھلے اس قدر غریب تھے کہ فی کے ڈائری میں سفر میں آئے۔
 انہیں تو خود ہماری زمین اور لوگوں کی ضرورت تھی۔ سو سال ہمارے حلق میں رہے۔ صرف
 اس وجہ سے کہ ان کے ہاں چھوٹے تو تھے، آگ نہیں تھی۔

یعنی جلی صنعتی ترقی کے لئے نہیں خام مال ہماری زمین سے میسر آتا تھا۔ دن و ہاڑے
 لوٹ لیا نہیں سب ہمیں پر رعب جاتے ہیں۔ اس نے چائے کا آخری گونٹ لیا۔

دراصل انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ہم، زلی، اصل ہیں۔ دم گئے بند ہیں، بہت اچھی نقاشی
 کج کر سکتے ہیں۔ اس نے مڑ کر گلہ رکھ دیا۔

کی جان خاموشی سے ناشتے کی تیاری کرتی رہیں۔ وہ پوری توجہ سے بیٹے کے دل میں
 رہیں تھیں وہ جوان کی والدہ جتنی کوست رہا تھا۔

کیا، گائی تھی اور کیا عطا تھا۔ نبیوں نے کئی بار دل ہی دل میں، تکتا تھا کہ
 ہذا ثابت ہو کہ انسان اپنی قدر کے ساتھ زندہ رہے تو باوقار رہتا ہے۔ لعل کرنا

ضروری نہیں ہے۔ کیسے، ولیم، اسلام۔ اس نے ہم ہم کھڑی دریہ کو گویا چھوڑ
 ولیم، اسلام صاحب حد کر دی، آپ نے اتنی سی بات کا تابذ افسانہ۔ وہ نفس دی۔

یہ اتنی سی بات نہیں ہے آپ نے اتنی آسانی سے ولیم، اسلام کہہ دیا۔
 شکر ہے میں تو سمجھ رہی تھی اب تم بیلانا اور پھانٹنے والے ہو۔ اب جان نے پوریوں

کا میدانہ گوندہ کر پاتھ دھوا شروع کر دئے تھے۔

ایک بات اور وہ ہر نکلے نکلے دیکھتے دیکھتے پٹا۔
وہ کیا۔ وہ یہ اندر ہی اندر کہہ گئی۔

جب لڑکیاں موجود ہوں تو بڑی عمر کی خواتین ان کی خدمت نہیں کرتیں کرواتی ہیں۔

اے کیا کہہ رہا ہے طارق، پچیس ہمارے مہمان ہیں اور یہ کام تو میرے روزانہ کے
جز ہے۔ اب جان شرمندہ کی ہو گئی۔ لیکن وہ ہر نکل چکا تھا۔

کچھ دیر بعد چائے والوں کو ٹریک سوٹ میں بیٹوں اور یہ اس جان کا ہاتھ ملاتی بہت
دلچسپ لگی تھی۔ اور بیٹوں کے لئے یہ واقعہ بہت اچھا تھا۔

اور جب ناشتے پر فوریہ اور ثوبیہ نے چچھانا ہوا طارق دیکھا تو اس کی حیرانی ناقابل تشریح
ہی ہو گئی۔ وہ جس کی ناراضگی اور غصے کے قصے وہ شام سے سن رہی تھیں انہیں کس انداز میں ملا
تھا۔

اے بچوں دل لگا کر ناشتہ کرو۔ اس نے گرم گرم پوریاں سن کے آگے کیں۔

آپ کہاں کے بلائے ہیں۔ ہم اس دلیل سے بھی پچاس ثابت نہیں ہو سکتیں۔ وہ بھی
آپ کے مقابلے میں۔ چنانچہ پناہی فوریہ نے اس کی طبیعت صاف کی۔

یہ بات عثمان نے فوریہ کا دل رکھا۔

اور یہ شام سے آپ نے ہمارے ساتھ کیا ذرا صبر چاہا ہو تھا۔ سچ اس قدر ٹینشن تھا مجھ پر
تو آپ کا موڈ ہے۔ فوریہ کو ایک دم ہانڈا گیا۔

بات یہ ہے کہ آٹھ گھنٹہ ٹینشن میں کھڑے ہونے کا اور وہ رکھتا ہوں۔ لہذا ذرا باغی ہو
کر ہی عوام کے سامنے آنا چاہتا ہوں۔

وہ صاحب کیا عوام عوام کا شور ہے، کیا سچ سچ عثمان بھائی ثوبیہ نے عثمان سے پوچھا۔

کیا یہ عوام کے قابل ہے عثمان نے طارق کو پھینکا۔

یہ تو اس قابل ہیں کہ ان کے قابل ہونا بہت مشکل ہے۔ فاروق نے بھی جھلایا۔

ورسہ کی نظر ورائے بھر بھرتا نیک کی تھی۔

آپ سب مجھے موضوع بحث کیوں بنائے ہوئے ہیں بارخوہ پریشان ہوئی گی۔

اس لئے کہ تمہارا پروگرام ہی یہ تھا کہ شام کو غائب رہو اور صبح ناشتے پر موضوع ہو۔

اب جان نے گرم گرم پوریاں اس کے سامنے ڈالیں اور جمد بھی پینکا۔

وہ خفیہ سا ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واقعی مذاق کرنے کا سلیقہ نہیں ہے دوسرے یہ کہ جو کچھ

میرے ساتھ ہوا اگر آپ لوگوں کو معلوم ہو جائے تو آپ جیسی فرصت میں معذرت کریں۔ وہ

ذی صاف گوئی پر اتر آیا۔

عثمان کو یہ ہو رہی تھی وہ درمیان میں اٹھ گئے۔ تیاری کی غرض سے۔

میں نہیں معلوم تھا آپ اتنی جلدی کا انھیں ہو جاتے ہیں۔ ورنہ ہم بھی فوریہ پر

دانت کھڑے ہوئے۔

لیکن طارقی نے ایک بل کے لئے بھی اس کے اندر رگی پروا دہی۔

دیکھیں جی سوری تو ہم تب کہیں گے جب ۷۷ کی غلطی ہو۔ ہم اتنی معصوم باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ نہ معصوم باتوں پر سوری کہتے ہیں۔ دوریہ نے تاک چڑھا کر کہا۔

”آپ کے لئے بہت ضروری ہے کہ آپ بہت سارے سوری محفوظ کر کے رکھیں کیونکہ میں نے یہ اعانہ لگایا ہے کہ پریکٹیکل ایف میں کم از کم آپ کو دس سوری ایک دن میں استعمال کرنا چڑیں گے۔ ورنہ دوسری صورت میں۔“

یعنی آپ کے نزدیک میں اس قدر کم عقل ہوں۔ دوریہ کو فضا آ گیا۔

میرا آپ کے ساتھ کیا سوال میرے نزدیک کی بات تو چھوڑیں، میرے دور کی بات بھی نہ کریں۔ اپنے بارے میں خود بھی کبھی غور کرنا چاہیئے۔

طارقی پر ارمغان حنبلا گئے۔

فاروق کو بھی اس کا اس قدر صاف گونا ہوا پسند نہیں آ رہا تھا۔

چھوٹے بھائی تو سب کے ساتھ ایسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تو عادت ہی ہے۔ اس نے ناچ رکھا۔ مباد کوئی بد مزگی پیدا ہو جائے۔

تو بے پھو پھو یہ طارقی صاحب تو بہت اٹھ رہے ہیں۔ فوڈ یہ کوشا دوریہ کی درست بنانا بہت کھڑا تھا۔

محترمہ ادیب سے براہ کرم آپ سے طارقی بھائی کہنے سے ٹکیس نہیں لگے گا۔ طارقی

نے پھر ٹوکا۔

یہ معلوم ہوتا ہے طارقی بھائی ہمارے آنے سے خوش نہیں ہیں۔ تو بیہ نے شک ظاہر کیا۔

”نہیں سب سے زیادہ طارقی بھائی کو سی خوشی ہوئی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نوٹاری پبلک کہتے ہوئے پناہون پسٹ ایک کر دیا تھا۔ حبیب چپ نہ رہ سکا فوراً شہزاد سے کہا۔“

کیا مطلب وہ تینوں چٹکیں۔ طارقی آرام سے ناشہ کرتا رہا۔

مطلب یہ کہ انہوں نے آپ کے آرام کے لئے آدھ ہسٹریا رکھے۔ فاروق نے وضاحت کی، ارمغان کو بھی آگئی۔ تینیں وہ چھل کو دیا تو گئی تھی۔

کیا سچ دوریہ نے جرائی سے طارقی کو دیکھا۔

ہاں سچ بات یہ ہے کہ میں باتوں سے ضرور ہارتا ہوں مگر ہسٹریا آرام کے ساتھ۔ وہ سادگی سے بول رہا۔ تو سب کے ساتھ ماں جان بھی نہیں چڑیں۔

حد ہے ان اچھن سے۔

سے وقت ٹھان چار ہو کر گئے۔ ڈارک براؤن چیت اور بلیٹ برائن شریٹ پر، چیت علی کی ہم رنگ مائی لگائے وہ بے پناہ بیچ رہے تھے۔

سب نے ان کو بے ساختہ مگر پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔

دیکھا کتنے شاندار ہیں ہمارے بھائی میاں طارق نے درہنہ کی طرف جھک کر کہا۔
وہ غصہ کر کے گھوڑے لگی۔

جائے گئی مگر قی نہیں دیکھ کر اس نے رازداری سے درہنہ کی طرف جھک کر کہا۔
ایک کو تو چھوٹے بھائی اٹھا کر بھی لے گئے تھے۔ طارق نے ٹکڑا لگایا جس سے قبیلوں کی
برسات ہو گئی۔ فوزیہ تو دیر تک ہنسی رہی کہ اس کی آنکھیں ہم جو گئیں۔

وہ پھوپھو کتنا مزہ آتا ہے آپ کے ہاں۔ شوہر کو بہت اظہار رہا تھا۔

بھئی وہ چاہا نہیں مل رہی ہے طارق۔ عثمان کا روشن چہرہ طارق کی سمت تھا۔

طارق سے پوچھیں گاڑی یہ اندر دیا تھا۔

ایک منٹ بھی آتا وہ قہری سے کمرے کی اندر گیا تھا۔

اس جان مہنوں کی پسند سے کھانا جانے کا۔ نبیوں نے پر اطلاق مسکراہٹ سے پتی
کڑتر کو دیکھا۔

اور یہ تمہارا افس جانے کا موڈ نہیں، نبیوں نے ارمغان کو اطمینان سے سینہ دیکھ کر
عجب سے پوچھا۔

جا رہا ہوں۔ آج ذرا سیٹ تھی۔ وہ مسکروے اور عثمان نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

چھٹا بھئی قدر حافظہ، قدر حافظہ، اس جان۔ انہوں نے اس کو خصوصیت قدر حافظہ کہا۔

پھوپھا جان میں نہیں جیسے جاتے ہیں۔ درہنہ نے پھوپھا کی یہ مودودی محسوس کی۔

مروغ سے پیسہ جاتے ہیں تمہارے پھوپھا صبح کے انتظار میں تو ان کی دست نہیں نکلتی۔
وہ بولیں

کیا ہمارا چہ۔ فوزیہ نے بھڑکی سے پوچھا۔

آتے ہی چار رکتا شروع کر دیا ہمارے گھر والوں کو۔ ٹیک قال نکالیں منہ سے۔ طارق
کی زبان پھڑ پھڑاتی۔

نہیں بڑی محنت تو ان کی بیٹوں سے بھی اچھی ہے۔ بس سحر خیزی کی عادت بلکہ شوق
ہے۔

کچھ حاکم نہیں آتا ہے آہ عمر گاہی

طارق نے شرارت سے مصرعہ پڑھا۔

ایک تو بولیں گے ضرورہ عورتوں کو بھی بات کر دیا انہوں نے تو۔ اس جان کو غصہ آ گیا۔
چوڑاٹھو پنے اپنے کام و حندوں پر نگو۔ شکوہ صفا کی کرتے آتی ہی ہوگی۔ ہاں تو بیٹی

تمہارے پھوپھا صبح سویرے ٹھنڈے کے عادی ہیں۔ ناشتہ بھی صبح سے پہلے کر لیتے ہیں روزانہ
دو میل پیدل چلتے ہیں۔

جی۔ تیوں کی آنکھیں جھری سے پھٹ گئیں۔ دو میل۔

ہاں بیٹی، اب یقینی کی تو کوئی بات نہیں۔ شروع ہی سے ان کی عادت ہے۔ جب میری بیٹی
نی شادی ہوئی تو میں سوچ میں پڑ گئی کہ خدا یا یہ منہ اندھیرے کہاں جاتے ہیں۔

میں ان کی جگہ ہوتا تو سوچتا کہ سو دن کو سنگل دلیبی جے ہوں گے کہ نکل آؤ رات چہ چکی
ہے۔ حسیب نے

برجست کہند ایکہ قہقہہ پڑا۔

ہوں۔ یہ بھی کسی سے پیچھے نہیں فوزیہ نے حسیب کو گھورا اور مسکرا دی۔

اے یہ تو سب سے زیادہ پورے ہیں۔ ان جہاں کو حسیب پر پیاؤ گیا۔

اچھا یہ بات ہے۔ دریا نے اچھا پر زور دیا۔

رات کھانے پر بھی وہ خاموشی سے تھے۔ فوزیہ نے کہا۔

بٹی وہ تو ہیں ہی کم کون کے حصے کا ان کے بیٹے جو بول لیتے ہیں۔ الامحان ہے ان پر

باقی یہ سب ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔

تم جٹ سیر کرنا چاہو تو ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔ فکر نہ کرنا۔

گازی عثمان بھگواوے گا۔ تم رام سے پرہیز کرنا۔

مب اپنے اپنے وعدوں میں لگ گئے، تو یہ برتن سینے میں پھوپھو کا ہاتھ بٹانے لگی۔

وہا ہر لکڑیاں جن رہے تھے۔ ہر طرف دھوپ بھیل چکی تھی کہ آئین کے اندر سے رونے کی

آواز آئی۔ وہ ہاتھ میں پڑی ہوئی لکڑیاں اوپر ڈال کر خدائے۔ بچکیوں سے بچے کا پورا وجود

بل رہا تھا۔

وہ نزدیکی آئے اس کے۔ شعی بال پیشانی سے بندے۔

خوش بخت کیسا رہا ہے۔ روئیں تو وہ جو وقت رخصت کے انتظار میں ہیں اور وہ ان
خان ہیں۔ انہوں نے اس کا سر سہایا۔

ابھی ہستی میں چلیں گے تجھے وہاں کی رونق دکھائیں گے۔ وہاں بہت اچھے لوگ ہیں۔

من سے اچھے ہیں جو اس بیاتان میں تجھے، تار گئے اور کوئی قیامت ہی چھوڑ گئے، پتے حصے کی۔

آخر تاریخ خود کو ضرور دہرائی ہے۔ دیکھ بیٹے نہ رہا۔ نہ رو مہرے بچے تیرے سہارے بھروسے

لوٹے ہیں۔ پھر بھی مجھ پر بھروسہ کر۔

ہات سنئے کیا می وہی ٹرین واپس آنے کی بچکیوں کے درمیان معصوم آواز کانپتی۔

کوئی بھی چیز واپس نہیں آتی۔ جو وہاں آتے ہیں وہ وہ نہیں ہوتے جو جاتے ہوئے

ہوتے ہیں۔ اس کی کچھ میں تو خاک نہ پڑا مگر تیرا ضرور کچھ گیا کہ خوب میں الگا دیا تاثر ہے۔

اس نے پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

وہ بیٹھ گئے اس کا سراپے سینے سے لگا لیا۔

دیکھ تو روئے گا تو میرے عمر اور گھٹ جائے گی۔ تو تو خدا کی ساری توجہ کا، لگ ہے۔ وہ

رب جو شکر سے بیز رہے۔ اور شریک ٹھہرنے والے کو ذمہ کی طرح بے آسرا کر کے رکھ

دینے والا تھا۔ سے اتنا قریب ہے۔ تجھے اپنی خوش بختی کی خبر نہیں۔ تو یقین دکائے کے حال

سے دوریت وفد کے تصور میں فرق سے بے نیاز معصوم و پاک۔ اے بے نیامیدائے کی کہانی،

سے نئے وقت سنی تاریخ۔ نہ تڑپ کہیں خدا کو جلال نہ آجائے۔ وہ تیرے بھروسوں کی رہی

نہ کھینچ لے۔ وہ بڑا بے نیاز ہے۔ بڑا ادا ہے۔ رحیم ہے۔

انہوں نے بشر کی پیشانی پر جم لی۔

آپ مجھے می کے پاس لے کر جائیں گے بشر کا چہرہ متورم ہو چکا تھا۔

اس کے مصہوم سوال پر وہ خاموش ہو گئے۔

حقوق العباد میں مسافروں کے حقوق بھی ہیں۔ اور تو مسافر ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لیکن، تاہم وہ کھ میرے بیٹے، میری طرف سے کوئی کی نہیں ہوگی۔ نشانہ دیکھتے ہیں خدا کو کیا

منظور ہے۔ تیرے مہربان کہاں ملتے ہیں۔ اور کیا لکھا ہے حیرتی تقدیر میں لیکن بچے تو رحمت۔

ان کی بڑھی، خشک اور کمزور نگلیوں نے اس کے اشک خضاروں سے پوچھے۔

وہ خاموش ہو گیا مگر سسکیاں بدستور بھر رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

چار خانے کا رد مال اپنے کاندھے پر ڈاسر پر ٹوپی رکھی اور ایک کپڑے کا تھیلہ اٹھایا۔ پھر

بشر کی نگلی خاموشی جانے کس سمت چل دیئے تھے۔

بیٹے تو پڑھتا ہے سکول میں۔

جی

اچھا۔ وہ بہت خوشی سے بولے۔ پھر تو پڑھا لکھا، آدمی ہے، بڑا آدمی ہے تو تو۔ مجھے معلوم

ہے قلم کھڑا اور بات ہے لیکن اس کی ہیئت سمجھنا اور بات۔ خدا کرے تو وہ بڑا آدمی بنے جو

قیامت میں نیکیوں کا مصاحب ہو۔ خدا تجھے حرف و قلم کی سمجھ دے۔

وہ دھمکے دھمکے بولتے چارہ تھے۔ وہ بہت ہی ضعیف تھے۔ ان کی چال بہت ہی

آہستہ تھی۔ اس کو ان کی باتیں بھی سمجھ نہیں آ رہی تھیں۔

پھر بھی وہ سے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ جیسے باور پائی کا اولین جھونکا۔ نرم نرم اور شفقت

سے۔ اس کے دل کو یقین سا ہو چلا تھا، وہ سے می سے عمر بھائی سے ضرور ملادیں گے۔ اور

اسے اپنی رتھ ڈالے پر عائد آئی سے حسب پسند حسب وعدہ گفت بھی ضرور ملے گا۔

عائد۔ جذبیہ سے ہٹ کر سوچو۔ علی بھائی کا یہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ

خاتون چھتھیں لکھیں گے۔ میں نہیں ابر چنسی کہہ کر بدور ہا ہوں۔ تم سب عورتوں نے مل کر

میری عقل خراب کر رکھی ہے۔ وہ جھلائے۔

وہ بہت پریشان ہو جائیں گے۔ آپ یہ بھی تو سوچیں۔ ان کے اتسو پھر تو اتر سے بیٹے

لگے۔

یہ تو ہونا تھا ہے عائد، وہ کہہ کر محبتوں نے تمہاری قوت فیصلہ کو متاثر کر رکھا ہے۔

ابھی ان میں تمہیں اطلاع دیئے آیا تھا پوچھے نہیں۔ وہ باہر نکل گئے۔

وہ آہستگی سے اپنے بھائی کے پاس آ گئیں۔ یہ بھی کی والدہ محترمہ۔ جھوم جھوم کر کچھ پڑھا

رہی تھیں۔ اور پڑھا پڑھا کر اپنی پر کچھ دم کر رہی تھیں۔ جن کی واقعی بہت بری حالت تھی۔

انہوں نے عائد کا چہرہ پڑھا۔ اور نا امید سے نظروں سے نظریں جھکا کر پھر پڑھنے میں

مصروف ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد انہیں یہ ورنہ کے وجود میں حرکت سی محسوس ہوئی۔

انہوں نے بھابی کے چہرے پر نظریں جمادیں جن کی چٹکیں آہستہ آہستہ کانپ رہی تھیں۔ مگر انہوں نے سسکار مٹی بھری۔

ہائے میرے اللہ شاہ صاحب گڑیا دوری ہے۔ مجھے سہی کی آواز آ رہی ہے۔ گڑیا بیوکی ہے۔ میری بچی۔ میری زندگی۔ یہ اندھیر کیس ہے۔ پتھر در رہا ہے۔ آہ کتنا اندھیر ہے۔ در کتنا معصوم بچہ۔ اے خدا مجھے موت دے دے مجھے معاف کر دے۔ وہ نقاشہ دوری تھی جیسے ان کا وجود کسی طوفان کی ضد میں تھا۔

بھابی عاتقہ نے بھابی کو پکارا۔
دے میری بچی بھابی کی والدہ نے ان کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھا۔ انہوں نے پت کسے آنکھیں کھول دیں۔

جی مضبوط کرو بچی سنبھالو خود کو۔ معصوم بچے ہیں کہیں جاسکتے ہیں۔ آتے ہی ہوں گے۔
بھابی سنبھالے خود کو اس طرح کرنے سے ہوجا بھی کیا۔ حوصلہ پکڑا۔
عاتقہ گڑیا۔

بھابی۔ صرف گڑیا ہی نہیں عمر اور پیش بھی۔ نہ جانی کیوں سالن کا ہجر تلخ ہو گیا۔
عاتقہ گڑیا تو بہت چھوٹی ہے، عمر بشرق سمجھدار ہیں۔

سات آٹھ سال کے بچے تو واقعی بہت سمجھدار ہوتے ہیں۔ انہیں شدید حسد آ گیا۔ کتنی سفاک اور خود غرض ہے یہ عورت، نہیں سخت نفرت محسوس ہوئی تھی۔

روشن بچی ماں کے عاتقہ کی مستند نگاہوں

بچی اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے، بچے حواس میں نہیں ہے یہ۔

ہونہ۔ انہیں تو ایک کانٹہ ہے اور مجھے تین تین کا۔ اس کا دل بھر بھرا تھا۔ وہ بوی نہیں خاموش ہو گئی تھیں۔

رات کے دوا بچے تھے۔ جب کال بیل بجی پڑی تھی۔

سنانے میں کال بیل کی آواز ایسے ہی محسوس ہوئی تھی جیسے جنگ کا بگ بجا ہوں۔

عاتقہ چونکہ در جنگ روم کے ایک صوفے پر لیٹے لیٹے غافل ہو گئی تھی۔ اس سے فوراً وہی باہر آئی تھی۔ ویسے بھی ان حالات میں اس کا شعور شعور سے زیادہ مستعد تھا۔ انہوں نے گیٹ کے قریب آکر معلوم کیا کہ کون ہے۔

میں ہوں عاتقہ، روایت علی شاہ کی آواز جھٹکن سے چوڑھی۔

ان کا گاتن صحیح تھا۔ انہوں نے جدی سے گیٹ کھولا۔ ان کی متوقع آمد کی وجہ سے انہوں نے گیٹ چرنا، بھی نکلا اور لوہا تھا اور خود در جنگ روم میں لٹھی ہوئی کی منتظر تھیں۔

ورایت علی شاہ کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوٹ کیس تھا۔ وہ پینٹ شرٹ میں بیوی تھے۔ گیٹ کے اس پار ہی اس کی آنکھوں میں ہزاروں سوال تھے۔

عاتقہ کا دل چاہا ان کے سینے سے لگ کر دھڑکے۔ مگر انہوں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

السلام علیکم بھائی۔

انہوں نے یمن کے سر پر ہاتھ رکھ کر گویا دیرے سے خواب دیکھا تھا۔

کسی کو، نہ انہیں عائد تھ، کسی من سب سے زیادہ ہو۔

تمہاری بھائی بھی کہیں ہیں ان کا بچہ پوچھ لیا تھا۔

ان کی طبیعت ٹھیک تھیں ہیں بار بار پیش ہو جاتی ہیں۔ دونوں ہاتھ کرتے ہوئے

برآمدہ پارکر کے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔ عائد انہیں کیسٹ روم میں

کیم تھیں کہ پتہ بند روم میں وہ اس وقت جانا نہیں چاہ رہے تھے۔

عائد۔

نہ بھیا۔

مگر سچے نہ ملے تو عائد نے خوفزدہ ہو کر بھائی کی شکل دیکھی۔

تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

ایک احساس یہی تھا، مضبوط بھائی کے اس قدر بکھرے کا وہ موقع بھی نہیں سکتی تھیں۔

خدا نہ کرے۔ دور میں گئے کیوں نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھیے۔

عائد مجھے بتا دیا سب کیا ہے۔ کیسے ہو گیا۔ انہوں نے سر ہٹا لیا۔

مجھے تو خود اصل بات نہیں معلوم اس اتنا پتہ چلا کہ عمر، وزنیہ، قاصد ہیں۔ میں گھر پر آئی

تو بھی عمر اور گزنیہ کا نام لے لیا تھیں۔ میں نے پوچھا بڑا کہاں ہے تب بھائی کو پتہ چلا

بشر بھی نہیں ہے۔ میری تو خود کچھ نہیں، رہا کہ یہ سب کیا ہے۔ وہ ہے چارگی سے بولیں۔

ہماری تو کسی سے دشمنی بھی نہیں ہے عائد۔

ہو سکتا ہے، انہی نے روپیہ ہلک کر کے نہ یہ سب کیا ہو بھیا۔

شاید، وہ کس قسم انداز میں پوچھے۔ اگر یہاں تو خدا لے کر وہ شقی القلب نہ نہ جلد

سہمے آئے۔ پیرین بچوں سے بڑھ کر نہیں ہے عائد۔

خود پر قابو رکھیں بھیا، نشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ آرام کر لیں بھیا تھکے ہوئے

ہیں۔ عائد نے محبت سے بھائی کا شانہ چھو کر کہا۔

تب وہ ان کی خاطر آرام کرنے پر راضی ہو گئے۔

ڈرامہ اسٹیجک سوٹ نکال دو۔ اس میں سے انہوں نے چھوٹی سی چابی عائد کی طرف

بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہاں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ چھائی کے شدت سے طاسب ہوں اور کچھ سوچنا چاہتے ہوں۔

تو مجھ نے دوری سے میاں صاحب کو پہچان لیا تھا۔ وہ ایک بچے کو ان کے ہمرہ دیکھ کر

تجسس اور اشتیاق سے ان کی طرف بڑھا تھا۔

السلام علیکم میاں صاحب

میاں صاحب نے نکل جاتے وجود پر قابو پا کر ہاتھ تھا کہ سلام کا جواب دیا۔

میاں صاحب کس کا بچہ ہے۔

نور محمد نے لپک کر بچے کو گود میں اٹھالیا۔ بشر کو نور محمد کے دور دراز علاقے تک پہنچلی ہوئی موٹھیوں سے خوف محسوس ہوا، وہ گود میں پھلنے لگا۔

اسے نیچے اتار دے، اسے امتحان میں نہ ڈال بھی اس کے حوصلے اس کے قد سے چھوٹے ہیں۔ میاں جی نے بشر کے رشتہی باپوں میں ہاتھ بھیرا۔

نور محمد نے بشر کو تار دیا وہ میاں جی کی ٹانگوں سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔

یہ بچہ

انسان کا بچہ ہے، نور محمد کیا یہ بہت نہیں۔ وہ بشر کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھنے لگا۔

حمیامیرا صاحب، نور محمد نے اس کی پیشانی پر ٹپا دیکھنے کی کوشش کی، درگھٹکھیا کر ہاں میں ہاں ملائی۔ انہوں نے ایک دروازے کے سامنے رک کر زنجیر ہوائی۔

دروازہ کسی عورت نے کھولا، درمیاں جی کو دیکھ کر یک دم پر جوشی ہو گئی۔

بشر میاں جی کی اوٹ میں ہو گیا۔ اسے شیشے کے کام کا لب سا کرتا پہنتے یہ عورت بہت عجیب کی لگی۔ جس کی ناک بھی موٹی تھی، سی حساب سے اس نے ناک میں پیسے کے برابر جھونک بھی بچا رکھی تھی۔

آؤ صاحب! قسمت والوں آج ہے۔ آپ میرے گھر آئے ہو، میں نے میاں جی کو راست

دیا۔

تیرا، دی کہاں ہے بچل کی، اس کی، اور میں، سسکی بھی تھی درمیں بھی۔

وہ شیر گیا ہے، میاں صاحب

اچھا۔ من یہ کچھ ہے۔ معصوم بچہ۔

اس عورت نے چونک کر میاں جی کے اشارے کی سمت دیکھا۔ یا (بیٹے) کون ہے تو۔ وہ بشر کی خورشی چھو کر امتیاق و رہا سے بولی۔

میں مسجد جا رہا ہوں۔ عرس کا وقت لگلا جا رہا ہے۔ اس بچے کو نبھاد دھار کر، کچھ کھل چا دے۔ عورت نے بشر کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔

میاں جی نیچے بندھ گئے، بشر کے ہاتھوں میں ہاتھ بھیرا۔

میرے پر امید رب کے پیار میر۔ آج بچے بتاؤں۔ بعض اوقات ہم جن سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پناہاتھ دیتے ہیں۔ وہ اسے ہاتھ کاٹ دیتے ہیں۔ بعض اوقات جن سے ہم ڈرتے ہیں وہ اسے راستے کے کانٹے بتا دیتے ہیں۔ میرے بیٹے بھروسہ کرنے کا کوئی پتا نہیں لیکن بھروسہ کرنا چاہیے۔

وہ معصوم بچہ تھا۔ سے میاں صاحب کی باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ لیکن اس پر کچھ اثر ہوا تھا۔ وہ خود اس عورت کے قریب گیا تھا۔

آئی آپ مجھے عمر بھائی کے پاس لے جائیں گی۔ اس کی آواز بھرائی۔

میاں صاحب عورت پریشان ہو گئی۔

سے جھپٹوں سے بہت بچل کی ماں جھوٹ سے نہیں۔ میں ان کے ماں باپ کے لینے

کوشش کروں گا۔ پھر اسے سچ بتاؤں گا۔ اس سے بال برابر جھوٹ ناپولنا چلے گی۔ مصصوم
زندگی کی بنیاد جھوٹ پر نہیں رکھتے خواہ اس کا کلیجہ پھٹ جائے سچ سن کر سچ یکے، ایک دوسرے
چلنا ہوتا ہے۔ پھر پچیس دن سے قی کوں نہیں۔ روانہ نہیں میرے بچے میں تین گھنٹے بعد نشانہ
دیں گا۔

انہوں نے نگلیوں کی مدد سے اس کے پال سینے۔ خدا مصلوم اس بوز سے کے وجود میں
وہ کون سے روشیاں تھی جو نگلیوں سے پوروں سے نکل کر اس کے وجود میں تر گئی تھی۔

مجھے ڈر لگتا تھا اس نے قریباً وہاں ہو کر کہا۔

رب کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ جس کی قدروقیم کا انسان کو احساس ہی نہیں۔ وہ
بمشکل تھے، درحاصل ایک کراہے کے جل پڑے۔

بشر کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا تھا۔

با (بیٹے) اور نہیں۔ آ میں تجھے روٹی کھاؤں۔ سندھی بچے میں اس نے شفقت کا ظہار
کیا۔

وہ تپتی پیشانی پر بازو رکھے بے خبر سے انداز میں الٹی تھی کی بھاری قدموں کی چاپ سن کر
اس کا کلیجہ جل گیا۔ اس نے وہاں کی گرد و آشغال ہٹا کر دیکھا۔ وہی تھے۔

وہ نیگم کو انور دیکھ رہے تھے ورنہ خانہ لڈا بن نہیں دیکھ رہی تھی۔

پھر اس کے منہ سے کراہ نکلی۔

شاہ میں مٹ گئی میری بچی۔ آہ۔

میں بھی مٹ گیا ہوں روشن۔ تمہاری صرف بچی اور میرے بچے۔ ان کے بچے میں شہید
دکھتا۔

ہاں۔ شاہ۔ ہمارے بچے۔

وہ تہہ رے بچے نہیں ہیں روشن تمہیں یاد دہانے پر یاد آتے ہیں۔

روشن میرے حواس معطل ہیں دعا کرو میں پاگل ہو جاؤں کیونکہ میں تم سے غمت، غصہ،
لینے کا ارادہ کر رہا ہوں وہ فرمائے

روشن کا دل خوف سے بیٹھنے لگا۔

آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے بچے۔ میرے اللہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں تم سے اس موضوع پر فی الوقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے کہ میں اپنے ہوش
میں نہیں ہوں۔

آپ اتنے کم اہست بن رہے ہیں شاہ میرا کیا ہوگا۔

میری تمام پرچی لٹ گئی تم ہستوں کو رو رہی ہو۔ کن کے لئے کہاں گا۔ گھر سے محبت
کروں گا۔ میری زندگی کا مقصد کیا ہوگا۔

نا امید کیوں ہوتے ہیں

خوش امید ہو کر کیا پایا ہے

ابھی رحمن سے آس نہیں لوئی ہے اس نے فی سوقت تم سے حساب نہیں لے رہا۔
مجھ سے حساب لیں گے وہ ہم کو بڑی
شاید بہت سخت۔

اے میرا کچھ خوف خدا کرو۔ میری بچی تو خود جان پر ہانتی ہے۔ وہ بت علی شاہ کی
حاکم کو بہت دنوں بعد خدیو آگیا۔

میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ تو اپنی بیٹی کے ساتھ سائے کی طرح رہتی ہیں۔ اس گھر
میں آپ دو عورتیں، تین چار
ملازمین ان کا خاندان۔ وہ تین بچے۔

یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ ہم ہی اپنے بچوں کے دشمن ہیں۔ تعجب ہے ہماری زندگی پر
بڑی بی بی نے ہنسا، تھا چہنا۔ یہی بات تو میری، لیکن کا سبب ہے۔ ان بچوں میں ایک بچی آپ کی
بھی تھی۔ مگر گیتوں بچے تو میں آپ دونوں اس بچی کو گھر سے فوراً نکال چکا ہوتا۔

اسے کہتے ہیں تنکی مرہا، گناہ، رم۔ اے اس سفید چوڑے میں خاک پڑنا تھی۔ کیسے
اچھا ہے۔ اے ہم پر ہا ہو گئے وہ بت علی شاہ تم ہمیں دور کچوکے کیوں لگاتے ہو۔
ہاں یہ ہے روشن وہ بیوی کی طرف پٹنے

مانت دار تمہیں بتایا گیا تھا۔ انہوں کا سوال تم سے ہوگا۔ اپنی ماں جان سے کہو وہ
مہضت سے باز رہیں۔

احترام سے جھک جھک جاتے وہ لے دیا وہاں روپ بڑی بی بی کے لئے سلطان دروغ تھا۔
آپ چپ رہیں ماں جان یہ ہماری تقدیر کا حکم ہے وہ گلوگیر آواز میں بولی۔
میری بچی پر پہاڑ ٹوٹا ہے کیسے چپ ہو جاؤں۔

پہاڑ تو میرے بھائی پر ٹوٹا ہے۔ عایدہ اندر داخل ہوئیں اور ہر محل بولیں۔
اے ہم، ایسا قابل اعتبار تھے تو پھوچ گئی پٹے پاس رکھ تیں۔ بڑی بی بی جل کر بولیں۔

بچے اپنے ماں باپ کے گھر رہتے ہیں۔ اگر مجھے پہلے بتا دیتیں تو میں ساتھ لے جاتی۔
لیکن آپ لوگوں کو تو میں نے مٹانا ہے ہی دیکھا تھا۔ لیکن کل سے آپ کو کچھ کر آپ کی سخت
ولی پر حیرت ہوں۔ غیر تک روئیے۔ لیکن آپ کی آنکھ نہیں ہٹگی۔ میری بڑی بی بی نے

کسی کا نام نہیں لیا۔ صرف گز یا بی کو یاد کیا ہے۔ ہمارا یہ مطلب نہیں تھا حال جان کہ ہم آپ پر
شک کر رہے ہیں۔ ہم نے تو اسے بھی جان کی کوتاہی ہی کہا تھا لیکن آپ۔
رہتے دو عایدہ۔ وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ بڑی بی بی مذہورانہ سے سوڑے ہنسی

تھیں۔ لیکن ایک بھی چلی گئی ہیں۔
بولیں۔
ہونہہ کیا بھائی کی ہمدرد بن رہی ہیں۔ بھائی کے گھر سے نکل گئی لیکن عکرائی کر رہی ہے۔

ایک تو میری بچی سوتیوں پر تکی۔ اے میری بیٹی کون سی مٹا پا کاٹ رہی تھی۔
عایدہ کا خون کھول گیا۔ روشن برآمدہ کو اشارے کر رہی تھی۔ مگر بڑی بی بی چل پڑی

تھیں۔

خالہ جان آپ کو بہت آرزو تھی کہ عیسیٰ شاہ کو دیکھنے کی۔ اور مجھے اپنے بھائی کا گھر سنانے کی۔ میرا بھی ارمان چوراہا اور آپ کا شوق بھی۔ اب شکوہ کس بات کا۔

میرا بھائی سپید حاسا چاہے آپ انکار کر لیتیں۔ تو وہ زبردستی تو رہی سکرانی کی بات۔ اصل سکرانی تو دلوں پر ہوتی ہے اور میں دوز دل سے اپنے بھائی کے دل میں ہوں۔

ہم پر قیامت گزر رہی ہے اور آپ دل کے پھپھولے پھوڑے کو تیار بیٹھی ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے جب تک بچے نکل جائیں آپ اپنے گھر چلی جائیں۔

روشن کی مار تو ویسے ہی گم صدم تھی یہ سوچ کر کہ ہائے نے اس کی باتیں سن لیں۔ میری مار روشن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ہائے نے سوتیلے رشتوں کی وہ کہانیاں سن رکھی تھیں کہ نہ چاہتے ہوئے فی دل بدگیاں ہوا جا رہا تھا کہ بچوں کی دیکھ بھال میں۔ ہینا کوتاہی ہوئی۔ تب ہی وہ اتنی آسانی سے۔

لیکن گڑباز تو ان کی اپنی کوکھ جی تھی۔ بس یہاں۔ کر وہ نئے سرے سے ابل جاتی تھیں۔ اور دل میں سوہوم ہی امید جاگتی تھی۔ پھر ان کے کان فون کی گھنٹی کے شکر۔ اور انھیں داخلی

دروازے پر کھڑک ہو جاتی تھیں۔

گڑباز سے اس کی غوش میں سوری تھی۔

وہ چلتے چلتے تنک چکا تھا، اور بھوک نے لگ بڑھال کر رکھا تھا۔

اب گرفتہ انتقام مجھے پر تھکن اور بھوک غامیہ آ رہی تھی۔

وہ بہت دیر سے چل رہا تھا۔ عمر سے اونچا سر ہاؤنٹائی ضرور حاصل تھی مگر ہیٹ کا نقاش بھی غیر معمولی تھا۔

وہ ایک کارنر کا مکان تھا۔ اس کے پیچھے ایک وسیع پارک تھا۔ وہ مکان کے عقب کی سمت چلا آیا اور ڈیوارسٹیک لگا کر بدم انداز میں بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھے ہی گڑباز کسمپاشی اور کھرج کے سرحلق سے لکانے لگی۔

رونا تھیں گڑباز میں ذرا تھک گیا ہوں۔ ہم بشر کو ڈھونڈیں گے پھر ہم گھر۔ مگر گھر کیسے جائیں گے؟ امی تو بہت بہت ماریں گی۔ شاید جان سے مار ڈالیں گی لیکن کیا ہو۔ بشر تو مل جائے گا ناں۔

اللہ بھلا۔ بشر تو بہت چھوٹا ہے۔ پاپا کہتے ہیں میں بڑا بھائی ہوں مجھے بشر کا گڑباز کا خیال دیکھنا چاہیے۔

مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ تمہیں بھی تو بھوک لگ رہی ہوگی۔ تم رورہے ہو گے۔ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔ اب تو چاہا بھی نہیں جا رہا۔

گڑباز کھرج کے سروں سے۔ بھیر ویں، اور بھیر ویں سے وہاں پر آگئی تھی۔

اچھا ہے امی پریشان ہوں گی نہیں ماریں بھی تو کتا ہیں۔ اس کی سوتھیں بدستور رواں

تھیں۔ وہ گڑباز کو چپ کرنے کی ناکام کوشش بھی کر رہا تھا۔

کیا ہے ہمارا؟ اس نے ٹوئیز مینٹوئل پر تھیری سے چلا تے ہوئے جھڑ کر کہا۔

ہمارے بچھوڑے بچے کے رونے، دانہ آ رہی ہے۔

تو میں کیا کروں؟

اری۔ میں تو تھک سے پوچھ رہی ہوں ہمارے بچے کی بچھوڑے کیا رہی ہے ناں؟

ہاں تو دور کیا۔ وہ پھر ترخ کر پوی۔

ارے اس بھری رات میں کس کا بچہ بلک رہی ہے؟

رہنے دو! سامنے کیا بچے تو تیرا روتے ہی رہتے ہیں۔

ستارہ، دانہ لڑکی کی ہے۔

رہنے دو! اس۔ اپنے تجربے۔۔۔ فیروزہ کی دفعہ میں تم نے بھی پشیمانی کی تھی کہ لڑکی

ہے۔ کیسا سولے جیسا چمکا دستکار کا نہیں منہ چاہنے کو پیر ہوا۔ وہ خطرہ نہیں کر پوی۔

جس طرح بھوکے کو چاند بھی روئی کی طرح گول نظر آتا ہے۔ اسی طرح تمہیں ہر طرف

لڑکی ہی لڑکی۔

ہمارا بچھلے دروازے سے کسی بچے کے رونے کی، دانہ آ رہی ہے۔

جھم سے بھگے پا لوس میں ایک چاند کمرے میں طلوع ہوا۔

میں بھی تو ابھی کہہ رہی ہوں کہ ہمارے بچے بھوڑے سے بچے کے رونے کی۔ دانہ آ رہی

ہے۔ دیکھتی ہوں۔ اوجیز عمر عورت نے پورے زور لگا کر اٹھنے کی کوشش کی۔

جلدی کرو پری دیکھ جا رہے ہیں۔ ستارہ نے آہستہ میں اسے فہم بخشی انداز میں گھور۔

عورت کمرے سے باہر نکل کر عقی دور درازے کو کھول رہی تھی۔

بس گزریا۔۔۔ رو دست۔۔۔ پلیز۔۔۔ کیا تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟

ارے میرے چند تو کیوں یہاں تدبیرے میں بیٹھا ہے۔

وہ کھجور، کرکھڑ ہو گیا۔ گڑیا کرتے کرتے پئی۔

عورت نے سونے کے کڑے والے بازو سہارے کو بڑھانے۔

نہیں نہیں۔۔۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

ارے میرے پانچ بچہ بھوکا ہے۔ آ۔۔۔ اندر آ بیٹا۔۔۔ ڈر نہیں۔

وہ شاید گڑیا کے رونے سے بیدم ہو چکا تھا۔ نرم ہجرت کے دل میں اتر گیا تھا۔

سبز شیش زوچہ، میت علی شاہ کو ایک بار پھر بے ہوشی کا دورہ پڑا تھا۔

وہ میت علی شاہ نے خست و کھوہ پریشانی سے اپنے حالات کا زمر نوچا پڑا لیا۔ ان کے گمان

میں بھی نہیں تھا کہ اس حسین عورت کے ساتھ اتنے بڑے بڑے حادثات یا انقلابات کا سامنا

کرنا پڑے گا۔

جو مصیبت لکھی ہوتی ہے وہ میت علی و ضرور بگٹن پڑتی ہے۔ بھلا اس میں اس عورت کا کیا

اقصود ہے۔

ان کے دل نے انہیں ملامت کی۔

کوکھ تو اس کی بھی دیران ہوئی ہے۔ گود تو اس کی بھی خالی ہوئی ہے بلکہ اس کا غمزدہ من
گیا ہے۔ (خدا مظلوم کس کے ہتھے چڑھے ہیں بچے)

وہیت علی۔۔ تم تو اس عورت کے ایسے سے واقف ہو۔۔ تم سے چھوڑ دو تو سے
دوسرا شوہر قول ملتا ہے۔ مگر تم جو کسی اور عورت سے حاصل کر سکتے ہو۔ یہ اپنی زندگی وار کر بھی
حاصل نہیں کر سکتی۔

اس سے اندر دوی کر دو۔ یہت علی۔

اس کے بچے تمکس رہو۔

وہ عہد بھلاؤ نکاح کی صورت تم نے اپنے رب کے حضور کیا۔

دکھ۔ صدقات۔ اندیشے۔۔۔ ٹکس تمہیں دپائے کھڑے۔

اور تم بھی اسی طرح دب کھڑے ہو گویا دن کزوریوں کا تھکا کر رہے تھے جو تمہیں اس

عورت سے بدگمان کرویں۔ اس کا دل پھن پڑ رہا ہوگا۔

وہ کب سے تمہارا تھکا کر رہی ہوگی۔ تمہاری باہوں کا حصار سوچ رہی ہوگی۔ تمہارے
سینے سے لگ کر رونے لگی ہوگی۔

اب کی بار یہ تمہاری سر دھری کی وجہ سے بیہوش ہوئی ہے۔۔۔ عایدہ کا رشتہ تو ہے ہی
حساس اور بدنام۔۔۔ تم عایدہ

کی سوچ سے مت سوچو۔ تمہارا ہناؤ نہیں ہے قوت فیصلہ و تجربہ ہات ہیں۔۔۔

انکاح کا بندھن محض مطلب برادری کے لئے نہیں ہوتا۔

یہ تو مقدس عہد ہوتا ہے۔

محبتوں کا عہد۔

ادبوں کا عہد۔

معزز و سرخ رائل کا عہد۔

بھائے نسل انسانی کا عہد (جو روز ازل خدا کے حضور کھڑا تھا)

تمکساری کا عہد۔۔

بمسطری کا عہد۔۔

بھروسے کا عہد۔۔

تمہارے کا عہد۔۔

تم بہت سے عہد خدا کے حضور کر چکے ہو۔ اسے پیا کر دو۔ یہت علی۔ مرنم رکھو۔ یہ مال
ہے۔ اور تم باپ۔ تم دونوں کے جذبات میں یکساں تین کی نسبت ہے۔ وہ اپنے رویے پر
شرمسار اپنی سر دھری پہ محبہ روشن آرزو کے پاس چھپے آئے۔ ہر چند کہ دکھ ان کے بھی چاہا
موز تھے۔

روشن آرا کو ہوش آچکا تھا۔ وہ ان کی موجودگی محسوس کر کے چہرہ موڑے۔ نکلیں

موندے خود کو بے خبر غرا ہر کر رہی تھی۔

انہوں نے آہستہ سے اس کی پیشانی سے ترشیدہ وغیدہ لٹیں ہٹائیں۔

حوصلہ رکھو روشنی۔ وہ دسے پیار کے موڈ میں روشنی سے مخاطب کرتے تھے۔ اللہ نے
ہمارا امتحان لینا چاہا ہے۔ گزر جائیں گی یہ امتحان کی گھڑیاں۔

یہ صدیاں ہیں شاہ۔ گھڑیاں کہاں ہیں۔ وہ چوٹی تھی شوہر کے موڈ کو پہچان کر نور
جہاں، زبیدہ، شادی مستان گل بن کر پھر سے جیتنے لگی تھی۔

شادی سے پہلے وہ مس شیخ تھی۔ سارا عالم اسے مس شیخ کہتا تھا۔ وہ ایک معروف سوشل
ورکر تھی۔ ایسی سوشل ورکر جن کو مشہور ہونا اچھا لگتا ہے۔

اختیارات میں تصاویر دیکھ کر جن کا سیر ہا خون بڑھ جاتا ہے۔

کراچی کے امروہ کی بیگمات، ان کی صاحبزادیاں، اور وہ خود ایک مشہور و طاہر سوسائٹی
سے منسلک تھی۔

س نے غربت کے دو بیٹے میں ”کچھ کھولی تھی۔

اور اسے غربت سے غلت غرت تھی۔ لیکن یہ اس کی تقدیر کی مجبوری تھی۔

باپ کی زندگی بھی میں، ان نے نرمسک بنائی تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد تو خوشحالی کی
ہر امید مندر پیت گزرتی کونے میں چاسوی تھی۔

یہ اس کا سن چاہئیں تھا۔ اس کے خیالات ہمیشہ سے بندھے تھے۔

اس کے خوابوں کی اڑن احمد تھی۔

سرکاری کو درخشاں بنی گو بہت تھا لیکن اسے یہ کال کوٹری کی طرح محسوس ہوتا تھا۔

سے آس پاس کے، حوال، بکس، اندہ، بان، کنویں کے مینڈک جیسے لوگ ہر ایک سے
کراہیت آتی تھی۔

اس نے سکول کانٹ میں کسی ملل کلاس لڑکی کو گھاس نہیں ڈی تھی۔ وہ ہمیشہ امراء کی

پیشانی کو دوست بناتی تھی۔ ان کی بدو و پوشیدہ فتن کن سے جھٹکتے ہوئے کہتا علیہ کی سن جیسا بظ
لمنی تھی۔

لیکچرار کو واپس ایک بار پھر اس کی شریا نوں میں آگ بھڑکتی۔

اس نے آئینے میں ہر رہا، اپنی صورت دیکھ کر سوال کیا تھا

کیا وہ کوارٹر کے لائق ہے۔؟

وہ سوچی، مادی بیوی پارلر سے خشن ہوئی لڑکیاں۔۔۔ ان نصحتوں کی حقدار ہیں۔؟ اس

کے مقابلے میں۔۔۔

بھری میز کے سامنے سے ٹھننے والی لڑکیاں۔۔۔ کھانے سے ہاتھ روکنے والی ناشکری

لڑکیاں کہ سوٹی نہ ہو چاہئیں۔ ان کی، سادہ نمک تلو ہو گئی تو وہ مردوں کو امتحان میں ڈالنے

سے روک چاہئیں گی۔ پھر ان کی زندگی کا مقصد کیا رہ جائے گا؟

بھلا خدا نے تمہیں شائد وحی میں کیا سونپھنے کو دی ہیں۔؟

اللہ کا تو جی چاہتا تھا کہ

نوٹ کریں کہ لکڑی تو نعمتوں سے بھرپور ترخون ہے۔ وہ خلقِ بھر کھائے۔ اور لمبی تان کر سوجائے اس کی ہر جلی کے بغیر اسے کوئی نہ چکائے۔

وہ سو کر اٹھے تو قسمل کر کے، اپنی نوٹیٹ فیشن کرے۔ فوراً تیار گاڑی کا دروازہ کھولے
اس کا منتظر ہو۔ وہ شہر بھر میں گھومے، ہینڈ کے لوگوں سے ملے۔

اور وہ تخی شکر کی ہنسی ہنسے کہ اس کا چہرہ گھاپی ہو جائے اور تخی نیچرل لگے کہ لوگ اس کی کلکشی کے دائرہ محفوظ رہ جائیں۔

اسی کا ذکر کرتے ہوئے چاہیں۔

وہ جس محفل میں جائے۔ محفل میں سکوت چھا جائے۔ ہوگئے دم بخود ہو کر اسے دیکھیں۔۔۔ دور تک آپس میں ہی کی باتیں کریں۔

اس کی تمنا تھی کہ اسے زندگی میں کوئی کام جبر یہ طور پر نہ کرنا پڑے۔

کوئی مجبوری کوئی کوفت اس کی زندگی میں نہ آئے۔

لیکن بس یہ خواب ہی تھے۔ مومن نے فریمن پر بسنے والے دوسرے دن لوہے کے خوابوں کی طرح اس نے جس طبقے سے دوستی کی تھی، بس جیسا نظریۂ نے کے لئے، اسے بہت پاؤں بیٹنا



ہاں کی جگہ اوے تو گھر کے بجھڑے ہی بیٹھے تھے۔

اس نے ایک پرائیویٹ غرم میں ملازمت کر لی تھی۔ معقول تنخواہ بھی۔

ہاں نے جب جوڑنے کی تلقین کی تھی مگر اس نے سر جھٹک دیا تھا۔ کئی خیال وہ پیش کرنا پڑتی ہے لیکن خدائے بے نیاز نے ایک روز اس کی طرف توجہ کر لی۔ اور اسی طرح کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں بھی ہو جائے گا۔

اوریت علی شاہ کا بھرے پازار کی شاہراہ پر یکسیٹنٹ ہو گا۔۔۔ یعنی وہ اس برقی طرح رنجی ہوئے تھے کہ زونکی ہاسٹل کی ایمر جنسی میں رہے گئے تھے۔

وہاں سے پھر انہیں پرائیویٹ روم میں منتقل کر دیا تھا جہاں روشن تار کی ہاں سسزرقی کی
ڈیوٹی لگائی تھی۔

وہ بیت علی شاہ جب محبت کی طرف پہلے دو فارغ و متقی سے عاجز آئے تو مستشرقین سے بات چیت کرنے لگے۔

انہوں نے تکلیف کی حالت میں بھی ایک مترجم آواز کی پارسائی تھی۔

چاہی دے دینا اس۔۔۔ محکم سے ہر حال سپر یہ وہ زہبوس نے من راقوس میں ضرور کی تھی جب سسٹر رقیہ ٹائٹ ڈیوٹی پر ہوتی۔

وہ بیت علی شہو ایک صاحبِ حیثیت انسان تھے۔ اعلیٰ تہذیبی پس منظر و روحانی سوسائٹی کے رہنما۔

نہیں تھا کہ انہوں نے مشرّم آواز نہیں کی تھیں یا حسین صدوق کو تو سے ہوئے تھے۔
لیکن آواز کا حسن بھی مختلف انداز رکھتا ہے۔ یہ پھر اس آواز کی انفرادیت یہ تھی کہ تھکن
سے چور ہوتی تھی۔

وگرت نہ کی مرحومہ بیوی جو بریست کسٹر کا شکار ہوئی تھیں بہت حسین ورسادہ تھیں۔ ان
کی آواز کا حسن شاید اس سے زیر چور نہیں آیا تھا کہ ان کی صورت پہلے دیکھی تھی آواز بعد میں
سنی تھی۔

راشعوری طور پر تھیں آواز کی کشش نے متاثر کیا تھا۔ وہ بے شکرتھے کہ کب سسز و قیر کی
نائٹ ڈیوٹی لگتی ہے، و کب وہ آواز سننے کو ملتی ہے بلکہ صورت بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ بعض خدا
تعمری سے رویہ بھرتھے۔ ان کی کہنی اور سر میں چونٹیں آتی تھیں اور وہ اللہ کے شکر گزار تھے کہ
ان کے جسم کا کوئی عضو ناکارہ نہیں ہو تھا۔ جس کا اندیشہ انہیں ہوش میں نہ آتے ہی ہو تھا۔

اس دن سسٹر جینٹر کی ڈیوٹی تھی۔ اس نے انہوں نے اندازہ کر لیا کہ ناٹھ کو رقیہ ہوں
گی۔

وہ شام کو دیر تک چل قدمی کر کے اپنے کمرے میں ہوئے تو چونک گئے۔ وہ کرسی پر بیٹھی
فینن میگزین دیکھ رہی تھی۔ بھی وہ واقعی طور پر اس کمرے سے باہر ہی تھے۔ عایدہ، عمر، بشیران
سے ملاقات کر کے گئے تھے۔ وہ بھی تک اپنے بچوں میں کم تھے۔

اسے سامنے ہنسنے اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر وہ رنجوہ سمجھ گئے کہ سسٹر رقیہ سچی بی بی مانگنے

وایسے۔

اجس دی (آئی۔ ایم۔ سوری) وہ نماز اور پیکام سے گئی ہیں۔

وہی تھیں انہوں نے اچلتی نظر سے اسے دیکھا۔

ڈارک برقعہ سوٹ اور براؤن کھٹکھریا لے باہر میں وہ غیر معمولی ہیڑ کی نظر آتی۔ اس
کے چہرے پر میک اپ نام کی کوئی شے نہیں تھی مگر بانٹوں پر ہم رنگ کیو کس ضرورت تھی۔ نازک
سی برقعہ سینڈل سے چھالکتے نرم گلابی پاؤں تک دل میں ہتر رہے تھے۔ کس قدر فرق تھا، اس
بینی میں۔

انہوں نے ایک دم نظریں موڑ لیں۔ ایک شوق پیدا ہو تھا۔ آواز سن کر سوچا ہو گیا تھا۔
اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟ اور کہیں کلیہ میں گھٹنیاں سی بھی محسوس ہوئیں۔

اب آپ کی۔۔۔۔۔ بہت تعریف کرتی ہیں۔ میں آپ کے آرام کے خیال سے روم
کے اندر نہیں آتی تھی۔۔۔۔۔ مال نے بتایا کہ اب آپ جاتے ہیں۔

بر تو پہلے بھی نہیں تھا جانے کیسے انہوں نے برجستہ کہہ دیا۔

میرا مطلب ہے اب آپ کے زخم بھر رہے ہیں۔۔۔۔۔ مال نے کہا تھا آپ کی خیریت معلوم
کر کے چاؤں۔ کہ آپ کے اخلاق سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔۔۔۔۔ کہہ رہی تھیں اتنا بڑا آدمی
مگر خروہ بالکل نہیں ہے۔ آپ نے انہیں بلا وجہ پریشان نہیں کیا ورنہ بعض مریض تو خود کو خود کی
پرید کرتے ہیں۔

وہ مس شیخ سے مسز شیخ بن گئیں۔ انہوں نے نیا نام رکھنا پسند نہیں کیا کہ اس نام سے وہ
میں رشتہ ہوتی تھیں۔

اوریت بھی شاہ نے اس پر کوئی عترت نہیں کیا۔

من کے خیال میں یہ کوئی ہم بات نہیں تھی کہ وہ، چتے پاپ کا نام استعمال کریں یا نہ کرے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اور اس میں کوئی شرعی خلاف ورزی کا بھی یہو نہیں۔

اے بیٹے! طوق کے ساتھ جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔ زمانے بھر کی خاک
پھان رکنی ہے اس لئے۔

لڑکے تو سب، ایک سے ہوتے ہیں پھر پھوٹا نہیں سب جگہیں زہابی یاد ہوتی ہیں۔

۔ اس بات رقی بھائی تو ہاتھ دے لگتے۔ پھر تو مجھ کو جانی والی لڑکی میں نظر آتے ہیں۔ پھر شام کو نقشے پھینک کر بیٹھے ہوئے۔ غور سے منہ ہٹایا۔

ہم قصص، نظام کریں گے تو وہ نامہ کامل ہی نہیں سمجھے۔ مزید لے لے پنے نامعلوم کی حد تک جانتے ہوئے خود کو چھوچھو کا ہم خیال نہ ہوں گے۔

مجھے تو اس بات کا خیال ہے کہ تم کہیں پریشانی یہ ڈھاؤ۔ اس جان نے قدس
خدا برکات۔

ڈاؤن کٹر چھو پھولا، ہمیں حسیب فاروق نے چھکا بھی دیا تو ایک ٹکٹ میں

دومرے یعنی۔

سلاش میں رہتی تھی۔

تو یہاں ہم چھٹی والے روز پر وگرا کر کھلے ہیں۔ عثمان بھٹی اور ارمان بھٹی بھی ہونگے۔ ان کی موجودگی میں کیا حلقہ ”بے گار“ ویرانے میں مسخ نہ کیا۔

طارق بھائی اور حبیب، اگر ہا وے ساتھ چلنے کو یہ دلوں حضرت کو بردہ دینے
 رہیں گے اور یہ تینوں کا شمس۔ ورنہ نے پھر ٹک کر کہا۔

مرنے نہیں بیٹی۔ یہ پانچویں ایک سے ہیں۔ کوئی رعب و جب نہیں، خدا تبارہ تم نے
متنوں میں دیکھ لی۔ اب آپس میں احترام کا رشتہ تو رہنا ہی چاہیے، ورنہ
عروس کا غلط بھی۔ اب یہ بھی کیا کہ بڑے چھوٹے کی تہیز ختم ہو جائے۔

وہ آپ جو طرہ رقی بھیئی کوسا تھلے جانے پر اصرار کر دی ہیں ناں دیکھ لیجیے گا
مہاراجہ کہہ کر کر کے رکھ دیں گے ہر من بھر ضرور مستقیم پر چلتے ہی تلقین کرتے

وہیں گے۔ مجھے تو شبہ ہے کہ دامت اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تعلیمی جماعت میں انھیں دیکھا تھا۔ تو ذرا لے منہ بناؤ۔ کیوں چھوچھو۔۔۔؟

اور ہے یہ بچہ ہرے تو آج تک
سمجھ سکیں اور بہت مول ہو
ڈوب ڈوب کر رنجیدہ ہو گئے۔

سب من لیا ہے جس نے۔ حسیب پیچھے سے آواز دے۔

قسم لے لو جو ہمیں ڈرہو اور پروہ ہو کہ تم نے سب کچھ من لیا۔ فوڑیہ مسکرائی۔

تاو رگھو رقی بھائی کو کہہ گئی ہے تجھے مخلوق خدا غلام کیا نہ کیا۔

وہ صاحب کیا مخلوق خدا سیٹ کیا ہے۔ فوڑیہ قہقہہ مار کر فحش پڑی۔

اس مخلوق خدا جس پھوپھو بھی شامل ہیں یا دور ہے۔

جی کہہ "اب جان" آپ سے تو ہمیں غذا ماری کی امید نہیں تھی۔ آپ بھی ت چار دن کے

مہمانوں کے ساتھ۔

سے تو کیا ہم بریاں کر رہے تھے۔

اچھائیاں بھی نہیں تھیں۔

اے یہ بچو سا میرے لیے جانے کو کہہ رہی تھیں۔

بات یہ ہے مسٹر حسیب بلکہ آپ کے لیے شرم کا مقام ہے۔ اتنے دن ہو گئے ہمیں

یہاں آئے ہوئے۔۔۔

صرف تین دن۔۔۔ حسیب نے بات کافی۔

چوتھین دن اگر تین دن کیا مہمانوں کے حوالے سے بہت نہیں۔ ہم کرپنگ کی

سیاحت کو جانا چاہتے ہیں۔ ایک کو ایف ٹیڈ گائیڈ ورکار ہے۔

پھوپھو نے تمہیں خوش کر دیا۔ فوڑیہ بولی۔

اور فوڑیہ بچہ کو تمہاری کواٹیکش پر شب ہے۔ فوڑیہ نے مزید حلاوت مہم

پہنچائی۔

اور جس نے اسے کب پیش کیا۔ طارق کو کیا تھا۔ وہ ساوگی سے بولیں۔

چھوٹے بھائی کو پیش کر دیا؟ حسیب نے معصومی حیرت سے کہا۔

وہ تینوں بے تحاشہ فحش رہیں تھیں۔

بھئی موٹا نیگ کی چنگھڑے کی آواز پڑی ہے۔ غالباً چھوٹے بھائی پیش ہونے کے

پے آچکے ہیں۔ دوسری ہائیک بھائی صاحب کی آئے گی کیونکہ وہ سیکنڈ ہینڈ نہیں

اس لیے اپنی آواز بہت شرماتے ہوئے سناتی ہے۔

میری اور فوڑیہ بھائی کی مشترکہ ہائیک سب سے زیادہ شور مچاتی ہے۔ آخرو کا

اثر دکھانا ہوتا ہے۔

ہنا ہے فوڑیہ یا ایک مرتبہ طارق بھائی کا کوئی دوست رات کو ہمارے آیا تو طارق

بھائی کو مبارکباد دیتے لگا۔ کہ کاروبار مبارک ہو کھر تلی میں کر رہے ہو آرم رہے

گا۔ "ج کل" ویسے بھی موٹا نیگ کی بہت مانگ ہے۔

سے ہاں میر تو دل ہوتا ہے ایک ماری سواری ہے بچے گھر سے نکلتے ہیں

تو سارا وقت خدا کو یاد کرتے گزرتا ہے۔ یہ عثمان ہے نا سے ہمیشہ سے اسوں کے

تھارے کو فٹ ہوتی ہے۔ میں اسی نے سب کے مزاج بگاڑے ہیں۔

اب آپ کو کیا بتا سکتا ہوں پر اب ہم کا۔ بھائی جان کو احساس ہے اسی لیے۔

کشمکش بات کا احساس ہے "عجیب طرز پر برآمدے میں چلا گیا کی رنگت جھلکتے ہوئے
تروتازہ صبر۔

موٹر ہینک کے ڈیوڈ پر بھروسہ فرما رہے تھے جس پر حسیبؒ نے شرارت سے

—

چھوٹے بھائی آپ کے دوست کی بات نہ رہا تھا جنہوں نے آپ کو کاروبار کی
مبارکباد دی تھی۔

اچھا۔ وہ موچیوں پر انھیں پھیرتے ہوئے انہیں دوسرے کمرے کی طرف
 ڈالنا بس وغیرہ تبدیل کرنے کی یہے بڑی حقارت۔

بعض اوقات تو طارق بھائی بڑے روڈ گلتے ہیں۔ ٹوپیہ لے جاتے ہوئے طارق کو

ارے نہیں، تنے آفت ہیں یہ، بچنے طارق بھائی کہہ س۔ حسیب نے تعریف کی۔

تم تعریف نہیں کرو گئے تو کیا۔۔۔۔۔ روزیہ نے جان بوجھ کر حمل اٹھوڑا چھوڑ دیا۔

یہ کہہ دوڑ یہ مٹی۔۔۔ یہ روئے چھو لے بھائی کی تعریف کر لے بھجور ہی بات

ہے۔ آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ یہ خوشی سے کسی بات میں عارق سے تعلق کر

نہیں خیر، چھو چھو، تفاق تو بہت ہے آپ کے ہاں۔

بے کیا نظر لگا کر بچا نہیں گی۔

ماشاء اللہ! مآں چان تھے لیر سب گہا۔

تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد سب آ موجود ہوئے۔

ف خدی کتا مڑا ہے آپ کے ہاں۔ ٹوبہ نے پائے پر ہنکھڑا لے تو جو، توں

کو دیکھ کر غور شوق سے گہرا ہے ہاں۔ ہاں نے ہمیں سے تائید چاہی۔

بچ میسر تو دل چاہتا ہے ہمیشہ دن لوگوں کے ساتھ رہوں۔ وہ بچوں کی مجلسِ مخصوصیت

المجلة

ہم میں سے کوئی بھی خودکشی کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ گمرہ میں ہاتھ دھو لیں۔ فاروق

نچائے کا گھونٹ بھر کر پرست کیا تو لہتموں کا طوفان مٹا

مکرم مسہ خا مشرف ہو گئے، نذر ادا جانے کے بعد رکھ کر

اسلام علیکم۔۔۔ السلام کی بھاری تہ و وار ہو چکی تھی۔

[illegible]

المشقة

$\frac{1}{2}$

[illegible]

اور جی بھئی بچھر کا کیا حال ہے؟ ہماری دنیا کیسی ہیں؟ انہوں نے شفقت بھری نظروں سے انھیں دیکھا۔

خست پور دور ہے ہیں ہم پوچھا جان فوزیہ منہ بنا کر بولی۔
ارے کیوں؟ وہ واقعی حیران ہوئے۔

آپ کے ہاں تو کوئی مہمانوں کی خاطر بھی اپنے رہنمائی نہیں کرتا۔ سچ تین دنوں میں کسی نے ہمیں آفر نہیں کیا چلو تم دیکھیں روں کو سیر کر رہیں۔ فوزیہ نے مزید کہا۔
آخر وحیت بن کر ہمیں خود ہی کہنا پڑ رہا ہے۔

بہت بڑی بات ہے یہاں بیٹے تمہیں خاص طور پر مہمانوں کا خیال کرنا چاہیے تھا۔
من لیا؟ کس قدر خاص ہیں ہمارے بھائی جان؟ طارق نے شرم سے درجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

بھئیوں کو سیر کے لیے لے جاؤ جہاں یہ کہہ رہی ہیں۔

جی ہاں جتنوں کی ضرورت ہو (جس میں عموماً عروقت والی مسکراہٹ بھی شامل ہوتی تھی) میں بولے۔

کل آپ لوگ تیار رہے گا میں جلد آ جاؤں گا۔ سہ پہر کو چلیں گے، وکے؟
انہوں نے تیار ہونا دیکھا اور اپنی خوبصورت اور راڈی کزنز کو دیکھا۔
مگر یہ تو بتائیے چلیں گے کیا؟

نے فکروں سے۔ حیدر آباد یہاں سے بہت دور ہے۔ طارق نے زبردستی مسکرا کر کہا۔
کیا مطلب؟ وہ حیران ہوئیں۔

چھوٹے بھائی صاحب گھیا آپ کا بھو یہ پنجاب کی رہنے والیاں حیدر آباد کی خصوصیت کیا جاتیں۔ طارق نے بھائی کے کانڈھے پر ہلک کر کہا۔
بہت بڑی بات ہے۔ ارمغان جو بہت خاموشی سے سب تماشا دیکھ رہے تھے تنہی انداز میں طارق اور طارق کو کھو کر بولے۔

ہا جان کیا بھی آپ کو خیال آتا ہے کہ آپ کے ہاتھی تمام بیٹوں کی قسمت بھی بھائی صاحب جیسی ہوتی۔ طارق نے چوری چوری ارمغان کو دیکھ کر کہا۔
لقد جانے کیا اٹھے سیدھے سواری کرتا رہتا ہے۔ ماشاء اللہ میرے تو تمام بیٹے خوش بخت ہیں۔

جی نہیں اس دن آپ نے مجھے کم بخت کہا تھا۔ حسیب نے شکایتی انداز میں جانے کہ کار کا ہو شکوہ باہر نکالے مار جان کی ہنسی چھوٹ گئی۔
تمہیں اپنے بھائی کی قسمت غیر معمولی کیوں نظر آتی ہے بیٹے؟ ہا جان شفقت آ میر مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے۔

دیکھیے نا مہمانوں کے استقبال کے لئے میں اور چھوٹے بھائی، سوا سلف، نے کے لئے حسیب مظلوم سیر کرنے کے لیے بھائی جان بھائی صاحب کی زندگی میں تو فخر، محنت

نئی فراغت ہے

تم لوگ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو گھر کے کام کرتے ہو تو یہ تمہارے فرائض ہیں
، حسان تو نہیں اور یہ میرا بیٹا میرے بہت کام آتا یہاں کے بچے میں محبت گھل گئی
جب تم سب شل ہو کر دھک آ کر بد مزاج ہونے لگتے ہو تمہیں اپنا آگے بڑھ کر میری
پریشیاں سنیلنا ہے

میر تقی جھوٹی جھوٹی پریشیاں اس کی نظر میں ہوتی ہیں جب کہ تم باوجود ہی دھڑا دھڑ
دھڑکنا چھرتے ہو اس بات نے اب جان کے بجائے خود فاروق کو متصل جو بہ دیا

چپ ہو گئے فاروق بھائی نصیب نے چھیڑا

بظلم جھانک رہا ہے طارق نے بہت شفقت سے فاروق کا سر سہلایا

آپ کچھ نہیں کہیں گیدڑیہ نے ارغمان سے پا چھا

اب جان تو سب کو چاہتی ہیں یا ردول چھوٹے نہ کرو ارغمان نے ایک جیسے میں سب کو
نہا دیا عثمان اور اب جان نے ارغمان کو جن نظروں سے دیکھا تینوں بڑکیوں کو واقعی ان کی خوش
بختی کا یقین کرنا پڑا ارغمان واقعی اس گھر میں سب سے زیادہ چاہے جا رہے تھے

بعض لوگ بہت خاموش اور لگ تھلک نظر آتے ہیں مگر وہ چنے روگرو کے اثرات کی رگوں
میں جاہرست ہوئے ہیں وہ بہت کم کچھ کہتے ہیں اور لوگ انہیں سننے کو بے چین و منتظر ہوتے
ہیں اور غور و خوض ان سے محبت کرنے کو اپنی چاہتا ہے

ان کا خیال رکھنے کی حیت ہوتی ہے

ان کو خوش دیکھنے کو دل چاہتا ہے

ان بھی لوگوں میں ارغمان کا شمار ہوتا تھا

چھا تو بھرے ہو گیا کہ کل بھائی جان کے ہمراہ آپ سب ماہی داری پھریں گیا آپ کو
اٹھا دیکھ کر موقع غنیمت چانتے ہوئے طارق نے نہیں چھیڑا

شکر منانے کو کہیں چھوٹے بھائی یا غم منانے کو؟ حسیب نے طارق سے پا چھا
مطلب ہے؟

مطلب یہ کہ اس جان نے تو آپ کو پیش کیا تھا وہ تو با جان کو بندھوں پر دیکھنے کی
عادت ہے

دھڑکنا، بھائی جان ہی ہوتے ہیں اس کی معنی خیز بات پر سب ہنس دیے

لیکن طارق تو میرے ہی پر برہنہ تر یا عثمان نے طارق کو جاتھا

میں مرتبہ کی بات کر رہا تھا اس نے شرارت سے طارق کو دیکھا

دیکھتے رہو میاں مجھے تو پسینے ہی خطرہ ہوا ہاں جان کو کبھی نہ کبھی میرا کچھ نہ کچھ کریں گی

ضرور مجھے تو اس طرح پیش کر دیا جاتا ہے گو پا میں کوئی پھول ہوں

ذمگی نہ ہوں چھوٹے بھائی بعض اوقات سترک چیزیں بھی پیش کی جاتی ہیں

ٹوبہ اس بات کے ساتھ برتن سمیٹنے میں مگن تھی

آپ کو آپ کی کہیں اسی سے رتی نہیں غالباً؟ طارق نے طنز سے کہا
جی؟ اس نے پٹ کر چیرنی سے طارق کو دیکھا

مطلب آپ خود نکال لیجیگا میں آپ کو ایک پرانی بات سنا ہوں وہ بہت اطمینان سے
گویا ہوا

جی ارشاد ثوبیہ معصومیت سے مسکراتی

پہلے وقتوں میں جب کہ یہاں ایسا نہیں ہوا تھا اور لوگ قافلہ کی صورت میں سفر کرتے
تھے فطرت پر سہا پ یعنی سمان وغیرہ بھی روٹے تھے اور خود بھی لہر چاہا کرتے تھے تو کاروں
کے ساتھ وہ ایک آدمی بیٹا پتھر میں رکھتے تھے جو کاروں کے پیچھے ہوتا تھا اس کی ذیوائی یہ
ہوتی تھی کہ اگر پڑاؤ کے دوران کوئی چیز بھولے سے رہ چائے تو فطرت پر لہرے سمان میں
سے گر جائے تو وہ اٹھالیا ورنہ دوسری چھوٹی موٹی خدمت

مطلب کیا ہے آپ کا؟ فوزیہ نے طارق کو گھورا

ثوبیہ کچھ گنتی ہی تھک رہی ہے ویسے مجھے وہی ہمدردی ہے وہ دل جلانے والے انداز میں
مسکریا ثوبیہ نے قطعاً نہیں مانا اور ہر بار چیزیں سمیٹ کر کچن میں پہنچاتی رہی مگر اطمینان سے
آ کر گویا ہوتی

ایک بات بتاؤں طارق بھائی؟ وہ بچے جیسا وہ معصوم انداز میں بولی جو اس کی نگاہ میں

دو بتا سکتی ہو کوئی گویا مقرر نہیں ہے فکر ہو

ہم ہیڈ ریز آئی اور فوزیہ بچہ دونوں کبھی کسی کام کے لیے نہیں کہتیں میں تو گھر پر بھی کرتی
رہتی ہوں میری عادت ہے کچھ نہ کچھ کرنے کی مگر تو بہت ناراض ہوتی ہیں کہ تو کر کس سے
ہوتے ہیں مگر مجھے گھر کے کاموں میں بہت مزہ آتا ہے

اماں جان نے اس کی چادر اوڑھو رت، دروازہ ویر معصومیت کو پسندیدگی سے دیکھا اور

بے ساختہ اس کی پیشانی چوم کر سر پر ہاتھ پھیر کر بولیں

خدا نصیب اچھا کر ہر خوشی سے نوازے بہت سیدھی تھی ہے

مید ہے نیر میں نے سن لیا ہوگا طارق نے شرارت سے کہا تو قہقہے بر سے قہقہے کچھوتم
لوگ وقت طے کر ہوتا کہ بعد میں پریشانی نہ ہو

اماں جان اٹھتے ہوئے بولیں

طارق آپ بھی چھوٹی گائیاں درتی کے لیے میں اصرار تھا

نہیں بھئی آج کل میں یونہی شے سے جلدی نہیں آ سکتا پرجیکٹ پر کام ہو رہا سواری
نخرے تو دیکھیں آپنی فوزیہ نے چڑیا

ایک عجیب سے احساس تو جین سے ورنہ آشنا ہو کچھ پ مارتے ہوئے بولی

ارے میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا ویسے تو میں حسیب کو لے جانا چاہتی تھی بڑ جلدی

مان جاتے ہیں میں یہ پہلے موصوف سے پوچھ لیا

مگر طرہ رقی بھائی میں رہ رہ کر جانے سے پہلے ایک مرتبہ آپ کے ساتھ وقت ضرور کروں
گی کسی بھی جگہ

مجھے آپ کی باتوں میں بہت مزہ آتا ہے تو یہ یوں
ہاں کیوں نہیں جہاں تم کہو گی وہیں چلیں گی وہ غموں سے بھر چھٹی والے دن کہیں کا
پروگرام بنالینا تو کے
اوکیہ مسکرا دی

چنچا گھر چلی جانا ان کے ساتھ رہنے نے نظر کہا تم ہی ہو وہ یہ شوقین
"آپ خود بھی ہمراہ چلیں تو زیادہ مناسب ہوگا پتھرہ و بخر کوئی صبح آپ خود ہی پسند کر
لیجیے گا بعد میں بتا رہی ہوئی تو ہم سے شکایت کریں گی

یار یہ تم لوگ کیا ہر وقت دشمنوں کی طرح لڑتے رہتے ہو آخر عثمان بول ہی اٹھے اسی
وقت کال بتل رنگ ہو چکی یہ سب کچھ کر گیا پھر برتہ مدت ہی چڑھا چلا آیا چھوٹے بھائی قاضی کے
ہاتے ہیں کہ رہے ہیں ذرا کڑے ہاں لے جائیں گھر پر کوئی نہیں ہے ان کی طبیعت سچا
خواب ہے

قاضی اور پھر ان کے پافوز یہ مسکرائی
جنا کر رکھتا ہوں کئی راز ہیں میرے قاضی کے پاس وہ راز دہی کے مناہل میں گویا ہوا پھر
فوز، سیدھا ہو گیا لڑکیاں اس راز میں تھیں

بھائی میاں چاہی دیجھے پلیز قاضی، فیس سے نہیں آیا ہوگا اس لیے بچا جان آئے
ہیں اندر بھیل پر رکھی ہے

اس کا وہ سست ہے انکار قاضی ویسے وہ ہمارے اہل محکمہ میں بھی شمار ہوتے ہیں عثمان
نے طارق کے جانے کے بعد بتایا کہیں وہ بچ کچھ کوئی قاضی ہی سمجھے بیٹھی ہوں اب وہ اپنے کل
کے پردہ گرم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تھیں لیکن دُریاب بھی سمجھی ہی تھی

سے نیند آدرا بکلیشن کا اثر تھا وہ بچوں کی طرح رات کے سینے سے لگی جاٹے کون سے
چھانوں کی سیر کر رہی تھی اس کے تروتازہ خسروں کے گلاب مرجھا رہے تھے ورنہ پر آنسو
کے نشان شبنم کے قطروں کی طرح چمک رہے تھے

سے میری ب میری مشکل آسان کر میں امتحان کے دہلی نہیں ہوں اب کے پھر امتحان؟
اس بار پیسے سے زیادہ اجڑ رہا ہوں ان کے آنسو خفی تھے

جو آنسو خفی ہوں وہ میرے کی کی کی طرح دل کے شیشے کو کاٹتے ہیں
ایسے دورانی و تراشیدہ نقوش کہ انسان کی ایک ایک تراش پر شعر سوچے کہتے ہوئے
ہوئے مگر بالکل ٹھوٹے نقوش

وہ بات ہی کیا جو کچ نہ ہوا نہ ترشیدہ نقوش کی زبانت جھوٹی بولی مبہم، لفظ بازی، سر
سراور محض دیو مال فی دستان ستا تا ہوا حسن
کسی نقش نے دہایت بلی شاہ سے اتنے قریب ہو کے بھی چٹکی نہیں کھائی کہ یہ بیو بی کو کہ

اجڑنے پر ادھ سوئی کی عورت تمہارے ہاتھوں میں ہے اتنی شقی ہے کہ تمہاری پیٹھ میں بھجرا تار
بجلی ہے

خوت کا وہ قطرہ جو تمہاری رگوں نے پرورش کیا کسی آئینے کی طرح سنبھرا
بھی تمہاری معصوم و سادہ روح پر یہی بچی خاک میں ملا کرتی تھی

اے تمہارے لبوں کا حزام نہیں کیسا پارسا وجود ہے تمہارا وہ پیت علی شاہ شعلے کو ہار دے
میں سینے کیسے طرف سے قائم ہے

وہ اس کے وجود کے کسی حصے یا س کے جرم کی گویا لے سکے نہ کن

وہ خدا پر فریب تھی

وہ باطن فریب تھی

تا صبح و نگاہ فریب نظر تھا

دروازے پر ہنسک ہوئی وہ چونک سے گھٹے

کوٹ؟

میں ہوں بھائی جان عینہ کی شہ دھم آواز آئی

وہ انہکی امید کے ساتھ اٹھے

عینہ کا چہرہ اسی طرح بدخبری کا شہباز تھا

آپ کا فون بتایا آپ کے بیٹروم کا گلاب نکلا ہوا ہے شاید کافی دیر سے نکل ہو رہی زیور

تیزی سے

لاٹی میں گئے

پاپیس، نیشنل سے فون تھا کہ ایک ڈیڑھ دو سال کی بچی کلنٹن سے ملی بیہو سکتا ہے عمر اس
سے کم ہو مگر ظاہرہ صحت سے اندازہ ہو رہا پاپیس فسر کہہ رہا تھا ان کا دل بڑے زور سے دھڑکا
مگر نگلے ہی لہجے وہ پہلے سے زیادہ خطر مرده دکھائی دیے
لیکن "فسر دلوں بچے بھی تو بچی کے ہر وہ تھے؟

جیدوں بچوں کا تو کوئی سراغ نہیں مل سکا اب تک لیکن آپ فکر نہ کریں کوشش بدستور
ہو رہی ہے

آپ لیکن بچی کو ضرور دیکھ لیں اس سے کہ یہ بات آپ کے گھر سے یقین سے نہیں کہی
گئی کہ تینوں بچے، کٹھے ہی گھر سے غائب ہوئے ہیں

میر خیال بھجری بہر حال آپ جتنی جلد ہو سکے تشریف لے آئیں

جی، مگر انہوں نے ریسور کریڈل پرنٹل دیا

کس کا فون تھا؟ عینہ بے تابی سے بولیں

پاپیس، نیشنل سے تھا

انہوں نے بے قراری سے بھائی کا چہرہ دکھایا

کیا کہہ رہے ہیں؟

کہہ رہے ہیں ایک ہنگامی ہے کلفٹس سے اس کی شکل دھلیا نہیں دینی محسوس ہو رہا ہے جو ہم نے لکھوایا ہے اور جو تصویر دی ہے

جی ۵ عائدہ کو خوشی سی ہوئی تھی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی
لیکن بشر اور عمر

اگر گڑیا بھی مل گئی تب بھی ان کا کچھ نہ کچھ ہاتل ملتا ہے
بھائی جان ایک بات بتاؤں عائدہ بولیں

وہ کچھ نہیں بولی سو یہ نظریں بہن کے چہرے پر جم دیں

میں نے نوکروں سے بھی پوچھا ہے اکثر تو بالکل ہی لاعلم ہیں بہت ذرا بخیر بتا رہا تھا پھر
کی کشمکش سے ایک دن پہلے وہ عمر، بشر گڑیا اور بھائی جان کو ان کی والدہ کے ہاں لے کر گریڈ
تھا وہاں ہی میں نیگم صاحبہ اور گڑیا ہی آئی تھیں

نیگم صاحبہ دونوں بچوں کو نانی کے پاس چھوڑ کر آئی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ وہ ایک دن
کے لیے زمینوں پر جارہی ہیں

گلے دن جب وہ شیخین بھائی جان کو چھوڑنے گیا تو وہاں دونوں بچے اور بھائی کی بی
پہلے سے موجود تھیں بھائی نے ڈر نیو کو واپس بھجو دیا تھا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ بھائی کے
ساتھ کون کون گیا تھا اور کون نہیں

مطلب کیا ہے قہر؟ انہیں بہن کی خفیہ جہانی ڈرہرگی

مطلب صرف یہ ہے کہ بھائی دونوں بچوں کو اپنی بی کے ہاں لے کر گئی تھیں تو انہیں
وہاں کیوں چھوڑ کر آئی تھیں جب انہوں نے انہیں آنا ہی تھا تو پھر یہ سب؟ گھروں میں بہت
سے مسائل ہوتے ہیں عائدہ نبوں نے عائدہ کی بات فوڈ کٹ ڈاؤن روشن کو کوئی مسئلہ
ورچش ہو گا جو وہ اپنی ماں کے ساتھ مل کر حل کرنا چاہتی ہو گی وہ ورچہ بھی وہاں جاتے ہی
رہتے ہیں میری موجودگی میں بھی عائدہ ایک دم مستعجب گئیں بھائی پر دیوار کی ٹخن غائب تھا وہ
روشن پر نہ شک کرنا چاہتے تھے نہ اس کی ذات و رمیان میں اگر مضمون بتانا چاہتے تھے
بھائی وہ نہیں تھا اس کی کیفیت اب وہ نہیں تھی جو گھر میں داخل ہوتے ہوئے تھی
عائدہ ان کی گھبراہٹ اور گونگی

جی

گھر سے دو نہیں تھیں بچے غائب ہوئے ہیں دو سے اس کا کوئی خوشی رشتہ نہیں لیکن ایک
اس کے جسم کا حلقہ ہے انہیں نے بہن کو بتا چاہا کہ اس کی ہڈی کی کس قدر پچکا نہ ہونے لگی
عائدہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھیں کہ بعض اوقات جب انسان پر نوٹ کر مہمیں آتی ہیں تو اس کی ہر
سوچ گمراہ ہونے لگتی ہے گھر میں لہو کی جگہ شک دوڑنے لگتا ہے

اتنا کیفیت اور سیاہ شک کہ انسان خوشی کی سویم آ جانے کے بعد گرا اپنی گزشتہ کیفیت اس
صحت کے ساتھ محسوس کرنے پر قادر ہو جائے تو اتنا شرمسار ہو کہ
نجد یہ مقام کے لیے خمیر ضرور کرنے لگی کہ مسلمان ہو تو

حد سے زیادہ خوشی و سرور سے زیادہ غم نہان کے اصحاب مغلوب کر دیتے ہیں اور حواس معطل نہیں ہین کا آرزوگی سے چپ ہو جانا بہت شدت سے محسوس ہوتا

علاوہ انکی بات تمہیں ہمیں تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں تم میرے بچوں کے لیے اس قدر پریشان ہو کر اپنا گھر بار اہل بیٹی ہو تم میرے لیے کیا ہو در تمہارے یہ اصول بہت دلوں میں ساری خدائی کے بدلے بھی نہیں پاسکتا میں تمہیں دو دو ٹکڑوں گا وہاں پوچھ لیں گے کہ روشن کتنے بچوں کے ساتھ تھی تا کہ تمہاری تسننی ہو جائے اور یہ یقین جانے کہ

نہیں نہیں بھائی جانہ راصل کچھ باتیں ایسی ہو گئیں کہ میری ذہن خواہ مخواہ اُبھ گیا و گرنہ ایسی کوئی بات نہیں گزریا بھی تو بچوں کے ساتھ وہ چپ ہو گئیں کچھ کہتے کہتے کیا باتیں میں جن کی وجہ سے تمہارا ذہن اُبھ گیا تھا؟ درایت علی نے بہن کا چہرہ بخود دیکھا

ایک کہ جب میں گھر پہنچی تو بھائی رورور کر عمر اور گڑیا کی گمشدگی کے بارے میں بتا رہی تھیں اور بشر کے بارے میں ان کو کچھ معلوم نہیں تھا میں نے پوچھا کہ بشر کہاں ہے؟ تو چونک کر کہنے لگیں ہاں بشر بھی

ہاں ہاں خیر یہ سب کوئی خاص بات نہیں بچوں کی گمشدگی کی وجہ سے وہ اپنے ہوش و حواس میں کب ہو گئی

جی وہ آہستگی سے جی کر کہہ گئیں

درایت علی شاہ کو احساس تھا کہ ان کا خاندان روشن کے بیک گراؤ نے خاندان بہر چیز

سے لاعلم ہے، درویشان کے رون کے خاندان کے درمیان ایک نااید و پلور روزاؤں سے حائل ہے، ان کا خاندان محرم و مغربہ یا ٹریباں سے وہاں تک پھیلے ہوا، انکی مرحومہ بیوی کے زمانے میں مہر نور کی آمد و رفت ایک روٹھی پادگمتی تھیکہ، انکی مرحومہ بیوی بھی اسی خاندان سے تھیں ورنہ ان کے دروایت علی شاہ کے رشتے دار مشرک تھے

لیکن روشن نے حتی الامکان ان کے خاندان میں گھٹنے ملنے سے گریز کیا تاکہ اس کی آرزوی، خود مختاری پر کوئی قدغن نہ لگید و ہم خاندان واپس کی نظرس ہر وقت اس کا حساب کرتیں کہ اس کا روٹی دو فوساں ہوں سے کیسا سہر

وقت کی ادکاری اس کے اس کی بات نہیں تھی وہ تو اتنی نازک مزاج تھی سنتی بھی اپنی مرضی سے تھیرا دے، ورنہ پائیدہ الفاظ انکی طبیعت پر گراں گزرتے تھیں اس کے کان صرف وہ بات سنا چاہتے تھے جو خوشی و سرور سے

اس لیے اس نے ہندوئی میں ہندوئی ہٹا کر تاشروع کر دیا تھا

ایسا یہ خاندان واپس کو روشن سے شکایت ہونا لازمی مرقعا

میں نے دینا سوڈیک دم تبدیل کر لیا

میں پاپیس، شیشٹن چارہا ہوسا عائدہ حارنگ دل کا کہنا ہے کہ وہ گڑیا نہیں ہو سکتی کہ عمر بھی

بشر اور گڑیا کو تھا نہیں چھوڑ سکتا

میر جی جیونا ضرور ہے مگر بہت ذمہ دار و حساس بیات کی، آنکھوں میں پانی آکر گیا

اور جو میری گود میں سمجھ دھپانے سمیت سے کہا

ستارہ تو ذرا بہت میں تلوں کے کھانے پینے کا بد دوست کرتی ہوں گڑیا نے گھبرا کر پھر

رونا شروع کر دیا تھا

ہائے مہمان کتا چلا ہے یہ ستارہ نے اس کے رخسار بھونچے تو عمر کے چہرے پر

ناگوری کے تاثرات ابھرائے اس نے اپنا کال بھینسی سے یوں صاف کیا جیسے ستارہ نے کچھ لگا

دیا ہو

ہائے اب یہ میرے بس کی بات نہیں ستارہ ہلک کر چپچپے بنی

نہ ہو تیرا جیسا کوئی بد عقل اس نے اتھا پینا

پرہیز سے سمجھ عقل دیکھو کتنی ہے خرچ کروتی ہے بڑھاپے میں کیا روڈ صاف کرے گی؟

لے چکڑ رات کو سلا کو بھلا مارے بھوک کے بچے ادھ موئے ہو رہے ہیں ستارہ نے گڑیا کو قہا ملیا

آپ واحد میں اس کے تاثرات بدل گئے

حسین خوشبودار، صاف تھرا، کچھلا کیسے پیرا نہیں لگتا

وہ کمرے میں ٹیس ٹیس کر گڑیا کو چپ کرنے لگی

عمر بیڑ پر کچھ گھبرا سا بیٹھا تھا

ستارہ گڑیا کو بھلا تے بھلا تے کمرے سے باہر نکلتے لگی تو عمر کو جیسے کرنٹ چھو گیا دیکھیے

آئی، آپ اسے باہر لے کر نہ جائیں

ستارہ نے وک کر تعجب سے تھکن اور بھوک میں بھی تھے، مرثیہ بچے کو دیکھا

شہزادہ بچیں تو اسے چپ کر رہی ہوں میں اسے کہاں لے کر جاؤں گیا طینت رکھو نہیں

پھر بھی وہ اڑ گیا

ستارہ کرتی پری نے "میں نے ستارہ کو دیکھا اور آکھ مار کر مسکرا دی

پندرہ میں منٹ بعد بڑھیا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ میں فیڈر تھی

ہائے اس فیڈر کہاں سے آگئی؟ ستارہ نے حیرانی سے پوچھا

میڈیکل اسٹور سے مل جاتی ہیں یہ چیزیں تو وہ ستور دور رکھتا ہے؟

پری دیکھی اس کی بھر تیر ستارہ شوخی سے مسکرا کر بولی

پری مسکرا بولی

پری کی ہنسی اور لکھا ستارہ باقی ہے؟

تارو وہ فاسیج ستارہ ہول ہو ہاں روشنی اس سورج سے متاہد کرتی ہیں کوئی بانی ہے تو خلق

سے نظر آتا ہے

تو سترہ برس کی بے عیب تجھے کیا ضرورت اتنے ہار ستارہ کی ستارہ نے اسے رشک سے

دیکھ گڑیا واقعی بہت بھوک تھی غن غن دودھ پینے لگی

فیڈر ستارہ کے ایک ہاتھ میں تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس نے گڑیا کا سر بٹی آغوش میں

دھنچا رکھا تھا بڑھیا دوبارہ باہر جا چکی تھی

گڑیا نہ سکون ہوئی تو ستارہ نے عمر کی طرف توجہ کی

کہاں سے آئے ہو؟ وہ چپ رہا

بتاؤ گے نہیں؟ اس نے نفی میں سر ہلادیا

کیوں؟

آپ مجھے اور گڑیا کو بھڑو ہیں چھوڑ آئیں گی

مگر میں وعدہ کروں کہ نہیں چھوڑ کر آؤں گی تو؟ س نے مسک کر پوچھا وہ شش و پنج میں پڑ

گیا پھر یوں

چھٹائی نہیں آپ نے کوئی بچہ تو نہیں دیکھا مجھ سے چھوٹا کیا وہ وہ بھی رہا ہوگا یہ کہتے

کہتے اس کی آواز بڑھ رہی تھی اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ موٹے موٹے آنسو گرنے لگے

ستارہ اور پری دونوں ایک ٹاپے کو دم بخود رہ گئیں

پری کم عمر اور حساس تھی وہ "میں نے کس سے اسے اسے کھڑکھڑکے پاس آگئی

چاند تھرا نا نام کیا ہے؟

عمر۔۔۔

عمر چند وہ بچہ جس کا ذکر تم کر رہے ہو۔ کون ہے؟

میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس کا بوجہ بدستور بھیگا ہوا تھا۔

وہ کہاں ہے؟

اسے جی نے تم کر دیا ہے۔ میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ پاپا مجھے بہت ڈانٹیں گے۔ وہ کہہ کر گئے
تھے میں بشر کا اور گڑیا کا خیال رکھوں۔

مہم نے کیسے تم کر دیا؟ ستارہ کا دل زور سے دھڑکا۔

ہم لوگ دو دو بھی جاتے ہیں۔ مگر اس بار جی مجھے لے کر نہیں جاتی تھیں بس بشر اور گڑیا کو لے

کر کی تھیں۔ جب آئیں تو بشر بتائیں کہاں وہ گیا ان کے ساتھ نہیں تھا۔

ستارہ کا ذہن گنگن بہت دور پہنچا۔

آپ کی محی سب سے زیادہ پیار کس سے کرتی ہیں؟

گڑیا سے۔ وہ وہو! (بچہ اور چاندور پیار و محبت پہنچانے میں زبردستی نہیں لگاتے۔)

آپ سے اور بشر سے؟ س نے مزید پوچھا۔

ہم دونوں کو تو بہت دارتی ہیں۔ بس جب پاپا ہوتے ہیں تو یہ دارتی ہیں۔ ستارہ نے گہر

سناٹا لیا (کتنی قدیم داستان تھی)

مٹی گڑیا سے بہت پیار کرتی ہیں۔ اس کے بے کھلونے داتی ہیں اسے میر کے بے لے

جاتی ہیں۔ اسی بے میں گڑیا کو لے آیا ہوں۔ پتا چلتا اس کو۔ خوب ڈھونڈیں گی۔ مگر جب

تک بشر نہیں ملے گا۔ میں گڑیا کو لے کر گھر نہیں جاؤں گا۔ بشر مل جائے گا تو جی کی بار بھی کھا

لوں گا۔

کتنا معصوم درکشادہ یہ مقام۔ ستارہ کے دل کو کچھ ہوا۔

بڑھیا کھانے کی ٹرے سے پتہ چلا کہ وہ آگئی۔ عمر کے منہ چپ ہو گیا۔

آخری بلیر۔ کسی کو تھانے گا نہیں آپ نے پراس کیا ہے۔ وہ آپ بھی۔ اس نے گھبرا کر پری کو دیکھا۔

دونوں مسکرائیں۔

جگ تاروہ بچہ لگی کیا شرے ہوتے ہیں۔ پری بہت متاثر تھی۔

کیا ہوا؟ بڑھیا نے عمر کے سامنے کھانا لگا دیا۔ عمر کے اُچھے شوریدہ وئے خون میں بھوک کرنت کی طرح دوڑنے لگی۔

ستارہ نے بڑھیا کو چپ رہنے کا مشورہ کیا۔ اور گڑیا کو ہاتھ پر ڈال کر پرس اٹھ کر چلی گئی۔ اور اس کے پیچھے پری بھی باہر کی سمت بڑھی تھی۔

وہی کاروائیہ بھٹنا ہوا قیصر کٹے ہوئے غماز، دو گھیرے کے جیلے۔

کتنی مہربان تھا یہ بڑی بی۔ کس چاہ سے کھانا لئی تھی۔ پسندیدہ کھانا دیکھ کر اس کا دل ہلکا ہوا۔ اچھلنے لگا تھا۔ اسے دنیا کی سب سے اچھی عورت بھی بڑھیا لگی تھی۔ اس نے کھانا شروع نہ کیا۔

تو پ۔ پیٹ کا جنم ٹھنڈا ہوا تو حواس ٹھکانے آئے اور دماغ میں روشنی۔

جب تک وہ کھانا کھا تا رہا بڑی بی گڑیا سے کھیتی رہی۔

وہ کھانا کھا چکا تو سے پاؤں اس نے بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھا لیا۔ اسے ایک دم پسینہ

وفا سے پایا پاؤں گئے جو کبھی بغیر ہم نقد پڑھے اور بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانے نہیں دیتے تھے۔ ان کا کہنا تھا جب انسان کھانے کو دیکھ کر اپنے آپ کو بھول جائے تو اسے چالو سمجھنا چاہیے۔

کیا سوچ رہے ہو چنا؟ بڑی بی نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ بھرا۔

میں نے کھانا بغیر ہاتھ دھوئے کھا لیا۔ پاپا بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وراثی۔؟ بڑی بی کی آنکھوں میں تھکس جاگ پڑے۔

وہ صرف ناراض نہیں ہوتی بلکہ راتی بھی ہیں۔

چلو خیر بھول ہوگی۔ بھوک جو لگ رہی تھی تجھے۔

آپ کو کیسے پتا چلا۔ وہ حیران ہوا۔

پاپا بھرے کی چال اور صورت لگ ہی معلوم ہوتی ہے چنا۔ تیری گود میں لگی بلک رہی

تھی۔ تمہارے تیرا برا حال تھا۔ پھر کیسے پتا نہ چلا۔؟ گڑیا بڑی بی کی گود میں سوچتی تھی۔

اچھا پتا۔ اب بتا تو کہاں سے آیا ہے۔ گھیرے میں کہاں کہاں مار مارا بھرا رہا تھا۔ یہ

بچی تیری کیا لگتی ہے۔ کہاں سے آیا ہے۔؟

تمہارے اور شرمسیری کے سبب آسے نیند کے جھوٹے آنے لگے تھے۔

وہ بڑی بی کے تار پوتوں سے ایک دم پریشان دکھائی دینے لگا۔

نہیں وہ اتنی کب آئیں گی جنہوں نے وہاں سے سڑھی پہن رکھی تھی۔ اس نے گھبرا کر

ستارہ کے بارے میں پوچھا۔

”مجھ تک آ جائے گی۔“

”ن کا گھر کہاں ہے؟“

”یہی ہے۔“

”کیا وہ کسی کے ہاں پارٹی اٹھانے گئی ہیں؟“

”ہاں۔ کیا بات ہے بیٹے۔ ٹوئیک دس پریشان ہو گیا۔ بڑھیا بہت ہوشیار رہی دلا بھلا سے اصل معاملہ جانتا چاہے وہ کسی تھی۔ وہ جانا چکی تھی بچہ بہت زمین بخیلہ در زد و رجم کا ہے۔“

”یہ میری بہن ہے گڑیا ویسے اس کا نام خوشی زو ہے۔“

”ہیں۔ یہ کیسا نام ہے؟ بڑھیا کے بچے نہ پڑا۔“

”ہاں۔ بس عجیب سا ہے۔ یہی ہے کہ پاپا شاید اسے گڑیا کہنے لگے تھے۔ وہ مصوویت سے گھر پڑے ہاں جیسے خدا میں ہوا۔“

”ویسے وہ جو وہاں سے ساڑھی والی آئی اور دوسری دن آئی ہیں ان کا نام کیا ہے؟ اب“

”اس نے بڑی بخیلگی سے پوچھا جیسے خدا مظلوم کتنا تجربہ کار اور عرصہ سیدہ ہو۔“

”سفید ساڑھی والی کا نام ستارہ ہے اور دوسری کا نام پروین۔“

”کہیں ستارہ آئی تھی میرے گھر نہ چلی جائیں۔“

”نہیں فیہر پتا تو نہیں بتایا۔ کہیں راستے میں انہیں گھٹیل جائیں۔“ آخر وہ ہمیں ڈھونڈیں

گئی تو گڑیا جو میرے پاس ہے۔ (مصنوعہ دل کو کتنا یقین تھا کہ اس کی کسی کو پروا نہیں ہوگی)

”لازم گھر سے گڑیا کو لے کر بھیجے ہو؟ بڑھیا کے آواز پست ہو گئی۔ لیکن کیوں بیٹے؟“

”(دیکھنے میں تو بہت مجھے گھر کے بچہ لگ رہے ہیں)

”وہ چپ ہو گیا۔ (ب کیا سارے زمانے کو جتنا پڑے گا۔)

”ستارہ آئی مجھ تک آ جائیں گی۔؟ اس نے جیسے اپنے اندر یقین پھیلانا چاہا۔

”ہاں ہاں۔“ ”جائے گی فلن کر۔ بڑی لی کو ستارہ کی آنکھ کا اشارہ یاد آ گیا۔ اس نے غصیت یہی سمجھا کہ مجھ تک انتظار کر لے اور ستارہ کے اشارے کا بھیجہ جان کر آ سکدہ کا نسخہ عمل ترتیب دے۔“

”خینڈا رہی ہے بیٹا سو جا۔ وہ واقعی خینڈا اور ٹھکن کے سامنے بے بس ہو چلا تھا۔ بڑھیا اس کے چہرے کے نقوش میں اس کا شجرہ نسب پڑھنے کی کوشش کرنے لگی تھی غالباً۔ اور دھیرے دھیرے اسے اسے تھپک رہی تھی۔“

”وہاں تک کی کو ترپا ہوا تھا۔“

”وہ خودیوں کے پسے جہاں میں سیر کرنے لگا تھا۔ جہاں اس کی مار سفید حریری دور دور والی سے ملبوس میں اسے مار پائی دے کر سارا ہی تھی۔“

”وہاں کو نور محمد، بشر کا ہاتھ تھا ہے ہوئے مسجد کے اندر چلا آیا۔ میں جی کے گھٹنے چھو کر

ہوا۔“

میرا صاحب چل کی مار کھڑی ہے، بچا آپ کے بغیر بہت پریشان ہے۔

روٹی کھلا دی اسے۔

جی میں صاحب۔

میرا جی نے بشر کی سست دیکھ کر ہاتھ بڑھا کر سے اپنے ساتھ لگا کی بھالیا۔ چکی کی مار نے خوب، انگ پٹی بھادی تھی۔ آنکھوں میں سرمہ تک ڈال دیا تھا، پٹی طرف سے اس نے بچے کے سر سے سنگھار کر دیے تھے تاکہ میں صاحب خوش ہو جاؤں۔ بشر بھی ان کے ساتھ چپک کر در پر سکون ہو کر اس طرح بیٹھ گیا تھا گوپا نمی کا ہو۔

کیوں بھی کیوں پریشان تھا۔

وہ ان کے ہاتھ سے مزید چپک کر رہ گیا۔

اچھا چھا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا۔

کچھ کم نہیں ہو، حیرے ساتھ۔ بت سے بڑی نگار رہا ہے۔ فکر نہ کر تیرا رب تجھ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں رہے۔

نور محمد۔

جی میں صاحب۔

مصطفیٰ، شادی کا جن شہر سے آ گیا۔

خبر نہیں میرا صاحب۔ وہ بڑی سے ہو۔

اگر اچھا ہے تو اسے میرے پاس بھیجنا۔

فکر میں نہ کریں میں صاحب۔

کچھ ہے، ابھی بھی مجھ پر هجوم کر قرآن پڑھ رہے تھے۔

خوش بخت قرآن پڑھ رہا ہے تو۔

بشر نے اٹھاتے میں سر ہا دیا۔

کون پڑھا تا ہے۔

۱۷۲ رے قاری صاحب۔ وہ جدی سے کہہ کر پھر چپ ہو کر بیٹھ گیا۔

سوائی ہو اس پر جس کی نظریں یہ نورانی حرف دیکھتی ہیں جس کی زبان انہیں نو کرتی ہے۔ اس کو ہاتھ میں تھا مٹا۔ یقین کرنا معصوم بات نہیں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ قرآن کیا ہے نور محمد۔ وہ جیسے کہیں اور پہنچ کر گفتگو کیا کرتے تھے۔

میرا صاحب۔ اس سب کچھ ابھی ہے میں صاحب۔ سارے ساری حقیقت۔ وہ ہو۔

خدا میرا رب رہے تجھ پر اور تجھے نیکی کی توفیق عطا ہو۔ وہ خوش ہو گئے۔

ٹو اسکول میں پڑھا نور محمد مگر تجھے اس کی سمجھ ہے۔ اور جسے اس کی سمجھ ہے وہ سب سے

زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ نور محمد نے خوش ہو کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

آپ خدا کے نیک بندے ہو میں صاحب۔ آپ کی دعا اس کے قریب ہے۔ ۱۷۲ رے

یہ دعا کرو۔

میرا صاحب کا وجود زبر نگار۔ یوں نہ کہو تو محمد اس کے فیصلوں کی کسی کو کیا خبر۔ وہ ہوشیار ہے اس قدر زبردست ہے کہ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ اس شریک کو ہر آن اپنا معبود سمجھ کر کوئی عمل کرتے نہ ہیں۔ یقین کی انتہا سے اسے محسوس کریں۔

نور محمد اس بچے کو دیکھتا محسوس کہ پھر دیکھے تو حسن شناسی سمجھ جائے۔ جانے وہ کون تھا پھر کا بھی آقا! اندھیرے پیاد میں اُتار گیا۔ قحب و حیرانی کی بات نہیں۔ یہی عجیب و غریب واقعات ہی تو خدا کی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں۔

کبھی بردبارن یوسف۔ یوسف کو کنوئیں میں اُتار کر دامن اور ہاتھ جھاڑ کر گھر کو جاتے ہیں۔ جیسے یوسف کی موت و زندگی ان کے ہاتھ میں ہو۔ جیسے یہ دنیا خود بخود لگتی ہو۔ اس کا کوئی خدا نہ ہو۔ جیسے یوسف کو پیدا کرنے والی وحی و قیوم نہ ہو۔ (نعموہ اللہ) پھر یہی ہے یا مرد و دگار سا بچہ مصر کے تخت پر بیٹھ کر حد کی عظمت اپنے برادران سے منوتا ہے۔ ان کے دل مسلمان ہوتے ہیں۔ وہ اپنی چاری خود محسوس کرتے ہیں۔ کبھی یوں ہوتا ہے رات کے اندھیرے میں علی رضہ اللہ تعالیٰ عنہ پاک بستر پر سونے کا عز نہ حاصل کرتا ہے۔ دشمن بھیڑیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوسہ لگتے بھرتے ہیں۔ ایک عالم جان کا دشمن ہوتا ہے۔ پھر بھی کچھ نہیں ہوتا۔

پھر انہی پر سو رہی نہ میں فی تمہارا غل ہوتے ہیں۔ جہاں رہتا ہے پھر اپنا مشکل تھا۔ وہ

خدا سے نکلے اور انہی جو ممداری کے احساس سے کانپ رہا تھا۔ جیتیم بھی تھا پیر بھی تھا۔ انہیں طاقتوروں پر غائب آتا ہے ان کا مردور ملتا ہے۔ بہت سی باتیں خدا کی طاقت و قدرت کا احساس دلاتی ہیں۔

نور محمد۔ گریہ نشان خود پسندی کے کنوئیں سے باہر آجائے۔ در خدا کی سچائی کو سمجھ جائے تو انسانوں سے کھیلنا چھوڑ دے۔

وینک میرا صیب نور محمد عقیدت سے نظریں نہ کھکا کر پڑا۔ یہ کچھ بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ سے خود نہیں کرنا ہے کچھ ہاتھوں تک پہنچانا ہے۔ آپ کو کہاں سے ملایہ میرا صیب۔

خدا کی زمین ہے۔ اسی کی ہر چیز ہے۔ زمین بھی۔ جنگل و بیابان بھی۔ کئی بھی کوئی انسان آسکتا ہے۔ وہ پھر ہم ہونے لگے۔ انسان کے لیے زمین بچائی گئی کہیں بھی قدم پڑ جائیں پابندی تو نہیں۔

نہی۔ جی۔ وہ یوں پڑا جیسے صیب کچھ سمجھ گیا ہو۔ اچھا صیب صیب میں معلوم کرنے جاتا ہوں مرتضیٰ شادی شہر سے کب آئے گا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ میاں جی ظہر کی نماز پڑھنے لگے۔

وہ نماز پڑھ کر تسبیح پڑھنے میں مصروف تھے کہ نور محمد ایک جوان اور مضبوط سے آدمی کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوا۔

میا صاحب۔ مرتبہ لاشاری۔

الحکم علیکم میں صاحب

والحکم السلام۔ اول آخر خبری خیر ہو۔

ٹھیک ہیں آپ میا صاحب مرتضیٰ، شادی ن کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

میا صاحب کی مرضی چٹائی۔ نکھیں مسکرائیں۔

میرا رب تو ہمیں ٹھیک ہی رکھنے کا خوشامد ہے۔ ہم خود نہ چاہیں وہ اور بات ہے۔ میں

بہت خوش ہوں چھوٹے شادی۔ الحمد للہ انسان کے سب حقیقت سے متہم ہوئے۔

کوئی خدمت۔ میا صاحب۔ میرے ملحق کوئی کام

لاشاری۔ اس بچے کی طرف دیکھو۔

بہت پیار دیکھ ہے میا صاحب آپ کا۔

اس کی عمر دیکھو لاشاری۔ اس کا تجربہ دیکھو۔

جی۔ وہ حیران ہوا۔

اسے بھی دیوں کے بھیس میں دھوکا دیتے والے ملے لیس۔ بھلا یہ عمر ہے۔ یہ کہاں اس

ملحق ہو ہے، بھی۔ وہ پھر نہیں اور پہنچ گئے تھے۔

آہستہ آہستہ انہوں نے مرتضیٰ، شادی کو ایک ایک بات بتائی۔ پھر بولے۔

چھوٹے لاشاری۔ دھوکے کی خبر سب کو ہو جاتی ہے۔ دھوکے کی خبر کسی کسی کو ہوتی ہے۔

حارث نک انسان کا رجبہ دیکھو تو سب سے قسمت آمیز سلوک بھی ہے۔ دھوکے سے قیادہ اس
کلکناٹ میں کوئی درجہ ادھماک کیا ہوگا۔ ہم کہتے بہرے ہو چکے ہیں۔ شادی۔ انسان کی تقسیم
ہو چکی ہے۔ شادی۔ کوئی دھوکا کھانے کو تیار بیٹھا ہے کوئی دینے کو، مگر میں مسماں نہ ہوتا تو
بچے کی طرف دیکھ کر کئی بار دہاتا۔

لیکن میں خدا کے وعدہ لاشریک پر یقین رکھنے والا ایک شریف بندہ ہوں اور جانتا ہوں
کہ اس کی ایک صحت خیر بھی ہے اور جو تا باخبر ہے۔ ہم تو سو بھی جانتے ہیں لیکن وہ ہر پاس
کروینے والی صفت سے پاک ہے۔

ہم اس کا پناہ صوفیوں کے تو اللہ، نصیر ہمیں اس کے کسی، پتے کی خبر ضرور دے گا تم روز شہر
جاتے ہو لاشاری پڑھا لکھتے تھے۔ رے مرتبے میں اضافہ کریاں کا معاملہ اب تمہارے سپرد
نیت کرو خدا کی نیت سے تمہاری طرف متوجہ ہے

مرتضیٰ، شادی کے خون میں گویا جو رہا ناٹھ رہا تھا

میا صاحب کے لہجے میں اس قدر یقین و اعتماد تھا کہ اس سے محسوس ہوا۔ سینکڑوں
خوبصورت رنگوں کی روشنیوں اس کے سینے میں منتقل ہو گئی ہیں اس کے ذہن کا ایک ایک تار
ایک ایک لہر چمک اٹھی تھی

اس نے میا صاحب کے ہاتھ کو لایا روپا بس اتنا سا کام میا صاحب آپ بلکل فکر نہ

کریں

نور محمد بشر کی سہت متوجہ تھا

میرا صاحب کی سفید چٹوڑوں کو جھنکھش ہوئی اور وہ مسکرائے

دیکھو محمد کی زبان منٹھی وردل محبت اور ہیستمت و ہوس کو ایسے مصاحب ملتے ہیں یہ محبت
اور آدمی ہیدنیا کے بڑے آدمیوں میں سے ہیں تم سے سادھی میں بولے گا نہ پریشان ہوتا نہ ہوا
ماننا جو تم سمجھتے ہو اسی زبان میں تو دھوکا کھا کر بیٹھے ہو اس سے ڈرو نہیں، یہ دوست بیجاؤ اس کے
ساتھ گوشہ کو سر کر دو

بشر میکا کی انداز میں نور محمد کے ساتھ بولیں مگر پیٹ کر میں صاحب کو دیکھ ضرور سر قنچی
شاہی بھی ان کے پیچھے ہی لگن گیا

حاج طارق بھائی مجھے تو زیادہ مز نہیں آیا آپ ہوتے تو بہت مز آتا

ثوبیہ نے صبح صبح ناشتے پر ہی طارق سے کیا

اسے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں اور زیادہ غروں میں آ جائیں گیدر یہ نے، لیکن کوٹو کا
جتنے والے جلا کریں، انہم دودھ ملائی کھایا کریں اس نے تجھے سے پیٹ بجا کر مہربانی کی
کئی دور گزرنے کی کوشش کی

تو مگر مجھے پہنچتا دینا تو میں ہائی علیحدہ کر بیٹھتا تو وہی جملہ بولیں نیماں جان ہاوسرگ
خانے سے باہر آ جاتے ہوئے انہیں دودھ ملائی لکھنوی سن پائی تھیں

مجھے تو بہت مز آیا عثمان بھائی کہنی میں اور یہ نے ناک چڑھا کر کہا

ہم تو آئندہ بھی عثمان بھائی کے ساتھ جائیں گیدر یہ لکھنے کا فوز یہ نے نکلا لگایا

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے کہ۔۔۔۔۔

کہ چھوٹے بھائی جان کی جان چھوٹا سب نے ایڈے پر تمک چھڑکتے ہوئے حسب
عادت جسد مکمل کیا

یا رحیم سے یہ مید نہیں تھمیری جان چھوٹ گئی، تمہیں بے چارے بھائی میرا سے کوئی
بھروئی نہیں

عثمان نے آنکھ کے دھارے سے طارق کو سٹخ کیا (کہ ان میں سے کوئی بھی برا نہ ہو سکتی
ہے۔۔۔۔۔)

ایسی وہ مشورہ ہوا

وہ تو مجھے پہنچے ہی تھا کہا بھی تو ناشتہ ہی ہو رہا ہو گا مگر یہ لڑکا میری سنا ہی کب ہے

والسلام علیکم پھوٹا بھی جان

سے ولایت السلام صبح بھی جان کہیں ہیں السلام علیکم۔۔۔۔۔ ہائیں یہ لڑکیاں

وہ بھی تھکا روتی نے پھوٹا بھی کی بات میں گروہ لگائی

سے ہاں وہ سادگی سے بولیں پھر ایک دم شہنا کر فاروق کو گھور کر رہ گئی

پھوٹا بھی چہا ج آپ کے ہاں ناشتہ نہیں بنا طر ق کر می چھوڑ کر، ٹھکھڑ ہوا

میرے بھائی کا گھر ہے اللہ بخش دین حیرے گھر چاکل کی حب کہتا ہے بات
وہ بھی آکر اس کی پھونگی تھیں ٹھسے سخت پر بیٹھ گئیں اب وہ بڑی، لجمی ہوئی نظروں
سے تینوں

کو دیکھ رہی تھیں کتنی خوبصورت، اور تروتازہ لڑکیاں کہ فیصد مشکل تھ تینوں میں سب سے
اچھی کس کو کہا جائے مگر یہ ہیں کون

احسان بھائی کی پیچا یہ ہیں ابھی ایسے کیا دیکھ رہی ہو
اے تو یہ یہ بھی، چائیں تو ڈری گئی تھیں وہ شیش دھمک رہی وج کی طرف جھک کر بولیں

میں بھی تین بیٹے تو ایک ہی، دفعہ میں نمنا دے بات کے اختتام پر پھونگی جان بنانا
ایک سانس وہ مخصوص قہر لگا

ان کی بات پر قوشیدہ آج تک کوئی ہنسنا ہوگان کے قہر پر بدست خوب قہر لگتے تھے
اے تو تمہیں بھی نرمی ہی سمجھتی ہے کیسی باتیں کرتی ہو دفعہ رکھے میں چپ چاپاے
بہوئیں کیوں نہ لگی

خدا وہوں نہ لگے
جب اس جان لڑیں، تو آپ قہر لگا کر ایک سانس وہ

طریق نزدیک تل شیو بنانے میں مصروف ہو چکا تھا اس کان سے لے کر اس کان تک
جھاگ تھی جھاگ تھا، مال کی بات کاٹ کر ہوا

پھونگی جاتا ایک سانس میں بیسے گا بھی نہیں ساد جھاگ چھوئے بھائی کے منہ میں چلا
جائے گا حبیب ہوا

کیا پھونگی جان کھینچی میں جھاگ آنے کا بیاس نے بڑی سادگی سے پوچھا سب نہیں
پڑے

ہوئے لانا چھوئے میں ماں جاننا بولیں
اور یہ آج صبح صبح تم کیسے آگئے مجھوں سے تو تمہیں فرصت نہیں ملے تھے بھر بھار ہا مجھے پچھلے

دونوں
انھوں نے تنہا کی خبریں

یہی بتانے آئی ہوں کہ بہت مصروفیت رہی میری حمیرا کو بچ کو، یوں بھلا رہے ہیں
آگیا تمہارے یاد کا لڑکا امریکہ میں ماں جان لے چو تک کر پوچھا

شادی سے ہفتہ بھر پیسے آئے گا
تو تمہیں کیا سوچھی بچی کو چند روپے پہلے کوٹ دے رہی ہو، اس جان کو بھلا رہا

ہماری سانس کہہ رہی ہیں چند روپے پہلے ڈھولک بچو کس گھانا دن میں برسوں بعد شادی
ہے

تو بچو نہیں ڈھولک بچی کو کیوں سے دن پیسے باغداد کر دھائیں بھائی آج کل تو لڑکیاں
تین دن پیسے بھی میٹھے ہوئے گھبراتی ہیں اور ویسے بھی آج کل تو بایوں ایک رسم کا نام رہ گیا ہے

کیا کرتی ہیں پردہ بیاہیہ محرم تا محرم ہر ایک سے پردہ کرواتے تھے کیسا روپ آتا تھا آج کل تو روکا لوں سے بچ کرتی ہیں پھر بھی وہ بات نہیں

ورنہ پہلے لڑکیاں صرف کپڑے پہن کر بھی جج جاتی تھیں کیسا روپ آتا تھا نظر سیر نہیں ہوتی تھی دیکھ دیکھ کر

یہ تو صحیح کہہ رہی آپ بھی جیسا ہو جی جان نے یہ وجہ کی تائید کی
اور سہ وہ پیچیں کہہ چکی گئیں آپ نے بتایا نہیں

اے احسان بھائی کی پیچیں ہیں

کیسے گئیں پہلے تو کبھی

اور جان نے بعد وجہ کو کھوکھو کر دے کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا کہ تو یہ بھی وہیں تھی

کیا سچ گئی پیچیں انہوں نے گروں موڑ کر دیر دور فوڑیہ دیکھا

شاید بہت شرمیلی ہیں یہ میسما دھپھو بھی جانے سادگی سے کہا

جی ہاں بڑی مشکل سے برقعہ اتار کر ناشتا کرنے میں بھی عرق نے احتیاط سے رہز

اپنے گال پر چلایا

اب جان نے گھور کر دیکھا تو نظریں چراگیا

تب کس جگہ بنتی ہیں ٹوپ یہ پھو بھی جان کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی

کریم آباد پر رہتی ہوں دنیا بیاہ تم آنا تا شوئی میں اپنی بہنوں کے ساتھ ملکہ بنوں ور

مندی میں گئی

ہم اپنے کارڈ پر نہیں گئیں گئیں انہیں اتنا بوجھ ایک کارڈ نہیں ٹھاسکا ان کا کارڈ علیحدہ

دیجے

فاروقی ہوں

گھر کی بات یہ پٹی پیچیں ہیں انہیں کارڈ کی کیا ضرورت تھیں ان کے مال باپ کو کارڈ بھیج
وہں گیا سے گئیں گدھر

مناوی کر، و حسیستہز دیاں غائب ہیں پھو بھی جان کے علاوہ کوئی دیو تو آتا نہیں دیکھا

گیا

عراق ہاتھوں کی گردش روک کر ہوں

آپ کی موجودگی میں دیو کی یہ جالہ دیہ ہشتی ہوئی ہا ہر آئی

مناں جو اپنی تیاری میں لگی تھے سکر لویے

مناں تھکتی تھیں مجھے حد ہر اتار تے جانا

آپ آئی کس کے ساتھ تھیں انہوں نے پھو بھی سے پوچھا

رے وہ شا کر کا ج چاہا تھا میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ذرا مجھے اپنے ماموں کے گھر

اتار تے جانا تو یہ سوئرس نکل نہیں ہوئی جہاز چلا تا یہ یہ لڑکا نہیں بیٹے کی تیر رہا دی یاد آگئی

نہر کیوں نہیں آیا ماں جان کو شا کر کا باہر سے باہر چلے جانا کھلا

کہہ رہا تھا دیر ہو چائے گی

اسے نہیں یہ بھی جانتی تھی کہ کام میں دن بھی تھوڑے ہیں

اب جاننے جلدی سے چائے کا ایک کپ تیار کر کے انہیں دیا

چائے پی کر انہوں نے ایک بار پھر پرزور تائید کی تھی کہ گاڑی بہر نکال چکے تھی وہ تیزی

سے باہر نکل گئیں جیسے عثمان انہیں چھوڑ کر جانے کا راہ روکتے ہوں

گھر پر ایک ویرانی سی طاری ہو گئی تھی

ایک نہیں، دو نہیں تینوں بچے گھر پر نہیں تھے

ورنہ علی شاہ کا زہن، دُلف ہو کر رہ گیا تھا۔ شاید اپنے گھر جلی گئی تھیں روشن کی طبعیت بھی

پہلے سے بہتر تھی کہ، ذمہ چنے پھرنے تو لگی تھی مگر نہ دھارشی لگنے لگی تھی اور میں برش تک نہیں

کرتی حمید دونوں میاں بیوی اپنے اپنے رات کے کڑھوں میں ترے ہوئے تھیں جب سے

ورنہ علی شاہ سوویہ سے آئے تھے روشن نے اپنے آپ سے ان سے کوئی بات نہیں شروع

کی تھی وہی کچھ بات کر لیتے تو خود بھی بات کر لیتی تھیں پھر یوں چپ ہو جاتی جیسے کچھ یاد کرنے کی

کوشش کر رہی ہو یا کسی سوال کا جواب سوچ رہی ہو

ورنہ علی شاہ ڈریسنگ نیکل کے سامنے کھڑے شرٹ کے بٹن لگا رہے تھی وہ کمرے میں

داخل ہوئی کھانا پیوں والے نشو، رموٹ میں وہ بغیر دوپٹے کے بہت دیر نظر آ رہی تھی

کہیں جا رہے ہو

ہوں؟

کہاں

آج کل مجھے کیا کام ہو سکتا ہے انہوں نے، لٹا سول کرو یا

کیا آپ مجھ سے بدظن ہیں (خند سے خمیر نے جیسے من کا دل نچوڑ ڈالا)

مگر مومئی جاؤں تو اس کا فائدہ انہوں نے جھک کر رستہ وچ ڈھائی

مگر آپ مجھ سے بے نیاز ہوئے تو میں اس کے شک بنے لگے

پاگل ہو میرا، قہار، دیکھ ایک ہے ہمیں ایک دوسرے کی بہت بندھاتا ہے مضبوط بند

دو شخصیاں سول لے اس کے شک صاف کیے

مگر

مجھے مگر کے ساتھ نہیں انشا اللہ کہہ کر رخصت کیا کرو

شاہیر اول نہیں بہلتا آتو پھر رواں ہو گئے

انہوں نے اس کے وجود کو اپنے مضبوط بانوؤں کا مہاروا

اللہ پر بھروسہ رکھو ہم سب اسی کا مال ہیں ہم بھگتا رہے بچے بھیجے ہمارے ایمان کا بھی

امتحان ہے

ہائے یہ سادہ لوح صاحب ایمان و ایمان شہکار میری آلودہ روح کو تپ کران سے

دور ہو گئی

انہوں نے حیرتی سے اسے دیکھا پھر چہ بیاں اٹھا کر ہاں ہلکے گئے

وہ آئینے کے سامنے آکھڑی ہوئی

اس سوز کا تو وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کیسی لپٹی پٹی لگنے لگی تھیں اس نے دودھ اٹھا کر کٹھنوں پر ڈال دیا ہر نکل سیٹھ مڑھلنے والی تھی وہ دیر تک یہاں وہاں چلے قدمی کرنے لگی
معا اس کی نظر سامنے والے کوٹھی کے گیٹ پر پڑ چکی کی بھڑکی ہوئی تھیں اس کا دل دھڑکا اہستہ روی سے ان کے قریب چلی آئی

تمام بچے ہمسایوں کے تھیں اسے اپنے نزدیک دیکھا تو بیک وقت کئی آوازوں میں اسے سلام آئے

کیا بات ہے

آئی نوٹو کی بیٹی کو چوٹ لگ گئی ہیلڈنگ ہو رہی تھی نوٹو بیٹا کمرہ ہاں بیجا نوربے زبان ہوتے ہیں ناں آئینان کا خیال رکھنا ہماری ڈیوٹی ہے چارے نہ بول سکتے ہیں نارو سکتے ہیں ایک بچہ جزیہ ہمدوی میں سر تاپا غرق تھا

لوگ جاتوروں تک پر دم کھاتے ہیں روشن آرا اس کے اندر کوئی بونے لگا تھا اندھیرا ہو رہا ہوا محسوس ہو گیا اس کے دل میں جھکڑ پھٹنے لگے تھے

اسے کیا ہو گیا تھا

اسے احساس ہو کر حریفوں کے لیے کنارے سے ہٹا دیا

خود غرضتیں ہی یہاں چھٹس کی ہرگز وری اتنا نیت کے ثابوت میں کھل کی طرح ہے دیکھو اسے دودھ پانا اور اجرین لگا سٹائس بھی کھانا بچے نوٹو کو مشورہ دے رہے تھے
کتنا خوش نصیب ہے یہ بیٹی کا بچہ شرس سے بھی زیادہ جس کے ساتھ جانے اندھیرے میں سے پھرتے لگیوہ بمشکل خود کو کھینٹ کر گھر کے اندر داخل ہوئے تو کوڑا دیوتا پتلی تو آواز نہ نکل سکی

حساس ہے بس کے ساتھ وہ ہیں گیٹ پر سر تھا دم کر بیٹھ گئی

گھر بھی وہی تھا چپے کی کی بھی نہ تھی لیکن وہ سرت جو گھر کو کچھ کر اور چپے کو چھو کر ہوتی تھی اس کا نام و نشان تک مٹ چک تھا

نوکر اندر گھر میں مصروف تھے اور اس کی آنکھوں سے اندھیر چھا رہا تھا اس نے اپنے بچہ کے سر کو اٹھا، نوٹو کی بیٹی کے گرد گھیر ڈالے ہوئے ہیں میں سے ایک کی نظر بڑی تھی
عامیروشن آئی اس طرح گیٹ پر کیوں بیٹھ گئی ہیں سوہی نے فکر مند نہ انداز میں پوچھا سب بچے اس کی طرف متوجہ ہو گئے

اس کے بچے دراصل کہیں کم ہو گئے ہیں اس لیے بے چاری پریشان ہیں ایک بچے نے ہمدوی کے جڑبے سے مسعود بچے میں ہوتا ہونے کی کوشش کی سب بچے نوٹو اس کی بلی سمیت روشن کے پاس آگئے تھیں یہ بت علی شاہ کی روشنی جو آہستہ آہستہ دم پڑ رہی تھی

دانت پھٹنے لگی (کیا ہوا آئی) نوٹو نے پیسہ اپنی بیٹی کو سنبھالا پھر کھنوں کے مل جھک

کر روشن آرا کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا
اس نے نفی میں سر ہلایا

شاید آئی کو پکڑ آ گیا ہیادیم سب نفی کو دن کے بیدروم میں پہنچا آتے ہیں شاہ رنگل
کہاں ہیں انہی کو بنا فیٹے ہیں نوٹوں نے روشن کا بازو تھام کر ساتھ ساتھ اس کے چہرے پر اپنی
مانے کا رد عمل بھی دیکھا

نہیں میں ٹھیک ہوں۔ میں خود بھی جاؤں گی میرے پیٹھوں پر دوسرے بچوں کا معصومیت
سلوک دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا

بیٹے (وہ جو دریت علی شاہ کا خون تھے اس کے سر کے تاج کا وجود نہیں جانتے کہتے
ہوئے اس کی زبان پتھر جاتی تھی وہ بچہ جس سے خون کا کوئی رشتہ کسی ابتدائی پشت میں بھی
نہیں ملتا اس کو کس گداز سے بیٹا کہہ دی ہو روشن)

بیٹیہہ بویا پپہ لوگ جائیں میں ٹھیک ہوں
وہ آپ کا ملٹر رہا نہیں اسے کہہ دیتا ہوں وہ ڈکٹر کو فون کر دے ٹھیک ہے نا آئیہ سرخ
ہونٹوں والے معصوم سے سوی نے اس کی شوزی چھو کر کہا

تو اس نے سوی کی تھیلی چوم کر ہستہ سے کہا اوکے
(میں تمہاری پاس کائنات میں بسنے والی کسی ذی روح کی ہمدردی کے قائل نہیں ہوں
بچوں کو ہر شکل بیلنگ آئی تھی بلکہ بچے کا قیادہ سے بیدروم تک رخصت کر کے گئے تھے

میرے اچھے کعبوں کو چمن آئے گا میری تھمیری زندگیاں کتنی گڑبڑ سے بازوں کے
گھیرے میں محسوس ہوئی تو نا قابل بیان درد اس کے فکر سے پھوٹ نکلا

آگئی اور دکھ کے ٹپٹی ٹپٹوں میں اس پر دریت علی شاہ کا دکھ بھی منکشف ہوا تمہارے لبوں کا
نیک قطرہ درد دریت علی شاہ کے تپتے ہوئے
اسے اچھی طرح معطوم ہو چکا تھا اب اسے چلن نہیں تے گا کڑھ کی پادروئے گنگر قنار
کسی طور نہ آئے گا

اسی دم فون کی ٹھنکی بجی اس کا دماغ پھٹنے لگا حادہ نکلا اس کے بیدروم میں جو فون آپریشن تھا
اس کی قتل بہت پارک اور کم آواز تھی
لیکن اسے یہ معمولی سی آواز یادوں کی گرج سے کہیں زیادہ محسوس ہوئی
بہ شکل ریسیور اٹھایا

دوسری طرف اس کی آنکھیں
ٹپٹا رہے تھے گھر جاتے ہیں اب اس کے بچے اسکول جاتے ہیں بہت نقصان ہو رہا تھا ان
کا

دریت علیہ تے ہی ہوں گے کجا کر نہیں گئے کہ کہاں چارہ ہے ہیں
نہیں نہیں اس خدا کے ہے آپ یہاں نہ آئیے گا ورنہ فون بھی نہ کیجیے گا میں پریشان
ہو جاتی ہوں پلیز اس نے کتاہٹ اور بیڑاری سے ریسیور کر لیل پر ڈال دیا

اساتہارا بھی کیا قصور جب انسان خود ہی اپنے کو تیار ہوتا تو

اس نے سلیپنگ ٹاؤنگل کر پانی کے ساتھ نکل لیں اسے غفلت کی ضرورت تھی

جانتے میں تو اس کا زمین ناسور بنا رہتا تھا جس سے لال اور حساس جرم کا مو. درستار ہوتا

تھا

تھوڑی دیر میں ہی وہ غافل ہو چکی تھی۔ عجیب مقرر تھا اس کی زندگی کا۔ غفلت سے غفلت کا

سفر۔ پیسے شعوری غفلت، ب۔ شعوری غفلت میں پناہ پاتا تھا۔

وہ سٹ علی نے رات کے پہلے پہر تختکن سے چور چور، پٹی خواب گاہ میں قدم رکھا تو وہ سو

رہی تھی۔ آڑی توجہیں، بید پر زنجی۔ وہ یکدم گھبرا گئے۔ گے بڑھ کر اس کی فیض تھامی اور سکھ

کا گہرا سانس لے کر لباس تبدیل کرنے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔

انہیں بھی نیند نہیں آتی تھی۔ انہوں نے بھی نیند اور گولیاں لگیں اور دروازہ کھولے۔ نیند کا

پیدا سرحد تھا۔ شعور، اور مشہور متوازن تھے۔ تب ہی انہوں نے روشن کی چیخ سنی۔

مصنوع بچہ ہے۔ رہتے دو اسے کچھ نہ کہو۔ مگر مجھے سناپ نظر آ رہا

ہے۔ بشر پیچھے ہٹ جاؤ۔ بشر۔ اس کی چیخ اتنی دلور تھی کہ وہ بیت علی کا وجود درز کر رہ

گیا۔

روشنی۔ انہوں نے اس کے رخسار دیکھ پھانے۔

اتنے لوگ کمر کیوں کے کنارے بیٹھے تھے۔ کوئی تو دیکھ لیتا۔۔۔ کوئی تو دیکھ

لیتا۔۔۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

آہ کوئی تو۔

روشنی۔۔۔ ہوش میں آؤ۔

کوئی تو دیکھ لیتا۔۔۔ میرے ہاتھ کاٹ دینا۔۔۔ تو یہ ناگ عمر عمر کے لیے میرے کچے پر

بیٹھ کر مجھے ڈرستا۔

روشنی۔۔۔ ہوش میں آؤ۔۔۔ کوئی ناگ نہیں ہے۔۔۔ سناپ نہیں ہے تم پتے گھر میں

ہو۔ پتے ہسٹر پر ہو۔۔۔ میں تمہارے پاس ہوں۔ انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے سینے سے لگا لیا۔

انہوں نے اس کے الفاظ سننے اور غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کے لیے

پیش نظر تو اس کی وحشت تھی۔

روشن ہوش میں آئی تھی۔ اس کا چہرہ دھڑلے ہوئے لمحے کی طرح سفید پڑ چکا تھا۔

وہ بیت علی شاہ نے سائیکل پر رکھ پالی کا گلاس اٹھا یا اس میں پانی تھا وہ دھلے ہاتھ

روم میں پالی پیٹنگ کرائے اور جنگ سے پانی اٹھیل کر اس کے لبوں سے لگا دیا۔

(سارے سکھ جھین پیسے اس سادہ سے انسان کے)

وہ بیت علی شاہ کے چہرے پر کوئی، ابھمن یا کوئی کوفت نہیں تھی بلکہ وہ بہت تھوڑی اور

تشویش سے روشن آرا کو دیکھ رہے تھے۔ کچی نیند سے اٹھنے کے سبب آنکھیں سرخ ہو رہی

آئی۔ اہم۔ ساری شاہ میں کل سے دوسرے بیڈروم میں سوچیا کہوں گی۔ آپ سڑک پر ہوتے ہیں۔ ہاں۔ ہون بھروسے ہی پریشان رہتے ہیں اور رات کو تھیں۔

میں تمہیں۔ لگ کرے میں کبھی سونے نہیں دوں گا۔ تمہاری حالت۔ یہی نہیں کہ۔ میں خود غرض نہیں بن سکتا۔

روشنی۔ ایسے نہیں سوچا اب تو بس تم ہی ہو میری دوست۔ میرا خزانہ۔ میرا گھر۔ میرا سب کچھ۔ انہوں نے اس کی پیشانی پر بکھری نہیں سمجھیں۔

اور روشن آرا کے اندر اس کا ضمیر دھڑکیں مار رہا کر دے لگا۔ ایک دم اس کا جانی چاہا وہ۔ کچھ کرے۔

پہلے بستر سے اترے۔۔۔ اور پیچھے نہ جانے۔ پھر بستر پر دوڑا۔ بت علی شاہ کے پاؤں تھام لے۔ اور پھر تاروئے۔

اتار دئے۔۔۔ کہ وہ بت علی کا جگر پانی پانی ہو جائے۔ شاہ کے وجود سے تمام مثنوی جذبات اس کے، شکوں میں بہہ جائیں۔

کہ۔۔۔ پھر وہ اس کا بھیا تک ترین اعتراف سن کر بھی موم بنا رہے۔ پہلے۔۔۔

وہ ورت علی کے دل سے نفرت۔ انتقام۔ بدلہ۔ وجود لے۔۔۔ بس اسے محض مٹی کر

پھر اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی اور حیران کن خبر سنا ڈالے۔

مگر پہلے اس کے پاؤں تھام کر شک تو بہا لے۔ کہ سب سے زیادہ اہم رسیدہ تو یہی ہے۔

سب سے زیادہ سادہ۔۔۔ کہ نقیب تو اس نے خود اپنے گھر میں بسایا تھا۔ اس نے وہ بت علی شاہ کا چہرہ دیکھا۔ بہت کم میز اور کم تخت سا آوی۔ یہ سادہ اور

مجموعہ کرنے والا انسان تھے۔ روشن۔ تخلیق قیاس اس کا دماغ اسٹو دیں گی۔ اس کا ذہنی توازن بگڑ جائے گا۔

پھر یہ ورت علی شاہ نہیں رہے گا۔ روشن۔ پھر یہ معروف۔۔۔ روشن آرا کا وجود زکروہ کیا۔ اس کے سارے حوصلے پست ہو گئے۔

آپ سوچائیں شاہ میں ٹھیک ہوں۔ اس نے کروٹ بدل کر شاہ کو تسلی دی۔

وہ تو شام سے پہلے ہی گھر آچکا تھا۔ گھر میں صرف عثمان۔ در رمضان تھے۔ باقی تمام لوگ شادی کی جہی قسط دیکھنے یعنی

باپوں میں جگے ہوئے تھے۔

اسے گھر میں غیر معمولی سناٹا محسوس ہوا تھا۔ خود ہی چائے بنا کر پی اور دونوں بھائیوں کو بھی دئی پھر حسب معمول مغرب کی نماز کے بعد اپنے نقشے پھیل کر بیٹھ گیا۔

بھائی میاں سب تو چنے گئے ہیں ہمارے کھانے کا کیا ہو گا؟ مکان اس کے سامنے سے گزرے تو اس نے فکر مند ہی ٹھہر گئی۔

لیکن کھانا تو ہمیشہ ہمارا جان بھائی ہیں سب تو نہیں۔ وہ ملتی خیر انداز میں مسکرائے تو واقعی وہ سنپٹ گیا۔

ہاں۔ میرا مطلب ہے ہمارا جان۔ وہ جلدی سے بولا۔

شا کر آیا تھا سب کو لینے تو کہہ رہا تھا گھر میں رہنے والوں کے لیے کھانا چھو بھی جان بھولتیں گی۔

تب اس نے اطمینان اور اسہاک سے کام شروع کر دیا۔ اسے اپنے روٹین میں کسی بھی قسم کا اتار چڑھاؤ پسند نہیں تھا۔

رات نو بجے کے بعد غافلہ افشا کھنا ک کھناک گاڑیوں کے دروازے بند ہونے کی آوازیں آئیں تو وہ پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کھڑ ہو گیا۔

فوزیہ رو رہی۔ ہمارا جان۔ شا کر حسب معمول فاروق جتنے مسکرتے اندر داخل ہوئے حسیب کے ہاتھ میں بندھا ہوا کھانا تھا۔

شکر ہے خدا کا آگئے آپ لوگ، یہاں تو کھانے کے بندھ رہیں۔

ٹوہیہ کہاں ہے؟ اس کی بات ادھوری رہ گئی تو یہ کو غیر موجود پا کر اور اسے اسے لڑکیوں نے روک لیا۔ کہہ رہی تھیں گانے وانے گائیں گی۔

صرف اسی کو کیوں روکنا؟ اس کا موڈ بدل گیا۔

بھئی مزے مٹنے کی بات ہے۔ تمہاری چھو بھی نے تو فوزیہ رو رہیہ کو بھی روکا تھا مگر یہ رکی نہیں۔ ہمارا جان کھانا گرم کرنے چلی گئیں۔

شا کر جانے لگا تو ہرق اس کے پیچھے ہو گیا۔ پھر پیٹ کر پادور پئی بائیک کی چابی ٹھاکر باہر نکل گیا۔

بھئی آتا ہوں ہمارا جان۔ میں آپ لوگوں کا کھانا نقلہ کر رہا تھا میں بھی رونق دیکھ آکاں چھو بھی جان کے ہاں۔

تم بائیک پر کیوں جا رہے ہو ہرق؟ گاڑی یا ہوں ناں میں۔

وہ بھی میں بھی غلب میں تمہاری گاڑی میں آؤں گا۔ بحالہ پھر تم گاڑی کی وجہ سے مجھے چھوٹے آج گئے۔

اس کے بعد میں از روہ خلاق ودف نیست تمہیں چھوڑنے جاؤں گا۔ پھر تم مجھے

شا کر مسکرا دیا۔ چھا با تم بائیک پر ہی آ جا تا ہمارے ہاں رونق دیکھنے۔

وہ زچ سا ہو کر ہا۔

جب وہ چھو بھی کے ہاں پہنچا واقعی وہاں خوب ہنگامہ تھا۔ کلین آکھل کھلتے تھے۔

خوشبو نہیں اور سر میں ٹوہید غائب، اندر حیران کے پاس تھی۔

پوچھ گچھ نے اسے دیکھتے ہی پہلے کھانے کے لیے پوچھا۔

کھانوں کا پوچھ گچھ جان۔ پہلے ذرا حیران سے قول میں۔ وہ سیدھا حیران کے کمرے میں چلا گیا۔

سمانے کی ٹوہید و حول۔ یہ بٹنی تھی سرخ شلوار کرتے میں بڑی گن کی تھی جیسے من اوتوں سے برسوں کی آشنائی ہو۔ طارق کو دیکھ کر حیران ہو کر و حول۔ بھانا ہی بھول گئی۔

یہ بچے بآ رہے ہیں طارق بھائی کسی کزن نے تان لگائی۔

اے بڑے ہوشیار ہیں۔ سوچ رہے ہوں گے بٹنی ختم ہو گیا ہوگا۔ بکیر خطرہ ہے مگر طارق بھائی، بٹنی باقی بچا ہو ہے دھمکی۔ یہ جو آپ کی وہ سٹھ شرت ہے ناں ہم سے پیدا کر کے دم لیں گے۔ اس کی ایک اور کزن چٹنی۔

اے یہ وہ واقعی گھبر گیا۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کل میں خود بٹنی لکوانے آ جاؤں گا۔ وہ بڑے عجز سے بول۔

گئی۔ اے اے بی بیو ف سمجھنا ہے ہم کو۔

اسی دم پوچھ گچھ جان۔ اندر آئیں اور بولیں۔

اے بڑے کیوں اسے تنگ نہ کر دو تھکا ہار۔ بٹنی سے ملنے، یا ہے۔ کھانا تک تو کھانا نہیں۔ اس نے تب جا کر اس کی گلو خلاصی ہوئی۔

اس نے ٹوہید کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے اس کے پیچھے چلی آئی۔

بھئی وہ فوریہ کی طبیعت خراب ہے۔ اس نے فوراً سمجھیں ہے۔

وہ بری طرح گھبر گئی۔

کیا ہوا فوریہ آئی کو۔؟

ہائیں۔ ایک دم کیا ہو گیا وہ پریشانی سے گویا ہوا۔

وہ تو یک دم دوپٹہ سنبھال کر شوز بین کرتا رہو گی۔ چلے۔ جلدی چلے۔

پوچھ گچھ بچا رہی ہاں تک کھانا کھانا کرتی تھیں مگر وہ۔ ٹوہید کو بیک پر بٹھا یہ جاوہ جا۔

یہاں سے تو بالکل ٹھیک گئی تھیں۔ وہ پریشانی سے بول۔

وہ خاموش رہا۔

کیا آؤ میٹنگ وغیرہ ہو گئی ہے۔؟

وہ پھر خاموش تھا۔

اس نے ایک ہاتھ سے زتے بال سنبھالے دوسرے سے اس کا کندھا ہلایا۔

کیا پوچھ رہی ہوں میں۔ آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ وہ رو دبا ہی ہو گئی۔ طارق کی

خاموشی سے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

طارق نے بیک آہستہ کر دی۔

پہلے بتاؤ شور نہیں مچاؤ گی۔؟ وہ بول۔

کیا مطلب؟ وہ حیرت ہوئی۔

ذرا اصل ثوبیہ بات یہ ہے کہ ان چار پانچ دنوں میں ۷۷۱ سے گھر کے دروازے پر تین لڑکیوں کے عادی ہو گئے ہیں۔

درو پور؟

چلو۔ ہم بھی۔ ہمیں بھی شامل سمجھو۔ بات سنو ہاں گھر پر یہ مہم تانا۔

گھر آپ مجھے پتا کر رہے ہیں۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ چل کر اس کی بات کاٹ دی۔

اے کچھ خفا کا خوف کرو۔ وہ دن بھی نہ آئے جب میں کسی کو

بچاؤ رقی بھائی آپ کے مذاق نے تو میری جان ہی نکال دی۔

واپس بھی تو ڈال دی ہے۔ وہ مسکریں۔

کیا تم نے برہانا؟

نہیں خیر۔۔ مذاق تو آپ کی عادت ہے مجھے پتا چل گیا ہے۔ وہ اسی ساوگی سے بولی جو اس کی فطرت تھی۔

مگر یہی مذاق نہیں کرنا چاہئیں۔ جن سے کسی کی جان پر ہن جائے۔ وہ بڑے بزرگانہ انداز میں بولی۔

بعض اوقات تو خیر مذاق کے بھی جان پر ہن جاتی ہے اس نے آہستہ سے سوز کاٹا۔

ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ ہیں بہت selfish (خود غرض) وہاں میں اتنا، نچوڑے کر رہی

تھی کہ کیا بتاؤں۔

بتانا بھی نہیں۔ کہیں میں تمہیں دوبارہ وہیں نہ چھوڑ آؤں جذبات میں آکر۔ مگر در دل ہے میر۔

بچاؤ رقی بھائی میر تو خود دل پتا ہے کہ ہر تفریق آپ کے ساتھ کروں۔ آپ کے خیر تو میں پورا جانتی ہوں۔ تمام روایتیں آپ کے دم سے ہیں۔

شکر یہ۔ وہ شربت سے مسکریں۔

اور آپ شام کو کیوں نہیں آئے تھے۔ بچاؤ رقی پتا تھا آپ کا بتا نہیں سکتی۔ آپ

قزینہ آئی اور دریا پیا سے پوچھے گا۔ وہ وہ تو جذبات سے ٹھیکر بھیج کر دیں۔

پلو تم خوش ہو گئیں کافی ہے۔۔ ہو جا کر یاد تو کرو گی۔

ہائے بچاؤ۔ جانے کیا کیا یاد کرو گی۔

حیرا کی شادی۔ آپ کے گھر کا ڈسپنس، خوشی اور سکون جیسب کی حقیقتیں، افاروق بھائی کی شراوتیں اور آپ کی تمام باتیں۔

مثلاً کیا؟

کوئی ایک تو ہے نہیں جو بتاؤں۔ ویسے بچاؤ آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔ آپ سسٹل کر تو

آپ کو کوئی بھلائی نہیں سکتا۔ وہ معصومانہ زمیں بولی۔

دیکھو ذرا۔ دیکھو بچاؤ کہیں میں خوشی سے پھول کر پھٹ نہ جاؤں۔

ٹوبہ کھٹک درہنسی ہنسنے لگی۔

سچا طارق بھالی لا اور جانے کے بعد میرا تو مہینوں دل بھی نہیں لگے گا۔ وہ بھول چکی تھی کہ اس دل بھی کچھ پر پہلے طارق بھائی سے شکی تھا جو بہانہ بنا کر اسے محفل میں سے نکال دیا تھا۔

گھر کے سامنے بانیک در کی تو ٹوبہ چونک پڑی۔ در اچھل کر اتر گئی اور آگے بڑھ کر کال ٹیل کا ہٹن پٹل کر لے لگی۔ گیت حبیب نے کھولا۔ ٹوبہ کو دیکھ کر حیرانی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پھر حبیب نے طارق کو دیکھا تو کچھ گیا اور ایک گھر سامنے لے کر مسکرا دیا۔

چھین نہیں پڑا آپ کو۔۔۔؟

میرا لفظ کے انتخاب میں درہنہ تھا کیا کرو۔ وہ بانیک اندر دھرتے ہوئے ناصحانہ

انداز میں حبیب سے گویا ہوا۔

ٹوبہ کھٹک کھٹ کرتی اندر چلی گئی تھی۔

سب لوگ بھی تنک طارق کے ساتھ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ٹوبہ کو دیکھ کر حیران ہو گئے

ہائیں یہ تم کہاں سے آگئیں؟ فوزیہ جبرانی سے بولی۔

جہاں آپ ٹوٹ چھوڑ کر آ گئے تھے۔ وہ بے نیازی سے شوز تارنے لگی۔

کیوں آگئیں۔ دل نہیں لگا؟ اور یہ نے بغور ٹوبہ کی شکل دیکھی۔

بھی سمجھ لیں۔ بس شاید اس گھر کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ لا پرواہی سے بولی۔

اسی لمحے کہتے ہیں۔ عادتیں نہیں بکاڑنی چاہئیں۔ طارق برآء سے ٹپک چلا آیا تھا جھٹک لگا لگا دیا۔

ٹوبہ نے شکایت آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ نظر چر گیا۔

بہتر آیا نا سب پورے ہو گئے۔ وہ ایک کرسی پر ڈٹ گیا۔

کہاں پورے ہوئے بھی دو کی کی جاتی ہے۔ حبیب پھر بے سوچے سمجھے بول گیا تھا۔

ٹوبہ سمجھ نہ سکی لیکن فوزیہ اور در یہ سبھی چھینیں پھر قہقہہ لگا کر ہنس چڑیں۔ چند لمحوں تک تو

لاس جان کو لفظ نہ بولے کہ کس طور حبیب کو چھڑا پانچمین۔ وہ پانچمان میں پتھر سے اسٹ پٹ

کرنے لگی تھیں۔ سیدھی سا دھڑی عورت تھیں۔ بھتیجیوں سے شرم آنے لگی تھی انہیں۔۔۔

اور یہ خنجریں کیا ہو کہ فہمے پائی کو۔۔۔ بھلا کر۔۔۔

نہیں پچھو طارق بھائی مجھے تھا کہ نہیں لانے پہلے میں ان کے پیچھے پیچھے باہر آئی پھر

بانیک پر بیٹھ گئی۔ ٹوبہ نے اطمینان سے اپنے پر سر سے پارٹی لٹکان اور پھاٹک لی۔

تو کپ دل نہیں لگا بنی۔؟

بس تین دن لگی تھی وہاں تو ابھی اور دو دن تک سونے کا پروگرام نہیں تھا کسی کا۔

مجھے دوپہر کو سونے کی عادت ہے۔ آج دوپہر کو سونے کی تو اب جلدی نیند آنے لگی تھی۔

ہائیں وہاں سے بھی بھوکا آگیا وہ تعجب سے گویا ہوئیں۔

بھوکا کہہ رہی ہیں آپ کو۔ فاروق نے شرارت سے طرقتی سی کہا۔

کون کس کو کیا کہہ رہا ہے عثمان ازخود نہ گویا کے پاس چلے آئے۔

اوس جان کہہ رہی ہیں بھوچکی جان کے گھر سے کوئی بھوکا چلا آیا ہے۔ فاروق نے شریر

انداز میں طرقتی کوٹھیرا۔

اوسے ایسی کیا آفت تر رہی تھی۔ تسلی سے یہاں یہاں کھانا تو کھا لیتا بھلا یہ کوئی وقت

ہے۔ وہ بڑبڑاتی مگن کی طرف چلیں۔

آپ شمس پھچو۔ میں دے دیتی ہوں کھانا تو یہ کو چھا محسوس نہ ہوا کہ وہ تینوں بیٹھی

رہیں اور پھچو کا مکر کر۔

جبکہ فوزیہ اور دریا کو کس چیز کا شمس ہی نہیں تھا۔ ان کے خیال میں وہ تو مہمان تھیں اور

گھر کے کام پھچو ہی کے ذمہ داری تھی۔ ان کے مقابلے میں ثوبیہ بہت حساس اور مہذب اور قسم کی

لڑکی تھی۔

وہ پھچو کے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔ طرقتی نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی۔

عثمان کو بیت داری کا پروگرام بنا دیا گیا۔ وہ تیار ہو گئے۔ طرقتی نے کھانا کھا لیا تو ہا قاعدہ

پر گھر شروع ہو گیا۔

اوس جان۔ آپ یہاں بیٹھا پر بیٹھ جائیں بطور میزبانی۔ حسیب نے اوس جان کو مخاطب کر

کے کہا۔

عثمان اور فاروق کے بیچ میں اس جان کو بند دیا۔ اور ان کے مقابلے فوریہ اور

وہ یہ حسیب طرقتی تھے۔ رمضان نے معذرت کرنی تھی۔ وہ فوزیہ گروہ میں شامل تھے۔

چلے عثمان بھائی آپ شراب کیجیے۔

عثمان مسکرائے۔ بیٹے جناب۔

اک حقیقت سبھی فردوس میں حوروں کا وجود

حسن انسان سے منت لوں تو وہاں تک دیکھیں

وہ وہ اور فاروق نے شاید وہی مرتبہ سنا تھا پھر ک کر کھڑا ہو گیا۔

ابھی اسے نگاہ حوروں پر

کوئی زاہد کو پارہا جانے

اور عثمان نے نکلا۔ جز و شرارت سے عثمان کو دیکھ کر مسکرائے۔

آپ نے کیوں چڑھا۔ کیوں۔۔۔۔۔ جب آپ مقابلے میں شامل نہیں ہیں۔ ثوبیہ

نے سخت برہان کر اور عثمان سے کہا۔

غلطی ہو گئی۔ وہ دلکشی سے مہم سا مسکرائے۔

چلے بھی تو کیا شعور و زخود ہی بڑھ کر مقابلہ جیت جائے گا۔ عثمان نے ورنہنگ دی۔

نہ جانے کون کس کا کھانا ہو رہا ہے

جسے بھی دیکھو وہی شخص ہے اور اس بہت

اور خدا نہ کرے اللہ سب کو خوشیاں دے۔ یہ کیا دوتے پیٹنے شہرتا رہے ہو طارق
۔۔۔ ہاں جان بڑی ہی، حقیقت سے کہہ رہے پانا چھانٹ کر، لگ کر قی ہوئی پولیس تو سب مسک
دیے۔

تو نے سنبھالنا امیدوں کے لہو سے حس کو
حیرے، حساس کا وہ نکل بھی شاد و شہیں

اللہ، اتنے مشکل شعر۔ ثوبیہ نے حسیب کے منہ سے شعر سن کر، رے حیرت و تشویش کے
مرقاہ ملیا۔

چلو تم کوئی آسمان سنا دو۔ مثلاً۔

رب کا شکر ادا کر بھائی

جس نے ہماری گائے بنائی

حسیب جل کر بولا تو تھپے بند ہو گئے۔ ثوبیہ شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔

یہ آپ بھائیوں کو گویا ہو رہا ہے۔ نون کے اشعار کے پیچھے ہی پڑ گئے۔ دور یہ کو نو کا شعر یہ د
نتا پا تو جھڑک رہی۔

نہ سنگ میل تھا کوئی نہ کوئی نقش قدم

تمام عمر ہوا کی طرح سفر میں رہے

نون کا شعر فاروق نے پڑھ دیا۔

یہ دل بے دروغم کے نون نے یہ ہوئے

اس چہرہ خوشی کی قیمت نہ پوچھیے

ثوبیہ نے بڑی سنجیدگی سے یہ شعر سنایا۔

وہ بھئی۔ تم سب سے اچھی تو ثوبیہ جانتی ہے۔ ارمان نے تعریف کی۔

بس اب کوئی ایسے شعر نہ سنائے ورنہ میں رو پڑوں گا۔ فاروق نے لٹی میٹم دیا۔ طارق
نے فوراً شور مچا دیا۔

دیکھو بھئی شعر آ رہا ہے ثوبیہ کے شعر کے سامنے۔ ہاں جان جانے کن سوچوں میں
سامنے کر کے کی جانب بڑھی تھیں۔ ایک دم ٹھٹھک گئیں پھر خود ہی تہہ میں اتر کر پھر آگے چل

پڑیں۔ ثوبیہ ثوبیہ کیا بچے ہیں۔

کی۔ کا دور یہ نے جوش میں بھرے ہوئے طارق کو یاد دہرایا۔

جی۔۔۔ مجھے بتا ہے، سنیے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک خواب حسیب دیکھا ہے

اور اس خواب کی رنگیں میں تعبیر تم ہو

طارق نے بہت مدد مہم سے اندر زمیں شعر سنایا۔

دیر تیار دوسری بھی کچھ کم نہ تھیں اور

کہی دھوڑنے گئے ہیں منہ مقرر غلاؤں میں
تو بے نے فوجا جواب میں شعر پڑھ دیا۔

کہا آپ دونوں ہی شعر پڑھتے رہیں گے سب بود۔ یہ دیر یہ۔ بی نے تو ایک شعر بھی نہیں
سنایا۔

اے کوئی بھی پہلے کہہ دے س سے کیا فرق پڑتا ہے۔ رونے کا مقام تو یہ ہے کہ پھر
نوں۔ فاروق نے بے چارگی سے کہا۔ خدا کی قسم اتنے جھمکے جھمکے اٹھارہ تے ہیں لیکن اس
نوں نے صراوا دیا۔

نہ پڑھا عشق میں متحمل کا سامان کرنا
ہاتھ خود دیکھ گئے چاک گریبان کرنا

انہماں نے بڑے اطمینان سے منم دہانہ لینے لینے شعر سنا دیا۔
مقب کا تیس ساؤں گی۔ دیر یہ نے ہاتھ پھیلا کر سب کو روکا۔

ابتدا میں تو گمان تک نہ ہوا تھا مجھ کو
پارہ عشق میری مات بھی ہو جائے گی
اے جان و دہرہ کر بیٹھ گئیں۔

حقیقت یہ تھی کہ بچوں کے یہ عشق و عاشقی والے، شعرا سے سخت شرم و رکاوٹ محسوس ہو
رہی تھی انہیں، محض مروت تھی ورنہ ساتھ ہی یہ خیال کہ کسی بات کے سبب لڑکیوں کے دل پر

تہ ہو جائیں۔ ان کی خوش ہنسی تھی کہ مہمان خوشی خوشی وقت گزار کر رخصت ہوں۔ حالانکہ درجہ اور
فوزیہ کی کئی باتوں سے انہیں سخت کوشش و راجھن محسوس ہوتی تھی کہ وہ سادہ مزاج اور مراد تب و
مقام کو درست دینے والوں سے میں تھیں۔ انہیں تمام رشتوں و مریدوں کو ایک لٹھی سے ہانکنا
پسند نہیں تھا۔

وہ اس نام نہاد روشن خیالی کے سخت خلاف تھیں۔ درمیان سے تو کوئی یوں بھی غیر ضروری
ہمکنہ نہیں ہوتا تھا۔ البتہ عثمان بھائیوں سے بہت لڑیکہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کو اتنا
پاشور تو ہونا چاہیے کہ وہ مقابل کی اہمیت، حیثیت، مقام و درجہ کے تفاوت کو خود محسوس کر کے
بات چیت کا معیار مقرر کرے ورنہ ان کا خیال تھا ان کے بھائی شرماتی برجستہ کو ضرور
ہیں۔ لیکن گستاخ اور احمق نہیں ہیں۔

اس لیے وہ ان کے درمیان ہمیشہ بے تکلف انداز میں نظر آتے تھے اس کے باوجود کہ وہ
اپنے بھائیوں کے ساتھ ہر انداز میں شریک ہوتے تھے لیکن ان کی وسعت قلبی کا کبھی کسی نے نا
جانیوں کا کچھ نہیں اٹھایا۔

اس کا اندازہ اس جان کو بخوبی تھا لیکن انہیں لڑکیوں کا اس قدر بے باک ہونا پسند نہیں
تھا۔

مگر یہاں مقام بھوری تھا وہ چپ تھیں مگر ب ان کا بیانیہ ممبر میر ہو گیا تھا۔
چلو بچوں، اب جا کر سوچاؤ رات بہت ہو چکی ہے۔

ابھی تو اس جاننا صرف وہ۔۔۔ درحسب کی تہ وازم کی میں دیکھی اس جان نے سے
 فہرہ کشی نظروں سے محو رہا تھا۔ عثمان نے اس کی نظریں پھانسی دی تھی۔

ہاں بھئی اسب سوچا نا چا ہے۔ تمہوں نے میں کی تائید کی۔

طریق کو پروگرام، مادی طور پر جانے پر نکتہ غلطی رہا تھا۔

بھائی میاں۔ دس منٹ میں مقابہ فائنل ہو۔۔۔۔۔ عثمان نے صرف نظر اٹھا کر سے دیکھ لیا۔ نظر سادہ تھی مگر بول رہی تھی۔ عارق کا جہد و محو رہ گیا۔

ہاں ٹھیک ہے۔ پھر صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ وہ سب سے پہلے انٹھ کھڑا ہوا تھا۔

وہ تینوں متوجہ کی جھنجی رہ گئیں کہ کیا ایک کیا ہو۔

مگر میرزا نوں کے انداز بدستور تھے جو وہ روزِ اول سے دیکھ رہی تھیں۔ تمام لوگوں کے رویے حسبِ سابق تھے نہ انہیں یقین نہ تھا نہ ان کا واقعی ان سب کو نیندا رہی ہے۔

تم بھی عجیب بوٹویہ کہاں تو تمہارے اسی قدر دل لگ گیا تھا کہ کہتے کہتے ساتھ ہی رک گئیں۔ اور کہاں اب بے وقت وہاں سے اٹھ آئیں۔ کیا سوچیں گے وہ ہوگنور یہ کوجیسے کچھ یاد آ گیا۔ اس نے بوٹویہ سے استفادہ کیا۔ سب لوگ سوئے کیلئے جا چکے تھے۔

ہوا۔ مجھے فیصلہ نہ لگی تھی میں نے سوچا یہاں تو دو تین بچے سے میرے سونے کا موقع نہیں ملے گا اس لیے چلی گئی۔

طرق ہمارے میں واش میسن کے سامنے کھڑی تیری سے برش کر رہا تھا۔ دست صاف کر

وہ تھا اس نے سینے میں ٹوپیہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ کاغذی سادگی و مصدقیت تھی۔ رکوائے
 ہوا کی یاد بناوٹ اس کے بچے میں نہیں
 تھی۔

غالباً اس نے طارق کی بات رکھی تھی شاید اس لیے کہ سے طارق کی خوش عزیمت تھی اس کا خیال تھا وہ طارق کی بات دہانے کی توجہ خوش ہو جائیں گے۔ اسی طرح ہنسنا رہیں گے۔ گھر میں رونق کا سبب بنے رہیں گے۔

کر، چہ میں گزروں تمام مدت وہ تا زندگی نہیں بھولے گی۔ خاص طور پر طارق بھائی اور ان کی باتیں۔

لوڑیہ کڑھنے میں چل گئی تھی۔

وہ چھٹا ہوا اعلیٰ ترین اہتمام سے لکھا گیا تو بیچے ٹوبہ کو کھڑا پایا۔

اس نے سٹینڈرپ تو یہ سمجھ کر اس کی جانب دیکھا وہ ہنسکر رہ گیا تھا۔

میں نے کبھی کو نہیں بتایا کہ میری ماری تفرقہ و ساز و محال آپ کے کرکر کیا ہے۔ اچھا بتائیں، اگر میں سچ بات بتاؤں تو کیا پوچھیں؟ آپ کو انہیں۔

عراق نے تو یہ سے ہنا چہرہ تھپتھپا پھر مرکز اسٹیشن پر پھینک دیا۔ پھر ٹرین مخصوص دوسری منٹکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

محررت

تو پھر سن لیجئے مگر آپ نے مجھے کرجی کے بہترین پنکھ سپائس نہیں دکھائے تار تو وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ پھر پٹ آیا۔

اے، لو ہیٹ بلیک میٹر۔ کیا بھٹی میاں اپنا قیمتی وقت تم بہنوں پر بچھا دیتیں کر رہے۔
چھینک ہم، لیکن میں نے آپ کے ساتھ جانا ہے۔ وہ پنکھ والی ضد سے بولی۔

کیوں ٹھیک سے دور کہ تھا اپنی اٹریکشن کا لوگوں لے سے، حساس در دیا تھا، بن کر پوچھا۔

آپ ہمارے جو رہتے ہیں۔

تم نے مجھے جو کہ سمجھ لیا ہے۔ ویسے، اگر تم مجھے پرکشش بھری آفر کرو تو میں تمہارے ساتھ
بہن چلنے لے لیے تیار ہوں۔ ویسے تم اس قدر ہنسنا کیوں چاہتی ہو۔

وہاں، ہو میں ہمیں اس طرح گھر میں ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع جو نہیں ملتا۔ چاہے
بچہ معروف می سن سے زیادہ معروف۔ آپ کی سن سے زیادہ غوری، پیا سن سے زیادہ۔

تم ان سے زیادہ۔ اس نے توبہ کی بات کاٹ دی۔

نہیں خیر، میں تو بس بوری ہوتی رہتی ہوں۔

ایک چھٹی کا ڈھونڈتا ہے اس دن سب دو پہر تک پڑے سوتے رہتے ہیں۔ وہ منہ جتا کر

بولی۔

چاہتے ہیں ہمارا، گھر پورے، میری باتیں سب سے زیادہ عايشان ہے۔ ہمارے گھر کی وجہ
سے وہ علاقہ چھپنا جاتا ہے۔ لیکن کیا، فائدہ، گھر والے تو دونوں اکٹھے بیٹھ کر ایک دوسرے کا
حال نہیں پوچھتے۔ سی یہ تو مجھے آپ کا گھر میں قدر چھ لگا۔ بچ۔

کچھ طارق کی زبان پڑتے آتے رہ گیا۔ گردہ سنہیل گیا۔

فکر نہ کرو۔ بہت اچھی سپائس ہیں یہاں۔ چلیں گے۔ مجھے یقین ہے تم بہت، نچوائے
کرو گی۔

جاؤ اب تم سو جاؤ۔ وہ زینے کی سمت بڑھ گیا تھا۔

وہ سو کر ٹھا تو تمام اطراف سورج کی کرنوں کا راج تھا۔

پہلے تو وہ سمجھ نہ پایا کہ خروہ کہاں ہے۔ لیکن جیسے ہی ہوش و حواس ٹھکانے لے وہ بڑی
بھرتی سے بستر سے اتر اس کا دل نہایت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ گڑیا گڑیا وہ بڑی
بوکلہ ہٹ میں باہر آیا۔

سارے گمن میں گڑیا بہت گمن انداز میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے کی خوبصورت کھلونے
پڑے ہوئے تھے جیسے ہی عمر پر نظر پڑی وہ سب بھول بھال گئی اور اس کی طرف بازو پھیر
دیا۔ اس نے گود میں اٹھا لیا۔

انہو گیا میرے بچے۔ بڑھیا پاؤں پر جی خانے سے ہاتھ پونچھتی باہر آئی۔ دودھ پلا دیا ہے
میں نے، تیری بہن

کو تو فکر نہ کرو۔

تھیں نکس۔ وہ تشکر سے گویا ہوا۔

تو مت ہاتھ دھو لے۔ میں نے تیرے لیے پوریوں اور پنوں کا ساں جلیا ہے۔ میرے بچے کی صورت نکل آئی کھا نا کھا کر، ورا دم کر کے پتا نہیں کب سے پریشان ورتھکا ہوا تھا میرا پی۔ بڑھیا نے شفقت سے عمر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس لیے وراں محبت کو تو اس کا روم روم ترسا ہوا تھا۔ جو شخص جس چیز کے لیے ترستا ہے وہ اس چیز کے نام پر پکے کو تیار ہو جاتا ہے کبھی کبھار۔

اس نے گڑیا کو، بس پلنگ پر بٹھادیا اور خود بڑھیا کی رہنمائی میں ہاتھ روم میں چلا گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر رہا تو بڑی بی چھوٹی می خیل پر ناشٹ لگا چکی تھیں وہ ناشٹ کرنے لگا تو اسی دم میں گیٹ کے رستے سے فیروزہ، در ستارہ آتی دکھائی دیں۔ عمر گڑیا، دو پھر بڑی بی کی طرف دیکھ کر شرارت سے مسکرائیں۔

ناشتہ ہو رہا ہے۔ ہمارے مہمان کیسے ہیں اس۔۔۔ فیروزہ بولی۔

جیسے ہیں تیرے سامنے ہیں۔ بڑھیا نے دودھ کا کپ عمر کے سامنے رکھا۔

ستارہ نے جھک کر کو لہو زکر منہ میں رکھا۔ اب اتنا حیرانناشتہ۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

خیر رہی۔ بڑھیا نے فیروزہ کو جانچا۔

یہ تو ہمارے خیر کی عمر ہے اس۔ وہ بڑھیا کے شانے تھام کر کھلکھلادی۔

کیا بتاتا تھا تجھے اس نے۔ بڑھیا نے عمر کی طرف دیکھ کر سر گوشی کی۔

کیا تم نے اس سے کچھ پوچھا اس۔ وہ بھی آہستگی سے گویا ہوئی۔

خود ہی تو منع کر گئی تھی ہمارے سے۔ میں چپ رہی جتے کیا بات ہے۔

فیروزہ بڑھیا کو، نذر لے گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہی دونوں باہر آ گئیں۔

اس۔۔۔ یہ کھلونے کہاں سے آئے۔ ستارہ نے دو چوٹوں والی گڑیا اٹھا کر دیکھی سے دیکھا۔

تہہ رے ہی ہیں، اور کس کے ہوں گے۔ دیکھو کیسے سنبھال کر رنگی جین میں نے تہہ رے چیزیں۔ دونوں ہنس دیں۔

آپ کی پارٹی کیسی رہی آئی۔ عمر نے منصوبہ، اور بے تکلفی سے مہربان آئی سے کوئی بات کرنا ضروری سمجھی۔

بہت اچھی۔ فیروزہ نے گڑیا کو چمک لیا۔

کیا یہ تہہ رے کی محبتی ہے۔ فیروزہ نے گڑیا کا رخسار چوا۔

نہیں۔ یہ تو وہ پیاری ہے۔ مجھ اتنی پیاری نہیں ہیں۔ اس نے ذوق سے کہا اس کی نظر کے سامنے بدسلوکی کا دھواں تھا۔ وروشن کا واضح حسن محسوس کرنے سے قاصر تھا۔

چھانٹا کیا تمہیں گڑیا سے بہت پیار ہے۔ فیروزہ بولی۔

عمر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بڑے پیچیدہ اور بڑگانہ انداز میں گویا ہوا۔

ظاہر ہے آخری سب کو اپنے یمن میں سے پیار ہوتا ہے۔ مجھے بھی گڑیا سے بشر سے۔ اس کے ہاتھ میں فولہ جوں کا توں رہ گیا۔ آپ نے بشر کے پیسے سے اپنا مقصد حیات یاد کیا۔

پہلے ناشتہ کرو شوہر دے۔ پلو کے رہو گے تو کمزور ہو جائے گے۔ درگزر وادی بھلا کوئی کام کر سکتا ہے۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔ فیروزہ نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

محبتیں تو ہمارے خون کی ہوتی ہیں۔

اس کے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔ لیکن بشر کی صورت نظروں کے سامنے کیا تھی وہ رغبت سے ناشتہ کرنا بھول گیا۔

اگر بشر نہیں ملا تو میں گڑیا کو کبھی مٹی کے پاس لے کر نہیں جاؤں گا۔ جوش نظام سے اس کا معصوم چہرہ یکدم

سرخ پڑ گیا۔ وہ کتنا پریشان ہے جبکہ وہ بڑا ہے اور بشر تو کسی قدر رو رہا ہوگا۔ وہ تو بہت چھوٹا ہے۔ اس کو بھائی کی سکیرا قریب سے سنائی دیں۔

آخری اس نے فیروزہ کو مخاطب کیا۔

جی جان۔ فیروزہ کو اس کی بزرگائی سنجیدگی پر ٹوٹ کر پیتا رہ گیا۔

میں آپ کو فون نمبر گروں تو کیا آپ۔۔۔ مگر نہیں کہیں آپ مجھے جیت (دھوکہ) نہ کریں۔

اور نہیں۔ وہ اس کی اصرار پر پش پڑی۔ ستارہ بھی مسکرائی تھی۔

بہت پور ہے اس۔ فیروزہ نے ہنسی سے بڑھایا سے کہا۔

ارے کسی دل والے کی اور وہ ہے۔ قد دیکھو، عمر دیکھو اور حوصلے دیکھو۔ ستارہ نے بظاہر شرارت سے مگر بڑی مشاطی سے دل کی بات کہی۔

میں نے تم سے پراس کیا ہے۔ فیروزہ نے گڑیا کو ہوا میں اچھا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ خاموش کچھ سوچتا رہا۔

ہم تمہارے بہت کام آ سکتے ہیں۔ تم ہر انگلو گے تو تمہیں پتا چلے گا کہ کتنے خطرناک لوگ ہوتے ہیں۔ اس دنیا میں۔

فیروزہ کی بات سن کر اس کی خاموشی ٹوٹی۔ اچھا میں سب کو فون نمبر دے دوں گا آپ یہ معلوم کیجئے گا کہ چپ آگئے ہیں یا نہیں

اگر آگئے تو تم کیا کرو گے

تو میں ان سے مٹی کی شکایت کروں گا کہ انہوں نے بشر کو گم کر دیا ہے۔ وہ میری ہی ہے۔

یوں۔

ورجیسے انہیں یقین آ جانے گا۔ فیروزہ نے سنجیدگی سے کہا۔ انہیں کبھی تمہاری بات کا

تھوڑے ہی دنوں میں آئے گا۔

کیوں نہ ہو؟

اس لیے کہ تم چھوٹے اور المناہ تمہیں بل چارچٹ کی بار بار میں مجھے کہ تم مجھ کو لے کر گھر سے کیوں نکلے۔

اچھا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔

پھر کیا کرنا ہے۔ وہ بڑے مدبر نہ انداز میں جیسے خود ہی سے مخاطب تھا۔

اے میرے بچے ہم سب اسے مل کر تلاش کریں گے۔

وہ۔۔۔ کیا۔۔۔ ہاں۔۔۔ بشر کو بڑھیا بولی۔ عمر کو ذرا دھیان نہ پا کہ اس نے بڑھیا کو مار دیا نہیں بتا تھا۔ وہ محبتوں میں بہل گیا تھا۔

اور جب تمہارے پاس ہر چلے جائیں گے۔ تمہاری می تمہاری نگاہوں کی طرف
کوڑا کوٹھڑی دیکھ کر ہنسنے لگے گا۔

چشم تصور سے اس نے روشن کی خون تو دو لگا ہیں دیکھیں اسے پھر بھری آگئی۔
تم پریشان نہ ہو چند ہم ذرا باس وغیرہ دل لیں تھوڑی دیر سو لیں پھر تہہ رے میلے کا
حل ہو جائیں گے۔

ہم می نہیں ہیں شہرہ سے سکھائی دیں گے دکھ نہیں دیں گے تمہاری حق مد کریں گے
کہ دور کوئی نہیں کر سکتا۔ ہر موقع شام بھٹڑے ہیں جو کچھ دیں گے نہیں بلکہ تمہیں بھی بھٹڑا

ی بتادیں گے۔ گزیا بھی چھین لیں گے۔ فیروزہ بڑھیا سے متعلق ہو چکی تھی۔ جیو غاموش اتفاق تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے پتہ پھینکا۔

وہ مضمون سنا۔ پھر مضمون کر دیا۔

گمر کی سمت دیکھتا تو پناہ سڑیا سننے آجہا تا۔ پھر نکل کر بشر کو ڈھونڈنے کے حوصلے اس خاندان نے چھین لیے تھے۔

ہم تمہاری مدد کریں گے۔ تم فکر نہ کرو۔ بشر ضرور ملے گا۔ اطمینان رکھو۔ فیروز نے اس کے پاہر جانے کا تمام راز سے بند کر کے پھر محبتیں پیش کیں۔

ناچار اسے بھروسہ کرنا پڑا۔

تم اپنا ڈیڑھس اور فون نمبر دے دیتا۔ میں کسی نہ کسی طرح معلوم کرتی رہوں گی کہ بشر
واپس آ گیا یا نہیں یا تہہ رہے جو کچھ ہیں۔

چچا جانیجے گئے تو کیا ہو گا وہ یوں سے پوچھا

نہی وہ تم لوگوں کو ڈھونڈیں گے۔ پوپس کو انکار کریں گے۔

وہ رے خدا معلوم اس عورت نے بچے کو کہاں چھوڑ دیا۔ کن ہاتھوں میں دیا۔ کیا معلوم جہان سے مروا دیا ہو۔ بڑھاپا نے کھلی ہوئی تھی۔ وہ دھب سے کھڑکی۔

اور عمر بڑھیا کی محبتوں میں بھول گیا تھا کہ جب ول جو ابھانے اٹھے تھے تو اس نے کیا

انہیں سفر کرتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔

غلام محمد چیتھے قمرمس میں پائے ہوئے ہے اور نوجوان بکس بھی۔ کچھ کھانہ

آپ بھی کسی مناسب جگہ ٹھہر کر آرام کر لیں سائین ، کچھ کھا پی لیں۔ بیگم صاحبہ میرے کو
 بولی تھی۔

جو میں نے کہا ہے تم وہی کرو ان کے سچے میں تم کو بھی تھا اور قطعیت تھی۔

وہ بیکار چپ چاپ حکم بحال نہ لگا۔ پیچھے سے لٹی بکس اٹھایا اور بہت احتیاط سے کھولا۔
میں دروچ تھے۔ ایک حصے میں علیحدہ سے شاہی کپا پ تھے۔

اسے چپے بھوک پیاس اور تنہا سے ستائے ، لک کے سامنے کچھ کھاتے ہوئے شرم
آ رہی تھی۔ مگر وہ لک کے حکم کے سامنے جیس تھا۔

جسے دتا تو حساس ہو گیا تھا کہ ہر پریشیے ملازم کو بھوک لگی ہو گی لیکن خود سے کس قدر غافل تھا۔ عدم محنت تھوڑا بہت کھا یا اور پھر ٹیکس بند کر دیا۔

پائے پی سونہا مہم ہر اس میں پائی ہے۔ انہوں نے ہر کون فلاسف کی طرف اشارہ کیا۔

میرا خیال نہ کرو سہائیں۔ سب بھی تو اس تنگ خور سے ہر دشت نہ ہو سکا۔

مگر تم خاموش رہو گے تو یہ تمہارے مجھ پر احسان ہو گا۔ سن کا بچہ مرد ہو گیا۔

(پتا نہیں شاہ حبیب کینور سے گاڑی لے جا رہے ہیں۔ آج۔ مکر میں بلوں کا تہیں حبیب

(دائیں گناہ)

(یہ کید گاڑی جاری ہے۔ شاہ سائیں بھول تو نہیں گئے۔ مگر میں کچھ نہیں کہوں گا۔
وکل چپ رہوں گا)

(یہ تو بالکل نیا رستہ ہے۔ شاہ سائیں مجھے کہانیاں سنیں گے۔ پوچھوں گا نہیں۔ شاہ سائیں نے منع کیا ہے۔ بالکل خاموش رہوں گا۔)

فلم تو پاس بندی، پٹی جگہ خلوص و جذبہ، آسمانی پٹی جگہ۔ وہ، پٹی جگہ عجیب و غریب نوعیت میں جیتا ہو گیا تھا۔

گوٹھڑ کی سب سے بھلی ہڈی گوشہ صاحب گھنٹوں سے خاموش بیٹھائے ہوئے تھے۔
منزل قریب آ چکی تھی۔

اس سے اب صبر آ رہا تھا۔ مگر شاہ صاحب نے یہ مولڑکا اس سڑک پر کیوں ڈال دی۔ بہت دلوں میں آئے ہیں۔ کہیں بھول تو نہیں رہے وہ بولنا چاہتا تھا۔ مگر شاہ صاحب کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسے تھے کہ اس کی ہمت نہ ہو سکی۔

محمداً زوی وچنگے سے رک گئی۔ کوئی شہر نہ تھا اس کے، ایک ہائی اسکول کے سامنے
شہو صاحب نے گاڑی روکی تھی۔ وہ سارے وہیں بیٹھ رہے کا شمار کر کے اسکول کا گیٹ
پار کر گئے۔ ہیڈ ماسٹر کے آفس میں آکر بہت عجلت میں علیک سلیم کی درمزن لاشاری کا
بوجھا۔

ہیزا سڑ نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور قہقہے بھائی۔ چہرہ اسی انداز پر۔
مرقس صاحب کو بلاؤ۔

شاہ صاحب کی حالت ناقابل بیان تھی۔ وہ صبح پانچ بجے سے گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔
تھکن سے پیچھ رہی حالت تھی۔

اسی دم چہرہ اسی، ایک تو منہ لوجون کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ اس نے ایک نظر ہیزا سڑ
صاحب پر اور دوسری نظر درخت ملی شاہ پر ڈالی۔

اسلام علیکم اس نے آگے بڑھ کر شاہ صاحب سے ہاتھ ملا دیا۔

یہ مرتضیٰ راشدی ہیں جناب یہ آپ سے ملنے آئے ہیں مسٹر راشدی۔

ہیزا سڑ صاحب نے دونوں کے مابین اچھلت بھاپ نہ تھی۔ سو تعارف کر دیا۔

میں نے میگزین میں اشتہار دیکھا تھا جو آپ نے شائع کیا تھا۔ بچے کی بات۔

اوہ۔ اچھا اچھا۔ آپ بچے کے۔

میں باپ ہوں اس کا۔ شاہ صاحب نے ہنسنے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

آپ۔ راشدی، جھجکا۔

ارے آپ مجھے تو لے چلے اس تک۔ وہ خود مجھے پہچان لے گا اور ان لوگوں کے جذبات

پڑھنا تو آپ سیکھ ہی چکے ہوں گے۔ من کے لہجے میں ترشی آگئی۔ اسی سے شاہ ولی نے من کی

صدقہ کا انداز نکال لیا۔

ابھی چھٹی ہوتے وی ہے جناب۔ میں آپ کو لے کر کونٹھ چلوں گا۔ بچہ میرے پاس
میں بلکہ میں صاحب کے پاس چلا۔

میں صاحب شاہ صاحب مجھے۔

بزرگ ہیں ہمارے جناب۔ اللہ والے آدمی ہیں۔

لیکن میرے بچے تک کیسے پہنچاؤ پھر مجھے۔

یہ تو جناب وہی آپ کو بتائیں گے۔ میں کلاس میں جا رہا ہوں۔ دس منٹ چھٹی میں۔

آپ۔ بس تعریف رکھیے۔ شام کی ہر نگاہ گیا۔

آپ کا بچہ کیسے ٹم ہو گیا تھا اب ہیزا سڑ صاحب کو قہقہے ہوا۔

میں ملک سے باہر تھا۔ مجھے کچھ علم نہیں کہ یہ ہمارے کیسے اور کب ہو۔ بلکہ جواب بچوں کے

ساتھ رہتے ہیں۔ یہ تو وہ بھی نہیں بتا پا رہے۔ تعجب اور حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ تینوں بچے

اکٹھے ٹم ہوئے تو میں صاحب کے پاس صرف بشر۔ وہ جیسے خود کھائی کے انداز میں گویا

ہوئے۔

ہیزا سڑ صاحب، بھائی دکھ اور صدمے سے سچ چٹان صفت آدمی کو دیکھنے لگے۔ وہ

ہات کرنا بھول گئے تھے۔ نظریں شاہ صاحب کی طرف تھیں مگر ذہن کہیں دور۔ عجیب رنگ سی

کیفیت تھی۔

تینوں لڑکے ہیں سائیں ب وہ شہری تکلف سے پڑھنے کے بجائے بچے نچرل انداز

میں بولے۔

نہیں۔ ایک بچی ہے بہت معصوم۔ بہت چھوٹی۔ شاہ صاحب کی آواز بھر گئی۔ وہ خود پر قابو پانے لگے۔

ہیڈ اسٹر صاحب ہونق سے ہو کر چشما اتارنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس دم رسیدہ صاحبہ کا حلیہ انسان کو کس طور قلمی دیں۔

بعض ایسے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی قلمی کے لیے آج تک کوئی لفظ بجا نہیں ہوتا۔ لیون کا سامنا جو انسان بنا کر وہ سوچنا رہ جاتا ہے کہ اسے سب کیا کرنا چاہیے۔

یہی صورت حال اس وقت اسٹر صاحب کو درپیش تھی۔

چلو سائیں۔ یہ پچل گیا ہے۔ باقی کا پتا بھی نشانہ لاندل ہی جانے گا۔ کافی دیر بعد انہیں یہ خبر سوجھا۔ وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ مگر ان کی طرف دیکھ کر خاموش ہو رہے۔

لاندل وہ پست آواز میں بولے۔

کافی دیر وہ خاموش بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ چھٹی کی بیل بول گئی۔ پورے اسکول میں شور مچنے لگا۔ چند منٹوں بعد مرنقیں۔ شادی نہ ہو گیا۔

چالیس جناب وہ آتے ہی بولا۔ میرے پاس موٹر سائیکل ہے۔

میرے پاس اپنی گاڑی ہے۔ ساتھ میں میرا ایک ملازم بھی ہے۔ آپ موٹر سائیکل بند کر کے وہاں ساتھ چلیں۔ شاہ صاحب بولے تو، شادی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کے توقف

کے بعد بولے۔ ٹھیک ہے۔ آئیے۔

شاہ صاحب نے بیڈر ہاسٹر صاحب سے مصافحہ کیا اور شادی کے ساتھ اس طرف آئے جہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی۔

غلام محمد حیران پریشان حالت میں میگزین کا وہ صفحہ کھولے بیٹھا تھا جس میں بشر کے متعلق اشتہار چھپا تھا۔ شاہ صاحب کی حالت کے پیش نظر اس نے اشتہار کو پڑھا تھا کیونکہ اس اشتہار کو دیکھ کر ہی شاہ صاحب کا پروگرام تبدیل ہو گیا تھا۔

اشتہار میں بچے کا نام بشر پڑھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ حالانکہ اس نے تصویر دیکھی تھی تو یہی سمجھ تھا کہ بشر سائیں سے ملنا چاہتا کوئی بچہ ہے۔ اس نے اشتہار پڑھنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ لیکن جب شاہ صاحب کا پروگرام اس اشتہار کو دیکھ کر تبدیل ہوا تو یہ اشتہار پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

سے یقین نہیں آیا تھا کہ شاہ صاحب اس ایسے سے دوچار ہیں۔ وہ رات سے شاہ صاحب کے ہاں مقیم تھا مگر اسے ہلک بھی نہیں پڑھی تھی کہ اس گھر پر کیا قیامت گز رہی ہے۔ اب وہ سامنا سامنا سمجھ گیا تھا کہ کیوں شاہ صاحب فریسیوں پر جانے کی بجائے یہاں آ گئے۔ غلام محمد تم بچے بیٹھ جاؤ۔ وہ ڈراما ٹونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

دو جلدی سے، آخر کر بچے بیٹھ گیا۔ مرنقیں۔ شادی شاہ صاحب کے برعکس ہو گئی۔ غلام محمد سمجھن میں تھا کہ بشر سے اس اسکول اور اس شخص کا کیا تعلق ہے مگر غلام محمد

خاموشی میں رہا۔

ساتھ۔ یہ سیدھا رویہ ہمارے گھنٹے کی طرف چارہا ہے۔ سر تقی اللہ شادی نے راستہ بتایا۔
تو شاہ صاحب نے اس روڈ پر گاڑی ڈال دی۔

میرا صاحب سے آپ کا کیا رشتہ ہے شاہ صاحب نے پوچھا۔

وہی جو تمام انسانوں کا ایک دوسرے سے ہے۔ تمام انسان اس بات کو اس رشتے کو قبول
رہے ہیں۔ میرا صاحب گویا ہے۔

شاہ صاحب اس کا یہ فلسفیانہ جواب سن کر خاموش ہو گئے۔

اے نے۔ بات کچھ ہون کے شور شرابے لگی رہتے ہیں۔

شور شرابے کیا ہمارا جان مہمانوں کا ساتھی ہے ہیں۔ ہاتھ بنا رہے ہیں۔ ویسے
یہ مہمانوں کی رخصتی کے وقت کسی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتا ہے۔ عمارق نے فاروق کی جانب
اشارہ کیا۔

اور آپ۔۔۔ دوریہ لے مسکرا کر پوچھا۔

ان کی تو کچھ مت پوچھیے۔ ان کا ایک دوست میرا پورٹ میکر فی میں ہے۔ یہ پاس
حاصل کر کے رات وے تک جاتے ہیں اور چھڑکا و روزہ خوب کس کے بند کر کے آتے ہیں
بلکہ سیر حضرات تک خود خکیل کر یک طرف کرتے ہیں۔ حسیب نے فاروق کی بات کاٹ کر کہا۔
تو عمارق، فاروق، ابوہریرہ، غازیہ یہ سب خستہ تھکے گئے تھے۔

یعنی سچی مصیبت سمجھتے ہیں یہ مہمانوں کو۔ وہ یہ نے برکت کر کہا۔

آپ جو کچھ لیں۔ وہ مسکرا دیا۔

ورے نہیں بیٹی۔ مذاق کر رہے ہیں۔ ہمارا جان جلدی سے بولیں۔ مبادا وہ یہ سچ بتی سمجھ
لے۔

میرا پورٹ جا کون کون رہا ہے انہوں نے پوچھا۔

میں اور حسیب۔ عمارق بولا۔

ورے نہیں بھئی۔ حسیب نہیں چارہا۔ میں چارہا ہوں عمارق نے جلدی سے کہا۔

میں بھی چلوں گا۔ حسیب بچھڑ کے، خدا میں ٹھنکا۔

تو پھر یہاں کرو۔ حسیب کوڑکی میں رکھ دو۔ کیونکہ وہیں تھوڑی سی جگہ باقی پٹی ہے۔ عمارق
نے شرارت سے کہا۔

سے نہیں۔ یہ دونوں تو جا رہے ہیں۔ تو کیا کرے گا بیٹے ہمارا جان نے حسیب کو سمجھایا۔

نالیابا یہ رخصتی گانے گا۔ کہہ رہا تھا اور یہ آپ کو میری آواز بہت پسند آتی ہے۔ اس دن
فساخانے میں گارہا تھا تار۔

میرے پیہ گئے رنگوں۔ کیا ہے وہاں سے ٹیلی فون۔

یہ پیہ والے گانے گانے ہیں۔ ٹو بیہ نہیں۔

ہاں۔ سے جیہ کی مونس نہیں معلوم۔ اس کام چلا لیتا ہے۔ عمارق نے فیس کر ایک سید

بیک حبیب کو تھا یا تو وہ تھا خفا سے پوری کی سمت چلا گیا۔

اسے لے جاؤ اسے بھی، پچھ ہے ہمار جان کو اس پر ترس آ گیا۔

فاروق۔ تم ہائیک پڑا جاؤ۔ حبیب ہمارے ساتھ بیٹھ جانے گا۔ فوزیہ نے فوراً مل پیش کر

دی۔

ٹھیک ہے

چھو چھو آپ نے گانا اور فوزیہ نے اس جان کے ہاتھ تھام لیے۔

جب آپ کا بلٹر چھٹی پر جانے تو۔

اس جان نے تیز نظروں سے فاروق کو گھورا تو وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

کیا مطلب ٹوبیہ کو ادھوری بات سے ابھن ہوئی، ابھن تو اس بات پر فوزیہ اور ذریہ کو

بھی ہوئی تھی۔

ارے کچھ مطلب نہیں۔ کیوں نہیں، میں اب اور جدی آؤں گی۔ ایشیا کا کہہ کیا چاندی

آزادی ہوئی تھی میرے گھر میں تم تینوں سے۔ خد خوش رکھے۔ جدی جدی آتی رہا کرو۔ تمہارا

اپنا گھر ہے بیٹی۔ خد نصیب اچھے کرے میری بیٹیوں کے بہت، چھکی ہیں میری بیٹیاں، انہوں

نے ہار دی ہار دی تینوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

ویسے پی آئی۔ اے دایوں نے، ہور ونگی کا نام بہت غلط رکھ ہے۔ بھری دو ہر میں

چھو پھا جاتا عثمان بھائی رمضان بھائی بھی گھر میں نہیں ہیں۔ ٹوبیہ نے کہا، سننے سے دلوں میں

اسے اس گھر دایوں سے بہت نسبت کی ہوگی تھی۔

اس کے بچے میں رہنا نیت سے اس کا صاف پتا چلا تھا۔

صبح ناشتے پر مل انہیں حدافہ کہا بہت عجیب سالکا۔ فوزیہ بولی۔

میر خیال ہے بلین گھروں سے پک نہیں کرتا۔ صرف دن وے سے اشارت لے کر نر

جاتا ہے۔ عارقی نے گھڑی پر نظر ڈال کر بہت خوب بتایا۔

ب بکی بھی دیر نہیں ہوئی۔ فوزیہ نے کھائی پر بندھی نارک کی رسٹ وچ پر لگا دواں۔

آپ کو کیا پتا۔ چھوٹے بھائی کتنے فکر مند ہیں۔ اگر آپ سیٹ ہوئیں اور پلیس کھائی

کر گئیں۔

ارک نہیں عارقی نے ٹوبیہ کی طرف مسکرا کر دیکھا اور پہلی مرتبہ وقتا جا کے انداز میں

ارے نہیں کہا۔ وگرنہ اس نے آج تک کسی غلط سے جسنے کی جو اس سے منسوب کر دیا جاتا تھا،

تو یہ نہیں کی تھی۔ بس مسکرا دیتا تھا، اب کوئی جو چاہے سمجھ لے۔

وریہ کو بھی اس انداز پر حیرت ہوئی تھی۔

آپ بھی کبھی ہمارے ہاں تشریف، بیٹے گا۔ میر، مطلب ہمارے غریب خانے پر۔

وریہ نے عارقی سے کہا۔

ہاں منا ہے آپ کا غریب خاندان پورے علاقے میں مشہور ہے اور یہ کہ غریب خاندان و ہزار

آمال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ منا ہے آپ کا بلٹر راہیور دالی، چونکہ اس غریب خانے

میں رہتے ہیں۔ طارق کا بوجھلہ سے شروع سے ہی کاف اور محسوس ہوتا تھا۔

پچیس آپ جو چاہیں کہہ لیں۔ ہم تو آپ کو مولف کر رہے ہیں۔ وہ جھل سے مسکرائی۔

وہ کہنا تو چاہتا تھا خونی رشتوں کے، جیت، اس قدر ریٹ، نوٹیشن مگر وہ اس کی ناراضگی کا خیال کر کے چپ ہو گیا۔

اس جاننے والی بڑی دلاسی سے، نہیں رخصت کیا۔

عند لکھنا ہمیں ٹویہ بیٹی۔ مائیں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

جی پھوپھو۔ عثمان بھائی کہہ رہے تھے آپ کے ہاں جلد ہی فون لگے وا، ہے۔ اس فون

لگ جائے تو آپ فوراً اطلاع دیجئے گا۔ اس آپ کو ہر پلے فون کیا کروں گی۔

وہ اپنی فطری سادگی سے بولی۔

سچ چھوپو۔ آپ لوگ مجھے بہت یاد آئیں گے۔ جمیر ہاجی کون کی می کو بھی سلام کہیے

گا۔ انہیں کیسے گا کہ میں نے سن کی شادی بہت انجوائے کی۔ کرچی آنے کا مزہ آ گیا۔

یہ اور بات ہے کہ۔ مایوں۔۔۔ اس نے شرارت سے رک کر طارق کو دیکھا۔ طارق نے

مسکراہٹ روک کر مٹ پھیر لیا۔

کیا کہہ رہی تھیں تم کہ مایوں۔۔۔

کچھ نہیں پھوپھو بس۔ وہ اس پڑی۔

اچھا جی۔ خد حافظ۔

فی مان لٹھائوں نے ہادی پاری تینوں کو پکار کیا۔

گلاڑی آرام سے چلانا طارق انہوں نے معمول کا جملہ دہرایا۔

فکرت کریں، ہاں جان۔ گلاڑی میں ہم خود بھی ہوں گے۔ طارق نے تسلی دی۔ سب ہنستے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گاڑی کے پیروں میں حرکت ہوئی تو اس جان کا دل کچھ گیا۔ انہیں اپنے گھر میں یکے

نا، ٹوس منانے کا احساس ہوا۔ حالانکہ وہ اس منانے کی عادی تھیں۔ برسوں سے لڑکے

اسکول، کالج، یونیورسٹی اور اب دفتر میں جا رہے تھے جو

عموماً شام گئے ٹوٹا کرتے تھے۔ اور وہ مکمل خاموش گھر میں تنہا بیٹھی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی

تھیں۔

لوگ بیٹوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس عورت کو خوش بخت مانتے ہیں جو صرف بیٹیوں کی

مائل ہو اور بیٹے بھی نیک اور راجی ہوں۔

مگر وہ سوج رہی تھیں۔ بیٹیوں کی اپنی روائی ہوتی ہے۔ بیٹیوں گھر میں روشنی کی کرنی

محسوس ہوتی ہیں۔

پیاری پیاری خوش مزاج اور چمکتی ہوئی بیٹیاں۔

عید تہوار کو اس گھر کی، لگ ہی چھپ ہوتی ہے جہاں بیٹیاں چاند کو کرسماس کرتی ہیں۔

چلو خیر۔ سب بیٹوں کی شادی ہوگی تو بیٹیاں بھی آچائیں گی۔ لیکن کیا میری بیٹیاں نہیں

گی۔ پاپہ نہیں تھی وہیں کی ساتھیوں کو سوسا آگھیرا۔

کھنکھنایا نہ ہو کہ یہ حسرت ہی بن جائے کہ کس گھر میں پیار پیاری ہنسی مسکرائی ہو تھی
مینیون کی طرح تھیں۔

میرا، لک میرے حال پر دم کرے گا نکالنا لے۔

”نئی۔ آپ روزانہ پاورٹیز اینڈ کرتی ہیں۔

ہوں۔۔۔

آپ تکی پاورٹیز کیوں اینڈ کرتی ہیں۔۔۔

ااا۔ تم اسے رزق کا وسیلہ۔۔۔ بنانے کا سوچ رہی ہو اور یہ بھی ہے اہا۔۔۔ رزق پر
راست مارنے لگا ہے۔ قیر وزہ نے ستارہ کے کان میں سرگوشی کی۔

ستارہ کھٹکھٹ کر ہنس پڑی۔

اب کیا کریں۔۔۔ ہمارے دوست ہی بہت ہیں۔ ستارہ نے اس کے رخسار پر چٹکی ماری۔

آپ دونوں کے دوست کا کن (مشترک) ہیں وہ بڑے بڑا گانا انداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہوں۔۔۔۔۔

یہ تو بہت اچھی ہے۔ پاپہ کہتے ہیں مہن بھائیوں کو مل کر دینا چاہیے۔

کاش تمہارے پاپہ اس قدر نصیحت کرنے والے نہ ہوتے۔ تو تم مہن بھائیوں کے

معا ملے میں اتنے حساس نہ ہوتے۔ نہ خود امتحان میں پڑتے نہ ہمیں ڈالتے۔ قیر وزہ نے

آہستہ سے کہا۔

نئی۔۔۔۔۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔ امتحان۔۔۔۔۔ آپ کا مطلب ایگزیم ہے

ہاں جوڑ سے پاپہ ایگزیم کہہ دیا ٹیسٹ۔ وہ مسکرائی۔

آپ کے ایگزیم ہو رہے ہیں اس نے معصومیت سے پوچھا۔

ہاں شتم فون سے۔ وہ کھوئی گئی۔

آپ یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔۔۔۔۔ اس نے قیر وزہ کے قد و قامت سے درجے کا

اندازہ کیا۔

ہوں۔۔۔۔۔

کیا یونیورسٹی میں بہت زیادہ پڑھنا پڑھتا ہے۔

ہاں میرے علم بہت زیادہ پڑھنا پڑھتا ہے۔ وہ مزید سی ہو گئی۔

اُف! ہمیں تو اسکول ہی میں بہت زیادہ پڑھنا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ مس کو عصر آ جاتا ہے تو

پی۔ ٹی تک بند کر دیتی ہیں اور پھر اتنا باہر سوک کرنا پڑتا ہے۔ جب تک میں اور بشر ہوم

درک نہیں کر لیتے مٹی ٹی۔ دی سن نہیں کرتیں۔ اور ویلے ہو کو بالکل نہیں دیکھنے دیتیں۔ کتنی ہیں

خراب ہو چکی گے۔

آئی۔

ہوں۔

خواب کیسے ہو جاتے ہیں وہ معصوم، نڈر ملک پر چھو رہا تھا۔

فیروزہ جو بیڑے اُچاٹ اندر دُور میں اس کے سوا بہن کا خوب و بے حد ہی تھی ایک دم چونک گئی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔

زندگی۔ ہر کس کے کچھ شیئرز ہوتے ہیں۔ یہاں غریب کا میاں جانتا کچھ آسان نہیں۔

گلاس۔ وہ بھڑکیا۔ آپ کا مطلب کلاس۔ ون۔ ٹو یا سوچو بوری وغیرہ۔ وہ بڑے
بد مزاج استاد جن کو چھپنے لگا۔

کہاں چھ گھنٹیں روزہ اس وقت کا شجرہ تو البیرونی سے ملتا ہے وہاں یہ کہاں ہم۔
ستارہ کھلکھلائی۔

آپ نے معلوم کیا آنٹی بھرکا۔

اس شہنشاہ چھو دیا ہے۔ لوگوں سے بھی کہا ہے۔ وہ تھکے تھکے تلواریں جس جھوٹ بچ کی طرح بولنے لگی۔

الکتاب فی التفسیر

اگر آپ میرے موبائل نمبر ۰۳۰۲۰۱۶۸ پر چاہتے ہیں تو یہ سید احمد ازم علی سرچنگ کمریوٹی۔ ۵۵
پہناہ حساس پکٹھا۔ فیروزہ کی بیٹی بن گیا۔

سورجی آفتد وہ دراصل بشر بہت چھوٹا ہے نا۔ وہ بہت رو رہا ہوگا۔ جب وہ روٹا ہے

نار تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ میں اپنے نکلے تمام گیسٹرو سے دے دیتا ہوں تاکہ وہ چھپے ہو جائے۔

وہیے آئی۔ جب بہن بھائی روئیں تو دکھ تو ہوتا ہے تاں۔ اس کا سچہ بھیگ گیا۔ فیروزہ نے سے سننے سے لگا لیا۔

تو تو اتنی قیمتی۔ اتنی پیاری چیز ہے کہ تیرے بدلے تو میرا سب کچھ قبول کرنے کو مئی نہ
 جاے۔ جان ہم بہت خود غرض لوگ ہیں لیکن تو ہمیں بہت پیارا ہو گیا ہے۔ اے دہشتی عورت

جس نے یہ دوست ٹھکرائی۔ مگر چند ہم تمہیں ملے ہیں نار۔ ہو سکتا ہے بشر کو بھی کوئی مل گیا ہو۔ اسے اپنے ساتھ لے کر ہو۔

کیا وہ بھی ایشر سے اسی طرح پیر کندہ ہوگا۔

کہہ نہیں سکتے۔ یہاں جتنے نسان ہیں، اتنے ہی امن کے رنگ۔

اُف اے تو شاہید گھر کا۔ یہ ہر کس بھی نہیں معلوم وہ پریشانی سے ہو۔

لیکن اسے قوت نہیں تو یہ ہے۔

تم تو کہہ رہے تھے اسے مٹی نے گم کر دیا ہے۔ ستارہ نے اسے ٹوکا۔

جی۔ مہی سے دو رو کے گھر لے گئی تھیں گڑبڑ کو بھی۔ بس مجھے نانی ماں کے ساتھ بھیجتے ہیں۔

ثانی لہا۔ فیروزہ چوکی۔

وہاں دو محفلیں گئے۔ انہیں ملا تو عورت سے انتقام لیں گے بڑا سخت کہ جس یا دکرے تمام عمر۔
 اس کے مفکروں میں اکساہٹ کی آگ تھی۔ جو اس نے عمر کے لمبوں میں اتار دی تھی۔
 اس گھر سے چھا تو یہ گھر ہے۔ تھی۔ ہمیں کوئی دشمن بھی نہیں ہے۔ اور آپ کی جی کتنی
 چھی ہیں۔ آپ کو کبھی دشمنی ہیں نہ کچھ کہتی ہیں۔ اس نے حسرت سے کہا۔

بڑھیا نے جو پرگراں مٹو چا تھا وہ دونوں لڑکیوں کو سمجھا دیا تھا
 ساتھ اور فیروزہ نے محسوس سے خندہ کے بعد اس بروگراں کو تسلیم کر لیا تھا۔
 گڑبہ خندگی وادیوں میں گم تھی۔

کیونکہ یہ بچی ہے۔ ماں اور ایک ایک نقش ہات کرتا ہے اس کا۔ فیروزہ نے جھک کر
 اسے پیار کر لیا۔

وہ اشاری کی راہنمائی میں گاڑی چلاتے ہوئے اس خجالی مختصر سے گوشہ (گاؤں) اس
 آگئے تھے۔

گاڑی کا دروازہ کھولنے سے دو شرمیلی شادی نے ہنی رشتہ وچ پر نظر ڈالی پھر شاہ
 صاحب کی طرف دیکھا وہ بظاہر پرسکون نظر آ رہے تھے لیکن یہ انہی کو معلوم تھا جو ان کی حالت
 تھی۔

میرا صاحب اس وقت مسجد میں ہوتے ہیں وہ شادی کے ساتھ مسجد کی سمت بڑھ گئے
 غلام محمد سونگی کو انہوں نے گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے

دونوں نے جوتے تار سے اس ٹیل کے دوران انہوں نے قرآن پڑھتے پچھ کو کھانڈ شروع
 کیا۔ نظر انداز کی جیتا تھا۔
 گروہان پچھ میں نہ تھا۔ پوری مسجد میں کلام الہی کا ورد کرتی آوازیں تھیں۔ عجیب سا
 ہوا تھا۔

معاشرے میں بشر نظر آ گیا جو بزرگ کے شانے سے چپکا بیٹھا تھا۔
 بشر کی نظر بھی سی وقت باپ پر پڑی۔ چند عرصہ کو مصوم بچے کو یقین نہیں آیا کہ اس کے
 سامنے اس کے چپا کھڑے ہیں۔ وہ آگے بڑھے تو وہ ہمک گراں کی جانب آ پ۔
 یہ اس کی جگہ کرنا۔

شاہ صاحب خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ ہزار خود کو سمجھانے پر بھی وادیوں نے انہیں کیسے کیسے
 ستایا تھا۔ ہتھوڑا وچھی خیر کے ساتھ ساتھ بدترین خیر کیسے بھی تیار کر رہے تھے اب ان کے دل
 کو ڈھارس بندھتی تھی۔

یقیناً اب ان دونوں کا کچھ سراج لگے گا نشانہ۔
 گھر میں کھیلنے پھرتے تو گھر تک نہیں ہوتا تھا کہ ان سے متوازن کی گئے رابطے ہیں۔
 نہ بھی ایسا خوفناک خیال آیا نہ بھی خود کو نوا تھا۔

ذہنی اپنی بھڑوں کی پیا۔ نش کرنا ضروری سمجھا تھا۔ احساسِ توبہ تھا کہ۔۔ زندگی کی
 سادگی باوجود اپنی انہی کے حکم سے ہیں۔

اسی خوشیاں انہی کے حوالے سے ہاتی ہیں۔

ساری خوشیاں ۔۔۔ آسودگی کی لذتیں۔ خوشحالی کا سرور سب کچھ ان معصوموں کی موجودگی کا محتاج ہے۔ مگر نہ یہ سب کچھ ہیں اپنی جگہ ہے۔ اس یہی تو نہیں ہیں اور سب کچھ ختم ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

ایک خوشی تو ہے۔ نئی خوشیوں کے نشان ملے ہیں۔

جانے کتنی دیر انھوں نے بشر کے وجود کو بے نیسی سے لگا کر محسوس کیا۔ میرا صاحب نے یہ نظارہ دیکھ کر دو گنا نالہ کر دیا اور شکرانہ پڑھنا شروع کر دی تھی۔

ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ دعا میں کہہ رہے تھے۔

تقریف کے جتنے رنگ ہیں سب حیرے لئے ہیں میرے معبود۔ تو نے میرے عہد سے
کی شرم رکھی۔ تو نے میرے یقین کو اور طاقت دی۔ میں حیرتی مہربانوں کہ پوچھ پیچھے ہی کیا کم
دبا ہوا ہوں۔ تو مجھ پر یہ حسان نہ کرے تو میں حیرہ کیا بنا سکتا ہوں۔ میں تو ستا بیس ہوں۔ تو
نے پیدا کیا اہل ہوا ہو گیا۔ تو موت بھیجے گا تو مر جاؤں گا۔ نہ تیری قدرتوں کا اعلا ملے نہ علم کا۔ تو
مجھ پر اتنا حسان کر رہا ہے۔ میں اس قابل کہاں ہوں۔

میں تجھ سے کچھ مانگوں اور تو دے۔ یہ حیرتی بندہ رہی ہے۔ کرم تو افری ہے۔ مگر نہ دے تو
حیرتی سلطنت میں کوئی بنا نہیں ہوگا۔ میری بھرتی کیسے تسکین پائیگی؟ نظر تو دے تو حیرے
احسان کو محسوس بھی کرنا چاہئے اور ماننا بھی چاہئے۔ تو مان بھی رہا ہوں۔ میری زندگی کی ہر

حالت حیرت ہے تو حیرتی حمد کے گام۔

ان کی ذرا دھی آنسو سے تر تھی۔ وہ حقیقت ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔

ان کی خوشی تھوڑی تھی کہاں بچے کو اس کی بچی چھاؤں مل گئی تھی۔ دوئم اللہ نے ان کے
عہد سے اور یقین کی شرم رکھی تھی۔ ان کی روح کتنی تھی۔ اس کا دک کہتا تھا۔

کہ خدا اس بچے پر اپنی مہربانی ضرور کرے گا۔ اس کے سینے میں محبت کی ٹھنڈک ضرور
اتارے گا۔

شاہ صاحب ان کہ متوجہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے بشر اب بھی ان کے پاؤں میں تھا۔
میں صاحب مڑے۔ سلام علیکم میرا صاحب ت کے چہرے پر نظر پڑتے ہی شاہ
صاحب کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

وعلیکم سلام۔ الکی رحمت تھا ماسیہ بنی رہے اس کا حق واکر نے کی توفیق ملے۔
میرا صاحب۔ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

اچھا۔۔۔ مگر آپ پہلے تھری کی نماز پڑھ لیں

شاہ صاحب نے سینے سے لگے بشر کی پینچ تھپائی۔ اور وضو کیئے انھہ کھڑے ہوئے وضو کر
کے جب وہ صحن کی طرف پہنچے تو بشر میرا صاحب کے پاؤں میں تھا۔ وہ اسے مہار کہا وہ
رہے تھے۔

میرے بچے مگر تو نے ساری عمر زندگی کے اس واقعے کو یاد رکھا اور پھر اللہ کا شکر یہ دیا کہ

تو کبھی نہیں جھٹک سکے گا اور صاحب یقیناً انسان ہوگا۔

وہ بشر سے نہیں بلکہ جیسے خود سے کہہ رہے تھے۔ قتی آہستہ آہستہ دل تھپی ان کی۔ مسجد میں اور ٹوٹ بھی داخل ہو چکے تھے سب نے میاں صاحب کی اقتدار میں نماز پڑھی۔

نماز سے فارغ ہو کر شاہ صاحب میاں صاحب کے قریب آ گئے۔

میں جانا چاہتا ہوں میرا بیٹا آپ کو کہیں سے ملا تھا۔ بن سے روئیں سے بیٹا بی جھٹک رہی تھی۔

یہ مجھے جھٹل دیا ان ہیں ملا تھا۔ کوئی بوڑھو نے گاڑی سے اتر تھا۔ یہ تمہارا خزیٹ ہے جو زمین نہ ہو سے امانت نہیں دیتے۔ معاف کر دینا۔ تم ہمیشہ کیسے ہونہ لہو کی میدا انھوں نے بشر کی طرف اشارہ کیا یہ تمہارے لئے شکل ہو گا لیکن اس میں تمہاری خوش پسند ہے۔ تمام لے کر ساری عمر کے لئے کرانے پر پائی نہ پھرو۔

وہ کہہ رہے تھے درو۔ بیت علی شاہ کا شدت ضبط سیر پھرنے لگا تھا۔

شریچا تھا اسے میں صاحب کی بہم ہی ہاتھ سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ لیکن وہ بچے نہیں تھے انہیں میاں صاحب کے ایک ایک غلطی کی تشریح کرنا آتی تھی۔ کہ وہ خود بھی صاحب یقین انسان اور بڑے سحرے نصب کے حامل تھے۔

صاحب یقیناً دی بارگ ہوتا ہے۔ اسے، مگرے مگر نہیں آتے۔ وہ مکار نہیں ہوتا۔

وہ کچھ دیر سوچ میں ڈوب رہا ہے کافی توقف کے بعد گویا ہوئے۔

میاں صاحب مجھے آگے جانا ہے میری زمینوں پر چلنا ہوا ہے۔ مجھے وہاں نہ جانا ہوتا تو میں کچھ دور اور فرٹا دیتی میں۔ اس گاؤں آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔

وہ بیت علی۔۔۔ اس خوش بخت کو ملو اتے رہنا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میری بیٹائی تیر ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ میاں صاحب نے شہائی شفقت سے بشرک سر پر ہاتھ پھیرا۔

میاں صاحب۔۔۔ آپ ہاں رہے ساتھ چلئے۔ بشر نے پہلی مرتبہ سے کوئی عمل جسمہ ہوا۔ وہ بھی اطمینان سے۔

وہ بیت علی شاہ بیٹے کا میاں صاحب سے، صراحت دیکھ کر مسکرائے کہ مقابل چاہئے وہاں باپ کھڑا تھا اور اس معصوم بچے نے معصوم بچوں والی خود غرضی نہیں دکھائی۔

معصوم بچے اپنے ماں اور باپ کے سامنے کہاں کسی کو لفٹ کرتے ہیں؟

بشر کی دعوت پر میاں صاحب خوشی سے مسکرائے سب اپنے اپنے مقام پر ٹھیک ہیں۔ ہم و نشا اللہ پھر نہیں گئے۔

وہ بیت علی شاہ نے بشر کا ہاتھ تمام کر میاں صاحب کا بہت بہت شکر یہ ادا کیا۔ مرتضیٰ دشاری مگر سے ہو کر بھی آ گیا۔

کہاں شاہ صاحب کھانا کھا کر چائے گا جیسا بھی ہے ہم غریبوں کا کھانا۔

ذرا سی دیر میں کتنے تھے لوگ ان کے اپنے بن گئے تھے انہوں نے، دشاری کے غلوں کو پوری محنت کے ساتھ محسوس کیا۔

آپ میری پریشانیوں و مسائل نہیں جانتے تھے۔ میرا کہہ رہا ہے جیسے ہی میں ان مسائل سے چھٹکارا پاؤں گا۔ فوراً ہی آپ کے ہاں کھانا کھاؤں گا۔

آپ اپنے مسائل میں مبتلا نہیں ہو سکتا ہے ہم آپ کے کسی کام آجائیں۔

بہت بہت شکریہ آپ کا۔ آپ لوگوں نے تو ویسے ہی مجھے خرید لیا ہے۔ میرے بیٹے کا پر سکون چہرہ آپ لوگوں کے غلوں کا مظہر ہے۔ جب کے میں تو کچھ باتھا یہ بت پریشان اور ہراساں ہوگا۔

یہ میرا صاحب کا اثر ہے۔ ہم اس قابل کہاں۔ وہ کھاری سے بھرے۔

ویسے آپ کو یقین آگیا کہ یہ میری ہی چیز ہے؟ ورنہ علی شاہ نے "شاری" کا چہرہ دیکھا تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

اپنا متفقہ پھر میں سمجھتا ہوں۔

اپنا میرا صاحب انہوں نے احترام سے میرا صاحب کے ہاتھ تھام کر کہا۔

ہمارے رشتہ کوئی کام ہو تو ضرور ہیں۔ نور محمد بھی مسجد کے اندر چلا آیا تھا۔ "شاری" نیاس کا بھی تعارف کر رہا۔

ورنہ علی شاہ یہ تمام تنکھات نہ رہے تھے۔ مگر وہ اپنی طور سے بے احتیاج سکون تھے۔

ویسے تو دوستوں رہنا اور مطمئن نظر آتا اس معاشرے کا چلن ابن چکا ہے لیکن واقعی اس وقت ان کی اندرونی حالت قابل رحم تھی۔

یہ آپ کے "شاری" نقل میں۔ بشران سب کو بتا دو کہ میں تمہارا باپ ہوں۔ تاکہ ان کے دل مطمئن ہو جائیں۔ انہوں بشر کے تیل میں چڑے ہاتھوں میں ہاتھ بکھیر۔ میاں صاحب نے ورنہ علی شاہ کو شہلے پر ہاتھ رکھا۔

رشتوں کی تشریح نہیں ہوتی ورنہ علی۔ زمانہ بڑھا ہے ہم نے۔ مسجد میں اتنے بچے بیٹھے ہیں مگر بشر کے علاوہ کون تمہارے سینے سے لگا ہے آکر۔

وہ تو میں، ایسے ہی کہہ رہا تھا میاں صاحب۔ بلکہ مجھے تو "شاری" کی حقیقت پسند آئی۔

وہ بشر کا ہاتھ تھام کر گئے بڑے گئے۔ نور محمد ورنہ "شاری" دونوں نہیں ان کی گاڑی تک چھوڑنے آئے۔

مالک کے حکم کے مطابق عدم محمد سو لگی گاڑی کے شیشے نیچے کیئے ان کا انتظار بیٹھا تھا۔

اس کے تو گمن میں نہیں تھا کہ وہ ایک پریشانی لے کر کرچی جا رہا ہے۔ اور کئی ساتھی لگا کر لائے گا۔

ایک چھٹک خوار کی حیثیت سے اسے اپنے مالک سے بے پناہ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔

اس طرح اب بشر کو دیکھ کر وہ خود پر قابو نہ پاسکا۔ ورنہ کھول کار سے باہر نکلا اور بشر کو اچک لیا۔

کدھر کی سیر کر رہے ہو سائیں۔ سارے لوگ پریشان کر دیئے۔ اس نے بشر سے کہا۔

جلدی سے بیٹھ جاؤ غلام محمد۔ مجھے آج ہی کرچی وریں چاہا ہے۔ وہ ذرا بیوقوف پیشہ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

بشر کو اگلی سیر پر بیٹھ کر غلام محمد خود پیچھے بیٹھ گیا۔

آج ہی سائیکس۔۔۔ رات ہی جلدی سب کچھ کیسے ہوگا۔۔۔ معاہدہ کچھ چھوٹا نہیں ہے۔ دو بندے مرے ہیں۔ کچھ زخمی ہیں ان کے خاندان والے رات سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں صائیکس۔

میں سمجھتا ہوں غلام محمد تم تو رائیباں کا دھپان رکھتے۔ میں کل رات کو بھڑا چاؤں گا۔

بہت ضروری کام ہے کرچی میں غلام محمد اچھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

ہوں۔ ان کے ہونٹ بھیچے ہوئے تھے اور نظروں سے خون ٹپک رہا تھا۔

وہ بشر سے بہت کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے لیکن پیچھے بیٹھے ملازم کی موجودگی کا احساس تھا۔

یہ تمہارا خزانہ ہے، انھیں اس کے پیر و کرتے ہیں جو امن ہوتا ہے۔

میرا صاحب گے گے ہوئے مجھے اصحاب میں توڑ پھوڑ مچا رہے تھے۔

آپ اگر مجھ پر گزر جانے والی قیامتیں جان جاتے تو شاید میرے حوصلوں کی جیسی بھی

سمجھ جاتے میرا صاحب عبد انہوں نے ہونٹ بھیج کر سوز کاٹا۔

روشن اگر یہ تمہارا کیا دھڑا تو جان لینا تمہارا خون میرا قرض ہے۔

میرا صاحب اجنبی ہو کر معاہدے کی تہ میں اتر سکتے ہیں تو میں کیسے حسنِ قن سے کام لوں روشن۔

مجھے اور اسے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی عزیز نہیں۔ مگر تم نے میری شہرگ پر ہاتھ رکھا تو اپنی بد قسمتی کو تو فردی ہے۔ روشن تم واپس آئی کہ بہت غلطی ہو۔ اگر واقعہ یہی ہے جو میرا صاحب نے مجھے بتایا ہے تو روشن جان جاؤ گی کہ واپس آئی تمہارے خون کا پیاسا ہو چکا ہے۔ ان کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔

بشر کا واقعہ یہ ہے تو ان دونوں گمشدہ بچوں کا واقعہ کیا ہے؟ یہاں آ کر ان کی سوچ ٹھنک رہی تھی۔

ان دونوں بچوں میں ایک تمہارے رے وجود کا حصہ ہے جو تمہاری زندگی کا حاصل ہے۔ روشن میں کس پر لگا کر کس پر پیچھے اور کس پر زکریٰ پیچھا پاؤں۔ انہوں نے چہرہ موڑ کر برابر میں بیٹھے ہوئے بشر کو دیکھا۔

بشر ہستری کے دھبے وئے کپڑے پہنے وہ سکون وراطمینان کا عالم میں تھا۔ پاؤں میں تیل لگا تھا اور آنکھوں میں کاحل کی دوکان۔

بھئی تک اس نے باپ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ ذہن کی آگ بجھانے کیلئے بشر سے کچھ سوال کرنا چاہ رہے تھے۔

راستے میں انہیں دوکان میں نظر آئیں تو انہوں نے گاڑی روک لی۔

غلام محمد ایک سکرٹ کا پیکٹ روکے انہوں نے جیب سے نوٹ نکال کر پیچھے بیٹھے غلام محمد مولگی کی طرف بڑھا۔

وہ حکم کی تعمیل کیے فوراً گاڑی سے اتر گیا۔ اپنے مالک کے ہر اند کا علم تھا۔ اس نے اس نے کچھ پوچھا نہیں تھا جیسے ہی وہ آگے بڑھا وہ بشر کی طرف متوجہ ہوئے۔

یہاں کیسے آئے تھے بشر۔

کہاں چلا۔

میرا صاحب کے پاس۔

بیا میا صاحب یہاں تھوڑا اقل رہتے ہیں۔ وہ تو ایک اور جگہ رہتے ہیں۔ بہت چھوٹا سا گھر ہے ان کا۔ ہماری گاڑی جتنا وہاں نہٹ بھی نہیں ہے۔ اور میگزین بھی نہیں ہے۔ جب می نے مجھے کہا کہ میرا پرانے گریگا ہے اور ڈھونڈ کر دو تو میں اتر گیا۔ مجھے می کا پرانے نہیں ملا۔ اور مین چلی گئی مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ وہاں بہت اندھیر تھا ناں چار۔ میں بہت رو رہا تھا تو میاں صاحب جب وہیں پہنچے ہیں۔ انہوں نے شاید میری آواز سن لی تھی وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔

پتا۔۔۔ میاں صاحب کے گھر میں کوئی بیڈ بھی نہیں ہے۔ وہ مجھے سو تھیں۔ مجھے نوٹ لے اپنے بستر پر سوا دیا تھا۔

پتا۔۔۔ میاں صاحب کے گھر میں۔

کرچی آتے ہوئے تھا رے علاوہ می کے ساتھ اور کون تھا؟

بہن۔۔۔ میں۔ اور گڑیا اور می۔ وہ معصومیت بیوہ۔

اور غلام محمد؟ انہوں نے بیٹے کو بخور دیا تھا۔

نہیں عمر بھائی کو می نہیں۔ می نے ان سے کہا تھا کہ تم اپنا ہوم ورک کرنا۔ وہ انشیں تو آئے تھے مگر ناانی اس انہیں اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔

نالی اس؟ اور بیت علی شاہ کے ذہن کو جھٹکا۔

نہ۔۔۔

شاہ صاحب انہیں یہ براٹر یہاں کسی دوکان پر نہیں ہے۔ غلام محمد واپس آ کر کھڑکی میں مرڈل کر پڑا۔

اور بیت شاہ کو ایک عجیب سی ابھمن کا احساس ہوا۔

اچھا۔۔۔ اچھا کوئی بات نہیں بیٹھو۔

انوں نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے بیڑا کن انڈاز میں کہا۔

اس کا مطلب ہے گڑیا کو روشن اور روشن کی اس نے چمپا رکھا ہے اور دونوں بچوں کی کشدگی میں ان دونوں ماں بیٹی نے کروا دیا ہے۔

بشر روشن کے ساتھ، ورنہ اس کی ماں کیساتھ ہوں۔ سب بات سمجھ میں آئی ہے گڑیا کو اس نے چمپا گیا ہے کہ ت پر شک نہ کیا جاسکے۔

ابہ یقین چند دن بعد روشن یا سکی ماں گڑ کو ساتھ لے کر یہ کہتی ہوئی آتش کمرز یا تو
قلاں جگہ سے مل گئی لیکن۔۔۔ وہ اپنے طور پر چل تک پہنچ گئے تھے۔

یہ میں نے کیا کیا۔۔۔ پنے ہاتھوں اپنے گھر کی برہادی کا سامان کیا؟ پچھتاوے کا ناگ، ان
کے ذہن میں ایک بار نے لگا۔

مئی نے کہا تھا اگر ترین چل پڑی تو میں زنجیر کھینچ لوں گی۔ مگر انہوں نے زنجیر نہیں کھینچی اور
ترین چلی گئی۔

اچھا۔۔۔ سب تم خاموش ہو جاؤ۔ ۷۱ رے ساتھ ۷۲ ملازم ہے۔ انہوں نے آہستگی
سے کہا۔ گاڑی کی اگلی سیٹوں کی اونچائی

پشتوں کی وجہ سے پردہ رہ گیا۔ بشر باپ کی بات سن کر یکدم چپ ہو گیا۔
اس سب میں نے ارادہ کر لیا ہے اس سال کے اندر اندر تمہاری اور امین کی شادی کر
دوں گی۔ ۷۱ ماں جاننے لے عثمان کو پنے کا کپٹھا ہوتے حتیٰ نماز میں اعلان کیا۔

جیسا۔ یہ آپ کو کیا ہوا۔ صبح تک تو بالکل خیریت تھی۔
طارق کو ماں جان کے اعلان پر حیرت ہوئی۔

ماں جان۔ یہ سکہ کے موسم ہیں۔ سبے کھینچ لیں۔ فاروق وادش جیسن کے سامنے کھڑے رگڑ
رگڑ کر چہرہ دھور ہاتھوں ہاتھوں میں حصہ لیتے ہوئے بولا۔

تو تم لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ تمہارے بھائیوں کی بار میں ہوں

گی۔ گھر میں بھائیوں آئیں گی۔ ماں جان کو کھانا کا خدا پسند نہ آید۔

خیر سے گھر میں بہو نہیں آئیں گی تو گھر میں رات ہوگی۔ پیارے پیارے بچے کھیلے
گئے۔ انہیں گھر میں نہیں گئے۔

بھرتی چلی کے سر سے اندر کی نوکری کر جائے گی۔

حسب کچھ فاصلے پر صیفہ جڑل پرائیج بنا رہا تھا۔ سر اٹھائے بناؤں کے جھلے میں اضافہ کر
دیا۔

ہاتی چاروں ہٹنے لگے۔

ہے نامراد۔ مجھے شہنشاہی کہہ رہا ہے۔ وہ برہم ہو گئیں۔

اور ہاں دیکھو۔ اگر تمہاری کہیں مرضی ہے تو بتا دو۔ بعد میں نہ کہنا کہ ماں نے زبردستی کی
ہے۔ وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے کہتی گئیں۔

ماں جان۔ رنے دہی کا طریقہ کیا ۷۱ رے نہانے تک باقی رہے گا طارق نے شرارت
سے پوچھا۔

سے تیری شادی تو میں بالکل اپنی مرضی سے کروں گی۔ تجھ سے ماننے لے کر میں کیا پتی
شامت یادوں کی۔ جیسا خود ہے وہی کھاندا ہوگی۔

جیسی روح ویسی فرشتی۔ فاروق نے چہرہ تو پیسے رگڑتے ہوئے شریر، خدا میں کہہ
تمہاری گھر، مرہٹ ہی غلط ہے فرشتے کی موٹا بھی، آسمان سے نہیں اتری تو تم نے

کیوں عباد کی۔ کوئی اور مثل کہہ دیتے۔ طارق نے کھینچائی کی۔

مظاہرہ طارق نے پوچھا۔

جیسی کرتی ویسی بھرتی۔ عثمان بھی شریعہ ہوئے۔

ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی میرا۔ قہاروں کو ان کے کیے کا پھل دینا ہی میں مل جاتا ہے۔

آپ نے اللہ کا فیصلہ نہیں پڑھا۔ اللہ کا رشا ہے۔

نیکو کاروں کے لیے نیکو کار دھیں۔ روزیداروں کے لیے روزیدار دھیں۔ پرہیزگاروں

کے لیے پرہیزگار دھیں۔

چھا اس اس۔ بگڑا گئے بولے تو بھگ عزت کا دعویٰ دائر کر دوں گا۔

اور اپنی طرف بھی غور فرمائیں گے گا۔ مجھے تو لگتا ہے تمہارا جوڑ تو جنگل میں اترے ہو گا۔ طارق

سے مزید برداشت نہ ہو سکا۔

ایک تو ن سب کے سامنے کوئی بات کرنا مشکل ہے۔ دھڑ کوئی بات منہ سے نکلی۔ اور

انہوں نے ہانگل شروع کیا۔ پھر بات کرو گی میں تم سے کہیں میں۔ جب یہ تینوں اکٹھا باہر

ہوں گے۔

مگر پادری ہے کوئی فیصلہ ہم تینوں کے ووٹ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ چاہیے کہیں میں بات

کریں پادری کہیں میں۔ حسیب نے اپنا جزل بند کرتے ہوئے پادری ہائی کر دئی۔

ہاں۔ تو ٹوٹ گئیں۔ روٹھ گیا ہوا ہے اس شہر کا۔ تجھ سے پوچھتے بغیر بھلا کوئی کام کیا۔ ہونے

لگا۔ وہ جھگڑ کر تیز پیاز کاٹنے لگیں۔

بھائی صاحب آپ تو اس جان سے تھک چکی ہیں بالکل کوئی بات نہ کہیں گے۔ ورنہ پھنس

جا جائیں گے۔ ایک مرتبہ۔

میں نے سنا تھا اس جان کہہ رہی تھیں کہ آپ کے لیے کوئی سیدھی سی شریک نہیں ملے گی۔

مجھے تو سارے شہر میں کوئی سیدھی سی لڑکی نظر نہیں آتی۔ وکیل صاحب کی نوکرانی کو اس جان کہتی

ہیں سیدھی ہے۔ ٹھیک ہے۔ جوانی میں یہ وہ ہوئی تھی۔ دوسری شادی کا نام نہیں ملے۔ مجھے تو خطرہ

ہے۔ طارق نے ارمان کو چھین لیا۔

سہام علیکم اب جان نے۔ تدریس آدھے میں قدم رکھا۔ سب ایک دم حیرت ہو گئے۔

علیکم سہام۔ آج تو دیر کر دی۔ تو دیر دیر بعد۔ مغرب کی آذان ہونے والی ہے۔ خیریت

تو ہے۔ وہ شوہر کی حوالہ پرسی کرنے لگی تھیں۔

پھر خصوصاً ضروری فرائض کے بعد گویا ہوئی تھیں۔

آج کتابیں لے کر نہ بیٹھ جائے گا۔ آپ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ اس جان

نے پڑاؤس جنگ کر لی۔

اسے اس جان تو واقعی سنجیدہ ہیں۔ طارق واقعی مذاق سمجھ رہا تھا۔

مبارک ہو آپ دونوں کو۔ وہ صبح کے اخبار کو سطر سطر چاٹ چکا تھا۔ تھک کر کے اٹھ کھڑا

ہوں

اے یحییٰ بچہ تم لوگ شام کو گھر میں بند ہو کر کیوں بیٹھ جاتے ہو۔ شام کے وقت تو پارک گروؤں میں جانا چاہیے تم لوگوں کو۔ ٹیکس سائڈ وغیرہ کیا کرو۔ صحت مند ہو تو اپنی کارکردگی بڑھتی ہے۔ باجان نے اپنے بیٹوں کو کیسے نصیحت کی۔

کچھ دن جاتے ہیں بس پھر تو ہم باہر ہی پائے جائیں گے۔ فاروق نے آہستگی سے کہا۔ اگر اس بیان، اپنے پروگرام میں واقعی سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ طارق نے اس سے اتفاق کیا۔ عثمان اور اسحاق مسکرا دیے۔

گر تم لوگوں کو واقعی خطرہ ہے تو چلو ہم منع کروں گے۔ عثمان نے طارق کو محبت سے دیکھا۔

اے نہیں بھائی میں آپ کے مستقل کا سول ہے۔ وہ جلدی سے پورے تو سب نہیں دے۔

اے جان اور باجان نے چونک کر ان کے ہتھ چہرے دیکھے۔ پھر یہ سوچ کر کہ ہوگی کوئی ان کی اپنی بات۔ وہ باہر اپنی باتیں کرنے لگیں۔

فیروزہ لڑکا تیر ہے۔ اور ستارہ لڑکی تیری۔

بڑھیا جیسے شیرینی میں حصے لگا رہی تھی۔
ٹوٹو خود بھی چاہ گئی ہوگی کہ لڑکا تیرے نام کیوں نہ ہو۔

یہ تو جان گئی ہوگی۔ پر مجھے تو بتا دو۔ ستارہ کو اشتیاق ہو رہی

اسے شرفیت کے دورے پڑتے رہتے ہیں اکثر۔ بڑھیا کے بچے میں تسخیر تھا۔ ایسے میں لڑکا سب کام آئے گا اس کے۔

شاہد تجھے یا انہیں سولہ کس تھا اس کا جب ایک جہاز اڑنے والے کی باتوں میں آگئی تھی۔ اس اس کے گھر کی ملکہ بننے کے خوب دیکھنے لگی تھی۔ زہانے سے لڑنے کی بات کر رہا تھا۔ اس کا مقصد نہ کہ سکا یا یہ چپیت ہوا۔ نوز میں کہا کہ آسمان نکل گیا۔ اس کے ہوش دب بھی ٹھکانے نہیں آئے تھے۔ پھر ایک بار وازنی کے جہانے میں آگئی۔ میری دعائیں پوری ہوئیں اب بھی تو سوکھ کر ج کو چلا گیا۔ بہت کچھ یا اسے۔ اے یہ نام نہاد شریف زلاے منہ مارنے کے مادی ہوتے ہیں۔ ذرا دیر کو دل میں تو بتاتے ہیں گھر میں نہیں بساتے۔ پر اس کی عقل میں کب آئی تھی۔

ہاں۔ بڑی پادشاهی کا زمانہ تھا جب میں نے سب ٹیکوں کے چنے دیکھے تھے۔ یہی عورت کو تمہارا بناتے ہیں۔ یہی پھر تھوکتے ہیں۔ اس قسم سے اس لڑکے کے لیے میں نے ہی کہا تھا کل رات کو۔ میں نے شریفوں کے ساتھ وہ کروں گی کہ پادکر میں گی ان کی ہزار بھینس۔

بڑھیا نے ماضی زہر پا تو فیروزہ کے لبوں میں طوفانی جھکڑ چلنے لگے۔
یہ تو میں سب بھی کہتی ہوں ماں۔ کوئی ہاتھ تھام لیتا تو من چاہی گز رہتی۔ کسی ایک روز جتنی۔ چلنے کی گرمی دھول مٹی سب سہ لیتی۔ ماں گھر کی عورت کتنی حسین چیز ہوتی ہے۔ یہ

لوگ گھروں کے سب اور باہر کے لیے اور کچھ
رکھنا چاہتے ہیں وہ ضرور ہوگی۔

تیری عقل میں یہ باتیں آتی ہیں تو اتنی ٹھوکریں نہ کھاتی۔ دیکھ ستارہ زیب بھی اس کے
برسات دیتی ہیں۔ بڑھیا نے ستارہ کو شریک کیا۔

میں دن و رات کو خوب جان کی ہوں روزی۔ وقت کیوں برباد کریں۔ کل کوٹ جیسے کسے
خبر۔ وہ اپنے سفید و سڈول بازوؤں پر ٹوٹن مٹے ہوئے طنزکراؤں میں بولی۔

چھوڑا۔ تم نے میرا بڑھپا تو سیف (مخلوط) کروا۔ بہت عریض۔ وہ نفسی سے ہنس۔
اس ہنس میں شرارت بھی تھی۔

تم اس چھوکرے سے کیا کام ہوگی روز ستارہ نے فیروزہ سے سوال کیا۔

اسے بزاز کی دکان پر اٹھا دے گی۔ ہفتہ لے آیا کرے گا۔ دونوں ہنس پڑیں۔

یہ وہ زمانہ نہیں ماں۔ جب تمہارے دھڑا دھڑ سے سینے چھو کرے ہفتہ دو دیتے تھے۔
وہ اور چتر تھے یہ اور چتر ہے۔

بعد میں منصوبہ بنتی رہنا پہلے فکر کرو۔ اچھے گھر کے بچے ہیں۔ مار پوس تھانے ہوشاہ
دزیر ہو رہے ہوں گے۔ اور جوتا گیا ہوگا ان کا باپ۔ اس نے تو ریت کی طرح پوس بچا دی
ہوگی وروہ ڈاسن ہائی کی جدائی میں کہیں مری نہ لگی ہو۔ تو رطوفات اترے گا۔

بڑھیا تجربوں کی بھی میں تھی ہوتی تھی۔ زمانے کیلئے ٹھکی تھی۔ دل نام کا تو ہر چتر ہو چکا

تھانے کا سوا۔ سن

تم کل رات کی گاڑی سے نکلنے کی فکر کرو۔ ٹھٹھکے دماغ سے کام لکالنا۔ کوئی گڑبڑ نہ کر

دینا۔ بھاگ کھلے ہیں۔ لکشی آئی ہے بد عقولوں۔ خوب کو طعناں کر دینا وہ حفاظت سے چھوڑ
آنے کا سوا۔ سن

سن لیا اماں۔ فیروزہ بیڑی سے بولی۔

بڑھیا نے، سجالے خدشے سے اس کا تھکا ہوا چہرہ دیکھا۔

کچھ ڈکھ ڈکھ کر سکھ پلتے ہیں۔ اس نے بھاپا۔

ابھی تو آرام ہی سے گزر رہی تھی۔

کل کی بیماری آج سے کرنا ہوتی ہے۔ نا سمجھ نہ سن۔ اس نے فیروزہ کو جھاڑا۔

دونوں کو یک دم انگ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ ستارہ دل تو چند دنوں بعد میں خود بھی پہنچ

جاؤں گی۔ بڑی احتیاط سے کام لیتا ہوگا۔ یہ بچہ نہیں پیدا کی سوتا ہے۔ وہ سرگوشی کے انداز

میں بولی۔

مگر ہے تو بچہ۔ ستارہ نے اس کمرے کی طرف دیکھا جہاں عمر اور گڑبڑ سوائے ہوئے

تھے۔

اچھا ماں۔ آج ماری بھٹی ہے سونے دو۔ باقی کل۔ فیروزہ نے کرکٹ چلی۔

تمہارا ہی بھلا ہے۔ میرا کیا ہے۔ میری تو کٹ گئی۔ کچھ درکٹ جائے گی۔

بڑھاپہ بڑھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کتنی باہر شخصیت تھی۔

ان کی وساعت سے لوگ کتنے کام نکالتے تھے۔ دپتے۔ اور ان کا پناہ وقت تھا تو پیچھے کیوں
تقدیر کی ڈوری کی گرہیں بن چکی تھیں۔

وہ مقامی بیس تھے وہ سینا بیس میں پاکستان آئے تھے۔ اپنے والدین ایک بچا ہے ہمراہ
وہاں کبھی میں ان کے والد کا پیچھا ہوا کاروبار تھا۔ وہیں ان کے والد کی دوستی ایک سندھی لینڈ
رائٹ سے پروان چڑھی جس نے چمڑے کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ اسی سلسلے میں اس کا
بچا آنا جانا رہتا تھا۔ وریٹ علی شاہ کے والد سید کریم علی شاہ اور رسول بخش سومرو کی دوستی
مثالی دوستی تھی۔

جب پاکستان بنا اور کریم علی شاہ نے پاکستان میں قیام کو ترجیح دی تو رسول بخش سومرو نے
حق جوئی اور کیا۔

اس نوزائیدہ ملک میں انہیں پاؤں جمانے کے مواقع دیے۔ ہر طرح سے ان کا خیال
رکھا۔ اس وقت تجارت کے لیے حالات
سوزہ نہیں تھے۔

رسول بخش سومرو ہی کے مشورے سے انہوں نے اپنے جمع شدہ اثاثے سے زمینیں خرید
کر زمینداروں کا آغاز کر دیا۔

وریٹ علی شاہ کے والد کی باقی تمام عمر اندرون سندھ ہی گزری۔ مگر وریٹ علی شاہ اور
عائدہ کو تعلیمی سلسلے میں ہوشیار میں رہنے کی وجہ سے شہری زندگی کی عادت ہو چلی تھی۔ کبھی تو
وریٹ علی شاہ کو یاد نہیں تھا۔

کیونکہ وہ اس وقت صرف سال بھر کے تھے۔ جب پاکستان کی حد میں داخل ہوئے
تھے پاکستان میں ان کے رشتے دار پہلے ہی سے موجود تھے۔ باقی ہمہ آچکے تھے۔ ہذا تعظیم
سے فراغت کے بعد وہ توں مین بھائیوں کی شادی رشتہ داروں میں ہوئی۔

وریٹ علی شاہ کے والدین ان کی شادی کے فوراً بعد انتقال کر گئے تھے۔ عائدہ کی نسبت
طے تھی۔ یہ فرض وریٹ علی شاہ کو داکرنا پڑا۔ کیوں کہ اس تو بہت پہلے داخل مفارقت دے چکی
تھیں۔ اس وقت عائدہ بمشکل سات آٹھ سال کی ہوں گی۔

وہ مقامی نہیں تھے مگر مقامی انہیں مقامی ہی سمجھتے تھے۔ ان کی زمینوں پر کام کرنے
والے انتہائی پس ماندہ تھے۔ سیدھے سادھے اور سادہ لوح مقامی وڈیروں کی زمینوں پر کام
نہیں کرنا چاہتے تھے۔

یہ مرد اچھے بھان کی زمینوں پر کام کرنے والے ہائی (گسان) تسیا، سودہ اور مظہرین
تھے کیونکہ ان کا لینڈ راج سب سے عمل کوئی دل چاہتی نہیں رکھتا تھا۔ اس وجہ سے ان کے
ذمے کوئی پارٹ ٹائم کام بھی نہیں ہوتا تھا۔

نئی دوسری وریٹ علی شاہ پر مشکف ہوا کہ وہ فوراً دیو صاحب کے مالک ہیں۔ وگرتہ یہ

حادثے! سچے شیعہ تھے کہ انہیں پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔

بھنگڑا بہت طویل پکڑ چکا تھا۔ دن کا ذہن دو جگہ بڑی شدت سے مصروف تھا۔

وہ شام چھ بج تک کر رہی جانے کے لیے پھرتی رہا جو پلکے تھے۔ غلام محمد سلنگی نے دن کے
”کے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ اسے دن پر ترس رہا تھا۔

شاہ سائیں بہت تھکے ہوئے ہیں۔ کراچی کوئی بالکل پاس بھی نہیں ہے۔ اتنی دیر پہلے
میٹر چلائی اور لب پھر۔

غلام محمد میں جس حادثے سے دوچار ہوں اس میں نہ خیندائی ہے نہ آرام کرنے کو جی
چاہتا ہے۔ پھر کیوں نہ مصروف رہا ہوں۔ وہی سکون، انداز میں دست و پا کھائی پر ہاتھ دھو
ہوئے بولے۔

اللہ کرم کرے گا شاہ سائیں۔ آخر اس نے آپ کی مدد کی، پریشانی دور کی۔ میٹر سائیں
مل گئے۔ ایک بات کا ذکر ہے آپ نے ہم کو خبر نہیں دی۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کیوں
تکلیف تھی سیں۔ مگر بہت پریشان ہو گئی۔ میں مانتا ہوں۔ میں انہیں نیلی فون کروا
ہوں جا کر خوش خبری سنا دیتا ہوں۔ پراپ آرام کر لیں آج کی رات۔

خوش خبری۔ ہوتی۔ میں نے بہت تیش کیے ہیں بہت آرام کیا ہے غلام محمد۔ نبی کا
کفارہ د کرنے کا وقت آئے ہے یہاں ہاریوں کو حوصلہ دینا۔ میں کل شام آؤں گا پھر رات
نہیں گزار دوں گا۔ بشر کے لئے کچھ دے۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔

اس وقت وہ اس گھر کے حاطے میں کھڑے تھے جہاں دن کے بچپن کے ابتدائی سال
گزرتے تھے۔

غلام محمد اندر چلا گیا۔ وہ حاطے سے باہر آ گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ بشر کے ہمراہ کراچی کی طرف گامزن تھے۔

بشر بہت چپ تھا۔

نہوں نے ایک نظر اس پر ڈالی۔ کیا بات ہے جینے بہت چپ ہو

میں کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے گویا ہوا۔

انہیں اس کی مصمصوبی سنجیدگی پر نوٹ کر پیا آ گیا۔ اپنا بازو اسیرنگ سے ہٹا کر اس کے
شالون رکھ کر خود سے قریب کر لیا۔

کیا سوچ رہا تھا میرا بیٹا۔ انہوں نے اس اہمیت متروکہ کو پھر نظر بھر کر دیکھا۔

میں نے آپ کو فون کیا ہو گا۔ تب ہی تو آپ آئے ہیں۔ انہوں نے زنجیر تو کھینچی ہو گی۔
بعض دفعہ چیزیں خراب بھی تو ہو جاتی ہیں۔ ہے نا پاپ۔

(بعض دفعہ تو نبی دے سے خراب ہوتی ہیں۔ مرد کو بیچ۔ ہر مکر و فریب کے اور گم سیدور
سویچ رکھنے والے یہ بچہ روشن میں جنہیں۔

پاپ۔ آپ عمر بھائی کو بھی لے آتے۔ ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جاتے۔ آپ کا سوا
تو ٹھیک نہیں ہے۔

اے نہیں۔ میرا سونڈا لٹک ٹھیک ہے۔ مجھ سے پاتیں کرو۔

اچھا بتائیے۔ کیا مریض کی کوپتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

نہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔

اچھا آپ ان کو حیران کرنا چاہتے ہیں وہ اس کا دل رکھنے کو سکرادے۔

ہاں۔ میں صاحب کا گھر بہت چھوٹا ہے۔ ہم نہیں اپنے گھر لے آئیں گے۔ ٹھیک ہے۔

ٹھیک ہے۔ انہوں نے مسلمان ٹرک دیکھ کر روتا رہا دی۔

وہ دنیا کے بہت سے دھندوں میں مصروف تھے مگر ان کا ذہن ابھی تک ایک نقطے پر ٹھہرا

ہو تھا۔ گمروشن نے گڑیا کو کہیں انھیں یہ ہے تو کسی کی حالت مردوں کی سی کیوں ہو رہی ہے۔ وہ

اس قدر غمگین اور پریشان کیوں ہے

کیا اس سے کوئی بہت بڑا دُشمن مرزا ہو گیا ہے کہ ضمیر کی جبین ہو رہی ہے۔ کہیں مہر کو۔

نہیں۔ انھوں نے اپنے گیت کے سامنے گاڑی روکی۔ رات ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔

اب اس طرح سوچنے سے تو انہیں جواب ملنے سے رہے تھے۔ ہندو بڑے ضبط سے

انہوں نے یہ کی گھٹنے پر محیط مسافت طے کرنا تھی۔

ہاں۔ مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں پیچھے چلا جاؤں۔ وہ نیند سے بیدار ہو رہا تھا۔

ہاں تم سو جاؤ۔ وہ دلو لے۔

ہاں۔ آپ کو بھی تو نیند آ رہی ہوگی

انہیں اپنے بیچ پر بیٹا آیا گیا۔ جسے تنہا ہونے میں ابھی باپ کا خیال آ گیا تھا۔

انہوں نے گردن سونڈ کر اپنی خوشیوں کی اساس کو دیکھا۔

تم آ رہے ہو سو جاؤ بیٹے۔ مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔ انہوں نے تسلی دی۔

بشر جاگ رہا تھا تو دولی کا حساس تھا۔ وہ سو گیا تو دل و دماغ پر پھر سے وحشت چھانے

لگی۔ رات بہت گہری ہو چکی تھی۔

کوئی پرائیوٹ گاڑی یا لارہ ہو ٹرک پاس سے گزر جاتا تو جامہ ستانا ایک لکھے کو ٹوٹا ہو

محسوس ہوتا۔

روشنی تھک کے چور ہو رہی تھی۔

اعصاب جھنجھ رہے ہیں۔ لیکن آج رات کتنی ہی گزر جائے تم سے حساب صاف کیے بغیر

کوئی گھبراہٹ نہیں کروں گا۔

جس وقت انہوں نے اپنے گیت کے سامنے گاڑی روکی۔ رات ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔

انہوں نے کی بارشیں پاش کیا۔ ملازم تو یقیناً سب سوئے ہوں گے۔ وہ ایک کو آج رات یہاں

آ کر ٹھہرنے کے لیے کہہ گئے تھے۔ روشن کی حالت کے پیش نظر ان کا خیال تھا گیت کا ایک

کھولے گی۔

گمروہ کی ناکی پر روشن کی فینڈ سے پوچھل آواز بھری تھی۔ کون ہے

دوایت ملی۔ انہوں نے بیٹا ٹرک دنگ میں جواب دیا۔

ایک منہ۔ روشن کی آواز ابھری اور خاموشی چھا گئی۔

وہ گیت کے ساتھ نفاست پر ہاتھ باندھ کر بیٹھے لگے۔

کچھ دیر بعد روشن نے گیت کے پٹ دیکھے۔ وہ شب خوابی کے لمحوں میں تھی۔ بال
سمیت گرد پڑ بیٹھ میں کھڑے تھے۔ نیند آوروں کا تاثر اس کی ہر ذرہ سے ظاہر تھا۔

وریت علی شاہ گیت کھلتا دیکھ کر گاڑی میں جا بیٹھے تھے۔ تیزی سے گاڑی پورے میں لے
گئے۔ انہوں نے روشن سے در روشن نے اس سے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تو اس
تیزی سے گاڑی اندر لے کر گئے تھے کہ روشن کو چونک کر ایک طرف ہونا پڑا تھا۔ گاڑی کی
اندرونی رینکس بند تھیں۔ روشن واپس پٹ کر گیت بند کرنے لگی تھی۔ جب وہ گاڑی سے باہر
نکلے تو وہ سرخ کاربٹ سے ڈھکے ڈھکے طے کر کے برآمدے میں جا چکی تھی۔

انہوں نے پٹ کر بشر کو دیکھا۔ کس قدر گہری نیند سو رہا تھا کہ گاڑی کے دروازے کی دو
مرتبہ کی کھٹاکہ بھی اس کی گہری نیند پر اثر نہ کر سکی تھی۔

انہوں نے جھکی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ چند لمحات توقف کرنے کے بعد اسی طرح کھول
چھوڑ دیا۔ اور بشر کو اٹھائے بغیر اندر کی سمت بڑھ گئے۔ اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئے تو روشن
دوہارہ بیڈ پر گر چکی تھی۔

کیا سوچی ہوئی کی مرد آواز نے کمرے میں ارتعاش پیدا کیا۔

ہوں۔ وہ علی شاہ نے بیٹے بیٹے ہوئی۔

انہوں نے گھبراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھے۔
نے چونک کر آنکھوں پر سے پاؤں ہٹا دیے۔ وہ اس کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھے۔

اس قدر جلدی ہوئی۔

بلکہ خوفناک ہوئی۔

اس کا دل کانپا۔ (کیا ہوا۔ کیا ہو گیا)

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

وہ بیٹھے۔ اس کی محترمہ اور نیند سے جو جھل آنکھوں میں ایک لپٹے کو دیکھا۔

جانے کیا نظروں میں کیا تھا۔ روشن کے چہرے پر زور زور سے طاری ہو گیا۔ یہ تو وہ شخص
ہرگز نہیں جو کل رات تک تھا۔

یا نہیں۔ بعض اوقات مرد باہر سے آتا ہے تو کتنا بد لگتا ہے۔ اس نے سوچا۔

سے واپس علی شاہ سے ایک عجیب سا خوف محسوس ہوا۔

آہستہ آہستہ۔۔۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی لفظ اس کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہو۔

روشن۔۔۔

جی۔۔۔

گڑبڑ۔ کہاں ہے صاف، دو صبح جواب دو۔ یہ سوچ کر کہ اب تمہارا زور نوٹ چکا ہے۔

نقاب ہٹ چکا ہے۔ میں تمہاری اصلی صورت دیکھ چکا ہوں۔

جی۔۔۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سانس بند کر رہی تھی۔

ہیں۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔ یہ تو دو دو گئے تھے۔ کہاں سے آ رہے ہیں۔ احساس جرم کے غریب نے پھر پر پھر پھڑپھڑائے۔

گنہگار۔۔۔ وہ بستر سے اتر کر کھڑی ہو گئی۔

زیادہ دیر لے کر نہ کی ضرورت نہیں۔ کہاں چھپا ہے گڑیا کو۔ انہوں نے دانت پیسے۔

کیا ہو گیا ہے شاہ آپ کو۔۔۔ وہ ہمیشہ کوئی اور سے جا لگی۔

بکواس بند کرو۔ مجھے صرف اپنے سوال کا جواب چاہیے۔ کہاں ہے میری ہڈی

وہ آپ کی نہیں میری ہڈی بھی ہے۔ کیوں خواہو، مجھے پریشان کر رہے ہیں۔ وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپ کر پھوٹ پھوٹ کر مرنے لگی۔

مگر تم نے ایک منٹ مزید ادا کر لی کی تو میں تمہاری کھال ستاروں کا۔ انہوں نے پیٹ کی سیٹ کھینچی۔

روشن نے مارے خوف کے ہنسا دل بند ہوا محسوس کیا۔ (ضرور کچھ ہو ہے)

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے روشن۔ وہ آگے بڑھے۔ ان کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

آپ جو بچہ قسم لے لیں۔ مجھے ہڈی کی کچھ خبر نہیں۔ آپ کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نے سر کی جگہ بدن

تو پھر میرے ساتھ آ کر۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا پاؤں دھوا۔ گرفت تکی مضبوط تھی کہ روشن کو شدید ذریت محسوس ہوئی۔ وہ اسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے پورے بجک رانے۔

پچھلا اور وائز کھلا ہو تھا۔

جو چیز بھی کچھ سیٹ پر ہے باہر نکالو۔

روشن تیزی سے کچھ سیٹ کی طرف بڑھی۔ گویا ذرا دیر ہو گئی تو ریت ملی شاہ قیام کرویں گے۔

پورے میں بہت مدھم روشنی تھی۔ پھر بھی کار میں لیٹا ہوا بچہ اس نے دیکھ لیا۔ وہ ایک دم بدک کر پیچھے ہٹی۔

ڈر نہیں۔ یہ تمہاری طرح زہریلا نہیں ہے۔

یہ۔۔۔ یہ کون ہے وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بے انتہا خوفزدہ انداز میں بولی۔

یہ کوئی روح نہیں بنی بلکہ یہ روح ہے مگر جسم کے ساتھ۔ اس کا زہریلا ہوجا چکا تھا۔

انہوں نے ایک بار پھر اس کا گردن زہرا اپنے مضبوط قلعے میں کس کر دیا۔ وہ گاڑی کی سمت دھکیلا۔ اور ساتھ ہی خود ہی آگے بڑھ کر اسے آٹ کر دی۔

سے دیکھو روشن اور پہچان کر مجھے اس کا نام بتاؤ۔

بشر۔۔۔ وہ اسے دیکھ کر اور کانپ کر پھر پیچھے ہٹ گئی۔

انہوں نے اسے مزید کچھ نہیں کہا، اور خود بخوبی اسے باہر نکالا۔ وہ تھوڑا سا کسمپاس۔ پھر

فحشک تو کھڑے رہے ہیں۔ بھلا بشر سے انہوں نے سوا، مت نہیں کیے ہوئے ہوں گے۔ بشر نے پوری تقصیر نہ سہی ہیڈ لکٹر تو ضرور بتائی ہوں گی۔

لیکن یہ بشر انہیں کہاں سے مل گیا۔۔۔

کھیل کا سیب نہیں ہو، روشن۔ اور پ سین ہو چکا ہے۔ تم بھی شکر مٹاؤ کہ خمیر میں پیوست شتر نکلا۔

(یہ سب کچھ جان چکے ہیں۔ تم سرسراہٹ کی گرفت میں ہو)

وہ محاشا صاحب کے قدموں میں گر گئی۔

میں آپ سے معافی مانگتی ہوں شاہ۔ جو چاہے سزا دے دیجیے۔ بلکہ مجھے جان سے مار دیجیے۔ شاہ جو چاہے سلوک مجھ سے کھیے۔ (آپ سے بھی پہلے قدرت میری سر شروع کر چکی ہے) مگر اللہ گواہ ہے۔

شاہ صاحب کے چہرہ رنگ پر رنگ بدل رہا تھا۔

وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر رہی تھی۔

اپنے بے بسی اور کم، سنگی کا اعتراف کر رہی تھی۔

قدرت کی قوت کا اعتراف کر رہی تھی۔

(اور اب یہ اللہ کو گواہ کر کے کیا کہے جا رہی ہے) انہوں نے شکر سے اس طرح پرے کر دیا گویا کوئی معمولی بچہ ہو۔

میں صرف تمہارے منہ سے یہ سنا چاہتا ہوں کہ میرے دونوں بچے کہاں ہیں۔

بچی بتا رہی ہوں۔ مجھے ان دونوں کا کچھ پتا نہیں۔

تم ہاؤ نہیں ڈو گی۔ انہوں نے سے بازو سے پکڑ کر مقابل کھڑ کیا۔

اس بار، عیت علی شاہ کے تیر کڑے اور دے سنگین تھے۔

اس کی تمام حیات تیز ہو گئیں۔

میرے ساتھ کوئی گلا لڑتے ناک عمل کرنے سے پہلے میری پوری بات سن لیجیے میں آپ کی مجرم ہوں۔ اس کے بعد جو چاہے مجھے سزا دیجیے۔ میں آپ کو بتاتی ہوں کہ گڑیا اور عمر کس طرح غائب ہوئے۔

وہ سسکاری بھرتے ہوئے بولی۔ خوف اور حساس جرم نے اس کی دماغی حالت عجیب و غریب سی گہری تھی۔

وہ جس کی قربت اس کے لیے باعث افتخار تھی۔

آج اسی کی قربت سے خوف آ رہا تھا۔ اس میں تو تاحوصلہ بھی نہ تھا کہ نظر اٹھا کر وایت علی شاہ کو دیکھتی لے۔ کائناتی آواز میں بتانے لگی۔

وہ۔۔۔ جب بشر کے گم ہونے کے بعد۔۔۔

بشر کو گم کرنے کے بعد۔۔۔ عیت علی شاہ نے اس کی بات کافی اور اس کا بازو چھوڑ دیا۔

روشن نے نہ دیکھا۔ شہدہ جہد ڈیرا نہیں بلکہ کچھ توقف کے بعد کہانی آگے سے شروع

مکرمی

آج کل کے دور میں۔۔۔ خیر نہیں۔ ہمارے دلوں بعد آئیں گے اس جہان نے خدا کا پرچوش
انہو میں سوا گت کیا۔

خیر میں تو سہی جاتی ہوں۔ آپ تو پاؤں میں مہندی لگائے بیٹھی رہتی ہیں۔ وہ شکایتی انداز میں کہتے ہوئے یہ وجہ کہے فزادیک بیٹھ گئیں۔

کس میں ڈپس کی بھنڈیاں اُٹھوئے نے اہاں جان کے بھنڈیاں کاٹتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

گوشت میں ذلوں گی۔ روزانہ کا پکانا کھانا و سب تو ہر چیز کھا لیتے ہیں۔ طاق کے مگر
 خمرے بہت ہیں۔ یہ پسند نہیں۔ وہ پسند نہیں۔ وہ بیڑ سے، مٹاؤں میں بولیں۔ بچوں کی پسند کا
 دھیان رکھنا ہی پڑتا ہے۔ روزانہ کیا فائدہ، اتنی محنت سے کچھ پکانے کا جب خوشی سے کھا یا نہ
 جائے۔

نظر نہیں آ رہے۔ کہار میں سب بچے۔۔۔ بھائی جان کی شاید ابھی نہیں آئے۔
 بالکل سب اپنے اپنے دھندوں سے ابھی نہیں مائل۔ طارق بہت گھر میں ہے۔ نہا رہا

”پ کو بھی مبارکباد دینے والے۔ بس اللہ کا احسان ہے۔ اب فی ذہن لگ گئی ہے۔
لوکری کی درخواستیں ٹاپ کو کر کے رہا ہے۔ وہ توں کو پیٹ جانے لیا کیا گفتار ہوتا ہے۔ صبح کو

ڈاک خانے کی طرف دوڑتا ہے۔ شہر نے برق کی مصروفیت بتائیں۔

اللہ نے عیساؑ کو بہت، چھٹی ہی ملازمت مل گئی۔ بہت چھٹے نمبروں میں پاس ہو گیا۔
 شکر گزار ہوا تھا۔

ہاں اللہ سے نیک تہ، میدیں ہیں۔ اور مگر میں سب خیریت ہے۔ حیرا کا خط و طے یہ۔
امریکہ سے انہوں نے پتہ
آگے بڑھائی۔

ہاں خط بھی آتے رہتے ہیں اور ٹیلی فون بھی۔ خوش ہے اپنے گھر۔ آپ سب کو بھی سلام کہتا ہے۔

ہمیں تعلیم نے اس جان کا پائندہ دشمن جسے سرگاہ۔

ظہیر اوشس چائے جالوں۔ پھر کھالینا پات۔ وہ آٹھتے ہوئے بولیں۔

ہٹیں تو سہی۔ آپ چائے بھی پی لیں گے تھوڑی دیر میں بچے آجائیں گے اور بھائی جان بھی۔ صبر ساتھ ہی پی لیں گے۔ انہوں نے اماں جان کا ہاتھ پکڑ کر وہیں بیٹھ لیا۔

اور تم ہوں بھی تو کی تمہیں اپنے جینو کے بار

وہاں بھی گئی تھی اور احسان بھائی کے ہاں بھی ذرا دیر کو گئی تھی۔ ٹوبہ سے وعدہ تھا میرے۔

چھاپا۔۔۔ کیسی ہیں بچیاں اور احسان بھائی، دورِ ملن کی زمین۔۔۔ یہاں جہان تے خوشی، در
اشترق کے ملے جے تاثر مت کے ساتھ پوچھا۔

ماشا اللہ! نکل ٹھیک ہیں۔ بہت یاد کر رہی تھیں آپ سب کو۔ اور آپ کی بھابی جان تو اس مرحلہ بہت ہی بدن ہوئی تھیں مجھے بہت حیران ہوئی میں۔ کئی سال پہلے انہیں وہور میں اپنی تندرستی کی شدوی میں دیکھا تھا۔ تو یہ کیا لہو دیا انداز تھا۔ پسے پٹھی رہیں وہ بولیں تو تو فوٹ جائیں گی۔ سب کتو۔

انہوں نے پورا زور لگا کر تعجب کے تاثرات اپنے چہرے پر جمع کیے تو حیران تو ماں جان بھی بہت ہوئی۔

کچھ کہہ رہی تھیں۔ ماں جان کے بچے میں بہت بے قرار اس اشتیاق تھا۔

کچھ۔۔۔ عیسے نیگم نے حیران نظروں سے بھاری کو دیکھا۔

سارا وقت آپ ہی نوگوں کی باتیں کرتی رہیں۔ کہہ رہی تھیں جدی کراچی جاؤں گی۔

مجھے بہت اصرار کر کے کھانے پر روکا۔ مانوان کی تو خون بدل ہی بدل گئی ہے۔ عیسے نیگم پر

حیرانی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ سب تصور ہی تصور میں احسان علی کے گھر میں پہنچ گئی تھیں۔ اور پیش

آئے والے واقعات کا اور مرفوعہ وہ کر رہی تھیں اپنے ذہن کے پروے پر۔

بھابی جان ایک بات کہیں وہ رازداری کے مسائل میں گویا ہوئیں۔

ہوں۔۔۔ انہاں جان مشتاق ہوئیں۔

مجھے تو لگ رہا ہے وہ آپ کے لڑکوں پر سمجھ گئی ہیں۔

تم بھی جانے کہہ رہی ہو۔۔۔ برسوں سے انہوں نے لڑکوں کو نہیں دیکھا۔

تو لڑکیوں نے یہاں سے جا کر ماں سے باتیں نہیں کی ہوں گی۔ عیسے نیگم نے نشانے پر حیر چلا پائے۔

لڑکوں کی۔۔۔ ماں جان نے تعجب سے پوچھا۔

میں سب ہی کی ہوں گی۔ وہ بولیں۔

وہ تو میں! تھوڑی سی میں کچھ گیا تھا کہ پھوپھی جان آتی ہیں۔ زمین کا پانی تھوڑی سی۔

عاریق تو یہی سے سرگزشتا موجود ہو اور اسلام علیکم۔

ہوئی کہہ رہا ہے مجھے۔ پھوپھی جان رنجیدہ ہو گئیں۔ پھر بولیں۔ علیکم السلام۔

رہے نہیں۔ ماشا اللہ اللہ تعالیٰ رے آنے سے رونق ہو جاتی ہے۔ یوں کہہ رہا تھا۔ ماں

نے بیٹے کی طرف صفائی پیش کی۔ ساتھ ہی بیٹے کو گھوڑا۔

اور پھوپھی جان کہتی ہیں آپ۔ کیسا رہا آپ کا دورہ باغیاب۔ وہور کیسا تھا۔ وہ ماں

سے نظر پڑا کر پھر شریر ہوا۔

جیسا تھا دیر ہی ہے۔ ہو۔ کیا کھانسی بخار ہوتا تھا۔ ہو کو سو اور سو کر۔ ہو کیسا تھا۔

انہیں اس کی بات احمقانہ لگی تھی۔

خود جا کر رکھ ڈکھڑے۔ ویسے بھی تھوڑی سی مہمانی جان تھا رے نام کی مار چپ رہی ہیں۔

ان کے جینے کا فائدہ میں تو مجرم ہوں ان کا وہ شرارت سے فتنہ پڑا۔

پسے تو ان لڑکیوں نے ہی ہوگی تب ہی تو ماں پراثر ہے

وہ بھی اس کی پھوپھی تھیں، شوخی پر تر آنے تو وہ واقعی ماں کے سامنے پھوپھی کی محنت
خیر بات پر جھینپ سا گیا، اور سامنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

ہاں تو، اس قسم کیا کہہ رہی تھیں؟ ماں جان لے وہیں سے سلسلہ جوڑا جہاں سے منقطع ہوا
تھا بس یہ کہہ رہی تھی کہ آپ کی بھانجہ بہنے کی تلاش میں بیٹھی ہیں، کوئی بہہ ہاتھ لگے، اور
وہ کرچی آئیں۔

اسے ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں میرے بچوں میں انہیں رشتوں کی کیا کی غلط
سمجھتی ہوں؟

وہ تو، نے اور وقت بتانے کا کون خط بکھتا تھا، وہ قطعیت کے انداز میں بولیں
چکی بات تو یہ ہے ایسے لڑکیوں میں سے اپنے خاندان کی ہیں اور بہت اچھی ہیں مگر ہمارا
ان کا کوئی جوڑ نہیں ہے ہم ماں دوست میں ان کا مقابلیں کر سکتے

کیوں کیا سہی ہے ہمارے بچوں میں تعلیم میں شرافت میں خاندان میں کس چیز کی کمی ہے
ن میں؟

تم میری بات نہیں سمجھیں، ماں جان نے انہیں سمجھایا، بات ہے، ماں کی حس، ماحول
میں ان بچیوں نے آنکھ کھولی ہے وہ ہمارے گھر سے بالکل مختلف ہے

میں نے ماں کی بات۔ میں تو جو وہاں جو دیکھ کر آئی ہوں اس نسبت سے بات کر
رہی تھی باتوں باتوں میں کہہ رہی تھیں تو جہاں بھانجہ۔ رشتے تو لڑکیوں کے بہت ہیں مگر ہر

کوئی ہماری دوست و رشتہ میں حصہ لگانے کی نیت سے آتا ہے۔ سب کو چاہیے بیٹا ہمارا، کوئی
ہے نہیں۔ سب کچھ ان لڑکیوں کا ہے۔ اب، لکھنؤ میں، اپنی بیٹیاں دے کر گویا ساری عمر کے
عذاب خریدیں

سے وہ چھ ہوا تم نے یہ بتا دیا کیا خبر میں وہاں کل کو بیٹا مرنے کی نیت کر رہی تھی وہ
تو ہمیں بھی، لکھنؤ سمجھیں گے خیر، مگر میں یہ کوئی قدم اٹھاتی تھی تو بہت متوجہ سمجھ کر بوسوں
سے وہ کبھی میرے گھر آئیں نہ گئیں۔ ہو سکتا ہے جو وہاں بیٹھی سوچ رہی ہوں ہمارے ہاں
آئیں تو مایوس ہو جائیں

ماں نے وکیل کے ساتھ وزن اور بات کی
ہوتی ہیں تو ہو جائیں۔ مطلب تو خود ہیں۔ سب انہیں حند بھی ہوا۔ وہی ہے اور بچے بھی۔
ہمارے بچوں کو رشتوں کی کیا کمی جہاں اللہ نے، بتا دیا ہے۔ اور دے گا وہ بیٹھی اپنی دوست
اوڑھتی بچتی رہیں، ایسے بیگم نے کمال بے نیازی اور تھوڑی نخوت سے کہا

یہ تو اپنے ظریف اور فطرت کی بات ہے۔ ان کا حرج ان کے ساتھ ہمارا ہمارے ساتھ
خاندان میں رشتے ناتے ہوں تو، اس سے، اچھی کیا بات ہے ایسے ایک بات جو میرے دل کی
ہے تمہیں بتا رہی ہوں کہیں ذکر نہ کرو، انہوں نے مخصوص زمانہ ہدایت کی
رے نہیں، یہ بھی جان مجھے اپنے گھر کی باتیں ادھر ادھر کرنے کی کیا ضرورت لگتی
کرنا اٹھا کر ہنا پنا دیکھنا، ایسے بیگم ہمارے اشتیاق کے نزدیک آگئیں

بات یہ ہے مجھے خیر لڑکیاں ہی بہت اچھی لگیں مگر جو بات تو یہ میں ہے دونوں میں نہیں مگر ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے اور اگر میں اس کا پیغام دلاں تو یہ اپنی بے عزتی کروانے والی بات ہے انگوٹھ نے تو یہی کہنا ہے کہ دونوں بڑی بچوں میں کیا عیب ہے؟

یہ تو ہے ایسے شکم نے تندگی تائید کی

میں تو خیر ثویہ کے لئے بھی شاید آگے نہ بڑھتی وہ تو تم نے بھائی جان جان کی چند باتیں بتائیں تو میں نے انہیں اپنے دل کی بات بتا دی

گویا آپ سب وہاں کسی کے لئے بھی پیغام نہیں دلائیں گی؟

میرا تو محض خیال تھا اب ان کی پیش رفت دیکھ کر شاید جز بکڑے میری تو دہا ہے، نہیں مجھے برل جائیں عثمان ارغوان کی بھی ہوئی جائیں گی انہوں نے بات دی

بہت آسانی سے کہہ رہی ہیں بہو میں ڈھونڈنے لگیں گی تو ہوتا ہے گا

بہو میں شوکیں سب میں جی نہیں ملتیں ہر روس لڑکیوں دیکھ کر بھی بعض دفعہ بگوں کی ایک سمجھ نہیں آتی حالانکہ ایک سے ایک خوبصورت ہوتی ہیں ان میں

ہماری پڑوسن سات سال سے بہو ہوئے ہیں پچھلے دنوں اب کے ہاں دعوت ہوئی تو خود جھوٹ نہ بلوائے میں جنتیں کنویراں نظر آ رہی تھیں مگر انہیں کوئی بھی لڑکی سمجھ میں نہیں آتی رات رشتے لے جانے کا سوچتی ہیں صبح جانے کی خیال آتا ہے۔ چھوڑ دیکھ کر گھر کے کھندوں میں لگ جاتی ہیں ایسے شکم نے بھائی جان کو جوش دیا

خیر میں تمہاری پڑوسن کی طرح نہیں ہوں جس لڑکی کے لئے عثمان ہاں کر دے گا وہی میرا انتخاب بھی ہوگا میری خوشی بھی ہوگی اب بچوں کی خوشیوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ اور عثمان! اللہ پائے چھیلے نہیں ہیں سمجھ رہے ہیں وہ خانی حسن نہیں چاہیں گے ایسے لہو نے میری مدد کی ہے آئندہ بھی کرے گا

آپ نے یہ کیسے کہہ دیا بھائی میرا صرف حسن نہیں چاہیں گے طارقی بڑی خاموشی سے اب کی گفتگو سن رہا تھا آٹھ چپ نہ دے گا۔ کب سے کھڑا ہوا تھا

تم سے کچھ کہہ رہے عثمان نے؟ اس جان کا تم اس کی بچیہ گی کی بھانجہ ہر کر رہا تھا کہہ تو نہیں ہے مگر اللہ نے بندے کو آنکھیں تو دیں ہیں، وہ کرسی تھپیٹ کر بیٹھ گیا ہاں بیٹے آنکھیں تو تمہیں ہی ملی ہیں جانے کس سامری جاو و گری۔ وہ جھگڑ گئیں ہمیں تو اپنے بچے میں ایسی کوئی بات دکھائی نہیں دی بھیا کل، تاپا چھاتا، چپ ہی رہا، انہیں اپنے بیٹے کی سعادتمندی پر پیرا آ گیا

انہیں بتا تھا آپ کو کوئی کھیلانی کھیلانی نشانے پر پہنچا ہی جائیں گی، وہ مسکرایا تو تو ہی بتا دے اس کا ٹھیک نشانہ، انہیں صبح عصر آ گیا محض اس بات پر کہ انہیں اصل حقیقت کیوں پتہ نہیں چل رہی

وہ تو میں آپ سے ایسے ہی کہہ رہا تھا، حقیقت کے طور پر وہ مجھ سے بھی اس قسم کی باتیں کریں گے وہ تو مجھ سے زیادہ شرمیے ہیں، وہ شریر ہوا

اے ہاں اور کن لو! امید یہ خزانے بھی لگے ہیں باقی تو سب کچھ کر بیٹھے۔ ماں جان کو
 انہی آگئی خیر ہم ماں بیٹے کے درمیان میں کوئی دیو نہیں کہ وہ مجھے حقیقت نہ بتا سکے، وہ
 اطمینان سے بولیں،

یہ بھی جان در یہ کہنے تو کچھ کر دیکھئے گا عثمان سے کب قدر خوبصورت لڑکی ہے، وہ پر سے
 اس کا پینٹا اڑھتا، پسہ بیکم تو مزید لڑو ہو چکی تھیں

بات تو میں پنے لڑکے سے تب کروں گی جب مجھے کسی طرح اس کی سوچ کا پتہ چل
 جائے ویسے میرا دل ڈرتا ہے، میرے وہ بھرا ستن ہلے لگیں

چلو میں نے تمہاری بات سے اتفاق کر بھی لیا کہ یہ بھی جان کے کچھ ہی طرح کے
 خیالات ہیں۔ وہ لڑکی دنیا و نہیں سکتی، ولاد چاہ رہی ہیں تب بھی مشکل ہی ہے کہ وہ نکلتے

ماحول میں کب نہیں سکتی، اور یہ میرا، رہاں ہے، کم از کم عثمان کی دلہن تو میرے ساتھ رہے
 میری بیٹی جن کر رہے در یہ ہے تو خوبصورت لیکن اس کا مزاج میری سمجھ میں نہیں، یا تو یہ بہت

اگرے ماں جان تو یہ تو بہت چھوٹی ہے، ابھی طارق چندی سے بولا
 چلو ابھی چھوٹی ہے، جب تک تمہارا نمبر لگے گا اس وقت تو سمجھ رہو چکی ہوگی

میرے بیکم نے اسے پیچھا تو واقعی لگیں جھٹکتے لگا، اسے امید تھیں تھی پھر چوہا جان اس کی مس
 چاہی بات بھی کر سکتیں ہیں

ااں جان ندر کے اس جسے پر خاؤں میں طارق کے دجو میں خون سے گھرہ مکھ بھی

دوڑے گا /
 اچھا باقی باتیں تمہارے بھائی کے آنے کے بعد کچھ بھی آنے والے ہیں، میں چائے
 بناؤں

اگرے ہاں بیٹے تمہاری جد سے تو میں دس کام چھوڑ کر آئی، بہت بہت مبارک ہو تمہیں،
 اللہ اسی طرح تمہیں زندگی میں کامیابیوں سے نوازے، اگرے وہ پاکستان کہاں گئی؟ ایسا دارغ
 ہے میرا

انہوں نے جبکہ کر پاکستان تھائی اور ایک بڑا سا منٹھا کی کاڈ یہ نکال کر سامنے بڑی کرسی پر
 رکھا اور ایک ہاتھ میں تھا، اب ایک ٹکٹ کھوئے لگیں، یہ خبر میں لپٹا ہوا سرخ پھولوں کا ہار تھا،

انہوں نے طارق کے گلے میں ڈال دیا، اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا
 خدا بہت سی خوشیاں رکھنے چھو ہیں،

یہ خود غل پہن لیں گے، آپ دسے سوچئے گا بس، فاروق جانے کب آوارہ ہو، تھا کیونکہ
 بائیک طارق کے تصرف میں تھی، اور آج وہ پونیٹ سے گیا تھا اسی سنے پتہ ہی نہ چلا کہ

وہ کب اندر چلا آئے
 السلام علیکم

والیکم السلام جیتے رہو، لو! شاہ اللہ ب تمہاری دیر بعد وقت پھوٹ پڑے گی بھائی جان
 کے گھر وہ جھٹکتی تھیں،

یہ حسیب کہاں ہے وہ تو ایک بچہ تک آ جاتا ہے۔ نہیں اچھا تک وہ بیان آیا
 اپنے کسی دوست کے ہاں گیا ہوا ہے امتحان ہونے والے ہیں ساتھ بیٹھ کر پڑھتے
 ہیں۔ کبھی حسیب چلا جاتا ہے کبھی وہ آ جاتا ہے
 انہوں نے لیکن میں کھڑے کھڑے جواب دیا ہاتھ پر دستور کام میں مصروف تھے
 ہاں ڈے ان فون کر دیا تھا کہیں وہ شیخ نئے دور کا بھٹو مشہور نہ ہو جائے ویسے بھی یہ
 ہمارے اصول کے خلاف ہے، فیروزہ نے کہا
 کر دیا تھا فون بتا دی تھی اپنی مجبوری، ستارہ نے قمیض کی آستین کہیں رات تک سمیت کر
 اطمینان سے جواب دیا کچھ کہہ رہا تھا
 کہنا کیا ہے وہی کہے گا جو کہنا چاہیے تھا۔ معنی کوئی ٹھکری تازہ پارٹی مل گئی ہے بعض مرد
 تانے بھی عورتوں کی طرح دیتے ہیں، وہ طنز سے ہنسی
 جاری رکھ دیا پاکستانی مرد نہیں ہے، وہ بھر ہنسی
 ایشیائی تو ہے، فیروزہ نے اسے غور سے دیکھا
 ہوں کہہ رہا تھا میں صرف تمہاری وجہ سے پاکستان میں اتنے عرصے سے ہوں
 جھوٹ نہیں کہہ رہا تھا تم ہو ہی، ایک چیز، فیروزہ نے پرس کھول کر سپاری نکالی اور
 پچانک
 اچھا۔ ستارہ فشر سے ہنسی

ہوا

چلو خیر، میں تو بہت اطمینان محسوس کر رہی ہوں میرے حق میں تو یہ بچے بہت دھت
 ثابت ہوئے ہیں، فیروزہ نے سوتے ہوئے عمر گئے ہاں پیشانی سے میٹھے
 یہ بچی بہت چھوٹی ہے روز مجھے پریشانی ہوگی، ستارہ نے فکر مند انداز میں کہا
 سو اتنی پہنچ کر کوئی، نظام کر لینا، کوئی مقامی عورت رکھ لینا اس کی نگہداشت کے لئے،
 یہی کرنا پڑے گا، ستارہ نے آدگی خدا برک
 آئی آپ سولی نہیں، عمر نے خود گی کے عالم میں قطع کھائی کی
 ہوا اٹھ گیا تمہارا، بالقرآن، ستارہ نے غصہ کی سانس بھر کر کہا
 نہیں نہیں آ رہی ہے جان، اس نے پیر سے اس کے اٹھارہ چھوٹے
 آپ کو پتی، ای یاد رہی ہیں؟ اس نے بھولیں سے پوچھا
 جانے کون کون یا دار ہا ہے ہمیں۔ وہ مسکرائی۔
 مگر آپ کے گھر میں تو صرف آپ کی ہی خنیں۔ وہ حیران ہوا۔
 ارے، سن شہر کی، تمہاری خنیں سے ہیں ہاں رتی گھر والے۔ وہ غصہ سے پڑی۔
 میں سمجھا کہیں وہ اچھا گیا۔
 اس کے سسرال والے، ستارہ نے فیس کر شرارت سے کہا پھر دونوں کا مشترک قبیلہ ہند
 تم سو جاؤ زندگی انم بھی سوار ہے ہیں وہ اس کے سواہوں سے بچنے کے لئے، وہ پر ہاتھ پر

چڑھ گئی، ستارہ گزیا کے پہلو میں بیٹ گئی۔

فیروزہ اپنی زندگی پر غور کرنے لگی۔ اس کی تقدیر تقاضا کی کہانی سن کر وہ کی تھی۔

اس کی ماں نے اس کی پرورش بہت ناز و نعم سے کی تھی۔ جس کی وہ دونوں بھیس۔ اس نے تاجان کے طور پر اس کی ماں کو بہت نواز تھا، منظر عام پنہ آنے کی منہ بستی قیمت دی تھی اس کی ماں نے بتایا تھا وہ بگڑا تو ب نہیں تھا لیکن ایک سا ہو کار کی دروا تھا۔

اس کی ماں اپنے حوال میں خوش تھی اسے فیروزہ کی طرح چہارہ پوری کا شوق نہیں تھا اس کا حہب ایمان مقصد صرف پیسہ تھا۔

اس کی ماں نے بتایا جب ستارہ پیدا ہوئی تو وہ چوبیس برس کے لگ بھگ تھی جب کہ عہد ہوتی طور پر ہتھک میں کی نظر آتی تھی۔ وہ بچہ ریو کا ڈھکا ہو گئی اور ایک دم جھٹک گئی اور عمر کے اصل پر وہ پڑا ہوئے لگی۔ تب وہ لگ تھلک ہو گئی اور دن و راتوں کی پرورش میں مہمک ہو گئی پیسے کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن جب فیروزہ بڑی ہوئی تو خزانے کی کھرچن چل رہی تھی مگر فیروزہ کے سبب خزانہ پھر بھٹنے لگا۔

فیروزہ کو یہ زندگی پسند نہیں تھی اس نے کئی بار روایت توڑنے کی کوشش کی مگر تقدیر میں ناکامی رقم تھی مگر اس کو ایک خطرے کا احساس ہر دم رہنے لگا وہ کھلے خرچے کی عادی تھی دوسرے ماں ہونے کے ناتے سے دونوں کے مستقبل کی فکر اس کی تھی وہ سچ کل سی سوچ میں تھی کہ کیا کرنا چاہئے۔

کہ قسمت نے خود اس کے دروازے پر دستک دی اس کے ذہن میں ایک پروگرام خود بخود ترتیب پا گیا اور اب یہ طویل سفر کسی پروگرام کا ایک حصہ تھا۔

سو میں اس کی ماں کا ایک مکان تھا جو اس کی جوانی کی یادگار تھا بلکہ اس سا ہو کار کی دروازے کی یادگار تھا۔

اس کا خیال تھا ان بچوں کا باپ بڑا آدمی ہے۔ اس سے پہلے کہ پولیس اصل روہ تک آئے بچوں کو شہر سے باہر پہنچا دیا جائے۔ اس کی ماں کا ایک مصائب گنڈ کی پہاڑیاں کا پاس تھا۔ آجکل موت میں ایک قبوہ خانہ چلا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے دونوں مطمئن تھیں کہ وہاں انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور وہ بچوں کا مسئلہ حل کر کے وہ واپس کر رہی و پاس آ جائیں گی۔ گا بگا ہے بچوں سے ملے جیا کریں گی۔

بڑھاپا یہ عام خود بھی کر سکتی تھی مگر وہ چاہتی تھی کہ دونوں لڑکیاں گل کی زندگی میں آج سے بکھیں۔ بچے سن سے، انوس ہو جائیں تاکہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

ماں میں تمہاری عزت کوئی نہیں، انوس لگی۔ اب وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔ میں اس بچہ کی طرح پرورش کروں گی جیسے کوئی ماں کرتی ہے۔

مجھے اس بچے سے کیا واسطہ ہے۔
مگر اس میں میرے کسی جذبہ کی تسکین ہے نا آ سو گویں کا ازالہ ہے۔
میرے خواہش کا سوال ہے۔

میرے اندر کی عورت کا تقاضا ہے۔ اس نے مجھ کے نیچے جھک کر سونے ہوئے عمر کو دیکھا۔
پھر چشمِ تصور میں ایک مطلوبہ ورثہ، دراصل اٹھان والے عمر کو دیکھا، جس دیکھنے والے نظر کا رہے تھے۔

ہوں۔ روایت علی شاہ نے ایک لہجہ سے کہا۔
یہ بالکل سچ ہے۔ گزرتا وقت یہ ثابت کر دے گا کہ یہ سچ ہے۔ آخر گزریا گو ہمیشہ کے لئے تو نہیں چھپا چا سکتا اللہ کرے عمر جدت ملے تاکہ
موت کرو یہ بے اثر دوا کس یوں کہو کہ صرف مجھے میری گزریا مل جائے وہ زہر بھجے میں گویا ہوئے

روشن نیچے چلی ہوئی تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں مونی مونی سی محسوس ہو رہی تھیں۔
کیا تمہاری ہاں اس میں شریک ہے
روشن خاموش رہی۔

تم نے میرے دل پر ہاتھ ڈالا ہے مجھے جائز ہے میں تمہیں وہ سبق دوں گا کہ میں ہر سرا
کے لئے تیار ہوں وہ کانپ کر کھڑی ہوگی۔ میں تم دونوں میں جینی کو نہیں بھیج سکتا ہوں مگر
میں تمہیں جیل نہیں بھجواؤں گا میں اپنی عزت تمہارے عوضِ عیون نہیں کروں گا میں تمہیں اس
قابل نہیں سمجھتا کہ میں نے نفرت سے کہا۔

میں ہر گھڑی ہر لمحے تمہیں سرا دوں گا روشن کچھ سحر قدرت نے تمہارے لئے سحر کر دی
ہے باقی میری زحمت داری ہے تمہیں بھوک لگے تو کھانا، اپنے زیورات چھپانا، پیاس لگے تو
بھی۔ جن چیزوں کو تم نے تمہیں کا زہر یہ سمجھا تھا میں تمہیں وہی چیزیں دوں گا۔
میں تمہیں محاف نہیں کر سکتا روشن اور میں تمہیں سہلی سے مرنے بھی نہیں دوں گا میں
اپنے بچہ کی محبت سے اپنے طرف کی پیانہ نہیں کر سکتا یہاں اس مقام پر ایک مضمحل دراصل

آدی ہوں۔
چاہی کہ اس ہے، تمہوں نے سامنے بنے نسبتاً کم چوڑے دروازے کی طرف اشارہ کیا
روشن نے کچھ نہیں کہا بس آنکھیں پونچھتی واڈروپ کی طرف بڑھی اور چاہیاں وادیت علی شاہ
کے حوالے کر دیں۔

وادی علی نے دروازہ کھولا، وہ کوئی ہارنگلے کا ہاست نہیں تھا اور کوئی حلقہ روم بھی نہیں تھا
بلکہ اس دروازے سے نیچے کی طرف زینے جا رہے تھے جو ایک تہہ خانے میں جا کر تمام
ہوتے تھے اور اب روایت علی شاہ نے ایک فنِ پیش کر کے تہہ خانے کی راہِ حلال دی تھی۔
یہاں گھر کا نام اور نا استعمال ہونے والا مکان پڑا ہوا تھا اور خصوصاً جگہ پر ایک آہستہ
تجوری تھی جس میں دن کی مار کے بشر و عمر کی مار کے قیمتی زیورات تھے جو اب روشن کے
تصرف میں تھے۔
میرے ساتھ آؤ روشن ماںہوں نے روشن کو اپنے کی طرف اشارہ کر کے نیچے اترنے کو

کہا اس نے غایت درجہ ہشت زدہ ہو کر شاہ کی صورت دیکھی، مگر ان کا چہرہ چمک رہا اور سیات
 تھا۔

میں کہتا ہوں شیچہ جو وہ مگر ہے۔

وہ مگر پیڑی زینے کی طرف بڑھی۔ پھر آہستہ آہستہ زینے کی اتارنے لگی اس کے پیچھے
 درایت علی شاہ نے قدم بڑھائے مگر اس سے پہلے انہوں نے دروازہ بند کرنا یاد رکھا۔

یہ دو پر جتے دو کمروں کے دروازے پر پھینچ چکے وہ تہہ خانہ تھا۔ دور بے حد ٹھنڈا تھا۔ یہاں
 پڑی ہر چیز کو چھونے سے ٹھنڈک کا احساس ملتا تھا، گویا قدرتی ایسی تھا

عادہ تک میرا دل چاہتا ہے یہاں یہاں دوزخ جیسی تپش ہو مگر میں مجبور ہوں بالکل اسی
 طرح جیسے تقدیر کے اور فیصلوں کے سامنے مجبور رہا، یہ تہہ رسی قید تہہ رسی ہے، یہ تو بھر بھی گھر کا
 حصہ ہے۔

یاد کرو روشن وہ رات جب ایک پانچ سال کے معصوم بچے کو بیابان میں اتارتے ہوئے
 زہرہ ر کلیجہ پہن نہ دل کا پنا تھا، اور نہ خدا کا خوف طاری ہو تھا۔ تم عورت ہو کر معصوم بچے پر رحم
 نہیں لکھا کیس اور پھر میں تو مرد ہوں اور تم کوئی بچہ نہیں ہو اور سب سے بڑھ کر کسی جنگل میں نہیں
 ہو

تہہ رسی وال سے ٹھنڈا میرے گلے فراغت میں سے ہے اور میرا تہہ رسیا تعلق اس دن
 سے ختم کچھ جس دن

دوسرا حصہ

صفحہ 101 سے صفحہ 200 تک

تم نے بشر کو اپنی فطرت کی درندگی و وحالتی تھی۔

روشن پھنی پھنی آنکھوں سے جاتے ہوئے درایت علی شاہ کو دیکھ رہی تھی۔

یہ اتنا موم آؤ گی۔

یہ اتنا پانی آؤ گی۔

یہ اس قدر سادہ آؤ گی۔

عظیم شتی، جاہر بھی بن سکتا ہے؟

درایت علی شاہ کا موجودہ روپ اس کے ذہن کے پروے پر کبھی خوب میں بھی نہیں آیا
 تھا۔

اندر سے دل نے کسی پیر کمال کی طرح سمجھایا۔

راشٹریہ اس قدر سخت اور شتی بنا لی، اس لیے ہے کہ بے حد فری، چلک، انسانیت و
 حساسیت اس کی لطافت ہے۔ جتنی شدت عمل میں ہوگی اتنی ہی رگڑ میں۔ یہ قیوف عورت یہ تو
 بہت آسان کی بات ہے۔

شاہ۔۔۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔

وہ رکھنے لگے مڑے نہیں۔

میں دیتا کہہ رہا ہے۔؟ کیوں کہ میں تو مروجہ ہی نہیں کرتا۔

وہ ہڈی یا سیت بھری ہر مکانہ خصوصیت سے گویا ہوں۔

فکرنا کرو چنانہم کنھاسی لے لیں گے۔ اوپر پرتھ سے فیروز کی آواز آئی تو سارا بے ساختہ قہقہہ لگا بیٹھی۔ جاگی ہوئی ہو روز؟

ہوں۔ اس فرین کی تاتھیا میں فید کس کو آتی ہے۔ وہ ٹھنڈ کر جینے لگی۔

مٹی آئی واقعی ترین بہت شور کرتی ہے۔ عمر نے تائید کرنا ضروری خیال کیا۔

ایک مرتبہ دو دو گئے تھے فرین ملک سہا سکو دیا میں تھے، ورنہ رڈ پر تھوڑی جھنڈی پر تھا اس
یہ ہمیں فرین سے جانا پڑا تھا۔ ویسے حسرت بہت آتا ہے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا کھڑکی سے سر لگا ل کر
باہر جھانکے لگا۔

پا بر سر مت کا لومہ۔ فیروزہ نے دوپہرے ٹوٹا۔

عمر نے سزا طلب کر لیا۔

بھئی تو سیشن بہت دور ہے بہت مذہیر ہے باہر اس وقت نکال کر بیٹھ گیا۔

میرقی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ جب ذرا بڑھ چکی ہو تو میٹرین سے کیوں گھٹیں۔
کیوں نہیں لے گئیں۔

وہ بھتی مجھ پر ہمتار۔۔۔ نے گہری سانس لی۔

اجہا آئی۔ یہی بشرِ سوات میں مل سکتا ہے۔

تھر۔۔۔ میں نے تمہیں، یکہ ایک بات سمجھا دی ہے پھر بھی۔ فیروزہ کی ادھر سے ناراض سی آواز آئی۔

سوری آئی۔ وہ چپ ہو گیا۔ وہ من مہجڑوں سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا چاہے کچھ ہو جائے۔

میں نے، ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ آئی جیسے سواٹ جاسکتے ہیں ویسے ہی کرچی بھی دے دیں جاسکتے ہیں۔ مے مار۔ ۱۴۰ نے سرٹھا کما و پرو پکا۔

خدا ہر ہے فیروزہ کی آواز کی تہم، چپے وعدے پر تو قائم ہونا کہ اگر بشر ملا تو تم، اپنی
محکم سے بدلا دے گا۔

میری آنکھیں وہ تو سب ویسے ہی بہت پریشان ہو گئی تھیں کہ جو لے آیا ہوں میں۔ شاید وہ رو بھی رہی ہوں۔

انہیں دونا بھی چاہئے نہ ہوس نے تمہیں اور بشر کو بھی تو رہا ہے۔ ستارہ نے کہا۔

اور کیا۔ ایسے نئی۔ وہ ہوتے ہوتے یکدم چپ ہو گیا۔

وہیے کیا؟ فیروز نے نیچے جھانک کر پوچھا۔

بشرِ جہت پریشان ہوا۔

ہاں مگر تمہاری مٹی نے اسے زندہ چھوڑا ہوگا۔ فیروزہ نے سپاٹ بچے میں کہا۔ عمر کی شریا لوں جس پہلو سے لگا۔

کیونکہ کو پوئیس پکڑ نہیں سکتی۔ آؤ تپ، اٹھا۔

پکڑ سکتی ہے، مگر پوئیس کو پتا چل جائے، مگر پوئیس کو پتا لگے خبناں۔ ستارہ نے کہہ۔

میں ذرا بڑا ہو جاؤں میں انہیں خود پکڑا دوں گا۔ میں پوئیس کو بتاؤں گا کہ انہوں نے میرے بھائی کو مار دیا ہے۔

اس کی آواز بھرا گئی۔

تم پھر رو لے لگے۔ تمہیں بتایا ہے ناں مرد روتے ہیں بدلہ لیتے ہیں۔ فیروزہ نیچے تر

آئی۔

خیں میں روؤ نہیں رہا، اس نے جلدی سے آنکھیں مصل ڈالیں۔

فیروزہ اس کے برابر میں آٹھنگی، اور اس کا سر سینے سے لگا لیا۔

کیا تمہیں ابھی تک پتہ ہی نہ چلا کہ ہم جہیں کتنی پیدار کرنے لگیں ہیں۔ اپنے تمام فریڈز،

کمپنیز چھوڑ کر تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔ بشر کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

مجھے پتہ ہے آئی۔ آپ مجھ سے، لگتا ہے بہت پیدار کرتی ہیں۔ آئی ہو یونہی۔ (میں

بھی آپ سے پیدار کرتا ہوں)۔

تو پھر روپا نا کرو میری جان۔ مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ محبت کرنے والوں کو تکلیف

نہیں دیتے زندگی۔ فیروزہ نے عمر کی پیشانی چوم لی۔

محبت کا پس منظر اندر کے تمام شعبوں پر پانی سا آ پڑا۔

محبت محبت بھلاؤ ہوتی ہے۔

نہ یہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ چھوٹی جاتی ہے۔ مگر لو، ناکی بن کر محسوس ہوتی ہے۔

محبت انسان کا سب سے بڑا تقاضا ہوتی تو زندگی بہ نور کی محتاج نہیں ہوتی۔

محبت زندگی کا خوبصورت پہلو ہوتی ہے۔

وقت حیات بڑھاتی ہے۔

دل کی دھڑکائوں کی تعداد بڑھاتی ہے۔

ہاڑوں کو نور دہاتی ہے۔

دنیا کی پہلی تعمیل محبت ہی ہے۔

من کا دل کی پہلی شعاع محبت ہے۔

ہر حرف دعا محبت کا محتاج ہے۔

ہر شے محبت کی جیسا بنی چاہتا ہے۔

انسان محبت چاہتا ہے۔

رب کا کائنات با شکر کت غیر محبت چاہتا ہے۔

یہ کائنات دراصل محبت ہی کی تشریح ہے۔

جب ہی تو یہاں جو محبت نہیں کرتا تاوا ہو جاتا ہے۔ تہا رو جاتا ہے۔

جو محبت کے رستے سے منہ موڑتا ہے، آخر دم بھر بہت پچھتا تا ہے۔

یہ فیروزہ کے گلے لٹک کر سکون مل جاتا تھا۔

اسے فیروزہ کے لمس سے زندگی کا حوصلہ مل جاتا تھا۔

نہیں مناسب پچھا، لیکن نہیں جاتا تھا۔

فیروزہ اس کے بائوں میں اٹھیں چلائے گی۔

لمس، ہجر، محبت کا یہ نگار کریں تو انسانی وجود پر کھینچ کر کی طرح چھب جاتے ہیں۔

اٹا ان پھٹنے لگتا ہے۔

یہ لڑکیاں غرض میں لپٹی محبتوں کا اظہار کر رہی تھیں۔

لیکن جس نے کبھی غرض میں لپٹی محبت بھی نہ پائی ہو وہ غرض و بے غرض کی تفریق سے

بے نیاز ہوتا ہے۔

محبت کیوں کے کوئی ہوتی ہے یا نہ بھی ہوتی ہے بہری ہوتی ہے اس سے نکل کی طرح ہو

جاتی ہے جبکہ ہر قریب کی چیز

سے لپٹ جانا چاہتی ہے۔ پانی بن جاتی ہے جب بھوکھا ہوتا ہے۔

اگر محبت کو زبان لگ جائے۔

کاٹ مل جائیں۔

آپ بھیں میسر آ جائیں تو نہ تو قیمت تک نقل واصل ہو سکے گا نہ رہ جائے

بچے در جانور کیونکہ لمس و لمبے کی نرمی، ہنس و محبت کا ملون دیتے ہیں۔

اس لیے سادگی سے مکمل جاتے ہیں۔

یہاں اگرچہ غرض تھی مگر لمس و لمبے کی نرمی بھی تھی۔ بہلا وہ بے حد مضبوط تھا۔

چند۔ تم دو پر جا کر بیٹ جاؤ۔ تھوڑا سا سو جاؤ۔ ورنہ تھک جاؤ گے۔ کوئی اسٹیشن آیا تو میں

جھپٹیں غما دوں گی۔ فیروزہ نے اس کا رتھ رچوم لیا۔ وہ خاموشی سے سیٹ سے اٹھا، دروازے پر

پڑھنے لگا۔

اے کھد رنی تھیں ہمیں سال و سال کرچی سے پاہر تو ضرور گزرتا پڑیں گے۔ ستارہ نے

مگر پیا کو سیٹ پر لٹا دیا۔

ہاں کیونکہ گڑیا بہت چھوٹی ہے۔ فیروزہ نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

مگر لمبے طرح تو بہت راس (loss) ہوگا۔

ان دنوں سبوں کا اس ہمیں تیس برس کے فائدے سے بھی تو دے گا۔ یہ بھی سوچا؟ فیروزہ

مسکرائی۔

اے جہاں سے پشاور کیا وار ہے۔ اور پشاور سے افغانستان کیا دور ہے۔ فیروزہ

شرارت سے مسکرائی۔

طور خم سے کرچی تک ہماری رسائی ہے۔ تمہیں یاد نہیں دوہا میں ایک جیتاج بادشاہ میر

دوست تھا۔ وہ آج کل کا مل میں ہوتا ہے۔ سلپنگ چارکھ کو سوتا تھا۔ بیوی کی بیوفائی کے قصے

سناتا تھا۔ صبح کو درنگ کے کپڑے پہن کر بغیر درنگ کے باہر آ جاتا تھا۔ ناشتہ کرنے کو جی

طور پر بہت افسردہ رہتا تھا تا۔ دو سال وہ فانیو سٹار ہوئی میں مقیم رہا۔ کوئی حد ہوگی اس کی دوست کی۔

ہم ہمیں چلے جائیں ہمارے دوست ہر جگہ سے ہزنے کی طرح آگ آتے ہیں ستارہ تم فکرنا کرو۔ کیا کبھی کوئی کام بغیر سوچے سمجھے نہیں کرتیں۔

ستارہ فیروزہ کے برابر آئینگی تھی۔ دونوں سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کر رہی تھیں۔

لیکن یہ بات ہے ہمیں حدود پر جاتی ہوئی ضرورت ہے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ بچہ بہت بوڑھا ہے دوسرے اس لئے کہ بڑے آدمی کی ذمہ داری ہے۔

لیکن ستارہ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ مستقبل میں یہ بچہ ہمیں محنت مزدوری سے بچائیں گے۔

مجھے ان عورتوں پر شک آتا ہے جو پہلے باپ کی کمائی پر پیش کرتی ہیں۔ پھر شوہر کہ گھر روٹیاں توڑتی ہیں۔

پھر بیٹوں کی کمائی پر بناؤ کرتی نظر آتی ہیں۔ فرصت اور ذہنی فراغت۔۔۔ کیا مزے کی زندگی ہے۔

ایک ہم کنواں کھودیں تو پانی پھٹیں۔ وہ ہوسیت سے بولی۔ یوں بھی نہ کہو روز۔۔۔ باپ کے گھر میں کتنے دن رہتی ہیں۔ پھر شوہر کی آمریت میں جاتی ہیں پھر بیچے ہو جاتے ہیں۔

تو ایک مستقل فکر ان کے مستقبل کے متعلق لگ جاتی ہے مگر تفکرات اور ڈسوار یوں سے بچا رہا۔ قبل از وقت بولہبی ہونے لگتی ہیں۔ ستارہ کا بہت قریب کا مشاہدہ تھا۔ آزادی کو ترستی بیٹا بچا رہا۔

ہو نہ بے چاریاں۔۔۔ فیروزہ نے حقارت سے کہا۔

تم اس سے جیلس ہو رہی ہو کہ حق تم چاہتی تھیں وہ انہیں مل رہا ہے۔ ستارہ نے سرائیکا فرسٹ کا منصب سنبھالا۔

کیوں نہ جیلس ہوں۔ کیوں نہ ملگول۔ آخر انہی لوگوں نے تو مجھے۔۔۔

پھوڑا دمٹ جان جلا ڈالی۔ ناشائستہ لہجہ تو تمہارا بیٹا ہے سے اس قابل بنا کر کسی فلوے میں آئی گی لکوا دیا

دوست اختیار اور عزت سب کچھ مل جائے گا۔ پھر تم پودوں کو پانی دیا کرنا اور مزے مزے کے کھانے بنا کر اس کا نظارہ کرنا ستارہ شرارت سے مسکرائی۔

تو فیروزہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

ڈائریکٹ ڈی۔۔۔ سچی لکوا دیا تم نے تو۔

میں تو چیف آف آرمی لکوا دیتی۔ مگر تھوڑی کسر رکھ چاہیے۔ ایسا اندری سے کہو ہے نہیں زور در چیز۔ وہ سرگوشی کے انداز میں پوچھنے لگی۔

فیروزہ مطمئن انداز میں مسکرائی۔

کہیں سن تو نہیں رہا؟ ستارہ نے سر ہل کر کہہ دیکھا۔

کہیں آفت کی پڑ پڑیست ہی کراوے۔ اور ہم سبہرے خوابوں سمیت جیل میں پھر توڑیں۔

کیا ہدفائیس نکال رہی ہے کوئی گھڑی قیوت کی بھی ہوتی ہے۔ فیروزہ نے لڑ مگر

نہیں۔ ہاں بیٹی۔ وہی وحسد ہے ہیں روز کے۔

طارق۔؟ ہاں گھر پر ہی ہے نوکری کی حاشی میں جو تپاں چٹکا رہا ہے آج کل۔ تمہاری

داس کا بھی دست فون یہ تھا بتا رہی تھیں ہلف پریشور بننے لگا ہے۔

بہت افسوس ہوا۔ کیر آج کل تو ہر بیماری کا علاج ہے۔ اللہ کا کرم کرے گا۔

طارق۔؟ ہاں اس کی تو وہی شرتیں ہیں۔ بس ذرا دیر کو باپ کے سامنے کان دھا کر بیٹھ جاتا ہے۔

طارق بیٹے۔ یہ وریہ پوچھ رہی ہے تمہیں۔

آپ انہیں کہہ دیں میں بھی انہیں پوچھوں گا۔

اورے سن تو ذرا اس کی بات۔

ہاں جان، ہاتھ نہیں پر ہاتھ رکھے بغیر رن سے مخاطب تھیں۔ وریہ دھوپ داس بیٹے کے مکا لے بخوبی من رہی تھی۔

طارق نے اس کے ہاتھ سے وریہ دھوپ لے لیا۔

محترمہ۔ اس وقت وریہ دھوپ لے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ہاتھ نہیں میں کہا۔

کیا ہوں؟ جیسے چھوڑ کر گئیں تھیں اب تک ویسا ہی ہوں، بس تھوڑا گورا ہو گیا ہوں۔

میں آپ کا حال پوچھ کر کیا کروں گا؟ فون آپ نے کیا ہے آپ حال بھی پوچھیے۔ اور وہ مس ایڈ جڑ کہاں ہیں۔ پوچھنے لگی ہیں۔ ف وہ کھیل جو مردوں کے پیٹنے چھڑا جاتا ہے۔

انہیں کہیے بلکہ سمجھائیے آج کل تو اچھی پھلی لڑکیاں رخصت ہو کر نہیں دے رہیں۔ مصنوعی

ناگنگ لگ جاتی ہے مگر آدی پھر بھی چلتا لنگڑا کر ہی ہے۔ وریہ بھی بتائیے ہاتھ بہت بڑی نعمت

ہیں۔ دیکھیں ناں، گر ہاتھ نہ ہوں تو نہ نال کیسے بنائے کیسے من میں ڈالے۔ گر ہاتھ ہو گیا تو کوئی کھڑا بھی قبول نہیں کرے گا۔

بیٹے نہیں۔ کسی کے مستغنی کا سوال ہے بلکہ کسی کے کیا آپ کی حقیقی بہن کے مستغنی کا سوال ہے۔

شکر یہ شکر یہ فوز یہ آخر میری کزن ہیں ان کی بھلائی کے لیے میں نہیں سوچوں گا تو کیا

گھوڑے سوچیں گے۔

آپ فون رہی ہیں۔؟ فون بیچے۔ مگر خاکہ یہ نیلی گراف یہ نہیں دیکھے گا کہ ایک منٹ تک

بہنیں تاروں میں دوڑی تھی؟ کوئی بات۔ مل وقت کا آتا ہے باتوں کا نہیں۔

ویسے نیلی فون کا استعمال یوں نازیا ہے۔ یہ ضرورت کی چیز ہے تفریح کی نہیں۔

یہ دیکھ کر تو بچی نے اتنی دود سے فون کیا۔ وہ یہ اس کو شرمندہ کر رہا ہے۔ ماں جان ناراض ہوئیں۔

ٹوبہ نہیں ہے گھر میں۔؟

چھل۔ آپ اس وقت رنگ کیا کریں جب سب گھر والے موجود ہوں۔

مثلاً۔۔۔ ماما جان، ماما جان، فونز یا اور ٹوبہ۔۔۔

شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ مشورے دینا میری پہلی ہے۔ وہ، کھمبہ ہی سے عتراف کر رہا تھا۔

اچھا خدا حفظہ۔ اس نے فون رکھ دیا۔

بھلا کیا ضرورت تھی مینی اسٹیسیڈ می باقیں کرنے کی۔؟ ماں جان نے خبر لی۔

کیا سوچ رہی ہوگی بے چاری بچی۔ نہیں فکر ہوئی۔

انسان کو سوچنا بھی چاہیے پھر کیا گھوڑے سوچیں گے۔ وہ پھر روہانی میں کہہ گیا پھر ایک دم جھل سا ہو کر بور۔۔۔ سوئی اماں جان۔

یہ آج تم نے کیا گھوڑے گدھے کی دھڑ لگا رکھی ہے۔ اور نیلی فون پر بھی گھوڑا، گھوڑا کر رہے تھے۔ اماں جان کا تکلف ان کا حقیقی قصہ نہ ہر کرتا تھا۔

وہ فونز یا آج کل گھوڑے پر بیٹھ کر ہاکی کھیلتے لگی ہیں۔ اس نے ماں کے سامنے پوہ کی تشریح کی۔

ہیں۔؟ گھوڑوں پر بیٹھ کر بھی ہاکی کھیل جاتی ہے۔؟ وہ واقعی حیران ہو گئیں۔ پہلی سمجھ میں آج کل کے بچہ کی کوئی بات۔۔۔ نہیں آتی۔

طریقہ۔

جی ہاں جان۔

دیکھو بیٹے آج میں تمہارے باپ سے بہت ضروری بات کروں گی۔ میں تو ان سے الگ بات کرنا چاہتی ہوں مگر وہ کہتے ہیں بچے بڑے ہو گئے ہیں ہر بات ان کے سامنے گیا کرو مگر میں لوگوں کو ایک دوسرے سے بندھے رہنے کا حساس ہوتا ہے۔ وہ ہوں گھر کا کوئی فرد دوسروں کو ایک دم چھوڑنے یا ن سے دور ہونے کا حوصلہ نہیں پاتا خود میں۔ خولی رشتوں کی یہ قرارت ہمارے خاندان کا ور بھی ہے اور دودیت بھی۔

لیکن احسان ماماں۔؟ وہ کچھ کہتے لگا۔

تم پھر سچ میں بولے۔ بھلا دو احسان، ماماں کی جھجکی باتیں۔ وقت وقت کی بات ہے کسی کی صداقت کو پہنچنے کی کا خیال نہیں بناتے۔ پہلی لگ سوچ اور، لگ نظریہ ہوتا چاہیے۔ میں تمہارے باپا جان سے آج احسان بھائی کی دہیہ کے بارے میں رائے دل کی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے ایسے بلاوجہ تھی باتیں نہیں کر سکتیں۔

تو آپ دو بیکار رشتہ مانگتے ہیں کیا کریں گی۔؟

بھی رشتہ کون مانگتے جا رہا ہے۔ آئندہ کے پروگرام آج ہی سے بتانا پڑتے ہیں۔

گوں آگیا اس پہچانی دھوپ میں؟ وہ بڑبڑایا اور ہاتھ مس تھا، ہوا خوار چٹنگ پر بے
توجہی سے پھینک کر اٹھ کر کھڑا ہوا۔

شکر خدا کا کہیں سے تو انٹرویو کال آئی۔ اس نے ایک نظر خط پڑھتے ہوئے اس کو نگاہ
کیا۔

مگر گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ کچھ فکر مند سا نظر آتا ہے۔

ماں جان کا دل سم گیا۔ آپ گیا ہو گیا؟

ارے ایسی کوئی بات نہیں۔ بس،، اور جانا پڑے گا۔ کیوں کہ انٹرویو وہیں ہوگا۔

تو کیا تو کڑی بھی وہیں ملے گی؟ وہ اس کی جدی کے خیال سے پریشان ہو گئیں۔

کچھ کہہ نہیں سکتے۔ کیوں کہ یہ بین الاقوامی سطح کی تعمیراتی کمپنی ہے۔ چیلنجز خیر یہ تو بھی

آغاز ہے۔ کتنی درخواستیں تو میں نے کراچی میں دے رکھی ہیں اسلام آباد میں دے رکھی ہیں۔

بلوچستان میں دیکھ رہی ہیں۔

تو کیا اتنی جگہ، رے، رے، رے پھر دے آؤ وہ اٹھ گئیں۔

نہیں۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ کہیں سے تو کال آجائے۔ بے کاری میں وقت نہیں گزرتا۔

ہاں یہ تو ہے۔ وہ بھی تم جیسی بے چین ہڈی کا۔ خیر مگر،، ہور کی بات ہے تو کوئی پریشانی

کی بات نہیں۔ وہاں تو کئی گھر ہیں۔ تمہاری پھوپھی کے سسرال کے قین، رحمان بھائی ہیں

تمہارے تانیا جاں افتاد احمد ہیں۔ کوئی ایک گھر جہاں رکنا چاہو رک جانا چند دنوں کی تو بات ہے

کیوں؟

جی۔۔۔ آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہ انٹرویو سٹوڈیو نہیں لفافے میں ڈالتے ہوئے ہیں اور اندر

کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

صبح کی ٹوئیزی ایسی برقرار تھی جب شامیر اور ہور سٹیشن پر پہنچے۔ فوزیہ کا فون آیا تو اس

جان نے ہاتھ پاؤں

میں تذکرہ کر دیا تھا طارق کی، انٹرویو کال کا۔ وہ تو سننے ہی خوشی سے جموم اٹھی تھی اور بعد

امیر دیکھا تھا کی طارق ان کے گھر آ کر خضبر ہے۔ ماں جان نے اس کے امیر سے مجبور ہو کر

وعدہ کر لیا تھا کہ طارق انہی کے گھر ٹہرے گا۔

وہ بھیڑ سے راستہ غاتا ہوا جب کھلی فضا میں آیا تو دلکٹ سوٹ و شوز میں مہوس دریا

سائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سفید فریم کے گالکٹر سر پر لگائے ہوئے تھی۔ مسکراہٹ بے حد

دوستانہ اور استقبالیہ تھی۔

اسلام آباد سوری۔ السلام علیکم جناب طارق احمد فاروقی صاحب۔۔۔

و علیکم السلام مرحہ۔ اللہ ویر کا شہ وہ سیاہ میدر بیگ نیچے رکھتے ہوئے مسکریا پھر دو تئیں ہاتھیں

دیکھ کر گویا ہوا۔

پروٹوکول کی اس قدر خلاف ورزی۔۔۔ باقی افراد کہاں ہیں؟

وہ۔۔۔ بیٹڈ کا انتظام کرنے گئے ہیں۔ آخر آپ کو ٹارڈ آف، آخر بھی پیش کرنا ہے کہ

نہیں۔؟ وہ میٹھی کے جلتے تک بچا کر بوی، اور جھک کر طاق کا بیک اٹھانے لگی۔

اور۔۔۔ یہ نہیں کریں۔ ویسے میں شرمندہ ہونا بھول چکا ہوں لیکن آپ کب یاد دہانے لگی ہیں اس نے تیزی سے بیک اٹھالیا۔

اور میں بھی، نسان کو پناہ دے خود ہی اٹھانا چاہیے۔

او کے چلیے۔۔۔ اس طرف۔۔۔ گاڑی اس طرف کھڑی ہے۔ وہ طاق سے پہلے۔ ریڈ لائٹ کی طرف بڑھی اور پرس سے چابی نکال کر ڈکی کھولنے لگی۔

یہ بچہ وہ تو پیچھے بھی ہا سکتا ہے۔ طاق نے اپنے بیک کی طرف اشارہ کیا۔

تا تو یہ آپ کی گود میں بھی سکتا ہے۔ مگر بات ہے قاعدے کی۔ اس نے گود پر اٹھالیا۔ طاق نے بیک ڈکی میں رکھ دیا۔ وہ یہ نے ڈکی میں رکھ نہیں لگایا۔ بلکہ بڑی تیزی سے ڈرائیونگ سید کی طرف آئی۔

طاق کو کیونگی راستہ معلوم نہیں تھا۔ اس لیے وہ ناچا دوریہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔ وگرنہ اسے اس بات سے سخت کوفت ہوتی تھی کہ خاتون کا رڈرائیو کر رہی ہو اور کوئی محترم جدی چشتی نمک خور کے تاثرات چہرے پر بچائے ساتھ بیٹھے ہوں۔ کم از کم وہ تو یہی محسوس کرتا تھا۔

آپ کے ہاں ڈرائیو تو ہوگا۔؟ وہ یہ نے گاگلز آنکھوں پر چڑھا پیسے تھے شہادت کی انگلی سے گاگلز ہٹائیں کرتے ہوئے دلکشی سے مسکرائی۔

آپ کو خاتون ڈرائیو پر سنا نہیں۔؟

یہ بات نہیں، عورت تو کار چلاتے ہوئے یکسر، آڈیو (غیر معمولی) کی چیز لگتی ہے۔ مگر صرف اس وقت جب وہ کار میں تھوہو۔

اچھا یہ بات۔۔۔ وہ سر میں دیکھتے ہوئے کار بیک کرنے لگی تھی۔

اس سے تو آپ کی روحانی حاکمیت پسندی، اور یہ عرب کے، ابتدائی مرد کی جاہلانہ سی صاف محسوس ہو رہی ہے۔

ہر انسان اپنے خیالات کے سلسلے میں آزاد ہے جو چاہے سوچ لیں۔ آپ نے پسند کی بات کی تھی سو بتادی۔ اس نے دوریہ کے جھگڑاتے اور مسکراتے چہرے کی طرف ایک سرسری سی نظر کی۔

اور گھر میں سب لوگ خیریت سے تھے۔ اب گاڑی ایک شفاف سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ گھر میں سب خیریت سے تھے۔ آپ کی خیریت۔۔۔ میرا مطلب ہے سب کی خیریت ٹھیک چاہتے تھے۔

تھینکس، آج میں گاڑی ٹھیک دے سے لے جا رہی ہوں۔

دعایاں دال رہی ہیں آپ ایک عمدہ ڈرائیو ہیں۔؟ وہ طنز سے ہنسا۔

نہیں۔ طاق سامنے تھا اور وہ یہ پرائیک پار میجر جبر کا موسم تھا کہ اس قدر نازک حراج لڑی کہاں اس۔۔۔ حیثیت کی اٹھائیں۔ پھر تحمل سے بولی۔

مقصود یہ ہے کہ باتیں بھی کریں گے اور ساتھ ہی آپ کو جدید، ہونے بھی دکھائیں گے۔

کیا میں نے آپ سے خواہش کی ہے کہ؟ میں نے تو تقدیم اور بھی نہیں دیکھا۔ تو جدید
1 اور کوئیوں ترجیح دینے لگا۔

چلیں تقدیم بھی دکھا دیں گے۔ یہ ملتان روڈ ہے طویل ترین روڈ۔ اس طرف علامہ اقبال
ناؤن کے پاس شروع ہو جاتے ہیں۔ وہی چوک یہ کہلاتے تھے کہیت مشہور جگہ ہے۔ یہ
چناب بنانے کے ٹینس ہیں۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد درویش نے کنسٹری شروع کر دی۔ اب درویش جس روڈ پر گاڑی
ڈالتی تھی اس کے دائیں ہاتھ سے بھی طارق کو متعارف کرا دیتی تھی۔

ویسے یہ طلاق یعنی قبول ناؤن ۷۱ مارے گا روڈ ناؤن سے بہت بعد کی اسکیم ہے۔ یعنی
بہت ہی جدید ترین، ہو رہی ہے۔ یہ بات ہے کہ اور مرکز سے پہلے قے بہت فاصلے پر ہیں
اور گاڑیوں ناؤن بھی ڈبل ہے۔ یہ ۷۱ کیٹال بینک والا گاڑیوں ناؤن تھے کہاں تھے۔ درویش اس
کی قربت میں بے حد ملن تھی۔

خدا کرے آپ کے خوب بچاؤ کیلئے۔ طارق نے دعا کیے گا کہ میں ساتھ اٹھا دیں۔
میں مطلب ہے کہ یہ واقعہ حیران ہوئی۔

جس انداز سے آپ لوگوں کی منت منت متعارف کر رہی ہیں اس سے تو یہ محسوس ہوتا
ہے کہ آپ نے کوئی سچا خوب دیکھا ہے۔ جس میں اس بات کے اشارے تھے کہ میر
ملازمت 1 اور ہی میں کچی ہو گئی ہے۔ درویش میرے پاؤں تلے لے کر بیٹا ہے۔

اچھا اور یہ تہہ، مگر کس پر؟

ویسے میں خوب سبب نہیں دیکھتی۔ بقول فریڈ خواہنا آسودہ خواہشات کا مظہر ہوتے
ہیں۔ اور میرے کوئی خواہش بالکل نہیں جو بیست (تازہ ترین) سوچا ہے، وہ بھی یقیناً چور
دوپائے گا۔ وہ بڑے ضرورت مند نہیں گویا ہوئی۔

انشاء اللہ بھی ساتھ کہا کریں کہ اس لیے کی ہم خدائے وحدہ شریک کے پابند ہیں۔
آپ نے اگر کلام الہی پڑھا ہے تو یہ ضرور پڑھا ہوگا کہ اللہ نے نبی کو تلقین کی تھی کہ وہ اس بات کا
وحدہ نہ کیا کریں جو ان کی دسترس سے دور ہو۔ بلکہ اگر کسی کام کی ذمہ داری لیں تو انشاء اللہ کہا
کریں کہ کوئی بھی عمل خدا کے چاہنے کے نہ آقا ہوتا ہے نہ تکمیل پاتا ہے۔ اب طارق بھی
اپنے سن گلاسز، کھنکھوں پر چڑھا چکا تھا۔

اف کہہاں یہ خوبصورت سفر، حسن و خوبی۔ کہاں یہ سونا تادیر پر کڑی گزرنی۔ پھر اس نے
یہ کہہ کر خود کو سمجھایا۔

مجھے چاہئے کہ یہ یاد کر رہا ہے۔ اس کی توقعات ہے کہ ایسا، حول پیدا کرے کہ انسان پنی
نظروں میں شرمندہ ہو کر رہ جائے۔ وہ چپ ہو گئی تھی یکدم۔

طارق نے کن کھنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔ اسے احساس ہوا، وہ اکثر اس کے
ساتھ تپا دیتی کر جاتا ہے۔

مگر چہاں جاننے والی فائیل نہیں کیا مگر کیا عجب یہی فیشن بھیل اور مغرور سی لڑکی

اس کی مستحضری بھابھی بن جائے۔

فولریہ، ٹوبہ وغیرہ کیا کر رہی تھیں آئیں نہیں فولریہ، فون پر تو، قریب زور نے اشتیاق دعوت
تھی کہ مارے چند بات کے میر ہنس نہیں چلا کہ تاروں میں دوڑنے لگوں۔ کیونکہ تہ روغن قسم کا
بندہ ہوں۔ اس قدر خلوص پرا تھکیں بھیک جایا کرتی ہیں میری۔

حسرت ہی رہے گی۔ کبھی آپ کی آنکھیں بھی غم دکھوں۔ وہ تنگی سے مسکرائی۔
دشمنی میں آپ یہاں تک آگئیں کہ میرے آنسو دیکھنے کے رہاں پائے لگیں۔
محقق اللہ اس نے شرارت سے اس کا رخا ہو چہرہ دیکھا۔

وہ خاموش رہی۔ اس نے بغور دیر یہ کو دیکھا۔
وہ سٹ سٹ اور بہت بار یک جاہی کے ہم رنگ جوتے میں یا شبیہ کوئی شے لگ رہی
تھی۔

ہے تو واقعی زوردار بھائی میاں نے یونہی ہنس چن لیا بڑی بھابھی کو تو واقعی زوردار سی
ہونا چاہیے مضبوط، بڑا عطاوار بڑے ہاتھ بڑا عطاوار کی مالک۔ چلو ٹھیک ہے۔ طارقی نے گویا
پاس کر دیا۔

کیا دیکھ رہے ہیں اس نے مسکرا کر سواڑ کا منہ ہوئے کہا۔ ایک اونچی سی چمک اس کے
رخساروں پر اتڑ آئی تھی۔

کچھ نہیں۔ وہ چونک سا گیا حسن محسوس کی بھری پر نشے میں چور چور ہو گیا۔ وہ مدھم سا

مسکرا رہی تھی۔

فولریہ کے ہاتھ میں پوچھ رہا تھا۔

رات اسے فلو ہو گیا۔ وقت بیوقت سو بنگ کرتی ہے۔ وہ تو کہہ رہی تھی میں نے ہی منع
کر دیا۔ ٹوبہ سورہی تھی۔ بس میں نے اٹھایا نہیں۔ وریہ کا مونڈا خوشگوار ہو چکا تھا۔ اس نے
کیسٹ لگا دی۔

چٹا کیٹی غزلیں سنی ہیں سپ لے 88 کی وہ دھڑی۔

نہیں، ایک تو مجھے فرصت نہیں ملتی۔ غزلیں وغیرہ انتخاب کر لے کی۔ دوسرے اس کی ہم
اللہ ہی شراب سے ہوتی ہے۔ میں ٹھہرا مسلمان بندہ۔ وہ اسے محض ستارہ تھا وگرنہ وہ چھوڑتا کیا
تھا۔ غزلیں تو یوں بھی میوزک میں اس کا ولین انتخاب ہوتی تھیں۔

کلام تو کسی مسلم ہی کا ہوتا ہے۔ عموماً دیکھیے اس کا کور۔ اس نے کور طارقی کی سمت
بڑھایا۔ طارقی تو ہوتی ہے سچے رہے کی۔ اس نے گویا طارقی کو نیچا دکھایا۔

کلیوں جیسا روپ، انگلیتہ پھوٹ جین کی کا یا ہے

نیندیں آؤ گئیں سب لوگوں کی جب سے شہر میں آیا ہے۔

یہ کیوں ستارہ رہی ہیں کہا میرے یہ کہا گیا ہے اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔

اس قدر زمانہ تعریف میں نے کسی مرد کی آج تک نہیں سنی۔ وہ ہنس پڑی۔

دیسے مجھے آج کل عجیبیت کی غزلیں لیا وہ چنڈا رہی ہیں۔ وہ میں سامنے رکھی دیکھ بھی رہا

ہوں۔ مگر مجبوری ہے کہ اپنا انتخاب آپ کو نہیں تھا سکتا۔ اس نے گردن موڑ کر ذریعہ کو دیکھا۔

پھر کسے نہانے کا ارادہ ہے۔ وہ بیٹا زلی سے بولا۔

جوا بھی انتخاب بھی نہیں ہوا۔ اس کے لیے عزائیں منتخب کر چکے ہیں کیا آئیڈیل ہے کوئی اس نے وقت رائلی کر دی۔

اورے نہیں۔ ایسے شبلی حسین ہیں ہم۔ ہوائس دیا۔

دریہ کے چہرے پر اطمینان کے سائے بچھیں گئے۔

دیکھیں یہ کینال آگئی۔ دروہ رہا سامنے ہوا راگھر۔ وہ اسٹیرنگ سے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرنے لگی۔ چند منٹوں بعد ہی وہ وہلنٹ کوٹھی کے وہلنٹ گیٹ کے سامنے تھے۔ باوردی چونکہ اسے گاڑی پر نظر پڑتے ہی گیٹ دے کر دیا۔ ذریعہ تیزی سے گاڑی اندر لے گئی۔

سامنے ہی دریہ کی سی یعنی اس کی ممانی سر کی ساری میں بیوس بن کی نظر تھیں۔ وہ گاڑی سے اتر اٹوہ نزدیکی آ گئیں۔

اسلام علیکم وہ سوو پانہ بولا۔

ولیکم السلام۔ گاڈ بلیس یو۔ انہوں نے بجائے سر پر ہاتھ پھیرنے کے اس کا شانہ چھپتا ہوا۔

ولیکم، سلام کا مطلب بھی تقریباً یہی ہے۔ وہ شہر ہوا۔

ویل وہ مسکرا دیا۔ اور ٹھیک ہو انہوں نے، اپنے سرٹ فیکس لے ہوئے پاؤں پر ہاتھ

پھیرا

الحمد للہ

ذریعہ اس کا ایک نکال کر قریب آچکی تھی۔

اور ذریعہ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی

نومی۔ میں اندر گئی ہی نہیں کیونکہ مجھے پتا تھا یہ سی طرف نہیں گئے۔

فوزی، ٹوپی، ہاتھ گنیں مگر اس نے دھڑ دھڑا نظر میں دوڑائیں۔

نہیں فوزی، بھی نہیں اٹھی۔ بھی (ٹوپی) ہاتھ سیر ہی ہے۔

طاہر نے جیک دریہ کے ہاتھ سے لے لیا۔

تینوں اندر کی طرف بڑھے۔

سارے سے ٹوپی پھر پور خوشی چہرے پر سجائے آتی نظر آئی۔ وہ سلیو بس شریف اور تنگ پانچا سے میں بیوس تھی۔ اور دوپٹہ نہ رو۔ گویا واقعی بھی بنی ہوئی تھی۔

طارق سے اس انداز میں دیکھ کر چوٹا تھا۔ اس کے سفید سڈول بازو دیکھ کر سے کچھ

عجیب سا محسوس ہوا۔ وہ کم عمر ضرور تھی مگر لٹھان بہت غضب کی تھی۔

اللہ۔ آپ کی مجھے یہ پتھر چلی گئیں اٹھا دیا ہوتا مجھے۔ ف مجھے تو رات کو نیند بھی نہیں آتی

تھی۔ یہ سوچ کر کہ کل طارق بھائی آ رہے ہیں۔ کچھ بھی بہت مزہ آتا ہے۔ بن کے ساتھ بہت

جوں ہیں۔ وہ سلام دارم بھول بھال، مسرت سے مجھم اٹھی۔ طارق کو سامنے پا کر۔

جس دن سے کراچی سے آئی ہو۔ طارق ہی کی باتیں کر رہی ہو۔

گو یا میرا ذکر مجھ سے باہر ہے۔ وہ مسکریا۔

صاحب کا بیگ اوپر بیڈروم میں لے جاؤ۔ اس نے بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے رات کو تپ کا کمرہ سیٹ کیا۔ میں نے کہہ دیا تھا۔ آپ کا کمرہ میں خود سیٹ کروں گی۔ وہ چاروں چلتے ہوئے چلتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے۔

ہاں واقعی اس نے آپ کا بیڈروم بہت چھاؤ بکوریٹ کیا ہے۔

ارے اس قدر تکلیف کیوں کی چند ہی دن کی تو بات تھی۔ وہ واقعی شرمندہ ہو گیا۔ اس

قدر گرم جوشی۔ وہ واقعی متاثر ہو گیا۔ چند محو کے لیے وہ ماضی بھول گیا اور ممی کی سابقہ لہریاں بھی۔

چند دنوں کی کیوں بات ہے میں تو دعا کر رہی ہوں آپ کا یہ جابل جانے۔ ثویبہ نے کہا۔

پھر تو مجھے مستقل رہنا پڑے گا۔ جب کہ مہمان تین دن سے زیادہ کا قائل ہوتا۔ اس نے کہا۔

آپ کو مہمان کون کاؤنٹ کر رہا ہے اب وہ یہ بولی۔

پھر کیا کاؤنٹ کر رہی ہیں وہ دیر کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ پلٹنا تو دیر سے یہ حد قریب ہو گیا۔ اس کے وجود کی گہری اور خوشبو نے چند لمحے کے لیے دریا کو لب بستہ کر دیا۔

تم تو ہمارے اپنے بیٹے ہو۔ ممی جان لے مٹی کی مشکل آسان کر دیتی۔

اور کیا روٹیہ نے اضافہ کرنا ضروری خیال کیا۔

شکریہ۔ ممی جان بیٹھیں تو وہ بھی بیٹھ گیا۔

ٹرین کا سفر تو بہت تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ تم باتھ وغیرہ لے لو پھر سناشتہ کریں گے مل کر پھر تم آرام کر لینا۔

ماسوں جات کہاں ہیں اسے ایک دم خیال آیا۔

وہ چار پانچ دن کے لیے نور ٹھاٹھ گئے ہیں۔ پرسوں گئے تھے اور بس بٹانے والے ہیں۔

چھا۔

جاؤ ورنی طارق کو اس کا بیڈروم دکھاؤ اور رقیہ سے کہہ کر اس کی ورڈ روپ تیار کر دو۔

اوس کے ممی۔۔۔ آئیے طارق

وہ لاہر کے پیچھے نکل گیا۔

ثویبہ نے بھی جانے کے لیے قدم بڑھا دیا۔

تم ٹھہر ڈوٹی مہری بات سنوٹی۔ نہوں نے مٹی کو روکا اور نظر سے سمجھا دیا۔

پتا چل سورا ہے ہیں نائی اماں بشر فون پر کہہ رہا تھا۔

جی میں بشر ہی بول رہا ہوں۔ رستہ ہی آیا ہوں میں پتا کے ساتھ۔ میں پتا نے مجھے

دھڑلایا۔ ہم گونھ (گاؤں) بھی گئے تھے۔

مٹی میں نے ابھی تک مٹی کو نہیں دیکھا۔ شاید وہ بھی سو رہی ہیں۔ چپ کو میں نے سب بات بتادی تھی۔ مٹی نے جین کھینچی ہوئی مگر شاید وہ خراب تھی۔ ٹرین کی نہیں تھی۔ اتنا اندھیر تھا وہاں نانی دانا مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا جب آپ گھرا آئیں گی تو میں آپ کو سب بتاؤں گا۔

اچھا کیا عمر بھائی آپ کسے ہاں ہیں

کس کا فون ہے با نانکرنے اس کے نزدیک آپ کو پہنچا۔

کسی کا بھی ہو جنہیں کیا۔ وہ تاریکی سے بھر اس وقت وہ اپنے بھائی کے پارے میں گفتگو کر رہا تھا۔

تم مٹی سے نجپ کروں کرتے ہو کہیں میں کہتا ہوں اسے واقعی غصہ کیا تھا مدد مت پڑے۔

بلٹر شا نے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ اسے تعجب تھا وہ پوچھتا بھی چاہتا تھا کہ وہ اتنے دن کہاں رہا لیکن

آپ کے ہاں نہیں ہیں عمر بھائی ہاں عائد آنٹی کے ہاں ہوں گے۔ بلٹر آگے بڑھا تو اس نے پھر بات شروع کی۔ مگر دوسری طرف فون بند ہو چکا تھا۔

اس نے دوبارہ نمبر بخش کیے۔ دوسری طرف کھنٹی بجتی رہی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اس نے پھر مصل دہرایا۔

اس مرتبہ بھی وہی ہنگامہ تھا۔ فون نہ آیا۔ بشر نے نانی کا نام لیا۔ وہ یہاں نہیں ہیں۔ کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔

وہ مدت بسور کر ڈھنگ ہاں میں آ گیا۔ سے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا ناشتا کر کے پھر عائد آنٹی کے ہاں رنگ کرے گا۔ اور عمر کو سب باتیں فون پر ہی بتا دے گا۔ اس نے خود ہی جین کھینچی اور آپک کر بیٹھ گیا۔ اور پھر بڑے زور شور سے قتل بھائی۔

ملا زمرہ دوڑی ہوئی آئی۔

ملا زمرہ کو بھی ٹریننگ حاصل تھی کہ جب وراثت علی شاہ گھر میں ہو تو بچوں کو کس طرح خیال رکھنا چاہیے وہ آٹو جنک جان چکے تھے۔ یہ ٹریننگ انہوں نے روشن سے نہیں بلکہ وقت سے حاصل کی تھی۔

جی ہاں

ناشتا سب دیکھا۔ وہ جھلپا سہا کی سوچو گی میں وہ بہت غرر ہو جاتا تھا۔

کیا نہیں گے

ہاں یو آئل، ایک ورلک۔

آپ دو دھ بھیک گے ملا زمرہ کو حیرانی ہوئی۔ اس کی تو دودھ پیتے ہوئے چان چاتی تھی اور آج پنی خوشی سے دودھ طلب کر رہا تھا۔

مارے میاں صاحب کہتے ہیں بکس کو دودھ پینا چاہیے۔ وہ جلد ہی سے بڑے ہو جاتے

ہیں۔ اس نے ہر نہ نماز میں ملازمہ کو سمجھایا۔

میاں صاحب وہ حیرت ہوئی۔ آج سے پہلے اس گھر میں کبھی میاں صاحب کا تذکرہ نہیں ہوا تھا۔

یہ کون ہیں جی

ہیں کوئی بس۔ ہمارے میاں صاحب ہیں بہت، جیسے اس نے ذرا تر کر گرون نکالی۔

اچھا جی اس بچاری کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اچھا جی کہہ کر چل پڑی۔ اس نے ناٹکیں جواہا کر وقت کا ناشر شروع کر دیں۔

تھوڑی دیر بعد ملازمہ اس کی مطلوبہ چیزیں لے آئی پیچھے پیچھے بٹکر بھی تھا۔ اس یہی ناشتا کریں گے ہاں آپ وہ آکر دوب انداز میں پوچھنے لگا۔
ہوں۔ اس نے بیچہ زکی سے ہوں کہہ کر ناشتا شروع کیا۔

ملازمہ لگا دوں ٹوٹے پر وہ پھر لیا۔

نہیں نہیں۔ میں ابھی چھوٹا ہوں۔ اس لیے تھوڑا کھاتا ہوں۔ یہ سمجھ میں

جی وہ گردن ہٹا کر وہ پس پٹ گیا۔ جیسے وہ واقعی سب کچھ سمجھ گیا۔ اور جیسے اسے اب سے پہلے پتا نہیں تھا کہ وہ چھوٹا ہے۔

اس نے جلدی جلدی ناشتا کیا۔ پھر ٹیکس سے منہ پونچھ کر فوراً فون کی طرف آ گیا۔ پہلے

ریسیور اٹھا کر کچھ لمحے ٹھکرا کیا۔ پھر نمبر پش کیے۔

پلوو ایک تھوڑی سی میں بشر بول رہا ہوں۔ السلام علیکم۔

جی واقعی میں بشر بول رہا ہوں۔ آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا۔ وہ متعجب ہوا۔

جی مجھے چاہیے کہ آتے ہیں۔ نہیں میں ٹم نہیں ہو تھا۔ میں تو میاں صاحب کے گھر چلا گیا تھا۔ پتا جانتے ہیں میاں صاحب کہ۔

اچھا بتائیے عمر بھائی آپ کے ہاں ہیں انہیں بلا دیجیے۔

نہیں ہیں۔ پھر کہاں ہیں نہیں مجھے تو پتا نہیں۔ وہ میرے ساتھ تھوڑا ہی تھے نہیں میرے ساتھ نہ عمر بھائی تھے نہ گزیا۔

ہاں وہ جی، اور گزیا تو زمین میں میرے ساتھ تھیں اور۔۔۔

اس کا باقی جملہ منہ میں ہی رہ گیا۔ اس کے ہاتھ سے کسی نے ریسیور لے لیا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے پاس تھے۔

کس کو فون کر رہے تھے انہوں نے بھاری آواز میں، اور بڑے رسماً سے پوچھا۔

عائشہ آئی کو۔

پلوو وہ ریسیور کان سے لگا کر بولے۔

ہاں عائشہ میں ہوں۔ ٹھیک ہو تم

ہاں فی الحال بشر ہی ملا ہے اس پر بھی، لک کا شکر ادا کرتا ہوں۔

نہیں ناجی مراد گویا کاکچھ پتا چلا۔

لیٹر لکھ کر آئی تو بتا دوں گا سب کچھ۔ کب آ رہی ہو

ٹھیک پہنچا جاؤ۔ انہوں نے رہے سہے روک رکھے ہیں۔

پھر وہ لکاک کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔ گیارہ بج رہے تھے۔ تقریباً وہ پہرہ ہی اُدھلی تھی۔

ناشتا کر لیا جینے انہوں نے شرکوش لوں سے تمام کر پوچھا۔

گئی تھی

پتا وہ عمر بھائی کہاں ہیں۔ نہ وہ تانی ماں کے ہاں ہیں، نہ عاتق آئی کے ہاں۔ وہ پریشانی

سے پا چھ رہا تھا۔

بتا دوں گا بیٹے بتا دوں گا۔ وہ اس کے شانے تھپتھا کر اپنے کمرے کی طرف پلٹ گئے۔

پھر ایک دم اس کی طرف واپس آئے۔ تم نے اپنی تانی کو فون کیا تھا یا من قانون آیا تھا وہ کچھ

پریشان سے نظر آئے۔

میں نے کیا تھا۔ اس نے مصیبت سے انہیں دیکھا۔ فون کرنا کوئی ایسی عجیب بات تو

نہیں تھی۔ وہ تو کئی فون کیا کرتا ہے۔

کچھ کھد رہی تھیں وہ اڑھہ مشکور ہو گئے۔

نہیں۔ وہ سب کچھ بھول بھال چکا تھا۔

دیکھو تم بہرمت جانا اور نو کروں کی کسی بات کا جواب نہ دینا اور نہ ن سے بات کرنا۔

کیوں وہ حیرت ہوں۔

یہ کیوں کیا ہوتا ہے۔ بس کہہ دیا۔ وہ جتنی سے بولے۔

بشریکہ کم چپ ہو گیا۔

و کے چپ۔ یہ کہہ کر وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

و لائٹ علی شاہ نے آگے بڑھ کر قتل بھائی۔ ملازمہ دوڑی آئی۔

تمام ملازموں کو یہاں جمع کرو۔ ڈرائیو اور چوکیدار کے گھر واپس کو بھیجی۔

گجہ وہ حیرانی سے آنکھیں چھا کر بولی۔

جو تم نے مت ہے وہی کہا ہے۔ جلدی کرو۔ وہ برہمی سے بولے۔

وہ بیچارہ گرتی پڑتی باہر نکل گئی۔ و لائٹ علی شاہ اپنے گاؤں کی ڈویریں دھکیلی کرتے

ہوئے اپنے بیڑیروم کی طرف بڑھ گئے۔

من کی پیشانی پر ٹیکروں کا جال بن گیا تھا۔ اور باریک ہونٹ بھیج کر معدوم ہو رہے

تھے۔

وہ پٹی وار دروہ سے کپڑے، نقاب کر کے ہاتھروم میں چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد

بڑی تک سب سے تپاری ڈانینگ ہال میں آئے تمام ملازمین اور چند ایک مع مل وچیل جمع

ہو چکے تھے۔

انہوں نے سب پر ایک تفصیلی نظر دوڑائی۔ من سب کے چہروں پر خوف اور پریشانی کی

پر چھائیاں واضح تھیں۔

کی چوری ہوئی ہے وہ آپس میں سرگوشیوں میں پوچھ رہے تھے۔

بند کر دیے تھے۔ ولایت علی شاہ گویا برس پڑے۔

ہاں میں ایک صحوہن سناٹا عاری ہو گیا۔ بشر بھی آگیا تھا مگر وہ داخلی دروازے ہی

میں کھڑا ہو گیا تھا۔

انہوں نے اشارے سے سے بلایا تو اس نے بغور ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے

اور ان کے قریب آگیا۔ ولایت علی شاہ نے سے اپنے ساتھ لگایا پھر ملا زمین کو غور دیکھا۔

تم میں سے ایک بھی ظالم دیا نہیں جسے میں نے غور کر کے رکھ ہوں۔ کیوں

جی کی آوازیں آئیں۔

ظاہر ہے تم، اپنی مالکن کا انتخاب ہوئے تمہارا کیا لگتا ہوں وہ انہیں باری باری دیکھ رہے

تھے۔

آپ جی ہمارے مالک ہیں۔ آقا ہیں۔ ہاں کھنگھریاں شاید وہ سب میں سب سے

زیادہ بچا رہا تھا۔

بچ صرف مالکن سے بولنا ہے یا مجھ سے بھی دل کی بات کہہ سکتے ہو وہ نرمی سے پوچھ

رہے تھے۔

آپ مالک ہیں جی اور وہ مالکن آپ کا حکم ہو یا نہ ہمارے لیے ایک ہی بات ہے

ڈراما تھوڑے کچھتے جڑی سے کہا۔

تو پھر تیار و عمر اور گڑیا کے بارے میں کیا جانتے ہو یا دیکھو اگر کسی نے جھوٹ بولنے یا

اداکاری کرنے کی۔۔۔ کوشش کی تو یہاں سب دوس کا کہہ رہی تھی جھلی ٹپٹپٹ پناہ نکلیں گے۔

میں اپنے بچوں کی قسم کھاتی ہوں مالک۔ ملازمہ عرف بانو ہاتھ جوڑ کر کہے بدھ تھی۔

میں دونوں بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ کمزور غریب عورت ہمارے خوف کے

رو پڑی۔

میں آپ کو بتاتا ہوں صاحب ڈراما تھوڑے کہا۔

ہوں۔ وہ اظہار کسی سوڈ میں رہے مگر غور سینے میں دل دھڑکا اٹھا۔ اس نے تفصیل سے

کہنا شروع کیا نہ حسب حق بہت کم کوش ہو گئے۔

صاحب جس دن بیگم صید واپس آئیں ان کے ساتھ صرف گڑیا ہی تھی۔ مجھے انہوں

نے انٹیشن سے واپس بھیجے ہوئے کہا تھا کہ دو بچے یعنی عمریاں اور بشر بیا بیگم صید۔۔۔ کی اگلی

کے ساتھ جائیں گے۔ لیکن جب بیگم صید واپس آئیں تو گھر میں عمریاں اور گڑیا ہی تو نظر آنے

مگر بشر بیا معلوم نہیں پڑے۔ میں نے سوچا وہ بیگم صید۔۔۔ کی اگلی کے پاس ہوں گے۔ اگلے

دن شہر سے عمریاں اور بشر دونوں گھر میں نہیں ہیں میں میرے کوتاہی معلوم ہے۔ سب کا

انہماک نوٹ کیا۔ یہی وجہ تھی تفصیل انہوں نے سوچا۔

اور تم کیا جانتے ہو وہ نظر کی طرف متوجہ ہوئے۔

جی مجھے کچھ نہیں پتا۔ مگر دوسری سے جھوٹ بول گیا۔ شاید حسان شناس تھا مگر غفل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ بتا دے کہ ماسٹر بیڈروم کے دروازے کے اس پاس سے معصوم سکیاں میں نے خود کئی ہیں۔

اور تم کہاں تھیں جہیں بچی کی نگہداشت کے لیے رکھ گئی تھیں رہا لے پڑھنے کے لیے۔ وہ گورنس کی طرف پٹنے۔ گورنس کے طلق میں کانٹے پڑ گئے۔
نہیں فیڈر تیار کر رہی تھی۔

کتنا ٹائم لگتا ہے فیڈر کی تیاری میں غالباً وہی کھٹے۔ انہوں نے جتنی ہوئی نظریں گورنس کے چہرے پر لگائیں۔

نہیں سر۔ ایسا تو نہیں۔ میں تو بہت جلد ہی کے پاس کی تھی۔ مگر اتنی میں پتہ چلا کہ یہی وہاں اپنے روم میں ہے ہی نہیں۔ ورنہ پھر پٹرنے بتایا کہ عمر با بھی نہیں ہیں۔ ہاتھ روم کے شب کا نیپ کھل ہوا تھا۔ جب باؤ برتن لینے گئی تو دیکھ کھا نا ہی طرح رکھا ہوا تھا اور ہاتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے آوازیں دیں پھر دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل ہوا تھا۔ گورنس یہ بتا کر چپ ہو گئی۔

ہوں۔ وراثت علی شاہ گہری سوچا نہیں تھے۔
چھاسٹر بیڈروم کے بتائے کیا عمر کی طبیعت خراب تھی جو کھا نا اس کے بیڈروم میں پہنچایا گیا اس نے ڈائیک ہال میں اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر کھا نا کیوں نہیں کھا یا

سر یہ مجھے نہیں معلوم۔ ہم صاحب نے جیسے مجھے رڈ رو دیا، میں نے گروپا۔ اس نے پتی جان چڑھائی۔

بشر پاپ کے ساتھ چپکا ہوا، بڑی جھرتی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ لیکن ایک بات وہ بہر حال کچھ چٹکا تھا کہ اس کے بہن بھائی، چاہیں، اس کا معصوم ذہن جیسے جامد ہو گیا تھا۔
وراثت علی شاہ نے سر ہٹھکا کر سب کو جانے کو کہا۔

بہر کیف اب انہیں یقین آ چکا تھا کہ روشن لے انہیں کجا ہی بتایا ہے گو یا وہ ہتھیار ڈال چکی ہے۔

معان کا ذہن روشن کی طرف چلا گیا۔
وہ نیچے تہ خانے میں ہے۔ وہ سنگدل و رشتی بھرم ہے مگر ذہنی روح ہے بہت سے فطری تقاضے اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جو اس قدر فطری ہیں کہ سن سے نظریہ نا خود فریبی ہے۔ وہ آخر کہ تک تہ خانے میں رہ سکے گی۔ بھوکیں اس، نیند اور دیگر حقیقی ضروریات۔
اس وقت تو وہ غصے میں اندھے ہو رہے تھے۔ گو یا ساری عمر اب تہ خانے ہی میں رہے گی۔ پتی دستہ میں بیاس کی سنگدلی کا بہترین جواب تھا۔

لیکن اب دھماکا بڑا سکون ہونے پر حقیقت واضح ہوئی۔ مگر ہم جس آپا کہ جو اس پر اب بھی گڑیا اور مہر قاب تھے۔

دوسرے وہ خیر وں کو تو مال سکتے تھے مگر گھر بیلا زمین اور رشتہ داروں کی گارنٹی ہے کہ وہ تہ

خانے میں چھین نہیں مارے گی۔ یاد روزہ نہیں پینے کی اور پھر اس کے فطری مسائل

پیا۔ عمر بھائی درگزیہ کہیں ہیں بشر معصوم ذہن ابھ چکا تھا۔ باپ کا نوکروں کو کھانا کرنا پھر عمر درگزیہ کے بارے میں سوال کرتا۔ جب کہ وہ خود جب سے اٹھا تھا اپنے بھائی کے لیے پریشاں تھا۔ اب جو باپ کا تقشیشی انداز دیکھ تو کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہیں۔

بیٹے تیار رہے بھائی عمر اور بین گزیہ دونوں کا کچھ پتا نہیں۔ کافی دنوں سے وضو نہ رہے ہیں انہیں۔ تم رونا نہیں اور پریشان بھی نہ ہونا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جس طرح تم یہاں گھر میں کھڑے نظر آ رہے ہو وہ بھی کسی دن دل جائیں گے۔

مٹی سودی میں پاپا اس نے گروں اٹھا کر پاپ کو دیکھا۔

اس کا سوال بہت نوکیلا تھا سوئے ہوئے ناگ کو بہت چٹھا۔

جبکہ تو بہت اچھی ہے روز۔ درگھر بھی بہت کھل۔ درخوب صورت ہے۔

ہوں بہاڑوں پر بہتے ہوئے مکانات کی شیب ورونی طور پر تو ایک سی لگتی ہے۔ اس ابھی اور ہرڈیکوریشن کا مسئلہ ہے۔ فرنیچر بہت اولڈ اور اوڈ ہے۔ سچ شے تو دور اوتوں سے ٹھیک سے نیند بھی نہیں آتی۔ دیکھا تم نے میری اسکن (جلد) پر بھی اس کا اثر ہوا ہے۔ فیروزہ کو پنے حسن کی فکر لاحق ہوئی۔

پھر۔۔۔ ستارہ سے اسے دیکھا۔

پھر کیا۔۔۔ فرنیچر چپ لیے یا ہوا ہے۔ کل صبح جاؤں گی۔ فرنیچر پسند کر کے پھر گاڑی دیکھنے بھی جانا ہے۔ اگر تمہیں میری پسند پر شک ہو تو ساتھ چلا۔ اس نے بہمن کے تاثرات دیکھا چاہے۔

نہیں روز۔ بس تم ہی کرو یہ سب کچھ۔ بس میرا کمرہ اچھا سا ڈیکوریٹ کر دینا۔ بہت مہربانی ہوگی۔ ایک تو یہاں دل پتا نہیں کب لگے گا۔

ٹھیک۔ اب یہ مسئلہ بھی پتا کہ میں عمر کو مری کونزٹ میں ایڈمٹ کروں گی۔ پھر بتد میں مجھے جلدی جلدی اس کے پاس جانا ہوگا اور ویک، یڈ پرانا ہوگا۔ اس لیے کوئٹس پر انیم نہیں ہونا چاہیے۔ ذرا سی پٹاک ہوگی اور سے ذرا شک ہو گیا تو سب کیے کرانے پر پالی پھر جانے گا۔

تو پھر مری ہی میں کیوں نہ گھر لے لیں فی حال کرنے پر۔ ستارہ نے اپنی داشت میں زور دیا آئیڈیا دیا۔

یہ بات میں نے اماں سے کہی تھی۔ انہوں نے منع کر دیا تھا۔

وجہ۔۔۔

یہی کہ جس کلاس کا یہ بچہ میری شاہراہ عام ہے اس کلاس کی۔ لوگ گرمیوں میں غناؤں کی بجائے مینوں وہاں ڈیرے لگاتے ہیں۔ ہاسٹل کی بات۔ اور جب گھر ہوگا تو وہ آزاد دی، ننگے گا۔ گھومنا پھرنا چاہے گا۔ ذرا کچھ دن خیریت سے نکل جائیں۔ تو پھر۔۔۔ فیروزہ نے وجہ

کی اسے کلوٹ میں ڈالنا ضروری ہے یہاں بھی تو بہت اچھے سکول ہیں۔ ستارہ نے بھر کہا۔

ہوں۔۔۔ اچھے سکول تو ہیں۔ مگر میں نے اس پر اپنے سارے ارمان چورے کرنا ہیں۔ اتنی شاندار چیز بتاؤ گی۔ مگر کسی موز پر قسمت سے اس کے باپ سے تہہ بھڑ کر دی تو وہ شکوہ نہیں کرے گا بلکہ میرا احسان اتارنے کے طریقے سوچے گا۔

فیروزہ کے اہل دل میں عجیب سا ٹھیکہ پن آ گیا۔

کی چھا ہوتا، گر تمہارا پنا کوئی بچہ ہوتا۔ ستارہ تک اس کا کرب پہنچ گیا۔

بالکل بھی چھا نہیں ہوتا۔ اور یہ کون سی ناممکن بات تھی۔ مگر، اپنے سے وابستہ روح کی دست اور شرمندگی اور سب سے بڑھ کر گمناہی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے کیا حق پہنچتا ہے۔

کسی انسان کو اس کی اپنی نظروں میں گرانے کا۔ کوئی نام نہاد شریف انسان میرا ہاتھ قدام لیتا تو۔۔۔ میں ہلدی پیاز کی بو اپنے وجود میں بٹھکتی۔ اس کے بچس کو اس معاشرے کے نمایاں انسان بتاتی۔ اس کی فکروں میں چٹا سا راجس، اپنی ہڈیاں ٹھک دیں۔ وہ تو زندہ ہوئی۔

تمہارا خیال ہے عمر راضی ہو جائے گا کلوٹ میں بیڈیشن کے لیے ستارہ کو اس اوپل کی فکر راجح ہوئی۔

میں اسے سمجھ سکتی ہوں۔ فیروزہ خود مذاوی سے ہوں۔

مگر گڑب سے دور وہ کیوں کر ہوگا۔ دیکھا نہیں اس کے سسلے میں کس قدر مرث رہتا ہے ہوں۔ پتا ہے نہ اسی طرح تو اسے گڑب سے دور رہنے کی پریکٹس ہوگی۔ اور بہت یہ ہے تارو۔ یہ ہمارے اپنے دل کے چور ہمیں ڈر رہے ہیں۔ وہ ہم پر بھروسہ کرنے لگا ہے۔ ہماری محبتوں پر ایمان، چکا ہے۔ سوچ تو سکی تارو۔ ایک بچہ ہی تو ہے معصوم۔

کاش ولایت علی شاہ اس سنگدل عورت کی بجائے میں تمہارے گھر میں ہوتی۔ کم از کم تمہارے بچہ کو تو پیار سے پالتی۔ دوست سے سیراپ ہیں۔ تمنا میں نکلتے ہیں۔ اس دوست پرست عورت کی طرح تمہارے بچے کو تو نہ مارتی جان سے۔ (شک تو یہی ہے۔)

تم لوگ ہمیں جدی بخشی گناہوں کی مراد دیتے ہو۔ ہماری روح میں نہیں جھٹکتے۔ ہمیں اچھوت سمجھتے ہو۔ مگر تم جیسے لوگوں کی یہی سراسر ہے۔ نام نہاد گھروں کی اپنی عورتیں گھروں میں باؤ اور اپنے بچے کو تو۔

کیا سوچتے تھیں روز ستارہ اس کی اس قدر گہری خاموشی سے پریشان ہوگی۔

کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔

پتا نہیں کہاں لے گیا خوبہ عمر کو۔ اس نے کھڑے ہو کر اٹھائی طرز کے در پہ سے باہر جھانکا۔

رات بادل ٹوٹ کر برس تھا۔ باہر بڑے پر بے پناہ ٹھہر تھا۔ بستی کے ناخوند ہوگ۔ اور ان کے ٹھک و جھانگ اپنے اپنے دھندوں میں گمن تھے۔ دور پار کی سرسبز سڑ سے بھڑک رہا یں

وائس لٹینی ہستی میں آ رہی تھیں اور آسمان پر سفید بادل کے ٹکڑے تھیں رہے تھے۔

پیسے سا بچھ سے کی جید۔ کبھی روایت پسند اور جوان لڑکی کے لیے اس وقت کتنا بوجھ مند بن جاتی ہے۔ جسے کبھی چاہا گیا ہو نہ کبھی ٹھکرایا گیا ہو۔ جس کے دل کا معبد خالی ہو۔

جو کسی جنس کے خاکے میں رنگ بھرنا چاہتی ہو۔ در رنگوں کی تلاش میں اپنا قمر در کھو بیٹھی ہو۔

فیروزہ کے دل معبد بھی خالی ہے

اگر وہ جیسے تو ہے پر بیٹھ کر اس معاشرے کو یقین دہانے تو کسی کو پال بھار بھی یقین نہ آئے۔

ستارہ باہر نکل گئی تھی۔

پتا نہیں کہاں لے گیا ہے عمر کو۔ اتنی شام تو ہو چکی ہے۔

اس نے نیم وادور پتے کو دونوں ہاتھوں سے پور کھول دیا۔

اس کو عجیب سی پریشانی نے آگھیرا تھا۔

معا خوب اور عمر آتے دکھائی دیے۔ عمر کے ساتھ دودھ جیسا سفید بھیز کا بچہ تھا۔ اس کی ری تھا۔ چھلتا کودتا عمر اسے بہت پیار لگا۔

اس نے اپنی کچھ دیر پہلے کی کیفیت پر غور کیا۔ وہ کسی خوف کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ کسی جد بے

کی مظہر تھی جذبہ فی الحال پیغام تھا مگر برا نہیں تھا۔ ایک عجیب آہوگی اس کی رنگ و پے میں

آزادی۔

فیروزہ نے کمرے سے باہر نکل کر دوڑ گئی سے اس کا استقبال کرنا مناسب خیال کیا۔

کہاں چھ گئے تھے خود چاہتی دیر سے تھرا۔ تھرا کر رہی ہوں۔ فیروزہ فاصلے ہی سے کہتی آگے بڑھی۔

جیب لینے ساتھ والے گاؤں گیا تھا ٹھکی۔ مگر پتا چلا جیب تو کل ہی مل سکے گا۔ آپ بلا تو کہیں اور چاکر کر دیں۔ بلی (بھی) چاہیے تو۔۔

جیب تو خیر کل ہی چاہیے ہوگی۔ ویسے بھی اب تو خاصی شام ہو چکی ہے۔

جی۔۔۔ ام اسی خیال سے واپس آ گیا۔

اور تم نے ہماری عمر کو سیر کرائی۔ فیروزہ نے عمر کو اپنے بازو کے گھیرے میں بیٹھا۔

ہاں۔۔۔ آج۔۔۔ میں۔۔۔ ام بلا۔۔۔ تم کو کیا پسند آیا ہو۔ یہ بھیز کا بچہ۔۔۔ ہا ہا۔۔۔ ہا۔۔۔

خوب نے خود ہی عمر کی بات دہرائی اور خود ہی جب جسنے کا فریضہ انجام دیا۔ فیروزہ بھی مسکرا دی۔

ام بلا۔۔۔ لے لے لے۔۔۔ بھیز کا بچہ۔۔۔ سب چیز آپ کے واسطے ہے۔

خوب پھر جیسا۔۔۔ چائیس یا تیس سال کا تھا تقسیم بند سے پہلے وہی میں رہا نہیں پذیر تھا۔

پاکستان بننے کے بعد خاصا عرصہ کراچی رہا۔ جانے پھر کیا جی میں سائی۔ واپس آ کر کٹھ پٹی جنم

بھولی چلا گیا۔ تم پر یوسا کی چاکری سے دستبردار ہو کر

کسی زمانے میں فیروزہ و ستارہ کی ماں کا مصاحب خاص ہوا کرتا تھا۔

اچھا تو یہ لمحہ (بھینز کا بچہ) پسند آیا ہے تمہیں۔ فیروزہ عمر کی مست متوجہ ہوئی۔

لیس آئی۔ اس سو پرچی (یہ بہت پیرا ہے) عمر نے پیچے بیچ کر اسے اپنے ہاروں میں سمیٹ لیا۔

”نئی گزیا کہاں ہے وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اسے ایک دم بین کا خیال آیا (وہ) ہے تو پروری کی خوشی بھی تو ٹھیک کرتا ہے ابھی سے)

فیروزہ نے سوچا۔ پھر یوں۔ گزیا کو ستارہ آئی نے مل دیا تھا۔ جب اٹھنے کی تو دکھ دینا۔

اور کہ۔ وہ گھر سے اتنا اڑ میں یوں۔

میں گھر جاؤں مٹی خوب نے فیروزہ کو متوجہ کیا۔

یہ آپ کو تنگی کیوں کہ رہے ہیں عمر کو۔ بھین ہوئی۔

۱۲ ویں اپنے ملازموں کو تعظیم کرتی ہیں کہ ان کی بیٹیوں کو مرتے دم تک مٹی ہی ہی کہا جائے۔ کیونکہ یہی چھوٹے بچے کو کہتے ہیں اور چھوٹے بچے کی ماں جوں ہوتی ہے۔ فیروزہ جس پڑی۔ خواجہ بھی مسکرا دیا۔

میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں۔ پاپا عمر کی توجہ دوطرف تھی۔ انکے بھیس کے بچے کی طرف بھی اور فیروزہ کی طرف بھی۔

ہر بات کا کچھ ضرورت نہیں ہوتا۔ کچھ شیطان تم پر ڈھونڈا اس نے خوب کو جانے کا

کہہ کر اندر قدم بڑھائے تو ستارہ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ بہت ضروری بات یا دانی مجھے عمر کے مسئلے میں۔

ابھی خیر

یہ تم کیا کرنے لگی ہو اس کے سر ٹیکٹس وغیرہ کہاں ہیں جو تم سے ہند ہوئی قلعے تعمیر کرنے لگ گئیں۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

تم نے تو مجھے پریشان ہی کر دیا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ واقعی تم ابھی تک بہت نا سمجھ ہو۔

فیروزہ مسکرا دی۔

دیکھیے آئی۔ میں بھینز کا بچہ یا ہوں۔ عمر نے ستارہ سے کہا۔

اسے وہ۔ یہ تو بہت خوبصورت ہے۔ ستارہ نے ٹھک کر بھینز کے بچے کو چھو۔

آؤ ستارہ۔ میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔ تم کھیلو عمر۔ باہر مت جانا۔ ٹھیک

تھی۔۔ عمر بھینز کے بچے کی مٹی تھی اور اسے کھینچ کر ایک طرف لے جانے لگا۔

ستارہ فیروزہ کے پیچھے چل پڑی تھی۔ دونوں ایک کمرے میں پہنچیں۔ فیروزہ ایک میز کی طرف بڑھی جس پر دو جڑے بڑے سوٹ کیس رکھے تھے۔

اس نے اوپر دانا برکان تیسو نامیٹ کا سوٹ کیس کھولا اور کپڑوں کی تہیں لٹ پٹ کر کے لگی۔ پھر ایک خاص چوڑا فال ٹائپ، ایک بیک لکان۔ اور اس میں سے چند کاغذات

ٹکا لے اور انہیں اسٹاپٹ کرنے لگی۔ پھر ایک سفید کڑک سا کافہ
 ہتھوڑے کے سامنے کیا۔
 بوڑھو۔

ستارہ نے بہت اشتیاق کا مظاہرہ کیا اور تیری سے کافہ پر نظریں دوڑنے لگی۔

یہ ایک برقعہ شوقیت تھا۔ بچے کا نام عمر تھا۔ سید عمر شاہ۔ باپ کا نام وراثت علی شاہ۔ یہ بچہ
 10 اگست 1981 کو ایک پریسٹ میٹرنل ہوم میں صبح پانچ بجے پیدا ہوا تھا۔

اے۔ یہ تمہیں کہاں سے ملا ستارہ کی حیرت دیدنی تھی۔

فیروزہ ہنسی اور ہنستی چلی گئی۔

فنس کیوں رہی ہو ستارہ گواہ بچھن ہوئی۔

یہ تو قریب مجھے بھلا کہاں سے مل سکتا ہے یہ۔ ہوا ہے۔ اتھارائی اپنائی کی ہے۔ تعلقات
 اب بھی کام نہ آتے تو کب آتے۔

مگر تم نے یہ سب کب کر لیا اس کی حیرانی بدستور پٹی جاگہ قائم تھی۔

ان دنوں جب تم دو دن کے لیے سکھر کی تھیں اس بھوٹو ڈیرے کے ہاں جس نے
 تمہیں چھپنا دھتکی ہیرے کا سینہ دے کر رخصت کیا تھا۔ فیروزہ ہنسی۔

بہت ہوشیار ہو۔ ستارہ قائل ہوگی۔

اے، اپنے مطلب کو تو یہ دیوانہ تک ہوشیار ہوتا ہے۔ وہ دیکھا شانس رہی تھی۔

کیا تاریخ پیدائش عمر سے معلوم کی تھی ستارہ نے پوچھا۔
 ہوں۔ مگر یہ میں نے چلی پسند کی تاریخ پیدائش لکھوائی ہے۔

عمر سے میں نے پوچھا تھا اس کی برقعہ کب ہوئی ہے تو اس نے بتایا تھا 8 نومبر کو۔
 مجھے یہ شیرجیہ لگتا ہے اس لیے میں نے اس کا اسرار سد پسند کیا ہے اور سن بھی اپنی مرضی سے
 لکھوایا ہے۔ کم کر کے تاکہ تاریخ کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

دورا سے بچھو مجھے پسند نہیں۔ خاموشی سے ڈنک مارتا ہے۔ جب کہ شیر سارے سے حمد
 کرتا ہے۔ کسی کا مار شکار پسند نہیں کرتا ہے۔ شاہ ہوتا ہے۔ خودوار ہوتا ہے۔ بہادر ہوتا ہے۔
 اور مجھے عربی ہی لگتا ہے۔ اگر یہ یہاں نہیں ہے تو میں اسے ایسا ہی بنا دوں گی۔

بچہ تو موم ہوتا ہے جیسے چاہے بڑا حال ہو۔

بہت پرفیکٹ ہوا۔ ستارہ نے سراہا۔

شاید اس لیے کہ بہت مجھے ہوئے دنکاروں کے بیچ زندگی گزری ہے۔ مگر دیکھو میں نے
 اس کا نسب تبدیل نہیں کیا ہے اس لیے کہ یہ بچہ اس قدر چھوٹا نہیں ہے کہ بڑا ہو تو اپنے باپ کا
 نام بھول جائے اور میں بھی مجھے اس کا معزز نسب پسند آیا ہے۔ یہ میری تمنا تھی۔ میں گر کسی
 بچے کی ماں ہوں تو اس بچے کا نسب بہت شاندار ہو۔ یہ دولت پرست معشرہ نسب پرست بھی
 بہت ہوتا ہے اور رقیل یڈیشن کی بات تو میرے صحت دیکھنے سے پہلے وہاں ایک فون بک چکا
 ہوگا۔ کوئی مسئلہ۔ اس نے ستارہ کی آنکھوں میں جھانکا۔

مستادہ نے غیر انتہائی ری طور پر نفی میں گزرت ہادی۔

اسی دم دھڑ سے دوروازہ کھلا۔ دونوں چونک پڑیں۔

عمر بھڑ کے بچے سمیت اندر کمرے میں آچکا تھا۔

”نئی آپ نے یہ بتایا نہیں کہ گرمیوں میں سب سے کھینٹے کھینٹے تھک جاؤں تو سے کہاں ہاندھوں۔ دیکھیے ناں اگر سے ہاندھوں گا نہیں تو یہ بھاگ جائے گا۔ فیروزہ اس کی معصوم انداز پر نشان ہو گئی۔ جانے اس خود غرض لڑکی پر اس بچے نے کیسا چادر چلایا تھا۔ آؤ میرے ساتھ وہ عمر کو لے کر باہر نکل گئی۔

نزدیوں سے تو وہ دوپہر دو بجے ہی فارغ ہو گیا تھا۔ بس پھر یونی کھوٹے پھرنے کی غرض سے وہ شاہی قلعے تک جا پہنچا تھا۔ پھر وہاں سے شاہی مسجد چلا گیا۔ شام کافی ہوئی تو یہ دگارتھیہ کے ساتھ دیکھنے کا اردہ کر کے گارڈن ٹاؤن واپس ہو کر نزدیوں تو اس کا مسکن ٹاؤن میں تھا۔ اسے احساس ہو وہاں گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے کیوں کہ وہ گیا تو بجے سے نکلا ہوا تھا۔ نیکی لے کر وہ واپس گارڈن ٹاؤن پہنچا تو واقعی وہاں سب اس کے منتظر تھے۔

تھیں ٹکس گاؤں ہم تو رتبہ ملے تھے کہیں راوی میں۔۔۔ فیروزہ نے شرارت سے جملہ ادھر اچھوڑ دیا۔

اورے روی تو وہاں تنگ ہونے کے باوجود صاف بڑا ہے۔ مجھے تو پتلو بھر کافی ہے۔ وہ بھی مرق تھا۔ کیسے پوک سکتا تھا۔

اس قدر حقیقت پسند ہو کر کوئی دکھانے ڈر رہے تھے بھی سمجھ لیا۔

پاپا آگئے جس۔ جناب کی ماہ دیکھ رہے ہیں۔ ڈریہ نے اطلاع بھی پہنچائی۔ وہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

بہت دیر ہوئی تھی اسے اپنے ماموں کو دیکھنے کا جنہوں نے ان کی زندگی کے زراہی دور میں کبھی اپنے دست شفقت کے لمس سے نہیں ٹوڑا تھا۔

وہ تینوں کے ساتھ ڈیننگ ہال میں چلا آیا جہاں چائے کا ہتھم تھا۔ سامنے ہی سفید کرتے پاجامے میں بیٹوں اس کے باوقار سے ماموں جان تشریف لرا تھے، اپنی بیگم سے بڑے ہاتھ بڑے تھلاڑ میں گفتگو میں مصروف تھے ساتھ ساتھ پائپ میں تمباکو بھی پھرتا رہے تھے۔

نورجیہاں طارق کو دیکھ کر مسکرائیں۔ ”آؤ۔۔۔ کہاں رہ گئے تھے بھئی ہم سب بہت دیر سے انتظار کر رہے تھے تمہارا۔

السلام علیکم۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے ماموں سے مصافحہ کیا۔ انہوں نے بہت بڑے تحلف میں انہیں اس کا ہاتھ تھا، نہ دھڑ گرم جو پتی تھی شادھر۔

والسلام (علیکم السلام کا اشارت تھا ظاہر)

طارق نے ان کا ہر پود جائزہ لیا۔ اس نے زندگی میں کبھی ایسے ماموں کا ذکر نہ پڑھا تھا۔ شہنا تھا۔

کا مکمل اشعوری تھا۔ (شاید اپنائیت کا کوئی لمحہ اس کی قرینت میں تغیر ہو تھا بھی) یہ کہہ کر معذرت خواہانہ مسکراہٹ سے ماموں ممتی کی طرف دیکھا اور نکل گیا۔

اس کے ماموں نے اس بنا کے خود عماد کو جو ان کو بہت دیکھتی سے جاتے ہوئے دیکھا جو فلفلی احمد فاروقی کا بیٹا تھا۔

دیکھ کر بڑے اد کوئی یوسف ثانی نے محسوس کیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے وہ بچے پہنچے۔ ان جان توں روکیا۔ اے تیرے سردی سو نہ دیر یہ فون پر چمک رہی تھی۔

(دیکھو دوست۔ وہ کوئی یوسف ثانی نہیں ہے اور نہ اس نے مجھے آنے جانے سے روکا ہے تبہ رے سر کی قسم)

اس کے ساتھ پروگرام بنا رکھا ہے نا ڈیر

tomorrow not but doubt, no that offondamiyes

(ہاں میں بہت شوقین ہوں اس میں کوئی شک نہیں لیکن کل نہیں)

اس کی دوست شہناز کے لیے اصرار کر رہی تھی۔ در یہ چونکہ اس کو ہر دم تیار ملتی تھی اس لیے وہ برابر اصرار کیے کیے جا رہی تھی شاید وہ مات ہی جائے۔

سمجھ کر اڑیے اوساڑے شہر وچ پروسی، پوہنا اے ساڑا۔۔۔ فیر چلاں گے۔
وہا تیرنن، می تے محسوس۔ (سمجھ کر دوست۔ وہ اڑاڑے شہر وچ پروسی، پوہنا اے ساڑا فیر چلاں گے۔ وہ تیرنن ای تے محسوس۔) سمجھ کر دوست۔ وہ اڑاڑے شہر میں

پروسی ہے۔ مہمان ہے اڑاڑا شادی تمہاری، بھی تو نہیں ہے (شاید اس کی دوست روتھ گئی تھی۔)

جو سمجھ کر۔۔۔ چھا سمجھتی تو آتی شیل تھینک فل نو مو۔ ٹوپی کی برتھ ڈے پرا نا ناں دیدہ کر دیتی ہے۔

کیا بتایا تو تھا۔۔۔ ان نیوز دے۔۔۔ بس۔ آف کو رس۔۔۔ ویس ڈے ہوگا اس دن شاید۔
وہو سچاں لکھ۔۔۔ شاہد۔۔۔ کیا تین زاپا نوں کی کچھڑی پک رہی تھی ماوہ۔ معاف کرنا خط کہہ گیا۔ کچھڑی ت تو غالباً پنجابی اور انگریزی کی پک رہی تھی۔ اوروکا تو سمجھا روپا چاہا تھا۔ طارق نے جانے کب آن وار دہوا تھا۔ لی میں۔

در یہ نے ماڈتھ میں پر ہاتھ رکھ کر دیکھو اسٹیشن کر کہا۔

آپ کب آئے

تین ہی انیس ہو۔۔۔۔۔

اوسے میں آپ کی تاریخ پیدائش کب پوچھ رہی ہوں۔ وہ کہہ کر ہفون کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہیلو اوس۔۔۔ ہفون کرور گی اوس کے اس نے فون رکھ دیا۔

کیا روس کا کوئی زارا بھی تک چھا ہوا ہے طارق نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔
جی۔ وہ واقعی پریشان نظر آئی۔

اگر آپ کو بتانا پڑے گا میں تو سمجھتا تھا ساری دنیا پر آپ میرا حاصل معلومات دیکھتی ہیں۔ کبھی لکھا ہے کہ مجھے روں پر ہواٹھ حکومت کرتے تھے کہ نہیں۔ ان کا لقب ہوا کرتا تھا زار۔

اویہ تو مجھے پتا تھا۔ اس نے کہری سانس لیا۔

کہہ بیچے اب یہی کہیں گی۔ مجھے دل رکھنا آتا ہے میں نے یقین کر لیا۔ ویسے آپ اپنی سہیلیوں سے گفتگو بہت دلچسپ کرتی ہیں۔

آپ کب آئے تھے یہاں۔ پی میں سے تھوڑی تھکت محسوس ہو رہی تھی۔ آخر اس وقت سہیلیوں کی پرائیویسی کا چل رہی تھی۔

کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔ بلکہ زیادہ نہیں سنا۔ میں تو اس وقت حاضر ہوا تھا جب آپ مجھے پریویسی کے خطاب سے نو ذریعہ تھیں۔

اویہ۔۔۔۔۔

میں آپ کو کافی دیر سے تلاش کر رہا تھا۔

نہ ہے تعجب (خیریت

ریزرویشن کے لیے جاتا ہے۔ وہ آپ کا ڈرائیور دستیاب نہیں ہے۔ کیا کیا جائے۔ قریب کہہ رہی ہیں ان کے پاس۔ ٹینس نہیں ہے۔ دور ریزرویشن آفس یہاں سے خاصہ دور ہے۔ یہاں چاکس خوشی میں رہے ہیں ذریعہ کو دھچکا لگا۔

بھئی میں ایک ہفتے کے لیے پتا تھا۔ انٹرویو کا جو بھی وڈسٹ ہوگا کرچی اطلاع پہنچ جائے گی۔ پھر اگلے روز محل چان کریں گے۔

پھر بھی چھ جوتی تک تو آپ نہیں چاہتے۔ وہ قطعیت سے ہوتی۔

چھ جوتی کو آپ کی مقلی کے لذتیں گے وہ بڑی سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

ذریعہ لے مارا مٹی سے اُسے دیکھا۔ (کیسی دل دہانے والی باتیں کرتا ہے یہ پتھر) ہر تھوڑے سی ٹوپی کی۔

دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار سا ارتعاش ہوا۔ ٹوپی کی ہر تھوڑے ٹیڈ کرنے کے لیے تو میں ریزرویشن تک کینسل کرو سکتا ہوں۔ وہ نارمل ہو کر مسکرایا۔

اویہ تھینکس۔ میں تو سوچ رہی تھی۔ مقرر تو تھوڑی بہت کرو، میں گے۔ یہ تو بہت چھا ہوا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی فنکشن سٹی برہٹ ہوگا۔

کس قدر جھک کر بولتی تھی۔ کس قدر چمک پیدا کر لیتی تھی وہ اس کے سامنے۔ پتی طبیعت کے خلاف عمل سے وہ ایک روحانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی تھی۔

(یہ گیسٹو خدب کے پر لگے ہیں تم میں کہ میری گفتگو میں گڑبڑ نے کی کمرہ جاتی ہے۔)

اس کی مٹی میں ملی اونی نگوٹ کر بنا کر اعزاز میں پیش پڑی تھی۔

آئیے چلتے ہیں۔ اگر آپ سیاری کرنا چاہیں تو پانچ منٹ ہیں۔ ویسے تو آپ ہر دم

دیکھ کر نظر آتی ہیں۔

وہ پر ڈوہ نہجی۔

بھی اتنی ہی سنوئی، بالکل فی چیز کی طرح جس کا رچہ بھی نہ تھا۔ عارق نے وضاحت کی۔

اوہ۔۔۔ اس کا دلکش قبضہ لابی کی دیواروں کو سجاوٹ بخش گیا۔

کہاں چلتا ہے۔

بھی ریزرویشن کے لیے۔ چھ جوڑی کے بعد تو جاسکتا ہوں ناں یہ کسی دور کی۔۔۔

”سپاٹرو پورٹ کا وینٹیلٹن۔“ وہ میں کرلیں ناں۔ پھر کال ہوئی تو۔۔۔ پر بارہا نے جانے کی مصیبت۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بول۔

”اے نہیں یہ مصیبت نہیں بلکہ ہیر و گار آدمی کی جڑی خوبصورت مصروفیت ہے۔ ویسے

بھی مجھے اس جان بڑی یاد آ رہی ہیں۔ وہ بڑی دلچسپ ہی صورت بنا کر بول۔

ہائے۔ وہ یہ نہیں پڑی۔ (میں دعا کروں گی کہ یہ ملازمت تمہیں مل لگی جائے اور تم راہداری آ جاؤ ہمیشہ کے لیے)

چلیں۔

چلیں۔ مگر گھروں کو انظار م کروں۔ بلکہ یہاں کرین فولیہ۔ درتو یہ کو بھی ساتھ لے لیں۔

کیوں مجھ سے ملتا ہے وہ شراکت سے مسکرائی۔

اللہ دے خوش فہمی۔ ویسے یہ میرے علم میں تھا ہے کہ سب سے ڈرا بھی جاسکتا ہے۔ وہ مخصوص کٹاں دور لکھ اور استہزائیہ انداز میں بول۔

(حسن سے بڑ کوئی آسیب ہو تو بتاؤ) نہیں میں نے کہا شاید۔

ویسے فوڈ یہ کاغذ چار ہے بلکہ تھا وہ سچ اس کی رفتار اور کارکردگی چیک کرنے رہیں

کورس کر ڈھنگی ہوئی ہے اپنے دوستوں کے ہمراہ۔

رہیں بھی لگاتی ہیں۔ عارق بچا رہے کا دماغ تھوم گیا۔

وہ گھوڑوں سے متعلق ہر چیز میں دلچسپی لیتی ہے۔ پتا ہے پچھلے سال اس نے اپنی رتھ

ڈے پر پیاسے کیا مانگا تھا۔ سن عمر، بک ہاؤس۔ (ایک عربی گھوڑ)

واڑھی موچھ والد یا پشت پر باہوں والے چارٹاگوں کے ساتھ۔ وہ شریروں۔

وہ یہ کچھ نہیں نہیں بولی۔ جس جس دی۔

درتو یہ۔

وہ نکلون کورس کر رہی ہے بڑی ہوگی۔ عارق کو محسوس ہو اور اصل وہ کسی در کو ساتھ لے جانا ہی نہیں چاہتی۔

وہ توبیہ کے تصور سے، اپنے دماغ کو اس قدر منور کر چکا تھا کہ اس کے تمام طبیعت بھی کچھ

نہیں بھاتی تھی۔ نہ وہ لڑکیوں میں راجہ خدربخش کا مشاق تھا۔ این۔ ای۔ ڈی کر چکی میں تو

لڑکیوں کی شری موجود ہوتی ہے۔ حسن و مہارت کے ساتھ ساتھ ہڈی کی ذہانت، عقائد، خوش لباسی،

خوش روئی، خوش فہمی، چار برس وہ ان کے بچ گزرتا تھا۔ بڑی پارسائی اور عہد کے ساتھ وہ ایک با مقصد زندگی پسند کرنے والا بچہ بن گیا۔ سر نو جوان تھا۔

عورت کا احترام کرتے والد۔

اپنے مقصد سے محبت کرنے والد۔

اپنی زندگی میں گمن۔

مستقبل سے کبھی امیدیں رکھتے والد۔

وہ بہت سے نظریے پیچھاتا تھا۔

مگر یہ سب کی طرح دامن بچا لیتا تھا۔

عورت کی عزت کی نزاکت محسوس کرنے والا تھا کبھی دوستوں کی محفل میں کسی لڑکی کا قصہ مزے لے کر نہیں بتایا۔

شاہد یہ اس کی ماں کی تعظیم تھی جو اس نے بیٹے کے خون میں حنول کی ہوئی تھی۔

دو بیس تو نہیں تھا۔ مگر آج تک کوئی حد بن کر ملائی نہیں تھا۔

یہ بیٹے نے اس پر جلاو کر دیا تھا۔

جبکہ وہ تو اس گھر نے سے بیزار ہی ظاہر کرتا تھا جو اس قدر خونی تعلق ہونے کے باوجود تکی دور یوں کا حال تھا۔

آج بھی اس گھر نے لے لے کے تمام افراد سے اسے لگا نہیں تھا۔ مگر یہ تو یہ۔

جانے کیا ہے اس لڑکی میں۔۔۔ بعض اوقات وہ پریشان ہو کر سوچا بھی کرتا تھا۔
اور اس بچہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔

یہ بھی بعض لوگوں کے چاہنے کا اندازہ ہوا کرتا ہے۔

ذریعہ۔۔۔ اس کی ماں کا زمانہ۔ اس کے مہربان سے بھائی میں کی پسند بن چکی تھی۔ وہ اس سے بہت قریب سے پیش آتا تھا بلکہ پہلے کے مقابلے میں وہ اپنے لہجے کو بہت ہموار اور مہربان رکھتا تھا۔

مبادا اس کی کسی ایک نادانی کے سبب اس کے گھر والے فائز احمد کے تمام گھر والوں کو ہتکلیت کریں۔ اور سارا گھر اس کے صحرے ہو جائے۔

پسے تو اس کا دھیان بھی نہیں تھا۔ جب سے پلو بھی جان نے شوشہ چھوڑا کر ہست بندھ لی تھی تب سے اس کی سوچ میں تبدیلی آ گئی تھی۔

ذریعہ ایک ماورن امیر تھی۔ سب سے بولڈ ہو کر ملتی تھی۔ وہ یونیورسٹی میں اس قسم کے بولڈ ماحول سے گزر چکا تھا۔ اس لیے اس نے اس کی کسی اداک غیر معمولی کچھ کر تو نہیں کی تھی۔

ہاں اب وہ بعض اوقات اس کے آئینہ قسم کے مسائل پر کوفت ہی محسوس کرتا تھا مثلاً اسے پتا تھا ٹویہ کو لے جانے سے وہ خود کتر رہی ہے۔

یہاں اس کے اپنے دل کا چور بھی آئے۔ آ رہا تھا کہ وہ اصرار نہیں کر سکتا تھا۔ فی الحال وہ

کسی کو ہلکے تک دینے کو تیار نہیں تھا۔

پہلے اس سادہ و کم آہیر اور خاصی بیوقوف سی رکی کو تو پتا چلے "دور دور بھی جسے چاہتے ہیں اسے خود بخود تماشہ نہیں بنا جاتے۔"

دل کے مہمان خصوصی کے لیے کیا پروٹوکول ہونا چاہیے اس کی ترتیب اس کی اپنی تخلیق تھی۔

دل تو چاہتا تھا۔ کوئی ہمز تو ہو جس سے اس کا معنی خیز ذکر کر کے دل ہلکا کرے مگر وہ چھوٹی موٹی سی لڑکی۔ اپنے آپ سے بھی گھبرانے لگے گی۔ مگر اس تک بات پہنچ گئی۔ کیوں سے بھی آزمائش میں ڈالے۔ پہلے اس کے قابل تو ہو جائے۔

وہ نازک و نرم و دل آرم ہر کام میں بہن سے پوچھ کر کرنے والی۔ اپنے باپ کی حثیت سے بیزار۔ اپنی سہیلیوں سے بڑے زندگی کی اہمیت سے بیخبر۔

معمولی معمولی بات پر غور و فکر کرنے کی شوقین۔

وقت پر میچنگ ٹاپس لگم ہونے پر رولے کو تیار۔ وہ کم کم اعتماد و زیادہ ہوسرنے والی کتنا دل چاہتا تھا جب تک کہ وہ میں رہے اس وقت تک وہ "کھجور" کے سارے رہے ہر دم۔ در یہ فوزیہ بنی قدرتی کو یہ گھومتی۔ اپنی تھیں۔ شاید وہ خود صبح کرتی ہوں گی اسے تب ہی وہ زیادہ صبر نہیں کرتی تھی۔

ابھی جب رات کو نفل جتنی تب وہ سب کو چھٹی سی کافی بنا کر دیتی پھر اس کے سامنے بیٹھ جاتی۔ جب کارڈ لکھنے لگتے تو اس کے چہرے پر بے حد مسرت چھا جاتی۔ وہ کھجور کے ٹل بیٹھ کر پیشانی سے ہل جھٹک جھٹک کر کارڈ لکھتی۔ در حیر کی طرح سیدھی دل میں قرادہ ہوتے لگتی۔

اس کا خیال تھا روزیرویشن آفس سے واپسی پر کسی تتر۔ جی مقام کو بھی کھنگال لیں گے مگر اب سارا مزا کر رہا ہو گیا تھا۔

وہ بشر کے ساتھ اس کے پیڈروم میں چلے آئے۔ اسے اس کے بیل پر بٹھا پاؤں خود اس کے برابر بیٹھ گئے۔

بیٹھے میری بات غور سے سنو ان کی آواز بہت پست تھی۔ میں سن رہا ہوں چچا۔ وہ معصومیت سے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر ہمدردی کو ش ہو گیا۔ اس کی پریشانی کی مظہر سنجیدگی قابل دید تھی۔

انہوں نے سے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔

میں قد کا احسان مند ہوں۔ اس نے مجھے میرے پیادے بیٹے سے ملا دیا۔ میرا بین بہت بہادر اور صحت دار ہے۔

ہے نار
میں نے سمجھیں پہناتے ہوئے اسی زاویے میں بیٹھے بیٹھے، ثبات میں سر ہلا دیا۔

تو میرے بیٹے۔۔۔ ہائی بریوس۔

وہ چپ ہو گئے۔ کیسے دھتے سے دل پر پہاڑ جیسا دکھانا جاری۔

یہ تو یقیناً اچکا ہے کہ تہہ دے بہن بھائی تہہ دے ساتھ نہیں تھے۔ مبینہ سو عمر اور گزریا کو کوئی پکڑ کر لے گیا ہے مگر امید ہے وہ مل جائیں گے۔ دیکھو۔ ختم رونا اور نہ فکر کرنا بلکہ دعا کرنا کہ وہ ہمیں مل جائیں بالکل اسی طرح جیسے تم کھو گئے تھے، روتے گئے۔ بشر بخون کا سا صیغہ رہ گیا۔ گزریا کو بھی پکڑ کر لیں۔ کیا وہ بھی باہر کھینے کی قسمی۔ اتنا تو وہ ذہین تھا کہ جانتا تھا پچھرا کو اتنے دگوں کی موجودگی میں تو نہیں پکڑ کر لے جا جا سکتا۔

شاید۔۔۔ دھری بہت بھلی غور سے سن لائیے۔

وہ پھر بڑی منہدیگی سے ہمدن گوش ہو گیا۔ مگر اب اس کا دل ابھور رہا تھا۔ بس پاپ کا نام رکھ رہا تھا۔ بہادر بن کر دکھ رہا تھا۔

عائدہ آئی جو یہ گھر کا کوئی ملازم۔ خود کوئی ہو تم کسی کو بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم دو جاتے ہوئے فرین سے آ کر گئے تھے۔ یا تمہیں کسی نے آتار دیا تھا۔

کیوں

تہہ دے کیوں کا میرے پاس فی الحال کوئی جواب نہیں۔

چھایہ بناؤ تم کسی کے بیٹے ہو۔

پاپ کا بیٹا ہوں۔

تو پھر مینا پاپ کی بات مانا کرتا ہے۔ کوئی کچھ بھی پوچھے تو صرف یہ کہہ دے گا کوئی آدمی مجھے لے گیا تھا۔ جگہ کا نام نہیں معلوم۔ بس ٹھیک ہے۔

اس نے ثابت میں گرہن ہلا دی۔

اب جاؤ کیلو۔ کو دوسرا منہ لے اس کی پیٹھ تھکی۔

مگر وہ کیسے کھیل مکتا تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا۔ اس کے شعور کو تو متاقتیت کی رعایت بھی حاصل نہیں تھی۔ وہی شفاف و پاکیزہ محبت اور سیر یا سجادے سے بھائی کے رشتے کی پہچان کرنے والا معصوم بچہ۔

کھمبہ ن کارن پڑا تھا اس کے قلب کی زمین پر

لوگ بچوں کے متعلق خاصی خوش فہمی کا شکار ہیں۔ وہ بچوں کو کھلونے سے کچھ زیادہ سمجھتے ہیں اس لئے زیادہ نہیں۔

عائدہ بچوں کی حیات کھیں زیادہ متحرک اور تیز ہوتی ہیں۔ سن کے دکھ بلکہ زیادہ عظیم ہوتے ہیں کن کے پاس نہ تجریوں کے بہاؤ سے ہوتے ہیں نہ علی و لیلیں۔ لے دے کر اپنی معصوم سوچ اور اختراع۔ وہ بھی ناکافی۔ اس طے سے معذور۔

وہ تو تھک کر چلے گئے۔ پیچھے بچہ لگا رہا۔ لگا رہا سلاگا۔

تھوڑی دیر بعد عائدہ اور ان کے شوہر آ گئے۔ عائدہ کی بچاب نگاہیں بشر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ بھائی سے فکر بشر کے کمرے کی طرف پڑھیں وہ اب تک گم غم تھیں۔ پاپ سے بہادر

بننے کا مجھ کر کہہ۔

عائشہ نے اسے سینے سے لگا لیا اور ہنھوٹ ہنھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ بھوکھیاں اپنے
بھائیوں کی اور دوں کو کتنا چاہتی ہیں۔ یہ بھی اس مشرقی معاشرے کی ایک خوبصورت حقیقت
ہے۔ انہیں یقین نہیں رہا تھا کہ بشر کے بازوؤں میں ہے۔

اس کرو عائشہ۔ بچہ پریشان ہو جائے گا۔ ان کے شوہر نے ٹوکا تو وہ بشر کے رخصا ہونے
کے کی بوسے لے کر، لگ ہو گئیں کافی دیر خود کو سنبھالتی رہیں۔

خدا کے لیے وہ دونوں بھی اسی طرح مل چکیں۔ وہ بھرتی ہوئی آؤد میں دعا کرنے
لگیں۔

پھر بھائی سے پوچھ گچھ کرنے لگیں کہ کہاں سے دیکھے جائیاب ہوئے دونوں کچھ بھوکھیاں
کچھ سرخ لگا کر تھیں بمشکل عائشہ کے سواہت کے جوابات دیے اس نے بھوج کا پوچھا تو
کہہ دیا کہ سوری ہیں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ مگر سب کا ذہن پھر اس طرف چلا گیا۔ وہ
بہت تیزی سے عائشہ کے رخصت ہونے کا تدارک کرنے لگے۔

جیسے ہی ان کی گاڑی باہر نکلی وہ تیری سے اپنے پیدروم میں "تے جہ خانے کا دروازہ
کھولا۔ دو تین دینے ملے کر کے بیچ دیکھا

وہ سرخجھکائے میٹھی تھی۔ بالکل فطری اور ناقوس کی نظریں اٹھا کر دیکھتا تھا کہ وہ
وہ نظریں بچہ گئے۔ گزشتہ شب وہی شقاوت اور سندن کی انتہا کا انگس معدوم تھا مگر ابھی وہی

چترہ تھا۔

باہر آؤد روشن۔

اسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں تھا مگر جب وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر وہاں پہنچ گئے تو وہ
ہر خوش فہمیوں کے روشن بالے میں اپنے کی طرف بڑھی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد گھر کے طائرین نے دیکھا ان کی بیگم صاحبہ سرری شلوار سوٹ میں میوں
بیارہ درخشاں سے چہرے کے مہرہ صاحب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ان کی گاڑی گیٹ سے باہر نکل کر جانے کس منزل کی جانب دوڑ پڑی
تھی۔ اس منزل کا عنوان "یت علی شاہ کو تو معلوم تھا مگر روشن کو نہیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں رہا تھا اچھا بھلا گھر ہوتے ہوئے سا لگہ ہوٹل میں منانے کی کیا
شک بنتی ہے۔ ہر رگز کے رات میں کیا مہمان نہیں آ سکتے کیا پورا پاکستان رہا ہے۔ شاید یہ بھی
میٹیس سہل ہے۔ اس نے کپڑے اکاٹنے کے لیے دروازہ کھولی تو چونک پڑ۔ ایک بلیک
سوٹ کوٹ پیٹ مع نالی کے تھا جس کی پشت کے اندرونی حصے میں کار سے نیچے نڈن کی اس
مشہور ٹیلرنگ کمپنی کی مہر ثبت تھی جو دنیا کی نمایاں شخصیات کے میہمت تیار کرتی تھی۔ اس
کے ساتھ میچنگ پر طوم اور میچنگ ٹائلٹ سوپ خوبصورت پیکنگ میں موجود تھا۔ ایک
خوبصورت ڈیہ میں کف نکس اور نالی بھی موجود تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت سفاری
سوٹ تھا۔ ایک چٹا کس پر لگی ہوئی تھی۔ دونوں میں سے جو پسند آئے وہی

خوب سمجھتا ہوں اور یہ شکم۔ یہ سوٹ راتوں رات لنگر ہے نہیں آ گیا۔ یہ تمہارے والد
 محترم کی آخری بات۔ سوٹ راتوں رات لنگر ہے نہیں آ گیا۔ یہ تمہارے والد
 وہ چند ٹاپے کھڑے کچھ سوچا رہا، پھر بیڈ کی سمت آیا اور من پش کیا۔ کچھ توقف کے بعد
 دستک ہوئی۔

ہوں۔۔۔ آ جاؤ۔

میں۔۔۔ وہ صوبہ انداز میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔

دیکھو کھڑی وہ اپنی بھی صلاح کو بنا کر۔۔۔ اس کے چہرے پر ترشی کا عکس بھی تھا اور پیر سی
 کے سائے بھی۔ ملازمہ چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

آ جاؤ ہمیں۔ بھدہ ستوریتھ بھتھ

ٹوبیہ در چلی آئی۔ اس کی سمت دیکھتے ہوئے پیچھے ہاتھ کر کے آہستگی سے دروازہ بند
 کیا۔

میں۔۔۔

سامنے وارڈ روم میں ایک ڈنر سوٹ اور ایک سفاری سوٹ لٹک رہا ہے، برائے مہربانی
 فوراً اسے عیضریہاں سے نکال کر لے جاؤ۔

ٹوبیہ نے سخت جیے ابلی کے علم میں بخور طاق کو دیکھا پھر وارڈ روم کی سمت آئی۔ ہنٹ

کھوں، چند ٹاپے اندر لٹکے ہوئے سوٹات دیکھتی رہی، پھر دونوں سوٹ اتار لیے۔ وہ ڈنر
 سوٹ پر چسپاں چٹ بھی پڑا چکی تھی۔

مٹی تو نظرس پچی تھیں۔ وہ سمجھ چکی تھی ورطرق کے اثرات بھی جان چکی تھی۔ اس نے
 دونوں سوٹ اپنے بازو پر لٹکائے اور کچھ میں نہ آیا کیا بات کہے اور کمرے سے نکل جائے۔

طریق نے اسے دیکھا۔ حقیقت پھر فریب کے پردوں میں چھپنے لگی۔

انسان کی ذات اور وقار سے عظیم حقیقت اور گہری ہونکتی ہے۔

محوریت اور محسن سے بڑا عجیب کوئی نہیں۔

ٹوبیہ کے نرم بال اس کی پیشانی پر ٹھک آئے تھے۔ وہ ورنٹ چکن میٹ کے رنگ
 ڈریس میں تھی۔ سنا تجھوس دیں، بھنچن چہرے سے ہوا تھی۔

وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ وہ اس کے نزدیک چلی آئی۔

اس کے شانے پر معصومیت سے ہانا خوبصورت ہاتھ رکھ دیا۔

ساری کائنات اس کا نازک ہاتھ بن گئی۔ بہت سارا یوجھ شانے پر آ پڑا۔ بڑی غیر متوقع
 صورت حال تھی۔

آپ نے سنا کیا ہے طریق بھائی وہ دراصل آپ نے سوچا۔۔۔

جوانیوں نے سوچا وہ تمہیں کیسے پتا چل گیا۔ وہ بات کاٹ کر جھٹکتے ہوئے کچھ میں ہوں۔

وہ نظر اٹھ کر سے تخت سے دیکھنے لگی۔ اس کے شانے سے ہاتھ اٹھایا۔

وہ بڑی طاقتور ہستی تھی جس نے نا تجربہ کاری کے سن میں اس زیر کیا تھا۔ اس کا یہ غرور
پاش پاش کیا تھا کہ وہ خود مختار ہے۔ اور بڑے دوست قوت رومی کا، لکھ ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو
مجال نہیں کسی خیال کہ وہ اس کے حواس پر چھا جائے۔

جو غرور توڑتے ہیں وہ حریف ہوتے ہیں۔

جن کے بغیر زندگی پھینکی گئی وہ رنگ آمیز انسان دوست ہوتے ہیں۔

وہ اس کی حریف تھی۔

اور دوست بھی تھی۔

وہ زندگی کی گہرا محبت سے ناواقف لڑکی یہاں تک تونہ پہنچ سکی کہ وہ روحانی طور پر کتنا شعی
ہو ہے اس یہ محسوس کر سکی کہ وہ شوخ۔۔۔ منجیدہ ہو گیا اور اس کے سپرے یہ بڑی قیامت تھی۔

وہ اس کا پیا دہ رقی بھائی۔۔۔ نذر شوخ و چھا جانے والا۔

چھائیائیں، آپ کا غصہ کیسے اترے گا وہ معصومیت اور حققت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ

ٹھنڈی ہوئی مہتابی اس کے مقابل کھٹے چار نماز میں پوچھ رہی تھی۔

دوست کی سن اور دین کی حفاظت کرنے والے۔۔۔

دہائیت کے عزادارے کر حوصوت و نپا سے ناپل کرنے والے مقابل کھڑے ہوں تو

غصہ نہیں ہوتا محض دکھا دیا ہوتا ہے۔ اس کی مد سے قبل طارق کی شریا نور میں جوار بھاتا ٹھہ

رہا تھا اور اب وہ جہاں کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

بعض اوقات یادداشت جھٹی ہو تو پڑھی ہوئی پائیں پڑی صحت کے ساتھ سمجھ میں آتی
ہیں۔ جب پڑھنے والا بھی اسی قسم کے واقعے سے گزرتا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ تاریخ کی ایک
مکتب میں چڑھا تھا۔

سکندر نے ایران کے بادشاہ کو عظیم شکست دی تو اس کے ساتھیوں نے اس کی توجہ محل سر
کی جانب مبذول کر لی کہ محل میں ایک پینٹل حسن کی، لکھ شہر دی ہے بلکہ محل میں غیر معمولی
حسن کی فراوانی ہے۔ کیا مضائقہ ہے اگر وہ اس کی دید سے سیرب ہو۔ سکندر نے جواب دیا۔

میں نے وہر کو اور اس کے بڑے بڑے شہر وروں کو شکست دی ہے۔ میں نہیں چاہتا اب
اس کی کمزور عورتوں کے ہاتھوں شکست کھانوں۔

گویا جہاں فاتح بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ کہاں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہار سکتا
ہے۔

طارق نے قرنوں قبل مرے ہوئے سکندر کی کیفیت و عزم اور ایک بڑی بچی و مردہ
غرور کو شکست دینے و کمزوری قوت کو محسوس کیا۔

یہ دارا کی شہزادی نہیں ہے۔

میں سکندر نہیں ہوں۔۔۔

یہ محل میں محسوس نہیں ہے سکندر

میں نے آسمانوں کا متلاشی نہیں۔۔۔

اس کے سامنے واہراؤ تھی۔۔۔

خیرے سامنے نہیں ہے۔۔۔

یہ دیوں کے سنگھان پر خاموشی سے برہنہ ہونے والی لڑکیاں اور آگ نہیں رکھتیں کہ وہ مقابل کھڑے ہو کر اپنے خیر خواہ کو کس عذاب میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

نہیں، میں ناراض نہیں ہوں۔ میں ناراض ہوں گی تو تمہارے سامنے نہیں رہ سکتا۔ وہ نظریں بند کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

تھینک یو سوچا، راق بھائی۔ وہ پھر اس کے قریب آ گئی۔

دیکھو ٹوٹی بات یہ ہے کہ نرمی بات یہ نہیں کہ مجھے استعمال شدہ کپڑے پیش کیے گئے۔

اس میں کاپلیکس کی بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ طریقہ غلط اختیار کیا گیا ہے۔

یوں بھی ہو سکتا تھا۔ ممافی جان مجھ سے کہتیں۔ عار راق شاید تم کپڑے وغیرہ نہ دے۔

عارضی قیام کی وجہ سے چاہتا ہوں اپنے ماموں جان کے کپڑے استعمال کر سکتے ہو۔ وہ تمہارے ہی

ہیں۔۔۔ اس سے اپنائیت کا احساس ملتا۔

لیکن یہ پورنڈور۔ سو مجھ سے بات کیے بغیر پیش کیے گئے۔ اس عمل سے ایک قسم کی

سمریت اور دوسرے انسان کو کم حشمت سمجھنے کا احساس ملتا ہے۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ

غضب حاصل کرنے کی بڑی، محققہ ذی کوشش تھی۔ کہہ دینا پٹی۔ پی سے کیونکہ مجھے خود نہیں ہا کب

تک ایسا ہو سکے وہ میرے سامنے نہیں اور میں غصے میں نہ آؤں۔۔۔ ورنہ ہر ہے میں غصے کی

کیفیت میں ان سے کوئی بات نہ کر سکوں گا۔ بلا وجہ ہی سمجھی۔۔۔

آپ کو کاشمیر غصہ بھی آتا ہے تو یہ نے اپنی پیشانی سے نرم تر شدہ بال جھٹک کر سادگی سے پوچھا۔ (س کی ہٹ کاٹی تھی)

عارق نے چوری سے اسے دیکھا پھر مسکرا کر وارڈوب کی طرف بڑھ گیا۔

دیکھو بھئی میں کوئی انٹرنیٹ یا پیشہ ور مسخر نہیں ہوں۔ میری تمام کیفیات نارمل انسانوں

جیسی ہیں (اب تم جلدی سے کچھ اور بڑی ہو جاؤ تاکہ ہم کو شرمناک باتیں تم سے کچھ کہہ سکیں۔)

وہ پیسے اپنی نے مگر مجھے یہاں سے یہ کپڑے لے کر نکلتے دیکھ لیا تو پوچھیں گی ضرور بھیج

وہ آپ کے کمرے میں۔ وہ جاتے جاتے پٹ پڑی۔

ارے نہیں۔ خدا کے لیے۔ میرے پاس یہ بحث کے لیے نام نہیں ہے۔

تو یہ کو اس کا خدا عجیب سا لگا۔ وہ چائے کیا سوچتی ہوئی باہر نکل گئی۔

وہ کافی دیر تک دھڑا مسکریں پر نظریں جمائے سامنے دیکھتی رہیں۔

وہ ریت علی شاہ بہت تیز ذرا یونگ کر رہے تھے۔ بعض اوقات وہ سامنے آنے والی گاڑی

سے اپنی گاڑی بچاتے روشن وائیں بائیں تھول کر رہ جاتی۔

اس نے چوری چوری وہ ریت علی شاہ کو دیکھا۔ ان کا چہرہ سپاٹ اور ہونٹ بھیجنے ہوئے

تھے۔ روشن کے چالے پچانے راستوں سے گاڑی گزری تو وہ ان خود سمجھ گئی کہ اس کا رخ دووا کی

سمت ہے۔ وہ اندر ہی اندر راز کر رہ گئی۔۔۔ کہ اسے دووا کیوں لے جایا جا رہا ہے۔

اس میں کچھ پوچھنے کی ہمت تھی۔ وہ ان سے بڑی سزا کے باعث بات کرنا چاہتی تھی
مگر حوصلہ نہیں ہوتا تھا، بالمشکل اس نے ہمت پیدا کی۔ شاہ۔ مجھے یہ تو بتادیں۔۔۔

خاموش رہیں۔۔۔ تمہاری آواز سننے سے بہتر ہے میں یہ گاڑی گھس دے ہوں۔

وہ غم سے اور روشن بنی جبکہ کانپ کر رہ گئی۔ پھر اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کوئی بات من
سے نکالے۔ یہاں تک کہ وہ گونھ (گاز) کی حد میں داخل ہو گئے۔

ان کی گاڑی پہچان کر لینی ہادی لپک کر گاڑی کے قریب آ گئے۔ روایت علی شاہ نے گاڑی
روک دی۔

سلام شاہ سائیک۔ کئی روز میں بند ہوئیں۔

علیگم السلام۔ خیریت رہی، کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟

خیریت کہاں شاہ سائیک۔ لہجہ بھلاؤ، دو سائیک ڈیوٹی کو بھی رات پوئیس پکڑ کر لے گئی۔
ایک ہادی ہاتھ باندھ کر کھڑکی پر جھک آیا۔

اچھا، چھانٹ کر نہ کرو۔ جب تک معاملہ ٹھیک نہیں ہو جاتا، میں نہیں ہوں۔ ان کے بچے
میں تری تری۔ پریشان چہرے پر رونق آ گئی۔

خیر ہوسائیک کی۔

وہ بت علی شاہ نے گاڑی آگے بڑھادی اور اپنے گھر کے سامنے روکی۔

خدا تمہیں تقریباً دو زنا ہوا ہر آ۔ گاڑی کا دروازہ کھولا، پیسے روایت علی شاہ کی طرف

کا، پھر روشن کی طرف کا روشن کے چہرے پر نظر پڑی تو چونک سا گیا، چپکے ہوئے چہرے اور
چڑھی ہوئی ناک وہی بیگم صاحبہ کے بھائی جانے یہ نئی عورت کون تھی۔

سلام علیکم صاحبہ سلام علیکم بیگم صاحبہ

علیکم السلام

ڈگی سے سامان نکالو، نام محمد اور چھپے والے کمرے میں لے جا کر رکھ دو۔

اور ہاں، پتی بیگم صبر مطلب ہے اس عورت کو بھی دیں لے جاؤ۔

خدا تم محمد کے سر پر چھپے ہار دوئی گود پہن تھا۔

جی ہاں، ناک؟

وہ بت علی شاہ نے ابرو چڑھا کر بڑی سنگین نظروں سے دیکھا۔ غریب تنگ خوار کانپ کر
رہ گیا۔

بہتر، ناک۔۔۔ اور جھٹک کر ہاتھ ان اٹھائے لگا۔

ایسی حالت سے تو وہ تہہ خانہ کی بہتر تھا۔ روشن کے منہ سے غیر روی طور پر نکل گیا۔

وہ بت علی شاہ بڑے زبردستی انداز میں مسکرائے۔

بعض اوقات مرد و عورت میں بالکل نیا اندھا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ پرانی عورت کو، پتا
آپ سوہنے سے پیسے سے تھوڑا بہت غور تو کر لی جاتا ہے۔ ایک پتہ تھا کہ سنبھال کر رکھنا
چاہیے۔ کیا خبر کل کیا ہو جائے۔ سب تمہیں ہی دیکھو بھی تنگ روایت علی کی معشوقہ و شریک

حیات بنی کلزی ہو۔ گویا سزا بھی اسی طرح پسند کر دی ہو جیسے پیوری پسند کرتی تھیں۔ اس سے تو وہ باچتا تھا۔ اس سے تو بچا چھٹا۔

تمہیں اتنی بات بولنے کی جرأت ہی کیوں ہوئی؟ تم میرے معاملات میں مداخلت کرنے والی کون۔۔۔؟

وہ بری طرح غضب ناک ہو رہے تھے۔

روشن زمین چھٹنے کی دعا کرنے لگی تھی کہ غلام ٹھٹھا ہنگامی سے ہوا۔
آؤ یکم صبیہ۔

سرمستی شو، روست میں مہوس عاروق نے ہوٹل میں قدم رکھا۔ وہ نیہ کی جان میں جان آگئی۔

جیڑی سنگی شہر، رکرتے اور پڑے سے کاہرہ روپے میں بیویں ٹوبہ بھی خوشی سے سرشار آگے بڑھی۔

کہاں چلے گئے تھے آپ۔۔۔؟ وہ بچوں کے عمارت میں شکوہ کرنے لگی۔

ایک جھوم بیکراں تھا، نہ لوں کا، نہ وہ صرف ایک سمت تھوڑا ہو گیا تھا۔

اس کی وارفتہ نظروں نے ٹوبہ کے معصوم چہرے کا بے قرار سا طواف کیا تھا۔ غیر ادوی طور پر ٹوبہ چونک پڑی اور الجھتی گئی۔

بغیر شگفتہ کے برتھ ڈے میں وہ غصہ کیسے ہو سکتا تھا؟ اس نے ایک خوبصورت بیکٹ اس کی سمت بڑھا پایا۔

بہت شکریہ۔ ٹوبہ کچھ عرصہ ہی بڑبڑاتی تھی۔

دریہ کچھ فاصلے پر کلزی تھی، اس کا دل کہیں کنویں میں ڈوبنے لگا تھا۔

یہ کیا۔۔۔ جن نظروں کے، تنہا میں وہ اپنے ہزار شوق بھول بیٹھی تھی وہ نظریں ٹوبہ کے چہرے پر۔۔۔؟

نہیں۔ نہیں۔ وہم ہے میرا۔۔۔

عورت میں قدرت نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ مرد کی ہر نظر کو سمجھ پڑھ سکتی ہے۔

گر عورت مرد کی نظر پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھتی تو۔

کبھی عورت سوچتی ہے، بن پاتی

نہ ہیر بن کر ورت شاہ کو شہرت دوام ملنے کا ذریعہ بنتی۔ نہ غلام بن کر مرہوتی۔

کبھی ہے اس نظر کی بات۔

عورت جان کر امجدان بن جائے وہ، لگ بات ہے۔ مرد نظر سے کہہ کر منکر جائے وہ اور بات ہے۔

وگرنہ سچ یہ ہے کہ نظر کی بات سب سمجھتے ہیں۔

دریہ تو اپنی کیفیت پر خود ہی پریشان ہو گئی۔

یہ۔ یہ اتنا عام شخص۔ میں اس کے بارے میں اتنی کانٹش کیوں رہتی ہوں یہ
تھرو ریٹک ٹین۔ ہونہر۔

خود پرست اور دانا کے پہاڑی سلسلے کی سب سے ہند چوٹی پر بیٹھنے والا غریب بھوکے جتنا
حساس ہوتا ہے۔

اور وہ تو بہت خفیف حالت میں اس کی منتظر تھی۔

ٹوبہ نے دونوں سوٹ درتہ کے سامنے ہی تو گرڈالے تھے۔ یہ کہہ کر۔

یہ بچے۔ آپ نے بھی میری برتھ ڈے کے دن ان کا موزا خراب کرنا تھا۔

وہ کتنی بھلی تھی اب سے کچھ دیر پہلے تک مگر اب۔ تو اس کے ذہن کے پردے پر وہی
ایک نظر تھی جو وہ اب نہ تو یہ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

سب سے زیادہ تو یہ احساس مارے دے رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے واضح کتنی پار ہوئی
تھی۔

احساس تو ہیں۔ کا ہولناک طوفان تھا جس نے دریہ کی ذات کو جڑوں سے ہل کر رکھ
دیا تھا۔

نہیں۔ شاید میرا وہم ہے۔ آج تو یہ کا برتھ ڈے ہے سب لوگ اس کو میرٹ۔ میو ریس
دیں گے۔

اس نے ہوشمند ناول سنات کی طرح اپنی حالیہ کیفیت کا سبب سوچا۔۔۔ درجے بڑھ

آئی۔

کہاں چلے گئے تھے آپ؟

طارق حلق دھر خوشی کا احساس سے ایک دم ہار آیا۔ قدرے چونکا۔

کیا آپ آخری دستخط کرتی ہیں اجازت نامے پر۔؟ وہ طنز پر بود۔

نہیں، آپ اپنا کلمہ چلے گئے تھے پریشانی کی بات تو تھی نا۔؟ کیا شہر ہے آپ کے
یہ۔

شہر نیا ہے۔ مگر یہ تو نہیں ہوں۔ اس نے تھوڑی رسمیت پیدا کی اپنے لہجے میں۔

نک میرے خدا۔۔۔ وہ ہے آپ سے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ جدی سے آجائیں۔

بھوک سے دم ٹھلا جا رہا ہے۔ قوزیا، ندھی طوفان کی طرح ت کی سمت آئی۔

ایک ہاتھ میں طارق کا ہاتھ دوسرے میں ٹوبہ کالے کرٹیکل کی طرف بڑھی جہاں بھی منزلہ
ایک چمڑے موم تینوں سے جکڑا رہا تھا۔

پھر مہمانوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ ہارنی پھوپھو کے بیٹے ہیں طارق۔۔۔ کراچی سے

آئے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کا خاص خیال رکھنا پڑ رہا ہے۔ یہ وضاحت میں اس لیے کر

رہی ہوں سمجھی آپ میں سے کوئی یا آپ سب ہی سوچ لیں کہ ہمارا ہاتھ کڑ کر کیوں نہیں کھینچا

ان کا کیوں کھینچنا؟ وہ شرارت سے مسکرائی،

نہیں نہیں۔ ہم بالکل کچھ نہیں سوچ رہے، تم بے فکر ہو۔ یہاں موجود تمام لوگ جانتے

پس کہ تم آج کل گھوڑوں پر کام کر رہی ہو۔

ہال کے درودیو، رقیتمیں سے رزنا تھے۔

صحیح معنوں میں طارق پہلی بار جواب ہوا۔

احسان فیسی کی روح رواں آج خاموش تھی مگر فوزیہ نے کمی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

یوں بھی فوزیہ اس قدر سادہ لوح اور ہنسی و مسکرات میں لکھن رہنے والی لڑکی تھی کہ اس کی کسی بات

سے نہ آدمی ہرٹ ہوتا تھا نہ نہ مانتا تھا۔ اور جہاں نے ثوبیہ کو اپنے ساتھ لگا کر اس کا رخ رجیم

لیا۔

پہلی برتھ ڈے ہے بی۔

تھینکس مچی۔ وہ معصومیت سے مسکرائی۔

پہلی برتھ ڈے ہے ثوبی۔ طارق نے کنٹرول نہ ہونے والے جذباتوں میں ڈوب کر کہہ

دیتے۔ اپنی تمام حسیات شریک کیے کھڑی تھی۔ اس نے پہلی کی سرعت سے طارق کے

چہرے کا مطالعہ کیا مگر اب وہ اپنی قوت اپنی گرفت میں لیے کھڑا تھا۔ نیپل کے چاروں طرف

انستوں کا سیلاب تھا اور پھر ن کا شور بھی اور پھر طارق یوں بھی خاصا حنا نو جوان تھا۔

دور سے نے بھی آگے بڑھ کر بہن کو مبارکباد ددی۔

آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ طارق نے دور سے کے غیر معمولی انداز کی محسوس کیا۔

ہوں۔ وہ سرسری سا ہوں کر گئے وہاں سے ہٹ گئی۔

کتنے نو جوان دور سے کے پاس جا جا کر آ رہے تھے۔ یکے کے ایک شاہکار، دروغ پرورد۔ جو
اس کی نالہ ہوا دینی بھی کر رہے تھے مگر جانے کیوں وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔ قریب
کے اختتام تک اس کا وہی موڈ رہا۔ طارق نے بہت شدت سے اس کا غیر معمولی رویہ محسوس
کیا۔

ذکر کے بعد ہال سے باہر ثوبیہ ایک صوفے پر بیٹھی اپنی ریشمیں رتق کر رہی تھی کہ طارق

اس کے پاس چلا آیا۔

ثوبی۔ دور سے کہاں ہے؟

پتا نہیں شاید اپنی کسی دوست کے پاس ہو گی۔ وہ اپنے مخصوص پرواز انداز میں بولی

طارق اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

تم نے سوٹ سے متعلق میرے الفاظ منتقل کیے تھے۔

ثوبیہ کے چہرے پر غصے ہوئے ہاتھ چند لمحوں کو ساکت ہوئے۔

خفیل۔؟ وہ ابھ گئی۔

بھئی کنوے convey وہ حمل آیا۔

وہ نہیں تو۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ بس ات سے شکایت کی تھی کہ آپ نے

میری برتھ ڈے پر طارق بھائی کا سوڈ کیوں خراب کیا۔

وہ پھر اپنی پٹیمیں لگ گئی۔

تو پھر شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس نے ٹویہ کی سمت استفادہ انداز میں دیکھ کر کہا۔

شاید۔۔۔ بس سوڑی بھی ہیں۔ اپنی۔۔۔ بوڈ وٹ وری۔ اس نے چھوٹی سی پونی خستہ کر باپروائی سے کہا۔

ہال میں میوزیکل پروگرام شروع ہو چکا تھا۔

بہت اچھے طارقی صاحب۔۔۔ آٹھ کی میوزیکل پارٹی کے آپ چیف ہیں، اور یہاں لگ تھلک پٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ فوزیہ دوری سے جتنی جلدی چلی آئی۔

میں اور چیف۔۔۔ طارقی واقعی شٹا گیا۔

ہوش کی دو کروڑیہ۔ کہیں گھوڑے پر سے تو نہیں گر گئی تھیں۔۔۔؟

اس نے بلیک پینٹ اور وہلنٹ چیک ٹرٹ میں بیوس فوزیہ کو شرارت سے دیکھ جس نے باس کی دو چھوٹی چھوٹی چوڑیاں بنا رکھی تھیں جو صومیت کی ترجمانی کا قریضہ انجام دے رہی تھیں۔

ٹوٹی۔۔۔

جی ہاں۔۔۔؟

جات۔۔۔ تم انہیں بہت تنگ کرو۔۔۔ کیوں کہ تمھارے تہہ دی ہے۔ یہاں تک کہ یہ گانا نہ ڈالیں۔

پہلے مجھے یہ تو بتا دیجیے کہ میں نے کب یا کس دن حالت نیند میں بڑے غلام علی خان، چھوٹے غلام علی خان یا درمیانے غلام علی خان سے اپنے خاندانی تعلق کا ذکر کیا تھا؟ کیوں اور کس محو زین کے سامنے قیامت ہو گئی گی۔ وہ بے چارگی کے مسائل میں بور۔

بتاؤ۔۔۔ فوزیہ نے شرارت سے اپنی بھوری آنکھوں کو گردش دی۔

آپ کو قسم ہے۔۔۔ ضرور بتا دیتے۔۔۔ وہ بتاؤنی، روہائی آواز میں بور۔

وہ اس دن جب آپ ہمیں علی ڈائری پوائنٹ پر لے گئے تھے۔ سب لوگ تو اوپر ہی تھے میں، وہ آپ پالی میں اترے تھے اس دن پانی میں پٹھے کیا کارہے تھے؟

او میرے دل کے چٹن۔۔۔ چٹن آئے میرے دل کو دے کیجیے۔

طارقی فس دیا۔۔۔ وہ واقعی درست کہہ رہی تھی۔ یہ نعرہ سے ہمیشہ سے پسند تھا۔ پتا نہیں کب روایتی میں گنگنا مینا ہو گا۔

ب شرقت سے تنگ جانیے، میں کپیٹر کو آپ کا نام بتا کر آئی ہوں۔ چلیے اٹھیے، شاہ ش۔۔۔ اس نے اپنی بے تکلف اور مادہ طبیعت سے مجبور ہو کر پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

طارقی اٹھ کھڑ ہو، یوں بھی اسے نرے اٹھو، نے کاشوق نہیں تھا۔ ٹویہ بھی خوش خوش اٹھ کھڑی ہوئی۔

پروگرام شروع ہو چکا تھا۔ فوزیہ ٹویہ سے لے کر گلی بیٹوں کی طرف بڑھ گئیں۔ توڑی دیر بعد طارقی کا نام نا اس ہو۔ شوق گانے والے کے طور پر۔

وہ پُر اعتماد تھا اور یونیورسٹی سے باہر کے فنکشنر بڑی عام سی چیز ہوتے ہیں اس نے تو بڑے بڑے سٹورز کے بانی رکھے تھے۔

ہڈیاؤں کا رچا ہوا سب کے سامنے آیا۔ کسی وقت، دیگر ایک چٹ لے کر اس کے باہر آیا۔

اس نے چٹ پر نظر دوڑائی۔ کوئی بوس غزل نہیں بلکہ فاسٹ برہم کا کوئی گیت۔ ٹوبیہ وہ مسکرایا۔ اور آگے بڑھ کر میوزیشن گیت کے بول بتائے۔ زمین شروع ہوئی۔

اس نے موڑ دیا، غریب کی سہمت ایک نظر دے۔

مجھے عشق ہے تجھی سے ہاے جان زندگانی

تیرے پاس میرا دل ہے، میرے پیار کی تشانی

ہال کے ماحول میں ایک جوش و ہمت پھیل رہی تھی۔ حاضرین کے چہروں پر ہنس مکھ رہا تھا۔

میری زندگی میں تو ہے۔ میرے پاس کیا کمی ہے

جسے ڈر نہیں خزاں کا۔ وہ بھارتو لے دی ہے

میرے حال یہ ہوئی ہے تیری خاص مہربانی

غضب کی خواہش اور نھر پور مردانہ وار تھی۔ لوگوں نے بے ساختہ سراہا تھا۔ فوزیہ جی درباہت پر چھوٹی نہیں جا رہی تھی۔

اس نے گیت ختم کیا تو ہاتھ دھو کر بائیس شروع ہو گئیں۔ چند لمحے کے لیے تو پریشان سا ہو گیا۔ پھر اس نے نہ ہانپا کستانی گیت چھیڑ دیا۔

ہاں چڑکیک ہار پھر سکوت چھا گیا۔

دل تیرا یاد ہے جب بھی تجھ پر ہے صبح

گوت یا دوس گوز نچیر پیتائے گا

وہ گاتارہا، حوالہ سگست رہا، پورے ہال میں اس کی دلکش واز گونج رہی تھی۔ وہ وہاں سے کہہ بیٹھتا تھا کہ ایک بار پھر زور تارتا لیکن آج انھیں۔ اس نے سامنے نظر کی تو چونکہ سا گیا۔ سامے تنہائی اہتمام سے نئی سنوڈی ڈریس کھڑی تھی۔ اس نے نیم کلا میٹکل طرز میں غزل شروع کر دی تھی۔

اگر یہ تو باقاعدہ مگوکارہ ہیں اس لئے تو زیہ کی طرف گروں سوز کر حیرت سے کہہ دیکھتے تھے جیسے کہ گناہوں پر۔

اس نے غزل سے پہلے غزل سے ہم آہنگ اشعار رقم سے سنائے۔

یہ تیر «ضبط» اور وہ شعر سناؤ می

سورج کے آگے سونہری دیوار کھڑی

ولہذا وہ لوگ یہاں سے گئی آواز میں ابھرے۔

تجربہ، حساسیت اور کتب کے کسی درجہ کا ورغ

آکھ کے دل میں اتر جائے تو کیا ہوتا ہے
تو کہ سب طبیعت ہے تجھے کیا معلوم
موسم بھر چھوڑ جائے تو کیا ہوتا ہے

یہ دیرتہ ہے۔؟ دیرتہ کے خضائی کزن نے تجب سے کہا۔۔۔ سب دیرتہ نے غزل شروع کی۔

کچھ تو ہوا بھی سرخس، کچھ تھا تیرا خیال بھی
دل کو خوشی کے ساتھ ساتھ، ہوتا رہا مال بھی

وہ دیرتہ یہ سوز کہاں سے آگیا۔۔۔ اس کی ایک دوست شہریت سے چہکی۔
ڈیرتہ مسکرا دی۔

میری طلب تھا سیک شخص، وہ جو نہیں ملا تو پھر
ہاتھ دعا سے یوں گرا، بھول گیا سول بھی

غزل کے اختتام پر اس نے فرما، کس پر یہ شعر و پارہ بنا تھا۔ کئی دوفرما نہیں ہوئیں مگر وہ
مسکرا کر، یک کے سامنے سے بہت گئی۔

تم کچھ نہیں سناؤ گی ٹوپی۔؟ راق نے پہلو میں بیٹھی خوشی سے گھنٹا ٹوبہ کو دیکھا۔
یہ جو بیٹھے ہوئے ہیں تار۔۔۔ سب بھاگ جائیں گے اس نے مدھری ہنسی میں کر پنا

مذاق آپ اڑیا۔

الئے گھس۔۔۔ تھپہ دی آواز تو بہت خوبصورت ہے۔ وہ بے ساختہ کہہ گیا۔
آپ کو کیا پتا؟ اس نے مخصوص انداز میں پیشانی سے بال جھٹکے
ہاتھ تو نہیں ہیں تھپہ رہی۔۔۔ وہ جانے کس خیال کے تحت مسکرا دیا۔
ہاتھ ہمارے۔۔۔ وہ ہنسی۔

طاق راق بھاتی باتوں والی آواز دوسری ہوتی ہے اور گانے والی دوسری۔ اس نے بڑے
معصوم انداز میں اپنی طبیعت بھاری۔

طاق راق اپنے بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ رکھ سکا۔

دیرتہ بھلا یہ قہقہہ نہ پہچانتی۔۔۔ اس نے اس طرف دیکھا جہاں سے قہقہہ اُٹھا تھا۔ وہ
فوزیہ اور ٹوبہ کے درمیان بہت فریض سا بیٹھا تھا اس نے ہنک ورنہک محسوس کی تھی نہ جانے

کس۔۔۔ اس کے منگ گنہوار ہوا، اک اک لہذا اس کے
حافظے کی سکرین پر جاگ اُٹھا تھا۔

سامنے ٹی وی کے ایک مقبول گلوکار نے غمہ چھینر دیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اس سمت متوجہ ہو
گئی تھی۔

رات گئے تک فنکشن جاری رہا، احسان صاحب اتنی رات تک فنکشنز انیڈ نہیں کرتے
تھے مگر بچی، ڈی بی کی خوشی کے لئے وہ فنکشن کے اختتام تک بیٹھے رہے۔ وہ ہنسی میں یہ ہوا

کہ مائرسٹل دونوں میاں بیوی اور دیرتہ بیٹھ گئے تھے اور دیرتہ کی شیراز میں فوزیہ ٹوبہ اور

الحمد لله رب العالمين

حاضر نے خامی گہرائی سے یہ بات نوٹ کی کہ دریا ان کے ساتھ نہیں بیٹھی۔ کیوں؟
شاید اس در سے کہ میں لڑنا چاہتا ہوں۔ اسی سوٹ کی وجہ سے۔۔۔ اس نے خود ہی سبب بھی
کہنا گل لیا۔

پھر سر جھٹک کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ پورے تڑکانے سے سابقہ ورحید پرل کاٹی
 فینٹل سے گاڑیوں ناؤں تک کا فاصلہ اب وہ تاپ سکتا تھا اس لیے اس نے اسٹیرنگ فونز
 سے لے لیا تھا۔ سٹینس تو وہ اپنی مختص طبیعت کے بموجب ساتھ رکھتا ہی تھا۔ تو یہ اس کے
 ہمراہ تھی۔ ماحول کن چاہتا پھر وہ کیوں دروہ کے پارے میں سوچتا۔“

گلی صبح دو گز چنی کے لیے عتدوم سفر ہو تھا۔

ایشین پریستون سے چھوڑنے کی تحصیل اس نے وہ یہ کے رویے کے سبب کوئی ناکام
بات نہیں جھینزی۔ اور اپنی اسلٹ کرنے واسطے کی تو وہ پورا بھی پورا نہیں کرتا تو
کراچی ایشین پریستون اور فاروق اس کے ملحقہ تھے حبیب بے ساختہ اس سے لپٹ
گیا۔

[illegible]

وہیے چھوٹے بھائی یہ سماتے ہی لڑا لڑا رہا ہے۔ (قاروق نے اپنی چار کی سطح پر استعمال کی) (وگرنہ شکر منا رہا تھا کہ یہ ہاتھ چھو کچھ دن تو سکون کے گزریں گے۔ طارق نے حسیب کی پشت تھپتھا کر قہقہہ فغا میں چھوڑ دیا۔)

تینوں بننے مسکراتے گھر کی طرف چلے۔

اماں جان تو خوشی سے سرشار نظر آ رہی تھیں گویا برسوں بعد وہ انہیں ملا تھا۔ بڑی سادگی سے پوچھنے لگیں۔
 بیٹے تو کمری مل گئی۔۔۔؟

عراق بہ سخت مسکرویا۔ نوکری کوئی گمشدہ چیز تو نہیں ہوتی جو یک روز مل جائے۔ آج کل تو بے محسوس ہر چیز لاپتہ ہونا چاہتے ہیں۔ گمشدہ طور میں نہیں چاہتے۔

نوکری یا ملازمت ایک بے صلاحیت تعلیم یافتہ کا حق ہوتی ہے۔ اس ملک میں جس کا وہ شہری بنتا ہے۔ ابھی تو میں نے حق و در ہونے کا علم کیا ہے۔ میرے علاوہ اور بھی بہت حق دار تھے۔ جو نوادہ حق دار ہوگا اسے پیسے حق مل جائے گا۔

درے تو قول پورے پورا سنری بن کر آگئی۔۔۔ وہ ہنس دیں۔۔۔ وہ بےوقوف یا جاہل تو نہیں تھیں۔ اس کی بات سمجھ چکی تھیں۔

وہ تو اس ذیل سے پوچھ بٹھی تھیں کہ دس دن لگا کر آیا ہے میں یہ فیصلہ سن کر ہی آیا ہوں۔
 ماب جان کہیں آپ دعا کریں کہ میں اس پوسٹ کا جائز حق وارث بن جاؤں۔ میں کسی کا حق

چھیننا نہیں چاہتا۔ مگر حق دار بننے کی خواہش رکھتا ہوں۔ درپیکر اس جان جو تقدیر میں ہے وہ تو کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ جلد یا بدیر وہ میرا ہے۔

کون؟ قاروق بھی تیرا کون میں چلا آیا جہاں اس جان کھانا پکانے کے ساتھ چائے پیتے ہوئے قاروق سے باتوں میں مصروف تھیں۔

وہ جان بوجھ کر کچن میں قاروق کو ہی طلب کر رہی تھیں۔ وہ دریہ کے سلسلے میں از حد پیچیدہ ہو رہی تھیں اب وہ اپنے بھائی کے

گھر بیٹھا۔ قاروق کی رہائی جاننے کی خواہش مند تھیں۔

اسوں سے ملے، اپنے۔ کیسے لگے تمہیں؟ وہ آہستگی سے پوچھ رہی تھیں۔ اور تیزی سے بری مریض کاٹ رہی تھیں۔

ظاہر ہے جیسے ہیں ویسے ہی لگے۔ وہ پردہائی سے یوں۔

مطلب پشیمانے تمہیں۔۔۔؟

میں ان کو پسند کر کے کیا کروں گا؟ وہ استہزاء سے یوں۔

ہر بات کا الٹا جواب۔ وہ تھا ہونے لگیں۔ وہ شرم سے مسکرایا اور چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے دل کو دیکھا۔

اور ہاں۔۔۔ اسوں جان کھد ہے تھے۔۔۔ آپ کروڑ پتی بننے بننے رہ گئیں۔

اس جان کے گردوش کھٹے ہوئے ہاتھ چند لمبے کو ساکت ہوئے۔ بیٹا باخبر ہو کر چلا

تھا قاروق اسے حیرت کے مزہ بند کرنا بھول گیا۔

وہ کیسے چھوٹے بھائی؟

اسے یوں ہی اپنی ہانگے چلا جا رہا ہے۔ یہ نہیں بتا رہا پیپاں کیسی تھیں، ٹھیک، ٹھاک، خیریت سے تو تھیں۔

بالکل خیریت سے تھیں۔ اور انہیں ہونا بھی کیا ہے۔ اس نے کپ میں رکھا یا۔

خدا کا کرے انہیں کچھ ہو جیتی رہیں۔ انہوں نے قیمتی ڈاکٹرس ہٹلر اندر ڈی صورت حال کا جائزہ لیا۔

بھونے بھائی اس جان کروڑ پتی بننے بننے کیسے رہ گئیں۔ قاروق ابھی ٹکویں کھڑے تھا۔

چپ کر بیٹے۔ کس کی باتوں پر یقین کرتا ہے۔ ان کو قاروق کی بیوقوفی پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔

تمہاری ممالی جان۔۔۔ تمہیں کیسی لگیں؟ کوئی شکایت تو نہیں ہوئی ان سے۔

اگر ہو بھی جاتی بالظرف بحال۔۔۔ پھر کیا ہوتا؟ اس نے فریج کھول کر تھکا جھکی کی۔ وہ اس کی بات پر براہم تو ہوئیں مگر جلد ہی قابو پا کر دوپارہ بولیں۔

اگر وہ تمہارے مزاج سے دور ہیں، تو کب ہرے میں ایسے گھر میں اپنے کسی بھی بچے کا رشتہ نہیں کروں گی۔ چاہے وہ میری قریبی رشتے دار ہوں یا دور کے۔

لیکن ابھی تو پبھی میاں کے دشتے کے بارے میں سوچ رہی ہوں گی۔ سوادہ آرزو نکال کر میں دھونے لگا۔

بھی۔۔۔ ۱۹ مارچ ۱۹۷۱ء۔ کیا مطلب؟ قیام روق بھی ٹھہرے گا۔

کہا تھا یہ بھی پیامِ دلِ دوں فوزیہ کے تھے۔۔۔ ان کی جہاندیدہ نظروں نے مجھے کو
مٹونے کے انداز میں دیکھا تھا۔

اور جسے انہیں جان۔۔۔ خدا کی پناہ میں نے آڑ دوں گا۔۔۔ سب سے پہنچنا کر کانوں کو ہاتھ لگایا۔
۔۔۔ پھر منہ سے نکالی کہ خوفزدہ و تدبیر میں گویا ہوا۔

اسے انسان نہیں گھوڑے پسند ہیں اس قدر گھوڑا اس کے متعلق باتیں کرتی ہے کہ انسان اس کے پاس بیٹھ کر خود کو تقریباً گھوڑا ہی سمجھنے لگتا ہے۔۔۔ بلکہ میرے پاس نہ بڑی مشکلوں سے تعلیم دی گئی ہے مجھے اس سے نہیں کہ وہ فوزیہ کے اسطبل میں رونق کرنا چاہتے تھے، بلکہ اس لیے کہ میری ذات سے ان کا نام روشن ہو، ورنہ پاکستان کو غلامہ پہنچے۔

امام چان اول کھول کر منیت سے ہنسیں

اسی ہے، تھپو ڈا رہا تھا، گھر سونا ہو رہا تھا میر۔ وہ محبت سے پولیس۔

چھوٹے بھائی۔۔۔ یہ بتائیے، آپ کو تپا کس نے کہ باپ چن کر روٹی ہوتے ہوتے رہ گئیں مفارقت و انجی پیچیدہ تھمد۔

بات یہ ہے کہ اس جان سڑے کیلئے تھیں ایک مرتبہ ایک نجومی نے انہیں نے کاٹسٹر بتا دیا مگر

السلطنة

ہمارے سنانا نے رمی جان کو سہ کھینے کی اجازت دی تھی۔ ایک گروہ کی رقم لگی ہوئی تھی۔
اس فیصلہ پر۔

عراق نے نہایت عجیبی سے بھائی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دھجھکیا۔

فادروقی بہن کر رہ گیا، ہر جان ہستے ہوئے طارق کو تاویلی عقل سے گھوڑا۔

شرم نہیں آتی ماں کوٹہ باز ہٹاتے ہوئے۔

نگہ جو کیسے جا رہا ہے اتنی دیر سے پھر کیا کروں رہتا ہوں صبح بات رہا؟ فاروقی سچن
سے جا رہا تھا۔

بیٹے مگر تمہارے، مومن نے دوزخوں کے بھید بتا دیے ہیں تو ظرف سے پی جاؤ ان کو

آئندہ کبھی مذاق میں بھی اس بات کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے سبکے بھائی سے وری ایک عذاب کی طرح محسوس کی تھی۔ برواشت کرنا شروع کی پھر مہرہ گیا وہ میرا خون ہیں، ہاں جائے ہیں۔ میرے، مجھے، ان سے کوئی شکایت نہیں۔ انہوں نے اپنی مرضی سے، پسند سے غیروں میں شادی کی تھی اپنی۔ پھر وہ خود بھی غیر بنتے چلے گئے۔ مگر وہ مجھے بھولے نہیں۔ انہوں نے مجھے جیتے جی مر ہوا تو نہیں سمجھا۔ ورنہ وہ بلی بچوں کو کبھی یہاں نہیں بھیجتے۔

اس کا مطلب ہے وہ اپنے دل میں میرے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔

وہ مرد ہیں۔ مرد کی ناک کو تم جانتے ہو۔ میں چھوٹی بہن ہوں۔ مجھے جھٹکے میں شرم نہیں۔ بلکہ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے دو میان دو یوں ختم ہو جائیں۔ سراسی وجہ سے میں تم سے معطوم کرنا چاہ رہی ہوں کہ کیا حالت ہیں، میں عثمان کا رشتہ لے کر جاؤں یا نہیں۔۔۔؟
انہوں نے بغور بیٹے کے چہرے خصوصاً آنکھوں کو دیکھا۔

حالات تو ٹھیک ٹھاک ہیں، اماں جان۔ اماں جان بہت مصروف رہتے ہیں، بہن مہمانی جان لے میرا بہت خیال رکھا۔ دریا، فوزیہ، ثویب۔ نہ میں نے ان میں کوئی ایسی بات دیکھی کہ جو پریشان کن ہو۔

اس نے وہ تہہ کیا جس سے اس خوش ہو جائے۔
اور پھر آپ کو کاپلیکس کیا ہے۔ آپ دن کی سگی بہن ہیں۔ بھائی میں انکار کر دے کہ مجھے نہیں ہیں۔ خوش شکل، خوش لباس۔ سب سے بڑھ کر نیک فطرت۔ کن کو بھائی میں جیسا دوست پائی ملے۔ کتنے اسٹریٹنگ کتنے فناسٹنگ ہیں۔ انہیں تو دوسرے سے بھی بڑا دور ہے بہتر بیوی مل سکتی ہے۔ آپ کا دل چاہ رہا ہے آپ ضرور جائیں۔ دشواری کیا ہے۔؟

س نے گندھے ہوئے "ٹے" میں چاقو سے لٹش و ٹگار بنانا شروع کر دیکھے۔۔۔۔۔ اس سے اس نے واقعی ہٹی، اس کو وہی دورانی مضبوطی بخش دی تھی۔

پھر بھی وہ اس کے ہاتھ سے چاقو لینے ہوئے اتنا ضرور بولیں۔
اس سے پوچھ رہی تھی کہ تم سے کہ تمہاری پھوپھی جان ٹھیک کبھی تھیں یا نہیں۔۔۔؟ جان کا

ارادہ کہیں اور دینے کا ہے۔؟

یہ میں نہیں کہہ سکتا، میرے سامنے اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی۔

وہ فطری صاف گوئی سے بولے۔

اگر میرے غریب کو کا جواب آگیا، تو مجھے، ہر پھر جانا پڑا، تو آپ میرے ساتھ چلے

گا۔ کر بیچے گا ہاٹ۔۔۔ ٹھیک۔۔۔؟

ہوں وہ یہ خبر سے انداز میں ہوں کر کے رہ گئیں جانے خیالوں کی پرواز کہاں تھی۔

آئی میں ہوش میں نہیں رہ سکتا، اس کا ہیچ قطعی انداز یہ ہوئے تھا۔

کیوں ڈرنا؟۔۔۔؟ فیروزہ سنگھد کرتے کرتے چونک پڑی۔

اس سے کہ کڑیا ہوش میں نہیں رہ سکتی، وہ میں گڑیا کو کیا انہیں چھوڑ سکتا

دو فیروزہ کے پیچھے آکھڑا ہوا، اس کی خوبصورت اور بے پناہ روشن آنکھیں آئینے میں

فیروزہ کو دیکھ رہی تھیں

فیروزہ اسلوب پر کھنوم مکی دور عمر کے دونوں ہاتھ تھام سے چند ٹاپے قدرت کے، صم کو

دیکھتی رہی پھر سمجھ کر گود میں مگر

میری جان تمہارا کیا خیال ہے ہم کڑیا کا خیال نہیں رکھیں گے کیا ہم کڑیا سے صحبت

نہیں کرتے؟

یہ بات نہیں آتی وہ اس کے بازوؤں میں کسمپا بھرے ہمدرد ہو کر کہنے لگا آپ بھی لڑکی ہیں تارو آئی بھی لڑکی ہیں لڑکیا چھوٹی بچی ہے

اور تم بوڑھے سب ہو فیروزہ نے اس کی بات کا بہت شریر سا انداز تھا عمر بچہ چپک کر مسکریا پھر چپکے سے فیروزہ کو دیکھا فیروزہ کے مذاق نے اسے شرمندہ کر دیا

ت

بات یہ ہے آئی چا کہتے ہیں تم بڑے بھائی ہو تمہیں اپنے بھائی کا خیال خود رکھنا چاہیے فیروزہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا اسے محسوس ہوا کہ وہ پھر بشر کو پا کر کے بے قابو ہو جائے گا میری زندگی

کیا تمہیں ہم پر یقین نہیں تو دیکھو کتنے دن سے تم ہمارے ساتھ ہو کیا تمہیں کسی نے ڈانٹا مارا یا کھیلنے سے روکا؟؟؟

دیکھو یہ تمہارے کتنے چارے چارے تو ریسز ہیں شو ہیں یہ سب میں نے تمہارے پیسے خریداے ہیں ہٹی چاند سے اور محبت سے یہ سوانح کر کہ جب میرا بیٹا انہیں پسند کرے تو اس قدر خوبصورت لگے گا یہ ہماری محبت لکھ تو فہر کرتے ہیں اس نے بیڑ پر پھیرے ہوئے ساتھی کی طرف اشارہ کیا

نہیں آئی اس نے بڑی بڑی پلکیں جھپک کر یقین کا یقین دیا تو پھر میری جان تم لڑکیا کے پیسے کیوں فکر مند ہونے ہو؟ تم ہمارے بیٹے ہو ورنہ ہمارا

دیکھو ایک بات کہو؟ سنو گے؟ فیروزہ نے اس کی پیشانی سے ریشم ایسے ہال مسکائی؟ وہ ہمدرد کوٹھن ہو گیا

بیٹے بہنوں کو رشتہ اور مضبوط بھائی کی ضرورت ہوتی ہے چاہاں اور نالائق بھائی کی نہیں مگر تم لڑکیا کے شاندار سے بھائی ہو گے تو وہ تم پر فخر کرے گی لوگوں کو فخر سے بتائے گی کہ تم اس کے بھائی ہو

اسی لیے میں تمہیں کالونیٹ میں ڈال رہی ہوں وہاں کے سٹیج (stages) مکمل کرو گے تو تمہیں سوڈر لینڈ پر امریکا بھیجوں گی ہائر اسٹڈیز کیلئے جب میرا بیٹا پٹ کر میرے پاس اور لڑکیا کے پاس اور تارو آئی کے پاس عمر نے بات کاٹ کر گرد لگا لی وہ فیروزہ کے جملوں کے سمندر میں اب سر تک ڈوب چکا تھا ہاں ہاں تارو آئی کے پاس بھیج دو تم ہم سب کے پاس آؤ گے تو بے حد شاندار رہیں گے ہوئے ہو گے پھر اس وقت تم میرا شکریہ ادا کرو گے بلکہ لڑکیا بھی شکریہ ادا کرے گی

آپ اس کو بھی تو ایڈمٹ کرائیں گی؟ ہاں ہاں کیوں نہیں کچھ بڑی ہو چائے پھر تمہارے ساتھ ہی کالونیٹ میں پڑھے گی آئی میں پوچھتا ہوں کہوں گا

ٹھیک ہے وہ اس کے بال میٹھے ہوئے ہوں پھر پتا ہے کیا کرے گا؟

کیا کرو گے؟

میں تم کی کوکون، مار دوں گا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا

ٹھیک ہے فیروزہ اطمینان سے بولی

دیکھیے پھر تو پوئیس مجھے، ریٹ نہیں کرے گی نا کیونکہ میں خود پوئیس تفسیر ہوں گا؟

اس نے چہرہ اوپر کر کے فیروزہ کو دیکھا

پوئیس "فسر تو گون، رکنا ہے نا اسے (جارت) ہوتا ہے؟

ہے نا؟ وہ مصوبیت سے پوچھ رہا تھا فیروزہ نے اس کی حیران، اور مصوم "کھنکھن" بھوم

لیں ہاں مگر میں تمیں، آری آفسر بتانا پڑتی ہوں وہ پولیس، فسر سے بھی زیادہ نہیں ہوتا ہے

اے شوٹنگ اور ہوتی ہے (گوں، رنے کی جارت ہوتی ہے)؟

وہ پوچھ رہا تھا ہاں وہ ٹانے کے اندر زخمی بولی

ٹھیک ہے، اگر آری آفسر پوئیس سے پتہ چلے گا تو میں آری آفسر ہی ہوں گا چھا

یہ بتائیں، ایک "فسر جتنی چائے گولیاں چلا سکتا ہے؟

یہ تو اس کے رینک پر منحصر ہے بڑا رینک ہوتا ہوگا، آری گولیاں سے اور ہوتی ہوں گی

فیروزہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی

ستارہ چونہ جانے کب سے پاتھروم کے دروازے کے پتھوں بچ کھڑی ان کی باتیں سن

رہی تھیں پتے قلعے پر قابو نہ پا سکی وہ صاحب کی رینک، اور کیا گولیاں تمہیں تو یک ہی گولی

چاہیے اور لکھنا رہی تو ایک ہی لٹری ہے یاد چار در ہیں؟ ستارہ کی ہنسی پھر شروع ہو گئی

ٹھیک ہے سخت دھماکا کر ستارہ کو دیکھا

آپ کسی باتیں کرتی ہیں آئی کبھی تم یا بھی دو چار دقتی ہیں تم کی تو یک ہی ہوتی ہیں تو

رینک کہ حقیقی یا پھر اسٹیپ سوتیلیاں نے پڑے معصوم، انداز میں عیبت بگھا رہی دونوں قہقہہ، اور

کر فٹس پڑیں

تارہ بھٹی جلدی تیار ہو جاؤ میں جب تک عمر کے باقی سامان کی کانٹک کرتی ہوں گزیر

کہاں ہے؟

گل زمین کے پاس ہے وہ جلدی جلدی بالوں میں برش چلانے لگی

منج کے کو بیجے سے پہلے خوبصورت جیب کا زرخ مری روڈ کی سمت ہو چکا تھا فیروزہ ستارہ عمر

کو بچ میں بچانے اس کے ساتھ شہر رت عمری باتوں میں مصروف تھیں خوبصورت جیب چلا رہا

تھا گل زمین گزیرا کو گود میں بیٹے ہوئے خوبصورت کے ساتھ جھنجھی تھی گزیرا کو عمر کی وجہ سے ساتھ ساتھ

رکھ چڑھتا تھا دونوں بہنوں نے یہ بات خصوصیت سے نوٹ کی تھی کہ گزیرا سے ان کا خس سلوک

دیکھ کر عمر کے چہرے سے خوشی جھلکے لگتی ہے

گزیرا اس کی سوتیلی بہن تھی مگر سے بہن سے کس قدر بچی، والہ بھٹی تھیں انہیں رشک آتا

تھا عمر اس لمحے بہت خوش نظر رہا تھا خوبصورت مناظر تھے، جھنجھٹیں اور پھر گزیرا بھی اہم تھی

ٹوٹی

جی آئی؟ وہ کہن کو اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر فیشن میگزین چھوڑ کر اٹھ کر بیٹھ کر لکھنے لگی تھی
نے نہیں، چٹ گفٹ تو دیکھنے نہیں وہ اس کے پاس بیٹھ گئی

جی آئی، ابھی تو میں نے خود بھی نہیں دیکھا تھی دیکھو اس کے روبرو ہمارے ہیں وہ یہ دیکھے ہیں
میں نے اس سے قالین پر پڑے چند ٹیکسٹ کی جانب اشارہ کیا

دُریہ بھائی اشتیاق سے اس جانب بڑھی جہاں گفٹ ٹیکسٹ رکھے تھے

اس نے گفٹ اٹھا کر دیکھا شروع کیے ساتھ ساتھ وہ پچھنے ہوئے روبرو پر دینے والی
کے نام کی چٹ بھی دیکھ رہی تھی

ٹوبیہ، پروائی سے دوبارہ فیشن میگزین لے کر بیٹھ گئی تھی وہ یوں بھی اپنی آئی کی کسی
مصرفیت میں داخل درمستقوت سے نہیں کرتی تھی

دُریہ نے ہاپس اندر میں گھولے ہوئے گفٹ ایک طرف کیے، دیکھ رہی تھی

باقی گفٹ کہاں ہیں؟ اس نے پھر جیسی مصدوم سی، بے خبری کہن پر ایک نظر ڈالی

وہ ڈریسنگ روم میں ہیں

وہاں پہنچا دے؟ جاؤ اٹھا کر لاؤ وہ ٹوبیہ کے بیڈ پر بیٹھ گئی

ٹوبیہ میگزین رکھ کر ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور پھر ٹیکسٹ اٹھا کر لانے کا سلسلہ

شروع کر دیا

دُریہ ہر ایکٹ کی چٹ پر نظر دوڑا، کمرے واپس رکھ رہی تھی بنا کھولے، یکدم اس کے

چہرے سے جوش سا ناپیر ہوا نظریں روشن کی ہوئیں

اس کے ہاتھ میں بلکے گلابی رنچر والا چھوٹا سا ایکٹ تھا، اس نے بے تابی سے رنچر

پھاڑا، وہ اس سے خوبصورت سی ریسٹ وریج چمک رہی تھی

بھائی خوبصورت، اور نازک سی ریسٹ وریج تھی جس کا ڈائل بھی دلکش چمک دمک کا حامل

تھا، اور کناروں پر ہار ایک ہار ایک سفید نگینے بڑے ہوئے تھے

اس کے ہمراہ گلابی ہی رنگ کا چھوٹا سا برتھ ڈے کارڈ تھا جس پر سنہری چڑیا میں

سنہری پھول پیے آڑ رہی تھی اس نے کارڈ کھول کر دیکھا دل کی دھڑکن تیر ہو چکی تھی لکھا تھا وہ

ہیٹ وٹنرز یونٹ رنچر (your) لکھ کر کاٹ دیا گیا تھا مگر دُریہ نے محنت کر کے پڑھ لیا تھا

اس کا مسئلہ حل ہو گیا تھا، اور ابھی کیا تھا وہ کوئی سرخ نہ لگا پائی کہ معاملہ کہاں تک ہے

اس کے ذہن پر وہ آگھیس، ابھی تک محفوظ تھیں جو غیر معمولی چیزوں کے ساتھ ٹوبیہ کی طرف

موجہ تھیں

صرف یور سے تو بات نہیں آتی

اس نے ٹوبیہ کو تھکا ہوا تھا، ہڈیاں تھک گئیں بھی دیکھنا پڑ گئے ہر چند کہ اس کا قطعی سوا

نہیں تھا

اے آئی کتنی جیسا مئی ریسٹ وریج ہے ٹوبیہ آخری پھیپھڑاں کا کرٹھی تو فوراً شوق سے

ریسٹ وریج کی جانب متوجہ ہو گئی، اور پھر ہر گئی چٹ پڑھنے کے لیے رنچر اسٹ پٹ کرنے لگی

طریق کی طرف سے ہے یہ شخص اس نے عجیب سے تڑکے ہوئے لکھے میں کہا
ضرور ہوگا ان کی پسند بہت اچھی ہوتی ہے

میں کل فون کر کے اس کا شکریہ ادا کروں گی کہ مجھے ان کا گھٹ بہت پسند آیا
میں نے ریست ورج یا قاعدہ کلائی پر جانا بھی شروع کر دی، ظہار پسند چکی اس کی کہ
اک ادا سے مترشح تھا

تمہارے پاس تو بے تحاشہ دور ایک سے ایک خوبصورت ریست ورج ہیں ذریعہ کے مس
سے جلا اور وہ کل علیا

مگر طریق بھائی کا دیا ہو، گھٹ ہے، ہم کو کہہ انہیں پسند کرتے ہیں اس لیے ان کے
دیے ہوئے گھٹ کی اچھوری میں اس نے کلائی پر بڑھی ریست ورج کو کئی زاویوں
سے دیکھا یہ حقیقت تھی کہ اس کی کلائی جگہ تھی

ذریعہ نے بغور اس کے چہرے، اس کے الفاظ، اسکی آواز کا مطالعہ کیا پھر اٹھ کھڑی
ہوئی

”ہی آپ کو پسند نہیں آئی؟“ ثویب نے ذریعہ کی خاموشی محسوس کی
نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بہت اچھی ہے، اس میں شک نہیں

ثویب

جی آپ

دیکھو ذریعہ یہ جو شخص تھا حسب نے کرشل کا گھٹان گھٹ کیا ہے ناں، اسے میرے بیٹروم
میں بھجوایا وہ جو جہاز نکل جاپان سے پھول، اسے تھے ناں وہ اس میں جاؤں گی میں اسی
ہیپ میں چاہتی تھی، کہیں نظر ہی نہیں آ رہا تھا، بڑے گھٹان سے بیٹروم کی ڈیکوریشن اور مٹی
لگے گی اس نے

لے لیجیے آپ کو کوئی بات نہیں وہ بھی شاید ذریعہ وضاحتیں کر رہی ہے، وہ رست ورج، حقیقت
سے رکھنے میں لگن تھی

یہ کاروبار بھی تو دیکھو جو ریست ورج کے ساتھ تھا، ذریعہ نہیں چاہتی تھی یہ کاروبار اس کے جانے
کے بعد دیکھا جائے

ثویب نے اشتیاق سے پچھے ہوئے سامان پر نگاہ کی، درپنک کارڈ اٹھایا، ظہار پسند یہ گی
اس کی آنکھوں سے ٹپا ہوا

یہ نہیں نے کیا لکھ کر کاٹا ہے؟ وہ کارڈ راشنی کے مرکز کی جانب کر کے بغور دیکھنے لگی
اسے لکھنے میں غلطی ہو جاتی ہے تو کاٹ بھی دیتے ہیں ذریعہ نے ثویب کی توجہ کئے
ہوئے لفظ سے ہٹا کر اس کی آنکھوں پر مسموئی تھا

در ثویب نے بھی آنکھوں کو درست دینے سے ہتھکڑیا اور دونوں چیزیں ایک طرف
سمجھال کر رکھ دیں اور باقی تحائف سمیٹنے لگی، یہ باہر نکل گئی تھی

وہ بہت ہی شاہ جب گونڈ آئے تھے انہیں گھڑی بھری فرصت نہیں ملی تھی جو باہر نکل

ہوئے تھے اور جو گرفتار ہوئے تھیں ان کے اہل خاندان و رعیت علی شاہ کی سمت مدد و مددگاروں کے لیے دنگ رہے تھے

انہوں نے گرفتار ہاریوں کے اہل خاندان کو فوری طور پر رقم مہیا کی، ان کے پڑھنے والے بچوں کا ماہانہ مقررہ کیا

گرفتار ہونے والوں کی ضمانتیں کر لیں، ان کو بحال کیا، تحفظ کا احساس دیا، ان کے ہاریوں کے مسائل حل ہوئے تو قدرے سکون کا احساس ہوا

جب سے ہوش سنبھرا تھا، چالے کتنے قتل سے اور دیکھے تھے زمینیں خون کی چٹائی ہوتی ہیں، انہوں نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا

انہوں نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو مجبور نہیں کریں گے کہ وہ زمینداری جاری رکھیں نہ چاہیں تو جی ڈالیں ان کی پورے محبت اس بات سے خوفزدہ نہ تھی کہ ان کے بچوں کو زمینوں کے لیے غرضت سے پڑے

ان کے باپ کے ہم عصر و امیرے ان کے ہم عصروں کے مقابلے میں کہیں بہتر تھے آئے وہ، چھاؤقت، پیچھے ان لوں کی نہیں صرف ان لوں کی خوشحالی، تاہم اچھا اور بر انسان مابقہ پڑنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے

لیکن یہ انہیں یقین ہو چلا تھا ان کے بچوں کے ہم عصر و امیرے عاید و یروا سے زیادہ انہیں پسند ہوں گے

زمینیں بیچنے میں انہوں نے غفلت اس لیے نہیں کی تھی کہ زمینیں انسان کے حقوق کو مغربی سے بچانے کا بطور تھی ہیں

لیکن اب انہیں دنیا کی ہر بات کھوکھلی و غیر اہم معلوم ہونے لگی تھی انسان کا دل آجڑ جائے تو زمینیں کیا کر لیتی ہیں؟

السلام علیکم۔ انہوں نے حقیقی مسرت سے معمور جذبات میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔
علیکم السلام اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ انہوں نے ولایت علی کا شانہ بھنگی سے تھپتھا پایا۔

و رعیت علی شاہ ممتاز شادی کی طرف متوجہ ہوئے تو سے کشادہ ہار دیکھے توجہ کا منتظر پایا۔ وہ اس کے بہتے تھوڑے سے گلے ملے۔

آپ لوگوں نے تو حیران کر دیا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ بھی کبھی میرے غریب خانے پر تشریف نہ لیں گے۔

کتنے عرصے بعد و رعیت علی شاہ کے وجود سے کچھ مسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ انتہائی دُوب و حرم سے میاں صاحب کو، رام دہ نشست کی جانب لے گئے اور ساتھ ہی شادی کو بیٹھے کا شمار کیا، اور خود میاں صاحب کے ہاتھ محبت سے تھام کر ان کے برابر ہی بیٹھ گئے۔

آپ یقین کریں میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں ہے آپ کو سامنے پا کر یہ تمہاری محبت و مہربانی ہے و رعیت علی۔ میں تو گزشتہ کئی ماہوں سے تمہارے شہر میں

ہوں۔ آنکھوں کے آپریشن کے لیے یہ ہوا تھا۔ میں تو وہیں حیدر آباد میں علاج کرانا چاہتا تھا۔ شکر میں بھی اچھا علاج ہوتا ہے۔ مگر رشاری نہیں، نا، کہنے لگا، کراچی میں آنکھوں کا ایک ہرف کٹر ہے۔ بہت صاف آپریشن کرتا ہے۔ آنکھوں کا معاملہ ہے۔

رشاری نے بہت اچھا کیا میں صاحب، آنکھیں تو بہت اہم ضرورت ہیں۔ اگر یہ خراب ہو جائیں تو زندگی میں بہت مشکلات آسکتی ہیں۔

ہاں اور بت علی درست ہے مگر دل کی آنکھ خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں، میں اس سے ہسپتال کا نو مطلب کرتا ہوں۔ میں اس کا ہوں ولایت علی۔ اس سے زیادہ میرا کوئی خیال نہیں کر سکتا۔ میں اس کی چیز ہوں۔ اس کی ذمہ داری ہوں۔

ن کے لمبے کے بھروسے یقین و توکل نے درایت علی شاہ کو پھر اس سداہن کے نیچے، کھڑ کیا۔ جہاں سن دیکھی تھیں کے صنف تھے۔

گویا آج تمام سب ایک ہو گئے ہو میرا ساتھ کوئی نہیں دے گا؟ وہ سامنے واش-مین کے اوپر لگے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر پال پالانے لگے

”ہو میں ایک بندے سے بات ہوئی ہے کہ وہ ہاتھ میں ساتھ دینے کو تیار ہوں فاروقی تے امت کر کے مذاقی میں حصہ لیں

خدا تمہاری زبان مبارک کرے بیٹے، اہاں جان کن سے نکل کر پھر میں آ بیٹھی تھیں اہاں جان آپ بھی؟ عثمان نے مسکرتا ہوا کہا

بھائی میاں میں بھی؟ حسیبہ کتابوں سمیت اندر داخل ہوا
گلی میں بھی؟ حسیب متعجب ہوئے

میں بھی، ہو چاقوں کا وہ قریب کی کرسی پر بیٹھے گیا

ٹھیک ہی کہتے ہیں جب کھدائی تقسیم ہو رہی تھی مجھنا نے ہوئے بیٹھے تھے فاروقی نے تازہ میں پوری بات سن کر اظہارِ رقت کیا کرو

جس سختی تقسیم ہند ہوئے

حسیب براہِ مان گیا میں سمجھا آپ لوگ چھوٹے بھائی کے ساتھ، ہو چارہ ہے ہیں

اہم سب؟ یہ تو کرسی کے لیے چائیں گے، کسی سیڑھی جلسے میں نہیں فاروقی پھر بولے

سے چھوڑو اس کا بچہ پیچھے ہے دیکھو کتنی ٹیک، میڈیں لگائے میڈا ہے جبکہ سے تو پتہ بھی نہیں کہ طارق کے اظہار کا کیا جواب؟ پاسے خوشخبری تو سناؤ حسیب بیٹے پنے بھائی کو مبارکباد دو، اخیر سے ملازم ہو گیا ہے

حسیب کا چہرہ خوشی سے دھک دھکا چھوٹے بھائی رندہ باد چلیے منگائی کھائیے

بھائی کھوٹو تو مٹے دو، اہاں جان اور بھائی میاں نے جو پیسے دیے تھے سب لہو میں خرچ ہو گئے کچھ آتے جانے میں کچھ سیر و تفریح میں پھر ٹویہ کے لیے ایک ریٹ واقع

ن ہا نکل چھڑا ہوا کراچی اسٹینڈ پر اتر تھا

ٹویہ کے لیے ریٹ واقع؟ سب کے ذہن چمکے مگر پوچھا فاروقی نے

برجھ ڈے تھی اس کی

اور یہ سب دیکھ کر

فکر نہ کرو ابھی تمہارے باجائے آئیں گے منٹائی کی دکان لگا دیں گے، ماں جاں خوش ہو رہی تھیں

بوہر گھر کی راسخیں جھگڑائیں اور فالٹل جھڑنے گھر میں قدم رکھا، ماں جان کے وجود میں اچانک بکھر گئے

یہ ٹھیک ہے میں اور تمہارے باجائے ہوتے ہیں حادثات کا اندازہ بھی ہو جائے گا اور تم کیا کرو گے ابھی سے جا کر تقریباً وہ دن دیکھو تمہارے پاس آج بنگلہ دار ہے، یہی کوتم نے پٹی سیٹ سنبھالی ہے

اور منٹان نے طارق کو سمجھایا

ٹھیک ہے جو آپ لوگ مناسب سمجھتے ہیں کریں

بٹے بھر کے یہ تمہاری پھوپھی؟ کر رہا نہیں گی میرا میکے آئی ہوئی ہے آج کل

ٹھیک ہے پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں

میں تو دعا کر رہا ہوں، اللہ کرے وہ راجپوتی منڈی ہو رہی یہ بھی بن جائے۔ حسیب نے ضووع و خشوع سے دعا کی۔

منڈی نہیں کڑی، طارق نے جھجکی۔

نقد میں فلک جگا نہ تھے بکھر گئے۔

پارحس روہ کا پتہ نہ ہو وہ راہ چلتے نہیں۔ اور پھر آفت تو نہیں آئی کہ تم باجائی ضرور ہوو اور طارق نے شفقت سے حسیب کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

حسیب ن کے حقوق پر رونہ کے بیٹھ گیا تھا۔ آپ میرے ساتھ طارق، ناکیا کریں طارق بھی آئی۔

ماں جان اور باجائے جان لہ ہو چنے گئے۔ پھوپھی جان، گنیں۔ ماں جان صرف مسکرایا کرتی تھیں مگر اب پھوپھی جان کی مخصوص ہنسی بھی ان کی شرارتوں میں شریک رہنے لگی تھی۔

منٹان عموماً نشانے پر رہتے تھے۔ من کے بھائیوں سے زیادہ تو پھوپھی جان ان کی خبر گیری کرتی تھیں۔

یہاں لگتا تھا خوشیاں رنگ بن کر برس رہی ہوں۔

سب نے بیتابی سے پوچھا تھا کیا ہوا؟ ماں جان ہنس دیتی تھیں۔

اے، ابھی تو رشتہ دارا ہے سوچو کچھ کر جو بویں گے۔

یہ تو نہ کہیں یہ بھی جان۔ سوچو کچھ تو، فیوں نے خوب لیا، پھوپھی جان نے وجہ ماننے سے انکار کر دیا۔

پھر بھی ایسے لڑکیوں کے پتے کچھ صول ہوتے ہیں۔

ہاں یہ کہہ سکتے ہیں، انہوں نے حسیب کیا۔

دن بڑی بے تابی سے گزردے تھے مگر وہاں سے کوئی سے جواب نہ آیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا جس دن طارقؓ رہوڑہ وندہ ہوا۔ احسان صاحب کی بیگم کا لفظ اناں جان کے نام آ گیا۔ خط لکھتے ہوئے اناں جان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اناں کی بھانجی نے لکھا تھا۔

پیارے بہن عابدہ

اسلام علیکم

آپ کی خیریت کی دعا سے بات شروع کرتی ہوں۔ آپ ہمارے ہاں آئیں۔ ہم سب بے حد خوش ہوئے۔ اپنا آخر پنا ہوتا ہے۔ سب سے چھٹی بات یہ ہے کہ آپ نے میری اور احسان صاحب کی کوتاہیوں کو معاف کیا، یہ آپ کی ملاحظہ فرمائی ہے، احسان صاحب اور میں دونوں ہی اس بات کے خوشامد ہیں کہ ہماری پیچیدگیوں میں جائیں۔ ہاں شادیوں کے کئی کیسیر سننے میں آئے۔ دل ڈرتا ہے۔ میں آپ کو کونکر ہاؤس کرنا چاہتی ہوں۔ مگر ایک بات ہے۔ شاید آپ نے اپنے قدم پچھ کو ہٹا کر اس رشتے کو ڈکس نہیں کیا وگرنہ آپ دور یہ کو بھی عثمان کے لئے نہ لگتیں۔ کم رستم طارق سے خصوصیت سے چوتھیں۔۔۔ اب یہ اچھا نہیں لگتا طارقؓ و رورہ کی خاطر اسلینڈنگ ہو چکی ہو اور عثمان سے شادی ہو جائے۔ امید ہے آپ میری بات سمجھ گئی ہوں گی۔ جازت چاہتی ہوں غافلہ جی کو سلام۔ بچوں کو بہت سہیاد۔

آپ کی نور جہاں عابدہ

چند ٹاپے کے لئے تو وہ گویا زمانہ و مکان کی قیود سے آزاد کسی درجہ میں پہنچ گئیں۔

وہ بہت کچھ سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

اناں کی کیفیت صرف وہی عورت سمجھ سکتی تھی جس نے گھر کے ہر چھوٹے بڑے سکھ کی خاطر اپنی ذات کے ہر تھکنے کو نظر انداز کیا ہو۔ جس کی ہر سانس اپنے درست زندگیوں کے لئے اناں کی خوشیوں کے لئے، اناں کی مسکراہٹوں کے لئے دیا کرتی ہو۔

یہ کیا ہو گیا۔۔۔ اناں خود سے مخاطب تھیں۔

بہت فکر ہو، گھر میں کوئی نہیں تھا۔

اناں کے ہاتھ پیروں کی توانائی کہیں چلی گئی تھی۔ ذہن سن۔ حوس بست۔ بلکہ مغلوب ہو گئے تھے۔ یہ بات، اتنی معماں نہیں تھی جتنی ابھارتھی۔ اناں کے دور غم میں وہاں آنے والے وقت کی سرخیوں اناں کی نظروں کے سامنے گزرا نا شروع کیں۔

وہ بڑے حال سی ہو کر بیٹھ گئیں۔ سکھ۔

وہ خوفزدہ سی ہو گئیں کہ انہیں کچھ ہونہ جائے۔ جزوقتی ملازمہ کام کر کے جا چکی تھی۔ وہ بمشکل فون تک آئیں کوئی نمبر ادا کر کے منظر کی کھڑی رہیں۔ کرسی خاصی دور پڑی تھی۔ جیسے ہی شوہر کی آواز کالوں میں آئی۔ انہوں نے اپنے وجود میں سے سرے سے قوت دوڑتے محسوس کی۔ ایک آواز سانس اپنے سگتے سینے سے خارج کیا۔ میں بول رہی ہوں عابدہ۔ جی او کیسے آپ اسی وقت گھر گئے۔ میرا دل پریشان ہے یونگی۔

مجھے نہیں پتا جس آپ کو تانا ہے یا کرٹی جائے یا آئے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میر

قیال ہی نہیں آپ کو کام۔ کام۔ کام۔ مہینوں ہو جاتے ہیں آپ کو ڈھنگ سے بات کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ جی؟ جی نہیں، وہ کچھ ناراض ہوئیں جس وقت میری عمر تھی، میں نے اس وقت اپنے سنے آپ سے خصوصی حصہ نہیں مانگا۔

پورے پانچ بیٹوں کی ماں ہوں۔ اب کیا تنہا رکھوں گی آپ سے وقت لینے کی وہ اپنے، وہم، ہوشی، اور نصف بہتر جس نے حقیقت میں انہیں مکمل کر دیا تھا کی توجہ دینا۔ مگر پتہ نہیں کیوں رو پڑی تھیں۔

وسوسوں نے ان کی سوچنے دیکھنے کی ہر مصاحبت ٹھنڈی کر دی تھی۔

رہیو کریدل پر ڈال کر وہ ہیں کاربٹ پر عمر تمام کر بیٹھ گئیں۔

نظروں کے سامنے کبھی عثمان کا چہرہ، تاکبھی طارق کا۔

نہیں میرے بچہ۔ کوئی ایسی ویسی حرکت نہیں کر سکتا، کسی کو نے میں سوچے، دیکھتے اعتماد نے سراغ دیا۔

یقیناً ابھی جان سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔

مگر کیوں؟

کیا کوئی، ہاں ہئی مٹی کے ساتھ اس قسم کی بات وابستہ کر سکتی ہے؟

لیکن طارق؟ وہ تو دل و جان سے اس رشتے کا خواہاں نظر آتا ہے۔

اس کی ایک ایسی حرکت اس کے جذبات کا، ظہار ہے۔ پھر یہ ابھی جان سے ہلاک ہو گیا۔

محنت کے ذہن میں بجلی کی سرعت سے یہ خیال کوٹھا شاید عثمان کی خاطر، اپنے بھائی میاں کی خوشی کی خاطر، وہ اپنی خوشیوں سے دستبردار ہو رہا ہے۔ ابھی جان ٹھیک ہی کہہ رہی ہو گی۔

دگر نہ عثمان جیسے اعلیٰ عہدے دار تو جوان کے مقابلے میں وہ عورت جیسے نوآموذ کا نام کیوں بیٹیں؟ اگر وہ ہمارے گھرنے میں رشتہ کرنے پر آمادہ نہ ہوتیں تو کوئی اور بہانہ کر تیں۔ طارق کا نام کبھی نہ بیٹیں۔

اب کیا کریں؟ یہ خدا کیا ہے سنگ داری ہے میرے گھر پر۔ میں نے، اپنے بچے جان مار کر اس نے تو پروان نہیں چڑھائے کہ ایک دوسرے سے ادنیٰ طور پر دور ہو جائیں۔ نظروں کے رشتے قائم کریں۔ وہ بھی کسی عورت کے پیچھے۔ میرے بھائیوں کے نور سے دیکھتے گھر کی یہ قیمت تو بہت معقول ہے۔

سوچتے سوچتے ان کا دماغ پھٹنے لگا۔

جانے کتنی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہیں۔

محاکالہ تک جس کے آجنگ میں آگئی۔ وہ بمشکل خود کو دھکا کر گیٹ تک آئیں۔ گیٹ وا ہو۔ فائیک احمد نے قدم اندر رکھنے سے پہلے بیوی کا بیٹھ فارم چاہا۔

خیریت؟ ہاں، خیریت ہوتی تو فون کیوں کرتی۔ اندر تو آ جائیں پہلے، وہ ایک طرف ہو چکیں۔

دو اندر آگئے، کوئی آپ ہے؟ وہ خامسے بے چمن دکھائی دینے۔

غیر انسان تو کوئی نہیں ایک کاغذی طوفان البتہ ضرور آپ ہے۔

فلانی احمد کے آگے بڑھتے قدم ہاں کت ہو گئے۔ کیا مطلب؟

نند تو چلیں۔ ان کی آواز بھر بھگ گئی۔ نہ جانے کیوں ان شوہر کو دیکھ کر ان کا دل پیسے

سے زیادہ بھر بھر کر آنے لگا تھا۔

حسن دامن میں منہ چسپا کر، رو کر انسان ہلکا کرنے کا رمان کرتا ہے کسی خراب نہیں کے

موسم میں۔ وہ ان کے پاس تھا مگر زندگی بہت یاد بید گزری تھی۔

وہ خود پر قابو پا کر ان کے پیچھے چلی آئیں۔

جانے کیوں ان کی چٹھی حسن بتا رہی تھی کہ بات معمولی نہیں ہے۔

فلانی احمد کرسی پر بیٹھ کر اب بیوی کو بڑی تفصیل سے دیکھ رہے تھے۔

وہ کچھ دیر کھڑی کچھ سوچتی رہیں پھر فون کے پاس پڑے وہ کھلے خط کو، ٹھا کر ان کو تھما دیا

زندگی میں پہلی دفعہ فلانی احمد کو محسوس ہوا کہ کاغذ بھی وزنی ہو سکتا ہے۔

ان کا دل بھی پریشان تھا۔ ان کی بیوی نے کبھی انہیں اس طرح نہیں دیا تھا۔

ان کے ہاں پانچ بیٹے تولد ہوئے تھے۔ مگر انہیں یاد نہیں تھا کہ انہوں نے کبھی کسی ان کے

وقت ہاتھ پر چھوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اعصاب مضبوط کر کے خط پر نظر ڈالنے کی خط پڑھ

کر جنہوں نے تہہ کر دیا۔ ان کے چہرے پر خاصا اطمینان تھا۔ وہ تو شاید کوئی اندر ہٹا کہ جسم کی

خبر پڑنے کے لئے خود کو تیار کر چکے تھے۔

اس میں تو ایسی کوئی خاص بات نہیں، انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

عابدہ بیگم نے غصے سے دیکھا گویا، ان کی داخلی صحت ہر شبہ ہو۔

مطلب؟

مطلب یہ کہ ہم کسی لڑکے کا بھی رشتہ ان کے ہاں نہیں کریں گے۔ انہوں نے پر سکون

انداز میں کہا کہ خط پڑے پڑے کر دیا۔

گویا تھا اس ختم۔ انہوں نے چٹکیوں میں مسئلہ کر دیا تھا۔

انہوں نے چند ایسے شوہر کی سمت دیکھا۔ پھر آگے بڑھ آئیں اور معمول سے بھی زیادہ

آہستگی سے بولیں۔

اگر طرہ رقی جا ہے تب بھی نہیں؟

اگر اس نے کچھ چاہا ہوتا تو بہت پیسے کہ چکا ہوتا۔ خود کو قربان کرنے کا فیصلہ نہ کرتا۔

جیسا کہ تم بتا رہیں تھیں کہ وہ عثمان اور درویش کے رشتے پر بہت خوش نظر رہا تھا۔

لیکن ہم ایک دم اس طرح بات ختم کر کے نہیں بیٹھ سکتے بتائے میں یہ کیسے وہاں کہلو سکتی

ہوں کہ ہم اب آپ کہ ہاں رشتہ ہی نہیں کرنا چاہتے۔ بھائی ہیں میرے۔ جب وہاں سے

صاف لکھا ہوا ہے کہ وہ چپ ہو گئیں۔

تو پھر اصل بات طارق سے ہی پتہ چل سکے گی۔

تو گویا آپ کے خیال میں بھائی جان کسی غلط فہمی کا شکار ہیں؟

ہو سکتا ہے، فانی احمد جتنے پر سکون نظر آ رہے تھے اتنے تھے نہیں۔

اگر حقیقت وہی نظر آتی جو اس خط میں ہے؟

تو پھر تم وہی کرنا جو حقیقتاً ہونا چاہیے۔

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھتی، وہ واقعی نہیں سمجھیں۔

مطلب یہ کہ دریہ طارق کے لئے ایک لینا،

قیامت تک نہیں، وہ شوہر کی بات کاٹ کر تیری سے بولیں۔

کیا برائی ہے، لڑکی تمہیں پسند ہے، اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ عثمان کی دلہن بنے یا

طارق کی یہ تو وہ تمہاری ہی ہوگی، فانی احمد نے سمجھا۔

میری پسند کی بات تو رہنے دیں، اس کا تو ذکر ہی نہ کریں، عہدہ ہیگم سنگ کر بولیں، ندید

بولیں آپ جان کر انجان نہ بنیں، میں نے آپ سے کھل کہ بات کی تھی۔ اور آپ سمجھ بھی رہے

ہیں کہ معاملے کی اصل

نرا کھتہ کیا ہے۔

ایک لڑکی اورے دونوں بیٹوں کا انتخاب مان گئی ہے۔ آپ نے کتنی آسانی سے کہہ دیا

کہ طارق کے لئے، ایک بیٹا، فی الحال تو وہ، ابھی عقداں بھی نہیں ہے۔ یہ وہ گھر ہے گردونوب

رہے

بچے۔

بھائیوں کے درمیان کے پرانی تو کبھی نہیں کھلے گی۔ آپ آخر اس بات کی اہمیت کیوں نہیں سمجھ

رہے

گر عثمان کو ہنگ بھی پڑ گئی تو کیا رائے ہوگی اس کی طارق کے بارے میں؟ اگر میرے

بچے۔

دیکھو عثمان بڑا ہے، انجیدہ ہے، وہ بات کی تہہ تک، ترے کی مصاحبت رکھتا ہے۔ تم اسے

سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ تمہارے چھوٹے بھائی تمہارا حق، مانا رکھ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ

تعاون کرو، وہ جل کر بولیں۔

فانی احمد خاموش ہو گئے۔

میں تمہاری ہوں من رہے ہیں، آپ۔؟

ہوئی، ان کی ہوں میں خاصی ہوا سی تھی۔

رشتہ تو ہمیں ان کے ہاں بہر حال کرنا ہے۔ کیونکہ ہم اس معاملے میں کوہچکے ہیں۔

اب میں ہمیشہ کی وہ عثمانیاں نہیں پال سکتی۔

کیا کرو گی؟

میں، ہو جا کر طارق سے بات کروں گی۔ وہ میری بات نہیں مان سکتا۔

یعنی تم اس کی پسند کو اس کی بڑی بھائی ماننے کا کارنامہ سرانجام دو گی۔؟ شاید تم اپنی

بھائی بھی کہے ہوئے الفاظ بھول گئیں۔؟

بتاؤں پر میری ہر دشت سے بڑی بات ہے۔ اسی لئے تو میں نے گھبرا کر آپ کو بلایا۔
 بچہ کی موجودگی میں اس طرح بات کہاں ہو سکتی ہے۔ اتنی تفصیل سے (اپنے ذہن میں اٹھنے
 اور ہر سوال آپ سے کیا ہے تو دل کچھ ہلکا سا محسوس ہوا۔

خدا کا شکر د کرتی ہوں کہ کبھی کسی صحر کے سے نہیں سنت رہی۔ خدا تاحیات آپ کو صحت
 و عافیت عطا فرمائے۔ میرے سر کا تھیل مسامتہ رہے۔ خدا کرے مرنے دم نزع کے عالم
 میں بھی میرے سامنے آپ ہوں۔ میں مرنے مرنے بھی اپنے رب کا اور آپ کا شکر دیا کرتا
 اپنا اول فرض سمجھوں گی۔ کتنا سکھ کتنا یاد رکھتا حوصلہ دیا ہے آپ کے ساتھ لے۔ اے خدا ہم
 سی طرح قدم سے قدم ملا کر چلتے رہیں۔ آخر تک۔ آپ کی ذات سے مجھے یہ اعتماد ملا ہوتا تو
 آج زندگی کے اس نازک ترین موڑ پر اپنے ذہن میں اٹھنے والے طوفان کے ہاتھوں میں شاید
 پاگل ہو جاتی۔

فکر مند ہونے سے مسائل حل نہیں ہوتے عابدہ۔ تم تسلی رکھو۔ فالق احمد چوٹی کو سوچوں
 میں گم و کیچہ کر باطنی طور پر بے چین نہ ہوئے۔

چند دن اور گزر جائے دو۔ گداہی جلدی جلدی جانا مناسب نہیں۔ پھر ۱۔ ہر جا کر طارق
 سے تفصیل سے بات کرنا۔ تاکہ معدوم ہو سکے قصہ کیا ہے۔ تب ہی سا چا جانے گا کہ وقت کیا
 چاہتا ہے۔ ورم تقدیر کے فیصلوں سے کتنا اتفاق کرنے کے قابل ہیں۔ بس تم پریشان مت
 ہونا۔ اپنا خیال کرو عابدہ۔ جگہ میرا خیال کرو۔ جب تک کوئی نتیجہ جز بات نہیں ہو جاتی، دل تو

پریشان رہے گا ناں، وہ بولیں۔

تم پر دم کی کوئی عورت ہو عابدہ۔ مسلم عورت قرآن کا یہ سبق یاد رکھ کر۔ اے لوگو! نصیحت
 میں نہ رہو، صبر سے کام لیا کرو۔ نہ رتم پر جمی ہو۔ صبر کی نیت کر دو گی تو صبر کا پھل بھی مل جائے گا۔

خیال کرنا فی الحال اس خط کی بھٹک کسی بچے کو نہ ملے۔ ورنہ مسئلہ بڑھ سکتا ہے۔

فکرت کریں آپ وہ ناچار اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا دل بچھ چکا تھا۔

آپ نہ دھو کر آرام کریں۔ میں کھانا لے آتی ہوں، وہ گھر کے کھلے حصے کی طرف جڑھ
 آگئیں۔

آخر آپ بتائیں تو کسی اتنی افراتفری میں کیوں۔ ہو جا رہی ہیں۔ لا فاروق پیچھے پڑ
 تی گئی تھیں۔

دل لے لڑکے، ہر کام ہوتے ہیں، نونوں کے ساتھ۔

فاروق بھائی، کمال ہے آپ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے، ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا
 ۔ اس جان اسی لئے جا رہی ہیں ذرا ان کی خبر گیری کو۔ حسیب بود۔

رہے نہیں۔ اس جان کو چھوٹے بھائی جان کی فکر ہے۔ شاید ان کو سیٹ کرنے جا
 رہیں ہیں یعنی ان کا گھر بنانے جا رہی ہیں، فاروق نے پھر قسمیں لگایا۔
 گھر بنانے نہیں، ایسا نہ، حسیب بھرے سوچے بول گیا۔

اگر جان کا دل ان کے سینے میں بڑے دور سے صدمہ کا۔

کیا انہی سیدھی ہانک رہا ہے حبیب کبھی تو سوچ کر بولا کہ وہ ناراضگی سے بولیں۔

اللہ رکھے اس سے دو بڑے موجود ہیں۔ پیسے ان کے گھر نہیں گئے۔ انشاء اللہ وہ چنا
سہا بن سوٹ کیس میں رکتے ہوئے بولیں۔

اگر جان میں بھی چلوں گا۔ حبیب بچوں کی طرح ضحکا۔

لے جائیں اگر جان افوزیہ کے گھوڑے کو پارہی چل دیا کرے گا۔ فاروق نے چھڑا
حبیب مت بھڑک رہے ہیں۔

میرے بچے میں میں جلدی میں زرا اپنے کام سے چارہ ہیں۔ اب تو طوفان وہاں ہے
میں۔ جاؤ گی تو تم دو چار مہینے متھانوں کے بعد اس کے پاس گزرا تا۔ جی چھوٹا نہیں کرتے
مجبوری بھی سمجھتے ہیں۔

کوئی اور موقع ہوتا تو انہیں حبیب کے ساتھ چلتے پر کھنقا، اعتراض نہ ہوتا مگر وہ نہیں
چاہتی تھیں

وہاں کے حرا کرات کی بھنگ بھی ان میں سے کسی کے کان میں نہ پڑے۔

اگر جان اس بار بات فائنل کر کے ہی آئے گا، فاروق نے کہا۔

انشاء اللہ وہ آہستگی سے بولیں۔

دیکھو مگر کاوشیاں رکھیں۔ دور اپنے پا جان کا بھی۔ نصیب سے کپڑے دھلو بیٹا اور ستری

بھی کرو بیٹا، کھانا وہ شام کا چکلا کرے گی۔ میری بات ہوگئی ہے اس سے اس کے ساتھ نو پارہ
انہی مذاق کی ضرورت نہیں۔ من لیا۔؟

جی ہاں کو اس کے انداز میں بولے۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اتنے دن میں آپ نے ایک بار بھی "کر نہیں جھانکا، تو یہ
اس کے سامنے کھڑی بکڑ رہی تھی۔

جہ نکلتا نکلتا کوئی اچھی بات نہیں ہے، وہ شریر ہوا۔

اچھا بتائے آپ ہمارے ہاں کیوں نہیں ٹھہرے؟ وہ ہوسری

دیکھو بھئی وہ تو صبرِ خداری کا زمانہ، ہم ٹھہر گئے تھے۔ اب ہو گئے ہیں ہم اس شہر کے
مستقل باشندے۔ ہوسری میں میرے سکے تاپا موجود ہیں جب میں وہاں نہیں ٹھہرا، اتنے صرا
کے باوجود یہ جبکہ وہ تقریباً میری گھر ہے۔

تو گویا ہمارا گھر آپ کا نہیں ہے؟ وہ خفا ہو کر بات کاٹتے ہوئے بولی۔

گھر تو سارے حق میرے ہیں۔ دراصل میں اس وقت برطانیہ سے قاصر ہوں اور
رہا رہی سے بولا۔ اس کا مطلب ہے، آپ کے یہ دوست ہم سے بھی جتنے ہیں اور محسوسیت
ذخنگل سے گویا ہوئی۔

تم سے جتنے؟ کچھ لفظ اس کے زہن میں کلیڈائے، رنگِ شربت زور سے پھڑکی۔ پھر
مصلوٹا ڈسے آگئی۔

وہ سیّد شلواریں نہیں اپنی سویں نکلیں نکلتی اسے آڑہ پیش میں ڈال رہی تھی۔ تم سے
اچھا تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا، وہ مسکرا دیا اور تاثرات چھپانے کے لئے اخبار تہہ کرنے لگا۔

سب ہائیں نہیں۔ ہم خوب سمجھتے ہیں، آپ ہمیں، پناہ سمجھتے ہی نہیں، وہ ہاتھ گھڑی ہوئی۔

منجھویا روہ ۷۸، خانہ سال بڑی عمدہ سی چائے بنا کر جمہیں خوش کرنے بس آنے ہی وہ
ہے۔ بس اپنے ہی پاس رکھیں پتی چائے۔ وہ گھڑی۔

تم ناراض ہو کر یہاں سے نہیں جا سکتیں ٹوبہ مجھے اس طرح پریشان نہ کرو ٹوبہ۔

اسی وقت دروازے پر وہ اٹھا کر اندر قدم رکھا۔

طریق اور ٹوبہ دونوں ہی چونک پڑے۔

اسوہ علم وریک کی آواز ان کی سماعت سے لگرائی۔

میں نیچے رانسرہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی تھی۔ ڈرامائیور نے بتایا کہ تم آئی ہوئی ہو یہاں، مگر
میں تو بتایا ہوتا اس کا لمحہ ناقابل فہم تھا۔

مٹی کو بتا کر آئی ہوں آپلی شاید انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔

یعنی آپ ہی گھر میں طارخ دئے بغیر یہاں آئی ہیں، جب ہی ٹوبہ کی آمد سے ناظم
ہیں اب آئی سمجھا کہیں۔ کیا مجھے ہنزاراتی گھر نہیں جانا۔ اب ساری زندگی تو آپ کے گھر پڑو
نہیں ڈال سکتا۔

کیوں۔۔۔ ۱۹ دہوریہ کی سمت متوجہ ہو۔

میں کیا کہہ سکتی ہوں، وہ شانے چکا کر بولی۔

گھبنے کو کیا نہیں کہہ سکتیں۔ بہر حال تشریف رکھیے۔

دونوں بیٹھ گئیں۔۔۔

اوسے۔ چھا اللہ حافظ۔

خدا حافظ طارقی صاحب، درویش کس قدر بے تکلف نظر آنے لگی تھی۔ وہ خدا حافظ کہے رہے
تک آیا تھا۔

اوسے میڈم روز آپ یہاں کیسے۔۔۔ وہ عزت بھرت وچلا پرزہ قسم کی لڑکی خاتون تھی۔
جو اس کی جانب بڑھی تھی۔

ہم پانی کے پوے ہیں ۷۸ رنی جڑیں نہیں ہیں۔ کہیں بھی نظر آ سکتے ہیں، فیروزہ ہنس۔

ایسے اے ٹائم تو تمہیں۔؟ جنہی خاتون نے ہنس کر پوچھا۔

اوسے نہیں۔ جادو گرئی ضرور ہوں۔ مگر، وہ اداوی، فیروزہ نے قہقہہ لگایا۔ درمیان میں
اجنبی خاتون کا قبضہ بھی شریک ہو گیا،

تیرے جادو کا زور نہیں ٹوٹا، ابھی تک۔

خدا نہ کرے، فیروزہ نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

آج کل تو بڑی اونچی شہ جارا ہی ہے۔ ہر دوسری قلم میں مہ پارہ ہے۔

رے رب کی عنایتیں ہیں، مہ پارہ کے لہجے میں شکر تھا۔

اور تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو؟ فیروزہ نے پوچھا۔

شوٹنگ ہو رہی ہے۔ کارنامہ میں۔ ہمارے ہیرو صاحب رمت پیار ہو گئے آج کاشیڈول کیلنس ہو گیا۔ میرا تفریح کے لئے آج یہاں آ گئے۔

چھایہ بتا ہیرو صاحب کو تیار کی سردی سے لگی یا۔ فیروزہ نے جھڑپا۔

ہم تو دوڑی کیدر کی پرف پش پہاڑوں کا موسم ہیں۔ لوگ ہمیں دور سے دیکھتے ہیں اور مونیہ عشق میں نہ جھٹکا ہو جاتے ہیں۔ ہیرو صاحب ہمارے تیار تو عمر سے ہیں۔ مگر سردی ہواؤں سے کل ہی ہوئے ہیں۔

وہ ہنسی۔

ستارہ کہاں ہے؟ اس نے موضوع، زخمو بدل دیا۔

وہ بھی یہیں ہے، میرے ساتھ۔ یعنی سوات میں۔

بن باس کا شہر رہی ہو؟ تمہارے رام بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ ذرا حویان رکھنا آج کل جو رام، بن کر رہتے ہیں وہی درکشش بن جاتے ہیں بعد میں۔ مہ پارہ نے ہتھیل کے راستے بھی بھڑے۔

فکر ہی نہ کرو۔ اب ایسے کچھ ہم بھی نہیں۔ فی حال تو بن باس، کیسے ہی کٹ رہا ہے۔ ستارہ کا بھی۔ ہوں جا، نکلا سے تو بڑی ٹکڑی، فراتی تھی شادی کی۔ پچھلے دنوں ستارہ کا ایڈ نہیں چلا وہ ٹائلٹ سوپ والا؟ اس کہنی نے ستارہ کی ٹرا میری لگا لی تھی۔ بچے پیلٹار پر۔ شیخ

نے دیکھا تو گرنا پڑتا یا کستان آیا۔ مگر وہ مانی ہی نہیں۔ کہتے گھر میں حرم کی کینز بننے سے۔ اپنی یہ آزدی، عاقلم رکھا پسند کرتی ہوں۔ ماں نے تو بہت کچھ مانی ہی نہیں۔ فیروزہ نے شالے اچکا گئے۔

وقایع آزدی ہی تو جب، اور پھر سے کی بھی تو کوئی نہیں۔ مہ پارہ بولن۔

مہیزم آ یہاں۔ ہم دور دور آپ کو کوٹھڑے آئے۔ نصف میں سرد خانہ ان کے نزدیک چلا۔ یہ ریت بھر کا فریہ تھا۔ اس نے زیادہ چلنے کی سبب سانس دھونگی کی، تند جل رہا تھا۔ دھونڈنے کی ایک خاص ضرورت تو نہیں تھی۔ بچی تو نہیں ہوں۔ ہر دفع کے دیکھے ہوئے راستے ہیں۔ مہ پارہ نرک گریوٹ

قلب رکون ہے اس فلم کا۔؟ فیروزہ نے راسخ میں کواہیت تہدی اور بات جاری رکھی۔ ہے ایک شوقیہ موسیقی جو ریوں کی نسل کا۔ وہ سرگوشی میں بولی۔ یہ ریت کون سے رہا ہے۔؟ فیروزہ نے فلم کے قدم کا اندازہ کرنا چاہا۔ وہ قلم اندھنری کے حسب ہی، ہڈوں سے واقف تھی۔

وہی بچے مسٹر ٹلگر۔ وہ بھی شرارت بھری سرگوشی میں بولی۔

مہ پارہ یوں ہنسی گویا آج سے قبل اس نے یہ دلچسپ لطیف نہیں سنا تھا۔

فیروزہ نے اس کا ہاتھ دبا دیا۔ اسے دیکھ رہا ہے، وہی ہے تار۔

رہے۔ ہاں۔ وہی ہے۔ ذرا دیر میری فرقت گوارا نہیں۔

اب بھی سہ فیروزہ بنی۔

چھوڑ کیوں نہیں دیتیں؟

بڑی اونچی پارٹی ہے۔ رسک نہیں لے سکتی۔ اور پھر حشی جیسی فلمیں بن رہی ہیں، اسی کے سپرستے ہیں۔ کروگی اس کے ساتھ کام؟ ہم پارہ لے فیروزہ لے کر نکلتا۔

ارے نہیں۔ مجھے کبھی اس قسم کا شوق نہیں رہا۔ میں تو ایسے ہی پا چھ رہی تھی کیونکہ ہدایت کار کے نام سے بھی بیرونی کی مارکیٹ وٹیل کا اندازہ ہوتا ہے۔

تم دس سال سے اس چابی پر ہو۔ کسی نے ہدایت نہیں تمہیں۔ فیروزہ نے ایک انداز میں مزہ باقاعدہ

دعوت تو دے رہی ہوں تمہیں کہ غصہ مل دو۔ بلکہ میری جڑوں پر تڑپ رہی ہے۔ جتنی بے شکمہ پارہ تھی، اتنے ہی بے ڈول اس کے مذاقی تھے۔

اتنے میں ہدایت کار صاحبان کے نزدیک تھے۔ وہ جو کہتے ہیں۔ کس پر چلی آری؟ وہ آکر دونوں کی طرف ہاری ہاری دیکھ کر گویا ہوئے۔

آپ تو اب چھری کے محفل نہیں ہو سکتے۔ آری تو بہت بڑی ہوتی ہے، فیروزہ شہادت سے بے ساختہ کہہ بیٹھی، اور ساتھ ہی ہنس دی۔

ہدایت کار محسوساً سے ہنسا دیکھ کر حواس ہی کھو بیٹھے۔ اتنی دلکش ہنسی اور کس قدر دربار

انداز۔ ان کے سامنے فکڑ کھڑا تھا۔ وہ پارہ کے مقابلہ مکمل تھا۔

آپ کی دوست ہیں ہم۔ انہوں نے سیاہ کلاسر آنکھوں پر مقبوضی سے ٹٹ کرتے ہوئے فیروزہ کی جانب اشارہ کیا۔

نہیں۔ ارے فیروزہ یہ تمہارے پاؤں کے بیٹے کیا ہے؟

فیروزہ ہلک کر ہنسنے لگی۔ وہ پارہ ہنس پڑی۔ ہدایت کار صاحب بھی ایک دم ہنسنے لگے۔

کیا تمہارے پارہ؟

ایک۔ لی شہتی۔ میں بھی یا مین صاحب کا دل ہے۔

دو ہو۔ ہو۔ یا مین صاحب نے وہ پارہ سے لپا وہ ورائٹ مین نے ان سے لپا وہ اس جھلے سے لپا وہ حقا ڈھایا۔

ہم، آپ کی رہنمائی منٹ سے اب مجھے بالکل افسوس نہیں ہوگا۔ بشرطیکہ آپ اپنی فریڈ سے میری نئی فلم کا ٹیکری منت کروں۔

وہ۔ نو۔ سو۔ فارامور۔ فیروزہ نے قہر لگا کر کہ دیا۔

یہ میرا میدان نہیں ہے یا مین صاحب۔

آپ کو شہرت اچھی نہیں لگتی

نہیں یہ جہاں جگہ جگہ شہرت بالکل اچھی نہیں لگتی وج کے بعد زوال کا مرحلہ طے کرنا

میرے لیے مشکل ہے بندہ کام وہ کرے جو مرہو نہیں تو نہ کرے

اگر میں کوئی ایسی فلم بناؤں جو شاہکار ہو تو

فلم سیکر چلی رہے گا، بہت نہیں دیتے وہ پبلک اور پرائیویٹ (عوامی رائے) کے محتاج ہیں اپنے کام کے سلسلے میں

پر بندے کو بھی تو اندازہ ہوتا ہے اپنے کام کا یا مین صاحب یو لے

اندازے عطا بھی ہو جاتے ہیں فیروزہ کے اندر مستقل اور محسوس تھے

وہ عظیم آپ کی دوست بہت تھی ہیں یا مین صاحب کہیں گئے تھے ایک دم شیشائے

یہ کسی ملاقات ہے ہم آپ نے تعارف تو کر لیا نہیں

سب اپنا تعارف بہار کی ہے حد پارہ مسکرائی

یہ فیروزہ ہے یا مین صاحب پر میرے کے سول وار اس کے انداز سے فیروزہ کو پاشی

بے چینی حاصل ہوئی

وہ جس قدر اپنے ماضی سے کٹ کر رہنا چاہتی تھی وہ ال ال زبان نکال کر عفریت کی

طرح اس کی جانب بڑھتا تھا

وہ یا مین صاحب کی جیسے مشکل آسان ہو گئی انہوں نے اپنی یہ فرمائش آئندہ پر موقوف

کر دی لب تو گھر کی بات تھی

انہوں نے حیدر سر بھی پیٹ کر عیدہ کے لیے رکھ دیا، فی الحال تو مبدہ اس کے قریب

میں شامل ہونا چاہتے تھے

وہ انہیں لے کر اپنے کاٹ کی سمت بڑھ گئی جہاں ستارہ ان کی نظر تصویر کار پر نظر پڑتے

یہ یا مین صاحب مزید ریشہ قطعی نظر آنے لگے تھے یہ ٹائلٹ سوپ کے اشتہار روانہ لڑکی تو

حقیقت میں تصویر سے زیادہ حسین ہے اس پر نظر پڑتے ہی ان کے ذہن میں یہ پید خیال آیا

تھا

اس پر پورٹ پر نور جہاں دور دراز یہ بھی طارق کے ہمراہ تھے بدھ نیگم کے مستقبل کے لیے موجود

تھیں لٹاں جان کو رنج سے ہر آتا دیکھ کر طارق وہ بہانہ دات کی جانب بڑھا

اسلام علیکم وہ اس کو اتنے دنوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر عجیب سے احساسات سے

دوچار ہوا

وہ علیکم السلام جیتے رہو وہ بھاری کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں

طارق کی تمام حسرت نے جمع ہو کر ان کی سر دھری کو محسوس کیا

وہ بھاری اور بہت تھی سے مل رہی تھیں طارق ان کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا اسے اپنی

اس میں عجیب سی تبدیلی محسوس ہو رہی تھی وہ پریشان سا ہوا تھا

آپ کی چائے آدھ میرے لیے قطعی حیرت کن نہیں اور جہاں نندے مخاطب تھیں

ابستہ طارق ضرور پریشان ہے وہ نہیں

چھا حاکم اسے تو بالکل حیران نہیں ہونا چاہیے وہ مسکرا کر بیٹے کی سمت متوجہ ہوئیں

نہیکہ ہو؟

جی وہ سب بھی اُبھھ ہو گئی

چھا ہوا آپ آگئیں؟ منے سے بیٹھ کر بات چیت کرنے کی بات ہی دور ہے

ہاں میرا بھی یہی خیال ہے وہ مجھ وچ کی بات کے جواب میں بولیں

آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی پھوپھو؟ دور یہ پوچھ رہی تھی

کئی بات سے نا وہ سمجھیں نہیں

سفر کے دوران اس نے وضاحت کی

نہیں سفر کے دوران تو نہیں (بہت سفر سے پہلے؟) انہوں نے بیٹے کو بغور دیکھا جو غری

سے سن کا سامان نکال رہا تھا

ثوبیہ آپ سے بہت ناراض ہے نور جہاں نہیں

وہ کیوں؟ وہ واقعی حیران ہو گئیں

اس کا خیال ہے آپ نے طارق کو کھڑا کر رکھا ہے جب تک تو وہ ہمارے یہاں

رہنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ رہ رہا ہے

میرا کھانا پڑھا تو یہ سب بھول چکا ہے وہ عجیب سے انداز میں بولیں

ماں کا بھٹا رقی کے حواس پر چھا گیا وہ کسی حل تک نہ پہنچ سکا

راستے بھر نور جہاں اور عابدہ تنگ معروف گفتگو ہیں طارق خاموشی سے کارڈ ریو کرتا

رہا ذریعہ کی ہر بات کے جو جب تک وہ صرف ہاں کہہ رہا تھا

ماں جان دوران گفتگو بھی بیٹے پر غور ڈالتی تھیں اور کبھی دور یہ پر غور ایک بار بھی ذریعہ کی

سمت متوجہ نہیں ہو گئی

بھائی کے دوست کدے میں جنہیں لگاتی تھی بھی میسر نہیں آئی کہ وہ بیٹے سے کوئی بات

کر سکیں

آج وہ ماں جان کی وجہ سے وہیں مقیم تھا اپنے دوست کو کہہ کر چلا تھا

رات دیر تک سب بیٹھے باتیں کرتے رہے احسان صاحب کسی دُور میں گئے ہوئے

تھے ان کا بھی نظارہ ہوتا رہا

یہاں تک کہ تینوں لڑکیاں اور طارق سونے کے لیے چلے گئے ڈرائنگ روم میں صرف

نند اور بھائی جہاں تھیں کرتی رہ گئیں

آپ کو میرے خط سے خاصی حیرانی ہوئی ہے میں عسویں کر رہی ہوں نور جہاں نے

تجہائی پا کر عابدہ تنگ کا سن چاہا موضوعات چھڑ دیا

قدرتی تھی بات ہے وہ بولیں

حارنگہ یہ ایسی کوئی حیرت انگیز عجیب بات تو نہیں ہو سکتی نور جہاں بولیں

آپ کے نزدیک وہ تیزی سے بولیں نہیں

ہاں واقعی میرے نزدیک تو یہ خاص بات نہیں جو کچھ بھی ہو وہ آپ کی مامی کی وجہ

لیکن یہ میرے علم میں ہے کہ طارق کو دریا و درختان کے رشتے پر خوشی تھی، انہیں نہیں ہو سکتا ہے اس نے آپ کی خوشی کو مد نظر رکھا ہو مگر اس کی اپنی ٹیج منہ دریہ کے ساتھ رہی ہے نور جہاں نے وسیع انظر کی بھی کر دی

آپ یہ کس بنیاد پر کہہ سکتی ہیں؟ عابدہ بیگم کو ان کے انداز پر ناگوری محسوس ہوئی

مجھے خود دریا سے لے کر بتایا ہے نور جہاں نے کہا

عابدہ بیگم کو چٹا دل چپے کہیں پاتال میں اترتا محسوس ہوا

میرا خیال ہے اسے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے وہ مشکل بولیں

پر اس ایک واضح اعتراف ہوتا ہے دو افراد کے درمیان محو جہاں آہستگی سے بولیں

میں نہیں مان سکتی وہ اتنی جلدی حدوں کو پیچھا لگ گیا ہو عابدہ بیگم کا سچہ ٹھکرا ہو گیا

عابدہ آپہرشتہ کرنے کے سلسلے میں خود مختار ہیں مگر آپ کا ارادہ بدل جائے تو یہ کسی

انہولی نہیں، دنیا میں یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر یہ میری بیٹی کی اسلاف ہے کہ اسے تمہارا بنایا

جائے نور جہاں کا بوجہ غیر معمولی عجیبہ ہو گیا

وہ آپ ہی کی نہیں میری بھی بیٹی ہے، وہ ہماری بھی عزت ہے یہ بھی جاننا عابدہ بیگم سمجھیں

کر بولیں

تو پھر آپ اپنی بیٹی کے جذبات کو مد نظر رکھیو، جہاں نے حرکتیں سے تیر پیوڑ

میں طارق سے بات کروں گی اس معاملے پر

مثلاً؟ نور جہاں ہوا یہ نشان بن گئیں

مثلاً یہ کہ مگر یہی بات تھی تو اس نے مجھ پر محروس کیوں نہیں کیا ان کی تو زہر پست ہو گئی

یہ اس کی غلطی ہے، یا شاید آپ کے گھر کا ماحول ایسا ہو کہ بچے دل کی بات کہتے ہوئے

گھبراتے ہوں نور جہاں نے قیاس پر بات کی

ہمارے گھر کا ماحول کیسا ہی سا اندازہ دریا و درختان کو خوب ہو چکا ہے، ہمارے بچے اپنے

گھر میں پوری آزادی سے بات کرتے ہیں انہیں یہ بھی کہ اس جیسے سے روحانی زندگی

میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ہو گیا کہ اس صورت حال کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی عابدہ بیگم

کے آگے آگے سے پریشانی ہو رہی تھی

(ہو سکتا ہے یہ بھی جان ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں جب طارق کو عثمان کی پسند کے بارے

میں علم ہوا تو وہ، زخود و سیر و بیو گیا ہو کہ پادشاه کی تربیت کی بنیادوں میں بھر گیا، مگر وعدے

کے بعد اس بات کی کوئی اہمیت نہیں جو معاہدہ و افراد کے درمیان طے پایا کہ ہوا، ایک فریق

دوسرے فریق کو مطلع کیے بغیر نہیں توڑ سکتا یہ یکطرفہ کاروائی دوسرے فریق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا

سکتی جبکہ وہ معاہدے کے توڑنے کے خلاف ہو بات تو تب تھی جب دریا و طارق

میں اپنا رستے میٹھے پر اتفاق ہوتا)

کیا سوچا رہی ہیں؟ نور جہاں نے انہیں متوجہ کیا

کچھ نہیں وہ چونک پڑیں

آرام سے فہم کیجیے یہ گھر کی بات بنو رہا ہے انہیں گویا دوسرا دنیا

یہی تو پریشانی ہے کہ یہ گھر کی بات ہے وہ بھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولیں

(ب میں انہیں کیسے پتاؤں کہ یہ میرے دو بیٹوں کا انتخاب بن بیٹھی ہے)

شاہیدان کی گفتگو مزید جاری رہتی کہ سی لمحے حسان صاحب کی گاڑی کا ہارن بجنا پڑا

ہو بس اسے یاد دہانہ کیا کہ یہ بھائی میں ان کو منع کر چکا تھا مگر رفق نے رسیور دوسرے

ہاتھ میں تھام کر روال سے پیشانی پر چمکتے قطرے بے صاف کیے

تھکنے دوں لگا رہے کیا کروں اب، جب تم بتا چکے ہو کہ میں غدر ہوں اس نے رسیور رکھ

کر دیا پتلا ہونٹ چبایا۔ وہ اپنے کام میں بے انتہا متہلک تھا اس وقت وہ مکمل خاموشی اور منظم

محول چاہتا تھا

السلام علیکم فاروقی صاحب ایک صاحب دروازہ کھول کر داخل ہوئے وروا بہتہ طارق کی

جواب بڑھے

طارق بھی ہنسی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا

علیہم السلام علی جان صاحب سے بہر حال گر جوئی کا جو ب دیتا تھا

کیسے کیسے مزاج ہیں اس نے علی جان صاحب کی مزاج پرستی کی

مزاج کیا پوچھتے ہیں، فاروقی صاحب اتنا تھیل تو ہمارے ملک کی سب سے نامور مغنیے نے

نہیں اٹھو یا جتنا آپ نے

علی جان صاحب کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں میں شکر ہے کے ساتھ آپ کی پیشکش ہونا چکا

ہوں وہ واقعی شرمندہ تھا

آپ مجھے کریڈٹ سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں اتنی دلکش مرد نہ آؤ رہے جو سے گا

بھلا انہیں پائے گا علی جان صاحب جوش میں آ چکے تھے

یہ صرف آپ کی عنایت ہے، آپ کی محبت کا حسن ہے، بخدا میں تو فہم موسیقی کی، بعد

سے بھی واقف نہیں

تو ہم حاضر ہیں نارس خدمت کے لیے صاحب آپ کو کیا معلوم آپ کتنی قیمتی چیز ہیں

میں آپ سے عرض کر چکا ہوں جس گھر نے سے میرا تعلق ہے، وہاں اس قسم کے شوق

کی کوئی کمی نہیں۔ آپ کیوں میرا قیمتی پائیکٹ کرنا چاہتے ہیں وہ ہمارا

در ہے آپ تو اپنے خاندان کی قابل مندی بڑھانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں بارہ برس

قبل ایک نوجوان حیدر آباد مندر سے یہاں آیا تھا آپ کی طرح ظلمی دنیا کو چھوٹ سمجھتا تھا

نام سن کر بدگمان تھا ہماری جو برشاس نظروں نے اس کے جو ہر پچوت لیے تھے صاحب بنو نور علی

کے ایک فنکار ہیں آج وہ اس ملک کا ناپ کا اس دنیا میں ہے دوست، سکے گھر کی ہانڈی ہے ایک

کوٹھی سندھ ایک یہاں، ہوں میں ہے کمرشل فنکار میں سب سے زیادہ رعیت اسی کے ہیں

علی جان صاحب نے نیا حربہ آزمایا

خدا کا بہت کرم ہے علی جان صاحب، یہ بھی کسی چیز کی نہیں اس نے پلن بولڈ رہیں
پلن بولڈ رہیں۔

آپ کو کیوں نہیں احساس کہ آپ کس قدر قیمتی انسان ہیں؟ علی جان صاحب اس بار
عام بے بسی میں بس یہی کہہ سکتا کی شکل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی

مجھے، چھٹی طرح، احساس ہے جیسی تو آرکیٹیکٹ بنا ہوں وہ دلوں کی سے مسکرا دیا

لی چھوڑیے، اس شعبے میں آپ اگر کوئی شاہکار بھی تخلیق کر لیں گے تو زندگی کے بعد ہی
اس کا چرچا اور ناموری ہوگی وہ بھی تاریخ نویس کی دنیا میں علی جان صاحب اب ہتھیار ڈال کر
اب بھرتے جا رہے تھے

ارے نہیں بہت بڑا سکوپ ہے اس کا تاج کی دنیا میں حایہ موڈ کی فیکٹیشن کا دور اپنی
تیزی کی انتہا پر ہے یہاں ہماری سخت ضرورت ہے یہ کہہ کر اس نے ہل بھالی
بیون انڈر وائل ہوں

کیا ممکن ہے علی جان صاحب؟

اب تو کچھ بھی پینے کوئی نہیں چاہ رہا میرا خیال تھا میں آپ کو قائل کروں گا

طارق کو یک حساب سے دن پر ترس بھی آیا ہے چارے کب سے اس کی فیتیں کر رہے
تھے مگر وہ بڑی جگہ مجبور تھا وگرنہ آج کل کے ٹرکے تو بھوندہ سمجھتے ہیں اس قسم کے موقع
حاصل کرنے، درنا نام کمانے کا لیکن اس کے خاندان کا مسئلہ تھا

دو کولڈز رنگ لے آؤ علی جان صاحب کو اس کی شدید ضرورت ہے، اور ہاں وہ فائر
انجین کا نمبر بھی معلوم کر کے بتانا اس نے شرارت سے علی جان صاحب کو دیکھا

علی جان صاحب نے سوایہ نظرس کی سمت اٹھائی تھیں مگر خاموش رہے تھے
آپ کو سنگت محسوس کر رہا ہوں سنگتے وہی چیز بھڑک بھی سکتی ہے، اس لیے احتیاطاً فائر

انجین کا نمبر

علی جان اس کی قدرتی عمار کی شرارت پر مسکرا دیا کس قدر جلد دل موہ لیا تھا اس
نوجوان نے شوہر میں، ایسے مثالی نوجوان کی ہمیشہ قلت ہی رہی ہے، مؤذّب، شائستہ،
منکسر مزاج، اعلیٰ درجے کی تہذیب کے نمائندہ

وہ موسیقی کے ایک نامور گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کی تمام عمر نرسوں کی ترتیب ہی
میں گزری تھی بلا کے خردم شناس، جوہر شناس، وزیرک، انسان تھے ثوبیہ کے ہر تھوڑے فنکشن
میں بطور میوزیشن شریک ہوتے تھے احسان صاحب سے دن کی ہر سول پر اپنی یاد نقد تھی ن

کے گھر بھی آنا جاتا تھا اس دن انہوں نے طارق

کو بتا دیا کہ وہ سنگیت کی دنیا کا ایک ثابت ہو سکتا ہے اس کے بچے کی گیمینا، آواز

کا وق، اشعار کی سمجھ، آواز پر خدا و سرگشت وہ اس دن سے اسی کے ہو گئے تھے احسان صاحب
سے بات ہوئی، انہوں نے پچاس کی پینڈو ناپسند کا معاملہ کہہ کر خود کو اس معاملے سے لگ کر لیا
مگر وہ بھی بہت ہارنے والے نہیں تھے، خراساں سے جانی لیا تھا

ہوتے کولڈ و فیکلے کر، بعد ازاں ہو طارق نے شام سے علی جان صاحب کو پیش کرنے کے لیے کہا پھر خود بھی اٹھالیا

میں ہار نہیں، انوس کا فاروقی صاحب، دیکھ پیچھے کا علی جان صاحب سے بولے تھے کیا ہم کوئی ٹیم کھیل رہے ہیں؟ طارق حسن ظن ہر تنے نکاس کا بیچ تو تھا ہی بنا کا شریہ ہاں ہم ٹیم کھیل رہے ہیں قسمت کا

میں تو اس میں اور دے کے ساتھ تو گیا بنا اور وہ بھی شامل نہیں ہوں طارق کون سے بحث کرنے میں لطف آ رہا تھا دویم وہ دن کا مولڈ ٹھیک کرنا چاہا تھا اتنے مہربان سے بندے کو خود بخود ناراض کرنا، سے اچھا محسوس نہیں ہو رہا تھا

تم ریڑرو کھلاڑی ہو لیکن ایک بار میدان میں آگئے نا تو میدان کا نقشہ چٹ جائے گا جو ناپ آنا سٹ ہیں وہ ریڑرو ہو جائیں گے، اور جو نہیں لے معنی خیز نہ زمین جسد و جور، چھوڑ دیا

طارق نہیں دیا میں آپ کی اہم اور جگہ دونوں کی دو دیا ہوں، اور اپنے کام سے آپ کی تھی دانتلی اور اہمیت پر آپ کی قدر کرتا ہوں

شکر علی جان اٹھ کھڑے ہوئے
وہ کے ٹیلیسی یو پھر میں گے انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا
طارق کرمی چھوڑ کر ٹھکڑا ہوا بے حد شکریہ میں نادم ہوں آپ کو یوں کر رہا ہوں

اچھا تو یہ بتا ہے اب تمہارا گھر اس جان نے بظرف خاطر جائیداد لیا
میں جسے کی جگہ ہے طارق مسکرایا

خدا نہ کرے خداتم دوستوں میں خلوص اور تھاق دے تمہارے رزق میں برکت ہو وہ سنا سے مجبور تھیں ان کا من طارق سے ٹکی تھا مگر وہ دعائیں دینے کی عادی تھیں وہ دونوں بچے کہاں ہیں جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں

شام کو جو ٹنگ کے لیے جاتے ہیں منصور تیز کی سیکر رہا ہے پھر وہاں چلا جاتا ہے فرقان مغرب کے بعد آتا ہے

نہ ز تو نہیں چھوڑی تم نے من دنیاوی جھمیوں میں پڑ کر؟ مغرب کے ساتھ ہی انہیں نماز کا دھیان آیا

نہیں، ماں جان نماز نہیں چھوڑی، بے فکر رہیں نماز تو اللہ کے حضور ظہار بندگی کے لیے کی جاتی ہے لفظ کے زور سے تو عبادت نہیں ہوتی، ماں جان وراپ نے ہماری تربیت ہی ایسی کی ہے کہ ہم کہیں ہوں ہمارا، حول ہمارے سروں پر آسمان کی طرح چھایا رہتا ہے آپ کی تربیت کی جڑیں بہت گہری ہیں

اچھا سنجیدہ، ورنہ وہ بے ساط رفا نہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا چننا سچ سے گر سکتا ہے
(میں) اس کے دل کی گواہی نہیں مان سکتا جو سر اور جذبات، نرا جوش ہوتی ہے سے تو بھی رہی، اور میں عیب نظر نہیں آتا

ہر حال اس نے کوئی خطا نہیں کی تو جوں میں ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے عثمان سے پہلے طارق کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

ن کے ذہن میں، اپنے شوہر کے الفاظ کو بچ

کیا سوچ رہی ہیں اماں جان؟

اپنی تربیت پر غور کر رہی ہوں

خیریت؟ وہ مذاق سمجھ کر ہنسنا اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا

کن ب کا رسوچوں میں پڑ گئیں، اماں جان، اچھی، اچھی باتیں کریں ب تو آپ مہمان ہیں بہت دیر آگئی ہیں، اماں آپ لوگوں سے اس کے بچے میں پتا نہیں کیا تھا بدہنگم تڑپی گئیں سے شاید یہ دودھی بہت ستا رہی تھی کہاں وہ نہ روئی، ہنگامہ پرور، حوصلہ کہاں یہاں کی جامد سی انتہائی

چھایہ بتائیے کیا فیصلہ ہوا، ماموں جان مان گئے؟

فیصلہ تو ہوا ہے مگر تمہارے حق میں طارق ماں کے جملے کو ماحبت کا فرق سمجھ

جی اماں جان نہ وہ چونکا نہ شپٹایا نہ گھبرا نہ ہراس نظر آیا نہ بکھنے نہ بہتہ تمام تاثرات پوری محنت کے ساتھ موجود تھے اس کے چہرے پر

اماں جان اس کا تعجب دیکھ کر اس سے زیادہ متعجب تھیں (دل ہی دل میں) لا شاید یہی صورت حال کے لیے خود کو پہنے سے تیار کر چکا ہو (کیا شبہ بھڑکا جا)

فیصلہ عثمان کے حق میں نہیں تھا ہرے حق میں ہوا ہے طارق جب ایک بات سمجھیں ہا چل ہی گئی تھی اس کے باوجود تمہارا ڈریہ کے لیے سوچنا ہوا بحث شرم بات نہیں تھی؟

طارق کا عمل مختص چند ٹاپے کے لیجی مڈرنٹک کی صورت ہو گیا

آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں جان؟ وہ کھڑا ہو گیا

اس کی شوقیاں شرارتیں، اس کا بولڈ رویہ اس کی زندگی کو کسی تاریک مڑبک میں بھی پہنچا سکتا ہے اس کے نفس کی ٹون بھی یہاں تک نہیں پہنچی تھی

وہ زندگی میں اپنے وقار و عزت پر اس قدر خوفناک حملے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہ بھی اپنی پیاری ماں کے سامنے جس کی محبتوں کے بل پر اس کے اندر بڑا کی ہمتیں پیدا ہوئیں تھیں وہ دنیا کی ہر مشکل، ہر میلے کوٹا طر میں نہیں رہتا تھا

ماں کا ایک محبت بھر لفظ، پیر بھری نظر، کا رزور حیات کو، لڑا رہا ہوتا دیتی تھی

اس میں بڑا کا اعتماد ہی اسی لئے یا تھا کہ محبتوں اور غلوں کے دامن سے اپنے گھر میں ہمیشہ کشادہ ہلے تھے

اماں جان یہ مجھے زندہ دفن کرنے والی خیر آپ تک پہنچائی کس نے؟ اس الزام کے نام بتا دیجیے پھر دیکھیے میں کیا کرتا ہوں اس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر رہا تھا

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نام بتاؤں یا نہیں، اس تم مجھے یہ بتاؤ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی میں تو اپنے دل کی ہر بات تم سے کرتی ہوں طارق بڑا مان تھا مجھے تم پر اگر تم نے

بچے طور کوئی فیصلہ کر لیا تھا تو پہلی فرصت میں مجھے بتا دیتے

کیسا فیصلہ ہاں جان؟ آپ خدا و میری بات تو سنیں مادمے جذبہ کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا

یہی کوئی بات نہیں ہوئی یقین کریں آپ کوئی فیصلہ نہیں کیا نہ سوچا یہ اس قدر اسنو پر قسم کا موضوع ختم کریں، و میری بات پر غبار کریں

یہ موضوع اب ختم نہیں ہو سکتا اور میں ورتہا رہے ہاں فیصلہ کر چکے ہیں

کس قسم کا فیصلہ؟ اس کا بوجھ دیکھی با رتھش ہوا

وہی جو تم نے کیا ہے چاروں، ہور میں رہے، ورتہا صاحبان گئے اب ہاں جان پھٹ پڑیں

خدا کے لیے ہاں جان اس قسم کے الزامات لگانے سے بہتر ہے، آپ مجھے جان سے مار ڈالیں

وہ دونوں ہاتھوں سے سر قدام کر صوفی پر گر گیا اس کی رگیں جیسے پھٹنے لگی تھیں وہ ہاں تھی اس کی کیفیت پر زرد دل پہنچ گیا۔

کیا عثمان کا رشتہ بھیجے سے پہلے تم دوریہ سے وہ۔

پلیز افسانہ جان۔ آپ مجھے اس کا نام تو بتائیں جس نے یہ طوفان اٹھایا۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے شوٹ آؤں گا۔

گہی بات کہنے دوس کو اگر جان سے مار بھی دیا جائے تو قحط چھٹتا نہیں، بیٹے مسئلہ ابھی نہیں جو کچھ ہے وہ بتاؤ۔

جی یہ ہے افسانہ جان، دوریہ مجھے، اپنے لیے تو کیا بھائی میرا تک کے لیے پسند نہیں، ابھی تو صرف بھائی میرا کی خاطر چپ تھا وگرنہ۔

تم میری بات پر یقین کرو، وہ عثمان کدشتے سے پہلے فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ شاید اپنا رکر رہا ہے یا شاید اپنی عزت و وقار کا تحفظ اس عمر میں نو جوان اپنی عزت کے لیے غیر معمولی جتن اس ہو جاتے ہیں عابدہ۔

میں تو تمہیں صرف نونے کی تھی دوریہ اگر تمہیں پسند ہے، وروہ بھی تمہیں پسند کرتی ہے تو اس صورت میں اصول کی رو سے اس کا رشتہ تمہارے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمہارے ساتھ دو طرفہ معاملہ ہے عثمان کے ساتھ اب کوئی مسئلہ نہیں اس نے دوریہ کی تعلیم کی وجہ سے اسے ترجیح دی تھی۔ وہ بھی میں نے پوچھا تھا شاید اس نے میری وجہ سے ہی قرار کیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن تم نے بہر حال ہمارے ساتھ زیادتی کی، اگر تم پہلے بتا دیتے تو ہم بھائی جان کے سامنے تماشہ نہ بننے۔

وہ بولتی رہیں۔ وہ کہتے کی سی کیفیت میں سننا رہا۔

افسانہ جان بظاہر بہت بڑے سکون ظاہر کر رہی تھیں خود کو، مگر باطنی اضطراب ناقابل بروشت تھا انہیں معلوم تھا دوریہ کو عثمان نے دیوسا لڑکیوں پر ترجیح دی تھی۔ جبکہ سامنے ہر

طرح سے موڑوں، دطرحد اور تعلیم یافتہ لڑکی موجود تھی۔

مراتب و مصائب کا سوال نہ ہوتا تو، ہاں جان ضرور پوچھ سکتیں۔

بیٹے اس وعدے کا سن اور مہینہ بتا دو۔

عثمان کے ساتھ دیرہ شریک تھیں مگر راق کے ساتھ وہ شریک ثابت کی جا رہی تھی۔

پھر عابدہ بیگم کیسے طارق کی بات مان کر س لڑکی کو عثمان سے بیاہ دیتیں۔ جون کے شاندر سے

بیٹے کے لیے اپنے دل میں بالکل گنجائش نہیں رکھتی۔ اگر بات اپنے بھائی کے گھر لے کی نہ

ہوتی تو وہ اس گھر میں ہر سے سے پنے یک بھی بیٹے کا رشتہ نہ کرتیں مگر ب بات سکی بھینگی کی

تھی۔

وہ اپنے ہی خون کو کیسے تماشہ بنا کر چھوڑ دیتیں۔؟

آخر آپ مجھے اس شخص کا نام کیوں نہیں بتاتیں۔ اچھا بتائیں آپ کرچی سے صرف

اس جہ سے آئی ہیں۔؟

ظاہر ہے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں ہے، نار مان کی آواز آجستہ اور بھد زرد تھا۔

آپ صحیح کہہ رہی ہیں کیا بھائی میں کو پتا ہے؟ احساسِ ذلت نے سامے خود احتماوی

کے رنگ اڑا دیے تھے۔

اس سے جنہیں کیا فرق پڑے گا کوئی بات نہیں ہے۔

وہ اپنے لے بیٹے کی ب چارگی بھی برداشت نہیں کر پارہی تھیں۔ وہ جون کے گھر کی

دوق اور پیر تھا۔ اس وقت کس حالت میں تھا۔ ان کی مانتا س کی ساری خطا کیں محاف
کر رہی تھی۔ دوسری طرف، اپنے گھر کا بھی خیال آ رہا تھا جو قریب قریب منتشر تھا۔

کیا ماحول جان کے ہاں اپنے دشمن کا نام پوچھوں یا آپ ہی بتا دیں گی؟

وہ ہنست کاٹ رہا تھا۔ آف ایسی ذلت۔۔

جنہیں وہاں جانے کی فی کال کوئی ضرورت نہیں۔ خود بخود رہے ہے ہر بے بھی۔۔

اسی دم دروازہ پر دستک ہوئی۔

آ جا و فرقان۔ طارق نے دستک پہچان لی تھی۔

آ۔۔ ہا۔۔ لے آئے خال جان کو۔ السلام علیکم۔

علیکم السلام۔ خوش رہو بیٹے۔ خال جان تو کب سے آئی بیٹھی ہیں۔ تمہارے ہی پتا نہیں

۔ سو ڈھل گروہ خوش دلی سے بولیں۔

میں کل سے ملکر ہوں آپ کا پتا ہی نہیں کہہاں ہیں۔ وہ موڑ حدان کے نزدیک کھسکا کر

بیٹے گیا۔ گنگو موٹوف ہو گئی۔

طارق کے دماغ میں تھوڑا چل رہے تھے۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں یہی بدترین

صورت حال کا سامنا نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑ رہا تھا کہ یہ شوش چھوڑا کس نے

ہاں کے اپنے بھائی تو کبھی بھی اس قسم کی شراغیزی نہیں پہچلا سکتے۔ وہ آپس میں بھائی ہی

نہیں دوست بھی تھے۔

وہ اس جان کو فرقات کے پاس ہی چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ کتنی محنت سے آج کل وہ ایک مشہور کمپنیز کا ڈیزائن تیار کر رہا تھا۔ کتنا خوش تھا کہ اتنی جلدی، تاجروں پر و جیکٹ اس کے ہاتھ آیا تھا۔ اسے یقین تھا اس کے بعد وہ ایک دم ابھرے گا۔

وہ تو اپنے اوصاف پر و جیکٹ کی سمت خوفزدہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ اسے یہاں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ نہ کر سکے گا اس وقت کے بعد دوسری وقت۔

وہ ایک کے بعد ایک رنگیں، رک رکال کر بنا دے پھول ہوئے بنا رہا۔ یہاں تک کہ مقصود کی آواز اس کے کانوں میں آئی جو اسی سمت آ رہا تھا۔

مقامات کے کہنے پر وہ انہیں احسان، مومن کے بار چھوڑ آیا تھا۔ اس کے ہمراہ فرقان بھی تھا۔ وہ مقامات جان کو گیسٹ پر و سوپ کر کے آگے بڑھ گئے تھے۔

گاڑی فرقان کی تھی وہی ڈرائیو بھی کر رہا تھا۔

یاد رہے محسوس ہو رہا ہے جب سے حالہ جان آئی ہیں تم بہت ڈپر ہر ہو۔

اے نہیں۔ وہ چونک پڑا۔ اس کی کوئی بات نہیں۔ یاد رہے اس یوں سمجھو کہ من پر و جیکٹ سوار

ہے۔

سُٹ ہو رہا۔ یہ آواز سلسلے روزگار ہے۔ مگر اسے غلاب جاں بنا کر کیوں اپنی زندگی

دھوا رہا نہیں۔ کیمر زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ہوتا ہے۔ سمیت نہیں۔ فرقان نے اسے

سمجھا رہا۔

ہوں۔ وہ مقامات جان کو بتا دے گا۔ اسے تو یہ پسند ہے۔ یقیناً اس بات سے وہ مطمئن ہو جائے گی۔ اس نے ایک دم اپنی پریشانوں کا حل سوچ لیا۔

اور پھر وہ ثبوت بھی طلب کرے گا۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، بنا دے ایک شریف آدمی کو خور کر کے رکھ دیا جائے۔ خدا خوفی میرا کے کان میں یہ بات پڑ گئی تو کیا موقعیں گے وہ؟

وہ اپنے مسائل کا حل سوچ کے قدم پر سکون ہو گیا۔ اور فرقان کے ساتھ پیشہ وراتہ گفتگو میں لگن ہو گیا تھا۔

فرقان نے یہ بات نمایاں طور پر محسوس کی۔ آج اس کی گفتگو اس کی خصوصیت شادی ہی رہی ہے۔

آج گھر یا کمرات مرچ سے تمہاری نظر اتار دے گا۔ فرقان نے اسے گردن موڑ کر

دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

کس علم نہیں؟

یہ تمہاری پچ مجھے بہت گھٹ رہی ہے۔ فرقان واقعی ہل گیا۔

بھی کچھ رچ رہے ہیں ہر جہت کی ہے۔ وہ سامنے دیکھو۔ مجھے تو وہ تمہاری بلیک

بیوی نظر آ رہی ہے۔ اس نے فرقان کی ساروں سلائی مگیٹر کا تہ کرہ چھین کر اس کی توجہ بنائی۔

میری بلک بیوٹی اس طرح مری مری نہیں پھرتی۔ فرقان پر جتنا کہہ بیٹھا۔ طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

”ج فون کر کے تمہاری شکایت کروں گا کہہ دے وہی بھائی آپ کا فیملی آپ کو بیک بیوٹی کہہ رہا تھا۔ فرقان علیحدہ جھینپ گیا تھا۔

پہلے تم خود ہی تو بولے تھے اس بار دونوں کا مشترکہ قہقہہ آ رہا ہو۔

آج فرقان کو محسوس ہوا۔ اوتھوں کے موسم میں جب دوسروں کی خاطر ہنستے ہیں تو دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے۔

وہ ستارہ جان سے گفتگو کے منصوبے ہی بھاتا رہ گیا۔ وہ کراچی کے یہ روز بھی ہو گئیں۔ عجیب بڑا سر رحم کی وہی تھی ان کی۔

اپنی سب کہہ گئیں۔ اس کی ایک نہیں بچی۔ اس کا دل اس سے بے پناہ شاکی ہو گیا۔ کتنے سول اس کے ذہن میں تڑپ رہے تھے۔

جب وہ میرے پورٹ پر نہیں خدا کا فک کہہ رہا تھا تو عذر سے پھر رہا تھا۔

اتنا جان مجھے آپ سے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔

میری تو سمجھ میں نہیں آیا۔ تاہر جان۔

آجائے گا۔ بیٹے۔ میں تو تمہیں یہ کہنے ہی تھی کہ اچھا نہیں کیا۔ اور پھر مجھے کچھ ضروری

باتیں بھی کرنا تھیں بھائی جان سے۔

بہن آ رہی ہوں جلد ہی تمہارے پاس۔ رہ کر چلوں گی پھر۔ انہوں نے اس کا انکرا ہوا چہرہ دیکھ تو اپنے اندر کچھ ٹوٹا ہوا محسوس ہوا۔ وہ عجیب دوسرا ہے پر کھڑی تھیں۔ کبھی وہ بن کا دل پائی کرتا تو کبھی عثمان ان کی ماسا کی آواز۔ کش بننے جب وہ گھروا پس پہنچیں۔۔ تو گھر وہی تھا مگر وہ رائق اور تازگی نہیں تھی۔

وہ گھر کے وحندوں میں جاتے ہی مصروف ہو گئی تھیں۔

حسیب اور فاروق نے ان کا پیچھا لے رکھا تھا۔

بتائیے تقدس جان۔ بات یہی کراہیں۔

شادی کب تک ہوگی۔؟

چھوٹے بھائی جیسے ہیں۔ وہ خوش تو ہیں۔؟

وہ اپنے کاموں میں مشہک انہیں گول مول جواب دیتی رہیں۔ عثمان، رمضان بھی آگئے وہ لگ بھگ اپنی ماں کے چہرے سے کچھ بھید پانا پڑ رہے تھے۔

مگر ان کا چہرہ نہ سکون اور نہ تاثر تھا جس سے کچھ عذرہ لگانا مشکل تھا۔

معمول کے مطابق فلان احمد نے مغرب کی اذان سے کچھ دیر پہلے گھر میں قدم رکھا۔

اندرا داخل ہوتے ہی ان کی نظریں بیوٹی پر پڑی۔ ان کی آمد کی اطلاع تو لی گئی تھی۔

انہوں نے فاروق سے کہہ دیا تھا کہ میرے پورٹ پر بیٹی ماں کو رہے۔ بیوکر لیں۔ رات تک

مخصوص معمولات جاری رہے۔

عثمان سمیت دیگر افراد شکر رہے کہ ان جان واپس کی باتیں چھیڑیں۔ مگر وہ سرور کا بہانہ کر کے چھتہ پر چلی گئیں۔

رات ایک بجے کاٹل تھا جب انہوں نے فلیٹ احمد کی خواب گاہ نم۔ چیری میں قدم رکھا۔ وہ ان لیل کے منتظر تھے۔

اوجھڑا دھڑکی باتوں کے بعد وہ گویا ہوئے۔

کیا کہتا ہے طارق۔؟

وہ کیا کہے گا۔ سچے کی شکل اتر کر رہ گئی ہے۔

اسی لیے کہتے ہیں عورت انصاف نہیں کر سکتی۔ جذباتی جو بڑا کی ہوتی ہے۔ فلیٹ احمد نے بیوی کی بات کاٹ دی۔

سب ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے بھی جان کی باتوں سے اندازہ ہو رہے کہ یہ واقعہ تب کا ہے جب وہ تینوں کرچی میر کے لیے آئی تھیں۔ تب ہی سے وہ ایک دوسرے کو غالباً۔

آزاد خیال، اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی ہے، اٹا بر ہے۔ اور پھر طارق ہی اُن کے ساتھ۔

وہ کیا کہتا ہے؟ فلیٹ احمد نے پھر بات کی بات کاٹ دی۔

وہ کچھ نہیں کہے گا۔ جب ہی تو بھائی کی خاطر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

پیچھے ہٹا تھا تو کم ذکم اسے تو طعناں ہوتی چاہیے تھی۔ تاکہ عثمان کا رشید و سنے کے بعد

اس قسم کی صورت حال پیدا نہ ہوتی۔

اب کیا سوچا۔ چھتہ۔؟

سوچنا کیا ہے۔؟ سیدھی سی بات ہے۔ عثمان نے تو بھری پسند پر ہائی بھری تھی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ سوچا یہ ہے کہ عثمان کو اب سب کچھ بتا دیا جائے۔ بڑ

ہے اندر دبا رہے۔ حالات کو کچھ ملکا ہے۔ اور دیتے اور طارق کافی کمال نکاح کر دیا جائے۔ عثمان اور امتحان کی باتوں کے بعد دیتے کو رخصت کر لیں گے۔ یہ بھی جان نے نکھل کر مجھ سے

بات کی ہے کوئی ماس پٹی بیٹی کے ہارے میں کوئی تھکا قدم نہیں اٹھا سکتی۔ یہ بھی جان کوئی سچے نہیں ہیں۔ سب سمجھتی ہیں۔ اور پھر ماس سے زیادہ بیٹی کو کون جان سکے گا۔ نکاح کے بارے

میں آپ کی کیا رائے ہے؟ وہ بولیں۔

پہلے اپنے گھر کی فضا تو ٹھیک کر لو۔

وہ ٹھیک ہے۔ عثمان تعلیم یافتہ ہے، اندر دبا رہے۔ آپ اسے سمجھائیں گے تو وہ سمجھ بھی جائے گا۔

مگر دونوں بھی بچوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے جو ایک اُن دیکھی دیو، تعمیر ہو جائے گی۔

اس کے ہارے میں بھی سوچا۔؟

اب تو بہت سوچ لیں۔ مگر اور سوچا تو شاید میں پاگل ہو جاؤں گی۔

سپ آج کل اس سے ضرور بات کر لیں۔ میں باقی تینوں سے اپنے طور پر بات کروں

گی میں نے بھائی جان سے کہہ دیا تھا کہ آپ سے بات کر کے نکاح کی تاریخ مقرر کر لیں گے۔ آپ ہی نے کہا تھا۔ گھر کی بیٹی ہے ہم اس کا ترشہ نہیں بنا سکتے عثمان سے نہ کسی عارقی سے سکی۔ اسی بنیو پر جس نئی بات سے کہہ آئی۔ آپ کو کوئی اعتراض۔

یہ بات تو میرے درتہارے درمیان ملے ہوئی تھی کہ صورت حال بہر حال قابو سے باہر نہیں ہونا چاہیے نہ ہمارے بچے کا ترشہ بنے اور نہ کسی کے بچوں کا۔ اور بیٹی تو بڑی نازک شے ہوتی ہے۔ اس کی نزاکت و عزت کا پاس کرنا سب ہی کا فرض ہے، صرف انہی کا نہیں کہ جن کے گھر میں پیدا ہوتی ہے۔

۱۷۸۵ء کی ہی بنیاں ہیں۔ میرا ضمیر کی طرح، وہ ہمیشہ کی بنیاں ہیں، اور یہ تمہارے بھائی کی۔ فالنگ امر جیسے آبرو مند نشان ہی سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ جذبات کے بجائے بھائی کی ہوش و حواس صورت حال کا سامنا کریں گے۔ تم نے ٹھیک کیا۔

میرے خیال میں میں جس حد تک مشکل یا نکاح کی دم وہ کر دیتا ہے۔ ممکن ہو تو میرے کہہ کر عثمان اور رفعت کے لیے بھی کوشش کرو۔

خدا سے دعا ہے کہ ہم اپنے فرائض کی ہونگی میں سرخرو ہوں اور وہ ہمیں بہت سے نوازے۔

تمیں۔۔

عابدہ بیگم عثمان کا چچہ آنکھوں میں سموئے آئین کبھی پائیکل گئی تھیں۔

دل میں کام بھی ہو جاتا تھا۔
ولو۔۔

ماں بول رہی ہوں تمہاری۔
اسلام علیکم ماں جان۔۔ وہ ایک دم سنبھل گیا۔

کیا کر رہے تھے بیٹا۔۔؟ وہ سکون نذر میں پوچھ رہی تھیں۔

یہی ہی ایک نقشہ کھل کر رہا تھا۔ وہ اس کے مخصوص دھبے نماز پر متوجہ تھا۔

ایک ضروری بات کرنا ہے تم سے۔۔ میری بیٹی میں اس کا مخصوص دھبہ بچہ گونجا۔

میں سن رہا ہوں ماں جان اس کے مشہور سینے میں اس کا حافظہ دل کا نپ کا نپ گیا۔

میں خود بھی آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے جو بات مجھ سے یہاں

کی اس سے میری ذہن ابھی تک چمک رہا ہے۔ بس مجھے آپ سے صرف یہ پوچھنا ہے آپ

مجھے اس شخص کا نام بتادیجیے جس نے یہ گھوٹنی حرکت یا شیطانی تدبیر کیا ہے، ورنہ ماں جان

میرے سر پھٹ جائے گا۔ خدا را ماں جان۔۔۔

آہ میری بیٹی۔۔ یہ کبھی بھی نہیں قبول کرے گا کہ واقعی اس سے۔۔۔

یہ ابھی ہو جاتا ہے بیٹے۔ بس میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ اگلے مہینے

کی چھ تاریخ کو تمہارا نکاح ہے۔

مت کریں، ماں جان یہ باتیں ورنہ میں خودکشی کروں گا۔ اس کی شرابیوں میں طوفان

صحت کا وہ میرے سفید بالوں کا قہر تھا۔ مجھے علم ہے تم کبھی نہیں قبول کرے۔ کہ۔

اب جانو۔۔ میرے اس یقین کو مت توڑیں کہ ماں۔ ظالم نہیں ہوتی۔ اس کا بھد
گھر آگیا۔

اور میں کیوں خواہ مخواہ کا الزام شہم کروں۔۔ کس دنیا کے اتنے سارے انسانوں میں
صرف آپ ہی سے تو انصاف کی امید کی جا سکتی ہے۔

انصاف ہی تو کر رہی ہوں میرے بیٹے۔ وہ مضبوط ہچکے میں بولیں۔

آپ کو نہیں پتا ناں جان۔۔

ہاں سب مزید کچھ پتا نہ کرو۔۔ تمہارے باپ، بھائی۔۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں۔ تم
گھر دو نہیں۔

میں دیتے سے شادی نہیں کروں گا۔ آخر اس کی مردانہ خود سری ہو کر آئی۔

تمہاری شادی صرف دیتے سے ہوگی۔ ورنہ تم۔۔ میں بھول جاؤں گی کہ میرا کوئی
حارق نام کا بیٹا تھا۔ حارق کی آنکھوں میں ہفت آسمان گھوم گئے۔

اناں جان اتنا کچا تھا تھا، آپ کا۔ آپ کو میرا یقین نہیں۔ وہ نوٹ لپکا تھا۔

دیکھو بیٹی اب ماں کو زچ نہیں کرو۔۔ گھر میں سب خوش ہیں انی حال نکاح ہو رہا ہے۔

عثمان اور منان کی شادی کے بعد چھٹی کر لیں گے۔

ابنا کوئی سوٹ بنانا چاہو تو بایلیاں۔ بھابھی جان تو کہہ رہی تھیں بتانے کو میں نے منع کر دیا
کہ رخصتی پر دے دیتے تھے گا۔ کیونکہ میں سادگی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ میں بھی صرف دیتے کا
ایک جوڑ بنا رہی ہوں، اور ایک ہلکا سا سونے کا سیٹ، امٹھائی، بھیل وغیرہ تو زی ہوں گے۔
سوچ رہی تھی ایک سوٹ تو یہ کا بھی بنا دوں۔ پھر سوچا فوڈ یہ خیال کرے گی۔ رخصتی پر کروں گی
یہ سب اکھیڑے، وہ فی حال تو وقت نہیں ہے۔ اے ہو۔ یہ تمہارے ابا جان بھی آگئے۔ بات
کرو۔۔

ہیلو۔۔ حارق بیٹے۔

السلام علیکم انا جان۔۔ دو جیسے کہیں پاتاں سے بول رہا تھا۔

ٹھیک ہے سب کچھ تمہاری ماں نے تمام پروگرام تمہیں بتا دیا ہوگا۔ نکاح ہمہ دگی سے
کر رہے ہیں تمہارے ماں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نکاح میں صرف مروجی ہوں
گئے۔ تمہارے تایا، اچھا۔ چوپھا اور بھائی۔۔ نکاح بھی اس سے کر رہے ہیں تاکہ دیتے کے
رشتے کا اعلان ہو جائے۔ اس سے کہ جس گھر میں دو اور بھتیجیاں بھی ہیں۔ ان کے بھی رشتے
وغیرہ ہونے ہیں۔ سلامتی السلام کے بعد انہوں نے تفصیل بیان کی پھر بولے۔

حارق بیٹے۔ یہ عثمان تم سے کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔ فاطمہ احمد نے رے سید عثمان کو قصداً پا۔

حارق کے حواس جواب دے گئے۔ وہ فحش انداز میں بول رہا تھا۔

السلام علیکم بھائی میاں۔۔

وہ حکم السورم۔ کہیہ حال ہے۔ ہو رہے۔ عثمان کے لہجے میں بشارت تھی۔

ٹھیک ہوں۔ یہ کہتے ہوئے گویا اس کا جگر پاش پاش ہو گیا۔

کیسا چل رہا ہے نام۔؟ یا تم تو خود سے کبھی کال ہی نہیں کرتے۔ وہ طارق سے مخاطب ہوئے۔

میں مویج ہی رہا تھا۔۔۔

زیادہ نہ سوچا کرو۔ غرض مجھ کو اعصاب تھک جاتے ہیں۔ انہوں نے بات کاٹ دی۔

بھائی میاں۔۔۔ وہ رک گیا۔

بوویا۔۔۔۔۔

بھائی میاں۔ آپ اس جان کو سمجھا دیں، پلیز، وہ دینیہ سے میرا رشتہ نہ کریں۔ کوہ مجھے

ہری بات ہے طارق۔۔۔ اب تم بچے بھی نہیں ہو۔ ایسے نہیں کرتے۔ عورتیں بہت حساس

و نازک ہوتی ہیں قول نہا ہماروں کا کام ہے یا۔۔۔

میں نے راج تک کسی کو کوئی قول نہیں دیا۔

مجھے تم سے پیسے سے بھی زیادہ محبت ہوتی جا رہی ہے طارق۔ اچھا اب زیادہ باتیں نہ

کرو۔ میں خود بھی لگاج میں شرکت کروں گا۔

بہت اطف رہے گا۔ دیکھو۔ خدا حافظ۔۔۔ عثمان نے فون رکھ دیا۔

چند تائیں تو طارق دم بخود ہی طرح رہا۔ سیور کا نور سے چپکائے بیٹھا رہا۔ پھر بری طرح کرکٹل پر جا دیا۔

کوئی کچھ سننے کو تیار نہیں۔ جی چاہ رہا ہے اس فساد کی جڑ کو ہی گویا روڑوں۔ میں نے بھی مگر اس شوشہ چھوڑنے والے کا سر نہ لگایا تو طارق میرا نام نہیں۔ اس فکڑ کو گروہوٹ بھی نکالا تو لامدہ۔ اگلے صبح کی چھ میں گل جا رہی دن تو باقی ہیں۔

کسی قیمت پر نہیں۔ وہ رے وحشت کے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ڈرنک سہنسٹ تھا۔ اس کا تخیل۔۔۔ اس کے خواب۔۔۔ اس کا اثا۔۔۔ میرا یہ تھے۔ جہاں ہر منظر پر صرف ٹوبہ کا ہیرو ل تھا۔ اس کی زندگی کا دوسرا نام آئیڈیا ہو جی تھا۔

وہ ٹاپشیدہ احساسات کے ساتھ زندگی کا تھوڑا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پارہ دن۔۔۔ ابھی خاصا فاصلہ تھا۔ وہ تھک مارنے والا نہیں تھا۔

ہیلو۔ جی۔۔۔

طارق بول رہا ہو یا ٹوبہ۔۔۔

آخا۔۔۔ آخروے تو کسی۔۔۔ وہ جھکی۔۔۔ کہتے۔۔۔ بلکہ فرما رہے جناب

آپنی ہیں تمہاری۔۔۔؟

وریہ آئی۔۔۔؟

میں نے

آج کل وہ ہیں زمین پر مگر اُور ہی ہیں۔۔۔ یہ لیجئے گھنٹیں۔۔۔ مٹی پڑھ رہی ہو۔

ہیلو دیرے کی آواز برپا نہیں میں ابھری۔

میں صرف "پ سے یہ بچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو تمنا شہر ہوا ہے اسی مسئلے میں آپ کی نتیجہ پر پہنچا ہوں؟

کیسے ٹھنڈا؟ درے نے تجاہل برتا۔

کمال ہے، اس دورے کا مین کرو اور آپ چیں، اور آپ کو نہیں چاہیے۔ میں ان ہی نہیں سکتا۔ مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے دینیہ۔ وہ فکری سے کہہ رہا تھا۔

فراموشی؟

مجھے آپ کی شہادت چاہیے۔

کس سلسلے میں ہے؟ اس کا دل دھڑکا۔ کھیل بگڑنے لگا۔

حاصلہ مسئلہ چھوڑیں آپ۔ پلیز آپ ایک فون گھر پر کر کے ماں جان اور بھائی میاں کو صرف تاکہ دیں گمشد آپ میں اثر نہ ہو، ہوں اور نہ میں نے آپ سے کوئی اسٹوپڈ قسم کا پراس کیا ہے۔

یہ افواہ نہ جانے کس شرابگیز نے اڑائی۔ کیا آپ کو حیرت نہیں ہوتی تھی۔۔۔ حالانکہ یہ افواہ
مرد صراطِ آپ کی اسطرح ہے۔۔۔ یہاں نہیں۔۔۔ وہ خود مجھ رہا تھا۔

مگر آپ سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں ماس کی زبردستی وہ گفتگو کے جواب میں زور دے گا یہ جس طرح جس میں سے نا بھر کر سماعت سے ٹکریا تھا اور اس کا جی چاہا تھا وہ سیورہ اپنے منہ پر دے

حضرت انسؓ کی شہیدیت ہے اس لڑکی کے پاس۔ خرم کا روہ اس نتیجے پر پہنچا تھا۔

وہ اپنی ماں سے کہہ نہیں سکتی تھی کہ ایک ضروری بات ہو رہی ہے۔ ریسیور اس کو سمجھا کر چلتی نئی۔ حد رقب نے مہمانی کے پہلو کے جو ب میں سائنس کاٹ دی، اور تھوڑی سے کمرے سے باہر آ گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو اور ریسیور آٹھ ٹانگیں پڑ جائے۔

اور کے ممبرانہ

عمر کا وہ بہتہ فیروزہ ہے پختہ۔۔ فیروزہ کی ساری زندگی کا حاصل تھا۔

کیسے ہو میری جان ۔۔؟ فیروزہ نے پھر پ اس کے گوشوں کے بوسے دیے۔
 فاطمہ ۔ گھر پہ کبھی نائی ہیں آپ ۔؟

یہ تو میرا تم سے وعدہ ہے۔ کل ذریعہ کے پاس ہے گڑیا وہ آ رہی ہے۔

ستارہ آئی بھی ہیں؟

ہاں۔۔۔ وہ بھلا عمر سے کچھ بڑھ چکا تھا۔

مختبوس کا نور جب دلوں میں غفلت ہوتا ہے تو یک نور بنی کہیں کے عمل سے نور کی تاثیر

من جاتا ہے۔ یہی حال عمر کا ہوتا تھا جو فیروزہ پہچانتی تھی۔

اور میں نے تم سے کہا تھا؟

عمر نے سوالیہ نظروں سے فیروزہ کو دیکھا۔

کتی ختم۔ تمہارے کامریڈ کیا کہیں گے، یہی سوچیں گے، کہ تمہاری مٹی نہیں ہے، یا پھر چاہیں گے کہ کہاں ہے؟

بھول گیا تھا۔ عمر نے غمت بھری نظروں سے فیروزہ کو دیکھا۔

فیروزہ نے اس کی پیشانی سے ہال سینے اور بوسہ دیا۔ اب نہیں بھولنا۔

کبھی نہیں۔ اور ویسے بھی مٹی کی طرح ہیں آپ، کیونکہ ٹیل مٹی ہی، ویسے پیاور کرتی ہیں یا پھر عائد آتی۔

آپ جانتی ہیں عائد کئی کون ہیں؟ اس نے معصومیت سے فیروزہ کو دیکھا۔

ہاں شاید ایک مرتبہ تم نے بتایا تھا۔

وہ پیا کی سسز ہیں۔ جیسے گڑی ہے نہ میری سسز۔ سب نے بزرگوں کی طرح فیروزہ کو سمجھا دیا۔

وہ بہا سخت مسکروں۔ مگر گڑیا تو تمہاری ریشل گڈ سسز نہیں ہے۔

عمر کا روشن چہرہ یک دم بھگ گیا۔ مگر میں اسے ریشل سمجھتا ہوں۔ وہ، خرگشا تھا۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے زندگی۔ بہت پیارا دل بچا ہے۔ تمہارا دل ہاں تو کیا کہہ رہا ہے۔

تھے عائد کئی؟

وہ بھی بہت پیاور لگتی ہیں۔ مجھ سے بھی اور ایش۔

آگنی گڑیا۔ گل زمینہ جلدی سے لے کر آؤ۔ ساتی دیر لگاوی۔ بھئی؟ فیروزہ نے عجیب طرح کا شور مچا دیا۔ عمر کی بات کٹ گئی۔ یہی فیروزہ کا مقصود تھا۔

ستارہ ہنسا پر، درگڑیا کا سامان اٹھائے ہوئے تھی۔ عمر نے لپک کر گل زمینہ کے ہاتھ تھام کر مجبور کیا کہ وہ گڑیا کو اس کے مقابل کر دے۔

گل زمینہ نے اپنے ہاتھوں میں تھامی گڑیا پاس کے سامنے کر دی۔ اس نے بہن کا رخسار چوم لیا۔

ویسے، کئی گڑیا ریڈ (red) (سی ہوگئی ہے تار۔

ہاں اے سوت کی آب دھو راس آگئی ہے۔ ستارہ مسکرائی اور عمر کی گردن میں اپنا بازو حائل کر دیا۔ اور جگر پامے کیسے ہو؟

آپ مجھے جگر پامے نہ کہا کریں۔ اس نے برا بھلا۔

کیوں؟ عطلوں کی نہیں حیران ہوئیں۔

مجھے جھک پارے جیسا لگتا ہے۔ دولوں اس کی بات پر ہنس پڑیں۔

دیکھا تا تو میری زندگی کا مسائل آف ہو مر حور کا اٹھاؤ۔ فیروزہ تھوخرے مسکرائی

ملاؤ میں رہتے ہیں۔

بی برو (bravebe) قیروہ نے پیر سے اس کے رخسار پر تپتا ہے۔

جب وہ اس سے ملاقات کر کے وہاں سوات آ رہی تھیں تو ستارہ نے شوقی سے قیروہ سے کہا تھا۔

کتنی گرلے فل نظر آ رہی تھیں تم روز جب عمر تمہیں مئی کہہ رہا تھا۔

فکرت کرو گزیا بھی تمہیں مئی کہے گی، اتم بھی گرلے فل نظر آو گی۔ قیروہ بھٹکن سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ عجیب طرح کی طمانیت و آسودگی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

اورے نہیں بابا۔۔۔ مجھے کوئی ایسا شوق نہیں میں تو آبی کھلو اور گی۔

پندرہ سال بعد یہ کیوٹ سی بے بی میری مسٹر ہوگی مجھ سے صرف پانچ سال چھوٹی۔
دونوں کا کھٹکنا تاہوا مشترکہ قبہ روہنی سے دوڑتی گاڑی میں گونج کر رہ گیا تھا۔

دریت علی شاہ کافی دیر سے اپنے بھائی بھائیوں کو کمرے میں اپنے جہاری سائو بیڈ پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ ان کا ذہن کبھی اپنے کم شدہ بچوں کی طرف چلا جاتا کبھی روشنی کی طرف۔۔۔

کبھی اس کی اس کی طرف جوتے چائے کہاں روپوش ہو چکی تھی۔ انہوں نے اسپتال جا کر سے چاہنا چاہا تھا مگر یہ سن کر مایوسی کی لہر ان کے وجود میں سرایت کر چکی تھی کہ وہ اسٹیفن دے کر

ایکے عمر کیا ملا ہے دوڑ چھوڑا بات بات پر کرینڈے لگتی ہوں ستارہ نے سماہن رکھ کر گزیا کو لے لیا۔

تارو جی۔ بہ نعت منا بڑی بات نہیں ہے، اس کی حفاظت کرنا اور اسے استعمال کرنا اصل کام ہے۔

مرا بننے لگی فلا سفر ہو گئیں۔ وہ فیس دی۔ عمر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

جب آپ دونوں بات کرتی ہیں تو مجھے بہت چھٹی لگتی ہیں مگر مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آتی۔ وہ بے چارگی سے بولا۔

ویسے مجھے گزیا بہت یاد آ رہی تھی۔

اور ہم نہیں۔؟ قیروہ ناراض ہو گئی۔ تو عمر بھاگ کر اس سے لپٹ گیا۔

آئی۔۔۔

اوس۔۔۔ جنوں۔۔۔ پھر آئی۔۔۔؟

سوری مئی۔۔۔ آپ مجھے بہت یاد آ رہی تھیں۔۔۔ جی۔۔۔ وہ وہاں مئی تو کہا کرتی تھیں۔ تم اب بڑے ہو گئے ہو۔۔۔ لگ سوا کرو پا لکل، موت تہا گھر آپ تو مجھے اپنے ساتھ سواتی تھیں۔۔۔ شروع میں تو مجھے نیتہ بھی نہیں آ رہی تھی۔ مئی آپ میرے ساتھ ہاسٹل میں رہ جاتیں ناں۔

ایک آدمی تو رہ سکتا ہے ناں مئی۔۔۔؟

نہیں میری زندگی۔۔۔ ہاسٹل میں صرف پڑھنے والے بچے اور ان کا خیال رکھنے والے

جا چکی ہے۔

کبھی ماں ہے یہ، جس نے یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی کہ اس کی بیٹی پر کیا گزر رہی ہے۔ بشر کا فتنہ اس نے غیب کیا تھا، ورنہ جان چکی تھی کہ بچہ و پس آچکا ہے۔ جس کی وہ بیٹی نے یقیناً اس کی بیٹی کے لیے مشکلات پیدا کی ہو گی۔ کیاں چلی گئی بڑھید۔؟
انہوں نے کروٹ بدل کر سوچا۔

آہ۔ روشن۔۔ کاش تم یہ نہ کرتیں۔۔ روشن کی دلچسپ دوائیں اور اس کے پرکشش وجود کا لمس انہیں پھر سے پاؤ آ گیا۔

اس کے گرم جوش اور وابستہ انداز جب انہیں سحر میں یاد آتے تھے تو کسی چاہتا تھا وہ از کر پھر سے اس کے پیو میں آ جاوے جو جائیں۔ اس کی ذرات ایک نشہ بن گئی تھی جس کے وہ عادی ہو چکے تھے۔ انہوں نے پھر کروٹ بدلی۔۔ اب ان کا ذہن ماؤ غلبہ اور خالی ہو چکا تھا۔ کمرے کا سا ناچھر حذت سے محسوس ہونے لگا تھا۔

ایسی ہولناک تباہیاں ایک بھر پور اور معاشی طور سے آسودہ انسان کا بڑا سخت امتحان ہوتی ہیں لیکن اب انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ بچے چند دن اور نہ ملے تو وہ قبل از وقت بوڑھے ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ انسان کے اعصاب اس کے جذبات کا ستون ہوتے ہیں۔

اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے اعصاب جو بدمعاش رہے ہیں۔

کیا ان سے ماضی میں کوئی گناہ جزو ہو گیا تھا۔؟

کام بد و مکافات عمل سے گزورہے ہیں۔؟

اب انہوں نے اپنے ذہن کو اعصاب پر لگا دیا۔

پھر بھی انہیں کوئی ایسا بات یاد نہ آئی جو انہیں مجرم ثابت کر تی ہو۔ سوئے ایک غلطی کے کہ انہوں نے روشن پر اندھا اعتماد کیا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ فوراً ذہن بشر کی سمت چلا گیا۔ ان کی تباہی دور ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنے پاس سلا سکتے ہیں۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے وہ جو ایک نعمت غیر مترقبہ ان کے پاس ہے، سے تو اپنے سینے سے لگا کر کہن چاہیے ہر دم اس کے وجود کو محسوس کرنا چاہیے

وہ بشر کے کمرے میں چلے آئے کمرے میں ہلکی روشنی تھیمہ عات کا دلی دھک سے رہ گیا بستر خالی تھا ہر دم میں بھی کھل خاموشی تھیں اس سے پہلے کہ وہ حریف پریشان ہوتے وہ اچانک طرز کے در پہنچے سے جہاں تک نظر آ گیا

رات کے بارہ بج رہے ہیں یہ ابھی تک جاگ رہا ہے شاید اس کے معصوم ذہن میں بھی طوفانی جھکڑ چل رہے ہیں۔ تا کہ کسی انجان عمر وارکتے بوڑھے صدمے ان کا کلیجہ کٹ گیا

وہاں کھڑے ہو کر کہا دیکھ رہے ہو میری جان؟ وہ اس کی سمت بڑھے

بشر چونک پڑ وہ ڈھیلا ڈھیلا ہلک چپک کا نا۔۔ ٹ سوٹ پیتے ہوئے تھا یا سخی صدمہ بہت ہی

اور تھا سفید سفید تنگی پنڈلیاں واضح تھیں چھوٹا سا معصوم سا ان کی ناگنگ کے برابر بچہ بہت

ویران اور تباہ نظر آیا

کچھ بھی نہیں پانید نہیں رہی تھی

دروِ مشترک کے احساس سے وہ بری طرح بھیگ گئے اور اسے گود میں اٹھالیا

میری روح، میری زندگی، آرام سے سویا کرو، میں ہوں ناں تمہارے جسے کے دکھ اٹھانے کو تمہاری فیند سے خالی آنکھیں مجھے وقت سے پہلے یاد دیں گی جن کے پیا کر کے والے باپ ہوتے ہیں وہ بچے پریشان نہیں ہوتے میری جان انہوں نے پناہیت کے ظہار کے درپے دے لگا پھلکا کرنا چاہتا تھا

سپتے جسے کی ساری پریشانیوں مجھے دید و بیٹے ملک تمہارا ہوں، یہ سارا گھر تمہارا ہے اس میں موجود ہر چیز تمہاری ہے پریشان تو وہ ہوتے ہیں جو بے گھر ہوتے ہیں

جیسے عمر بھائی، درگزیہ؟ اس نے سادگی سے پوچھا

ورنہ علی شاہ کو گویا کرنت لگ گیا بمشکل انہوں نے خود پر قاپو پایا

پھر انہوں نے بشر کا رخ رچوم لیا

نہیں بیٹے یہ گھرانہ دونوں کا بھی ہے وہ بے گھر نہیں ہیں وہ ہم سے ایک دن میں ہیں گے، انہیں گے، بولیں گے، اور تمہارے ساتھ کھیں گے بہت سارے، انہوں کے قلب پر

گے

کب؟ وہ بچہ نہیں

بہت جلد تشا لہ

آپ کو کیسے لگتا ہے؟ وہ ابھی

میرا دل کہتا ہے وہ بمشکل بولے

کیا دل بھی کہتا ہے؟ وہ حد درجہ مصوویت سے پوچھ رہا تھا

ہاں جب انسان سمجھدار ہو جاتا ہے تو وہ دل کی باتیں سمجھ لیتا ہے وہ آہستگی سے گویا ہوئے

چھا، جب میں آپ جھٹتا ہوں، ہو جاؤں گا تو میرا دل بھی کہا کر سکا؟

کیا؟ انہوں نے سول کیا

کچھ بھی اس سے بڑی بڑگاندہ تنیدگی سے کہا

خدا تمہارا، قابل ہند کرے ہر آسودگی اور خوشی تمہیں ملے، اور تمہارا دل تم سے اچھی، تمہیں

باتیں کرے اور کوئی ملال، کوئی رنج تمہاری زندگی میں نہ آئے، اور بہت اچھے اچھے کام کرو

جب رات کو سونے کے لیے لیٹا کرو تو تمہارا دل تمہیں پاس پیش کرے، پھر تمہیں میٹھی سی فیند

آئے

وہ جانے کس روح میں بہہ گئے تھے بشر انہیں جبرائی سے دیکھ رہا تھا

آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی وہ ابھی

کوئی بات نہیں جو بات ایک بار سمجھ میں نہ آئے وہ بعد میں آ جاتی ہے وہ خیال کی دنیا

سے ہار گئے اور

بشر کے رخصتوں کو، اپنی انگلیوں سے آہستہ سے دبا دیا۔

اس کا مطلب ہے تم اپنے بہن بھائی کے بارے میں سوچ رہے تھے؟

جی۔۔۔ اور مجی کے بارے میں بھی۔

ورینٹ علی شاہ ٹھٹھک گئے۔

دوستی میاں جی کے بارے میں بھی۔

مثلاً۔۔۔؟

اس لیے ہی وہ مجھے یاد رہے تھے۔

پتا۔۔۔

کھو مری جان۔۔۔

چتا۔۔۔ آپ جی کو نالی مار کے پاس لے کر گئے تھے۔ وہ آئیں کیوں نہیں؟ کیا وہ بیمار

ہیں؟

نہیں۔۔۔ وہ مختصر سے بولے دل تو چاہا بیٹے سے کہیں ہاں وہ ہوں، لُج، خود غرضی کی

بیماری میں مبتلا ہے۔۔۔ مگر اس کی عمر اور سمجھ کے سو فیپ رہے۔

کیا وہ یک گڑیا اور لیٹے گئی ہیں؟

پتا۔۔۔

ہاں جیے۔۔۔

چتا آپ جی کو فون کر کے کہہ دیں۔ وہ ایک گڑیا نہ رہے بلکہ مٹا رہے ہیں فونی کی جی

جی نہیں۔۔۔ چتا جی مٹا رہے ہیں۔۔۔؟

ورینٹ علی شاہ کے سینے میں گنگ دھک اٹھی۔ وہ چپ رہے۔

ماحول سے بات کے تاثر کا کس قدر گہرا تعلق ہے۔ اگر یہی بات وہ بہت پہلے کہتا تو شاید

وہ دور روشن ہنس ہنس کر دھڑک رہے ہو جاتے۔

مگر وہ اس کی یہی معصوم بات سن کے سینے کی آج بھری تھی۔

چتا جی کب آئیں گی۔۔۔؟ وہ انہیں خاموش پا کر پھر بول پڑا۔

پتا نہیں۔۔۔ چلو۔۔۔ اب سوچاتے ہیں۔ باقی باتیں پھر۔ وہ سے لے کر اپنے بیڈروم میں

چلے آئے۔ وہ وہاں کے قلمی انداز پر چپ ہو گیا مگر نہ سوت کی تو فصل تیار تھی اس کے ذہن

میں۔

اس اپنے بستر پر ملاتے ہوئے انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

بشر۔۔۔

جی پتا۔۔۔؟ وہ سیدھا چپ لیٹا انہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ بھونری آنکھوں

میں بے پناہ چمک تھی۔

مگر آپ سے کوئی پوچھے کہ جی کہاں ہے۔ تو کیا ہو گئے۔۔۔

دیکھے تھے اور یہ فی خواہوں کا انتقام تھا۔

وہ ہوا نہیں دینا غلام محمد۔

وہ۔۔۔ آپ میرے کو پہنچے ہوئے نیگم صبیہ۔۔۔ میں، لک سے کہہ کر۔۔۔

اے خدا۔۔۔ سن سے تو تذکرہ بھی نہ کرنا ورنہ وہ تو یہ بھی اتارنے کا حکم دے دیں گے۔
شاید دن کا وہ بیان نہیں کیا مگر وہ تم سے اتارنے کے لیے کہہ دیتے۔ وہ اس کے سامنے ہاتھ
جوڑ کر بولے۔

لک، ایسے دل کے نہیں ہیں نیگم صبیہ غلام محمد وثوق سے بولے۔

ہائے دل اور مقدر بدلتے کب دیر لگتی ہے۔

اس کے سینے سے ہوگ، مٹھی۔

میرے کو حکم نہیں ہے آپ اس گھر سے باہر نہیں جاسکتے نیگم صبیہ۔۔۔ لک کا کچھ ہاتھیں
وہ کب آجائیں۔ غلام محمد عجیب چارگی کے اندر زمیں کو بیاہا۔

غلام محمد۔۔۔ اندر بہت تھکن ہے۔۔۔ پھر میں نے یک روئی بھی تو پاکی تھی ناں لکڑیوں کی
آگ سے وہ حصہ اور گرم ہو گیا تھا۔

نیگم صبیہ۔۔۔ غلام محمد نے کچھ تو قصہ کیا پھر بولے۔

نیگم صبیہ۔۔۔ روئی تو میں آپ کو دیا کروں گا۔ پر جب، لک آجائیں تو آپ پالینا۔
ان کے جانے کے بعد پھر سے روئی آجایا کرے گی۔

آہ۔۔۔ تو کر کے گھر سے روئی

خدا کے واسطے نیگم صبیہ میں، لک کو چاند لگے میں بڑا غریب آدمی ہوں۔

وہ کون سا مجھ سے بات کریں گے جو میں انہیں بتا دوں گی

غلام محمد۔

لک۔

تم میری روئی کا انتظام کرو یا نہ کرو بس ایک کام ضرور کرو دینا۔

آپ حکم کرو۔ غلام محمد کی عاجزی پر سے پھر رونا آ گیا۔

تم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ گڑیا اور عمل کئے ہیں یا نہیں؟

گر میں اپنی آنکھوں سے اپنی بچی کو مبرا ہوا دیکھ لیتی تو مجھے صبر نہ جاتا۔۔۔ سب نہیں آتا۔

غلام محمد کون دونوں بچوں کے بارے میں بھی بتا دیا گیا تھا۔

آپ سے، لک اس واسطے غصہ کرتے ہیں؟ آپ نے تو سچے غائب نہیں کرے

نہ۔۔۔؟

میں نے ہی غائب کیے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ بچہ نہیں قیامت ہے۔ وہ جیسے خود
سے بولی۔

آپ نے غائب کیے ہیں تو آپ ان کا لٹکا نہ بتاؤ نہ۔ کیوں مشکل میں پڑے ہوئے
ہو آپ۔ مارے تعجب کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

کبھی عورت ہے یہ

ویسے تو غلام محمد میں ہوں ہی اس سزا کے قابل۔۔ میں بھی تو خفی بن گئی تھی۔ وہ بھی تو معصوم بچہ تھا۔ اتنی عمر کے بچے تو تباہ کروں میں ڈر جاتے ہیں کہہ رہا تھا وہ اگھور جنگل بیابان۔۔

میں سمجھا نہیں۔ وہ حیران ہوا۔ اسے یہ عورت قدم قدم پر حیرت کر رہی تھی۔

کچھ نہیں غلام محمد۔ صوف کرنا میں آئندہ تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ میں بھول گئی تھی کہ میں سزا کاٹ رہی ہوں۔ سزا میں سمجھ نہیں ہوتے۔

غلام محمد۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پڑی۔

عظم۔ وہ صراپا حسین تھا۔

اس گونج میں گر کوئی بہت سی ٹیک انسان ہو تمہاری نظر میں اس سے دعا کرو دینا کہ سچ مل جائیں۔

پر مجرورہ کرو۔ وہ پھانک بند کرنے لگا تھا۔

یہ دروازہ کا جواز ہے، یہ سیٹ ہے۔ کیا لگا تمہیں۔۔؟ تمہارے آتا جہاں تو کہہ رہے تھے کہ ہو جا کر طارق کی پسند سے لے لیا۔ میں نے کہا اسے کیا تمیز ہے۔ اس نے کب خریدی ہیں اسکی چیزیں۔

میں کہہ رہا تھا انہیں جان سے بہا دیئے، نانا زادہ نہیں ہے۔ دروازہ آپ کی پسند سے لے بیچے گا۔ میں ہی نہیں۔۔۔ حسیب نے کہہ دیا۔

عثمان اور عثمان اور تہا رہی ایسے پھوپھو چھہ تاریخ کوئی آئیں گے۔ ان کا موڈ پھر بدل چکا تھا۔ ان کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے ہماری نظر آیا۔ جیسے ہی حسیب کسی کام سے باہر نکلا۔

طارق نے اس کے پاؤں چھو لیے۔ انہیں جان تھا کہ یہ ظلم نہ کیجئے مجھ پر۔ بس اب شتم کرو یہ ڈرامہ۔ کہہ جو دیا۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے بھائی کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی۔۔ بڑا بھائی ہی نہیں بڑا انسان بھی ہے وہ درویشی آکس چیز کی کمی ہے اس میں۔ یہاں جواز اتار، ہو گا۔ عرش سے کہ وقت آنے پر زائد دیکھے گا۔ وہ وفا خور سے گویا ہوئیں۔

مت کرو اپنے جی کو بلکان۔۔ کچھ نہیں ہوا۔ غیرت کا مطلب ہٹ دھری تو نہیں ہوتا طارق وہ کچھ ناراض ہوئیں۔ مجھے دروازہ بانگ پسند نہیں۔ آپ جو چاہے قسم لے لیں۔ وہ دن کے گھنٹوں پر ہاتھ دھرے عین تھا۔

گنکھن نہیں ہوئیں تہا مے ہاں اس کا مطلب یہ نہیں کہ تہا دی نظر میں دنیا کی لڑکیاں
تمہارے بن جائیں۔ ارے خدا کا خوف کرو طر ق اس کے غضب سے ڈرو۔ اور خرد دار خوب
ایک لفظ صحت سے نکالو۔

مجھ پر اثر م لگایا گیا ہے۔ آپ کو میری صفاتی متناظرے کی ساگر آپ نے بردستی کر بھی
ناتوئیں، سے طلاق دے دوں گا۔ وہ مے جذب کے آٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

تاہو لفظ، تاہو ایک لفظ جو اس کے شریف خاندان کی سات پشتوں نے گان سمجھا تھا
یہ کل کا لڑکا۔۔۔

یہ تو تم نے ثابت کر دیا۔ تم اختلافی طور پر جس مادہ اور شتوں کی نزاکتوں سے بے بہرہ ہو
اب میری بھی نس ہوا مگر دیتے کے سامنے پیچھے حاضر غائب تم نے کبھی یہ ناپاک لفظ منہ سے
نکارا تو اپنے جنازے کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی اور مرنے و مرنے تک وہ تھیں بخشش کی۔ دیتے
میری نگاہ ہے خیر انجون ہے۔

میں تمہاری صورت دیکھنے سے نکار کر سکتی ہوں مگر اس کی ہر غلطی معاف کر سکتی ہوں اس
بے کر و ثیاں شیشہ ہوتی ہیں کل کو باپ ہو گئے تو ہوتا چھہ گا۔

ان کا مہل تخلص بہ ترتیب ہو چکا تھا۔

ہم تیری خوشی پوری کرنا چاہتے ہیں تو بتا ایک جھوٹ چھانے کی خاطر ستر جھوٹ بول
چکا ہے۔ نہیں ہے نہیں ضرورت تیری نام لہا وغیرت کی۔

سب تیری خوشی میں خوش ہیں۔ تیرے جیسے نصیب کس کے ہیں؟
میری بات کا یقین کر حلف اٹھو، لے سب خوش ہیں۔ وہ عا جز آگئیں تھیں۔
یہ میری خوشی۔۔۔

بس ب پب ہو جاو۔ اب اگر اس میلے پر ایک لفظ بھی بولے تو پھر کھنا میں تہا مے
یہ مرنے کی اور تم میرے لیے نہ میں تہا مے اس نہ تم میرے بیٹے۔

وہ غضبناک ہو کر آٹھ کھڑی ہوئیں۔۔۔
طر ق ساری جاں سے کانپ گیا۔۔۔

وہ تیرا کی خاطر یہ خست ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔
تہا جان باہر لکل گئی تھیں وہ دیر ن نظروں سے سنہری کام کا شرارہ نوٹ دیکھ رہا تھا
۔ بد نصیبی میں بھی تنی چمک دکھ ہوتی ہے۔۔۔ اس قدر جلدی یہ سب کرنے کی کیا ضرورت
تھی اُسے وقت مل جاتا تو شاید وہ اپنی حقانیت ثابت بھی کر دیتا۔

حسیب اور فاروق بدر چلے آئے۔ اس کا باطن شکستوں کا جال نہن چکا تھا۔ وہ اس سے
نظر چر کر ہاتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

فاروق بدائی۔۔۔ قعرہ لگاؤ۔

چھوٹے بھائی دی در (winner the)
تیسرے نمبر پر ترتیب میں ہیں اور لک luck کے لحاظ سے چھٹے نمبر پر۔۔۔ چھوٹے

بھائی کوئی سی گتہ چڑھتے ہیں۔ دبا کوئی منتر جنت۔ یہی
آئیں گے۔

سی دم ہاں جان اندر آ گئیں۔ کمرے میں نظر دوڑائی۔ صورت حال دیکھی۔ پھر سامان
سوٹ کیس میں رکھنے لگیں۔

شور نہ کرو حسیب اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ آہستگی سے بولیں۔

انہیں احساس تھا انسان گرہی نظر میں مجرم ثابت ہو رہا ہو تو وہ دودھ داری کو مار پر چل رہا
ہوتا ہے۔

پھر وہ ضروری تیار لوں میں ایک مصروف ہوئیں کہ اس سے بات کرنے کی نوبت ہی نہ
آئی۔ وجھے تاریخ کی شام کو جب وہ سیاہ سوٹ میں بیویں تینتے کے سامنے کھڑے بال بٹا رہا تھا۔
تو۔

اس کی کیفیت ایسے جو ری کی سی تھی جو پٹی آخری پونجی لٹا کر بے گھر تک ہو گیا ہو۔

اس کو عقل بھی تسلی دے رہی تھی کہ نقصان صرف خوب کاقل تو ہوا ہے۔ وہ معتد بہاں یا
ہمسندہ تو نہیں ہے۔ مگر یہ تھی بہر حال سمجھ کر نہیں دے رہی تھی کہ یہ سب کیوں کر ہو۔

بھائی میاں کا سلوک اگرچہ اس کے ساتھ بالکل پہلے جیسا تھا۔ مگر وہ عثمان اور ارشد خان
سے پہلے۔ گویا بوقت دوہا بن رہا ہے، ان کا حق مار رہا ہے، اس احساس نے مزید اس کی
حالت دگرگور کر دی تھی۔

سامنے بھائی قہار محبت کے طور پر اس کی ایک ایک چیز کا دھیان رکھ رہے تھے۔

عثمان اپنی سرخ ٹائی نکال کر رائے، اس کا میچنگ ردیال بھی۔ خود اس کی ٹائی کی ٹاٹ
بچائی۔ ردیال کو خوبصورت عیب دے کر دوپری حسیب میں لگایا۔

ارشد خان اپنی ایک پسندیدہ خوشبو لائے اسپرے کیا۔ ایک مسہر کن مہک کمرے میں
مراست کر گئی۔

بھائی میاں، چھوٹے بھائی تھے شرابہ سکتے ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ فاروق
نے حیرتی نگاہ کی۔

عثمان نے قہقہہ لگا کر اسے گلے سے لگایا۔ توڑ دیا یہ چپ کا روزہ۔ انہوں نے اس کی
پشت چھینچائی۔ اس کا جگر پانی بن کر، نکھوں کی طرف دوڑا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔ وہ
تو ارشد خان نے اسے شانوں سے قہام لیا۔

آج کے دن تمہاری خاموشی حیرت انگیز ہے۔ پھر اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے
بولے۔

اپنی خوش قسمتی کا یقین نہیں آ رہا ہے۔

اس جان اندر آ گئیں، ان کی ہنسی کی آوازیں وہ فانی دیر سے سن رہی تھیں ایک عیب
سے حساس مسرت وطمینیت نے انہیں آنا گھیر۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔

دیکھیں، ہاں جان چھوٹے بھائی کتنے خوبصورت لگ رہے ہیں۔ حسیب ہلا۔

ماشاء اللہ وہ مسکرائیں۔

جاؤ دیکھو فرقان وغیرہ تمہاری پچھتائی تیا کیا کر رہے ہیں کتنی دیر ہے ان کی تیاری میں، اور اپنے بیا جان گویا۔ آئیے سہ۔

ماشاء اللہ بہت پیار، لکھ رہا ہے میرا بیٹا۔ خدا قبول، بلند کرے گا، انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھا، اور اس کی پیشانی پر، ایک سچی بوسہ دیا۔

اس کی اصل دوست، روکائیاں تو اس کے پاس موجود تھیں۔ اسے قدرے سکون کا احساس ہوا۔

اب جان، ایتھہ پھوپھو کے ساتھ غم داخل ہوئے۔

کہا۔ ہے آپ، بیٹے کو پیار کریں، دعا دیں۔ وہ اس کے سامنے سے بچے ہوئے بولیں۔

اب جان آگے بڑھے اس کے سر پر شفقت ہے ہاتھ پھیرا۔ پشت چھتیا لیا۔ خوش رہو بیٹے۔

ہائے کیسا سونا سا دودھا لگ رہا ہے۔ وہ تو بار ڈالیں گے لی۔ آپ بھی کوئی بار پھول، اس کے گلے میں ڈالیں۔ ایسہ پھوپھو تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

یہ بالکل چپ ہے پھوپھو، عمر یہ مٹ سے کہے۔ مجھے بار پہناؤ تو پہنا نہیں گے، رو مخان

ہوئے مسکرائیں۔

بھس دئے۔

آسکتا ہوں۔ فرقان نے دروازہ ناک کیا۔

آ جاؤ بیٹے یہاں کون پردہ کر رہا ہے، اس جان بولیں

فرقان مولے مولے گلا یوں کا ہار ہاتھوں میں لٹکائے اندر آ گیا۔ اور صادق خوشی سے جھنگلاتے چہرے کے ساتھ، آگے بڑھ کر رقبہ کے گلے میں ہار ڈال دیا۔

فائق احمد کے بھائی بھائی بھی، اور ایک دو بیٹے والے بھی آ گئے۔

تین گازیوں میں بھر کر دولوں کے ہاں پہنچے۔

نوزید، ثوبیہ، حسان صاحبہ، نور جہاں، وریہ کی چند سہیلیاں، ان کے استقبال کے لئے موجود تھیں۔ طارق فیش گنر کی روشنیوں میں نہا گیا، سووی بھی بن رہی تھی۔

ہائے کیسا زورور، مجوز ملا ہے وری کو، اس کی ایک دوست کو رشک آیا۔

ماشاء اللہ تو کہہ دیں، رات آتی۔ ثوبیہ نے ٹوکا۔

ہائے میری بھارتی، ماشاء اللہ۔ ہائے تو میرا بھائی کلام ہے۔ اس نے ثوبیہ کے رخسار پر چٹکی مچری۔

بدل لیں، بنا کیے کلام، ورنہ کوئی اٹھا کر، ہسپتال میں ڈال آئے گا۔ یہ سوچ کر کہ شاید آپ

تکلیف سے گواہ رہی ہیں۔

طو کسی کرکرتا شکار و رہیم رنگ دوپٹہ پہنے وہ بہا رنگی علامت بن کر اس کی چائیب
بڑھی اور ہاں اس کے گلے میں ڈال دیا۔

موسٹ ونگم سر۔ وہ جسک کرا داب بھائی۔ فلنک احمد نے خوش ہو کر اس کے سر پر ہاتھ
پھیرا رقی بنا دیکھے دسنا مسکرایا۔

وہ بد نظر بد باطن دل بھینگ انسان نہیں تھا۔ زندگی کے اس موز پر پئی آزادی رائے کا
استعمال محدود کرنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ سوس نے حقیقت اسے دیکھ بھی نہیں۔

گجپ کشکش میں وہ ڈرنگ روم میں داخل ہوا تھا۔

فلنک احمد کی منشاء کے مطابق احسان صاحب نے بہت ہی گنتے پتے مقررہ دیکھ لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی نکاح ہو گیا تھا۔ بعض شرعی حق مہر۔ جبکہ عابدہ ونگم نے پہنے بھائی سے کہہ دیا
تھا وہ جو چاہیں مہر نکھولیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں۔

تب حسان صاحب نے لیکن کو اپنے شانے سے لگا کر اپنائیت سے کہا تھا۔

ہمارے رشتے چچے ہیں قدرت نے ثابت کر دیا ہے۔ میں تم سے کوئی بھی تعلق قائم

کروں وہ شک سے پاک ہوگا۔ ہمیں نیک امیدوں اور خواہشات سے اپنے بچوں کی نئی زندگی

میں رنگ بھرتا چاہیے۔ تمہارا بیٹا بہت پیارا ہے، عابدہ، میں بہت خوش ہوں۔

عابدہ ونگم خوشی سے رو پڑی تھیں۔ اس عمر میں ان کا میکہ استحکام پہنچ رہا تھا اور وہ بھی شکر

گزار تھیں اپنے لہائی۔

نکاح کے بعد تصاویر مصوری بننے کا سلسلہ شروع ہوا۔

وہ صریح عکس مصوری پر تھوڑے تر ہتھوڑے دیکھے۔ اسے میں تھا۔ تمام لوگ اسے سارا سہا دے

رہے تھے۔ ساری زندگی فطرتی اور خوشی سے کاٹنے والے کے لئے آج کا دن اندھا موز تھا۔

اسے خود بھی نہیں پتا تھا کہ اس کا آئندہ قدم کیا ہوگا۔

ولین کی آمد کا غلاف ہوا۔ تو چند ٹائٹل کے لئے اس کے اعصاب جو بے دے گئے۔ اس

نے نظر بھی نہیں اٹھائی۔

خوشبود میں بے پیکر اس کے پہلو میں تباہ ہو گیا۔

تصاویر بنانے کا مرحلہ طے ہو رہا تھا، ایک گروپ کی تیاری ہوئی تو اسے مزید گئے کھسک

کر کچھ جگہ

بنا پڑی اس کے شانے سے دور یکا شانہ پیوست ہو چکا تھا۔

اس کے ذہن میں بھنگ سے چلتے لگے۔ تو یہ اس کے دائیں پہلو میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ تنی

حسین ولین اپہلو میں سے میں تھا مگر عجیب ذہن ناک حساسات سے دوچار تھا۔

آپ نے ولین کا دوپٹہ دیا لیا ہے۔ اتنی بچیگی سے شرمات کرتے ہیں آپ دریا کی ایک

دوست نے شور مچایا۔

طریق فوراً اس طرح پیچھے ہٹا گیا۔ ذرا دیر ہوئی تو کوئی تعزیر مقرر ہو جائے گی۔ دوپٹہ واقعی

حاصلی مقدمہ میں دہائے میں تھا جس نے دوپٹے پر بنے کام کی شرکت محسوس کرتے ہوئے

بہت تھکا ہوا ہے وہ پشایک طرف کیا۔

حارث کے ہاتھ میں دریا کا آجل تھا اور ایک دلکش پوزیکھوڑے محفوظ کیا۔

اس نے آجل دریا کی جھولی میں ڈال کر پہنچائی سے سوئی کہہ مگر شریر لڑکیوں نے بھر لی گئی سن لیا۔

اس سادگی پکوت نہ مر جائے اس خدا زار نے وہ دلی لڑکھٹیاں سے ہو گیا۔

یہ حرکت بھلی بار کر رہے ہیں چھوٹے بھائی۔ اس نے چپ ہیں وہ نہ دیتے آپ کے سارے ہدمرہ نہ توں کا جواب۔

فاروق نے پوزیشن سنبھال لی۔

سپ کی تعریف زار نے ٹھک کر پوچھا۔

سرہا تعریف ہی ہوں اس جو ملتا ہے تعریف ہی کرتا ہے۔ بندے کو جس نام سے چاہے پکارے۔ آپ نے سنا نہیں گلاب کو چاہے جس نام سے پکارے۔

اللہ رے خوش فہمی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے خوش فہمی کا جراثیم سے ہی ہوا ہے۔ زار نے اس کی بات کاٹ کر استہزائے کہہ۔ بے ساختہ فہمی کے غور سے چھوٹے ٹھہر۔

جدی جدی غٹنے اس سووی وغیرہ سے آپ کو خست ملو ہے صبح سے۔ فوریہ جو گھر کی اس ہم تقریب کی سپروائز رہی ہوئی تھی ان کے ردیک آ کر ہوئی تھی۔

حارث نے لب لبک غیور ہوی طوط پر دریا کی طرف لٹکا دی تھی۔

اس کی حیرت کی گھبراہٹ اتنی فیشن ایبل لڑکی کا چہرہ اپنی زندگی کی، ہم ترین تقریب کے موقع پر میک اپ سے بالکل پاک تھا۔ وہ ان کی طرف کا سنہری شرابہ سوٹ اور نازک سا سیٹ پہنے ہوئے تھی۔ شاید بس ہونٹوں پر بہت سی ہلکے گلابی رنگ کی سب، سنک ہوئی تھی۔ عمر وہ جس روپ میں آج تھی یہاں وہ اس نے اس سے مشت نہیں دیکھا تھا۔

غور سے دیکھ لیجئے۔ وہی ہے، ابدل کر نہیں لے نے ہیں۔ ایک شوخ فقرہ اڑ کر اس کی سماعت سے گرایا۔ وہ تھوڑا سا جھینپ گیا۔ مگر اپنی فطری خود اعتمادی کے سبب فوراً سنبھل گیا تھا۔

وہ ایک ہاتھ صوفے کی پشت پر بٹھائے بیٹھا تھا۔ اور دوسرا ہاتھ اپنے زانو پر رکھے بہت دلکش زاویے سے بیٹھا تھا۔ اس کی نظر پر سٹاؤ تھی، درخشست کا انڈیا زشاہانہ تھا۔ اس کی ہر ہر دو سے اس کی بھرپور مردانگی کا ظہار تھا وہ دیکھنے والوں کی نظروں سے بھرپور دالے رہا تھا۔

زار کو دریا کی بیخبری کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ وہ یہ بھی سمجھ گئی کہ یہ بڑا بنگلہ مرد ہے۔ دریا کو فہمی میں دبا بیٹھا ہے۔ مگر نہ کہاں دریا یہ بھی کل کھری اور کہاں یہ جڑا نہ انداز۔

زار، آپ نے آپ کی کوکھ کرنا زراں میں ان کی ایک کھس تصویر بنانا چاہتی ہوں۔ فوریہ بنا کیمرو لے کر آ کھڑی ہوئی۔

زار نے فوراً عمل درآمد کیا۔ دریا بے عمل اس کے سامنے سر و قد کھڑی تھی۔

وہ نظر نہیں بچا سکتا تھا۔ اب وہ مجبور تھا، اپنے حق کو گناہ کی طرح استعمال کرے۔

تمام بزرگ حضرت۔

ڈائنگ ہال میں تھے جو ان یہاں معروف تھے۔

وہ جس قدر بھرپور لڑکی ہے۔

دلکشی میں ممتاز۔

لیکن کیا وجہ ہے وہ اس کے دل کو نہیں جیت سکی۔ (اب بھی نہیں)

اس کا ذہن ٹوبہ کی طرف چلا گیا۔ بچے ضمیر کی طاقت سے بچنے کے لئے وہ اس وجہ

مخاطب ہو کر ٹوبہ کی چاہش لگا رہی نہیں کی۔

اسی لئے عثمان ڈائنگ روم میں داخل ہوئے۔

طارق کی ایک دم ان پر نظر پڑی تھی۔ چھن چھن چھناک۔ پھر کچھ اس کے مضبوط سینے

کے اندر ٹوٹا تھا۔

رات تقریباً دو بجے کے بعد ہی وہ وہاں ہوئے تھے۔

گازی اور عثمان ڈرائیو کر رہے تھے۔ وہ بالکل چپ تھا۔ البتہ کسی سوز پر گاڑی سوزنا ہوتی

تو حالت کی حرکت سے تھائی بخیرہہ لہجے میں کہتا۔

بھائی صاحب دھر۔

طارق تمہاری یہ خاموشی اور خامی میرے لئے باعث حیرانی ہے۔ پورا آج تو تمہیں بہت

زیادہ خوش نظر آتا چاہئے تھا۔ وہ آفرکار کہ بیٹھے۔

طارق ہونٹ کاٹ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

بلیک سیٹ پر بیٹھ پھوپھو، کا بدہنگم اور ان کی جیٹانی صاحبہ شریف فرما تھیں۔ اس نے

اور عثمان بچے مخصوص انداز کے جیسے ہن کو مزید وجہ کر لکھا کر رہے تھے۔

کوئی بات ہو گئی ہے۔

نہیں۔

پھر اس قدر خاموشی کیوں ہو یا رکھے تمہارے اس انداز سے تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔

اس نے اپنے پیارے سے شفقت سے بھائی کا غلوص محسوس کیا۔ مگر چپ رہا۔

دریہ آخر تمہارا انتخاب ہے۔ اور بہت خوب ہے آج کی جدید ترین دنیا سے بالکل ہم

آہنگ ہے۔ برعکس سے عمدہ لڑکی ہے۔ ہم سب بہت خوش ہیں۔

مت دیر مجھے بہل دے۔ مت کریں مجھے کچھ کی طرح ذیل مان کی محبت ہو گئی قربانی

ہو گئی، اس پر خروٹی ہو گئی۔ میں کہیں کا نہیں رہا۔ اس کے لبوں میں جو رہنا تھا تھا۔

میں کوئی آسمان سے اتاری کلاویں کو نہیں۔ یونان کے کسی کلاسیکی ڈرامے کا کردار تو نہیں۔

اس طرح چھٹا گیا ہے مجھے۔ جیسے اس روئے زمین پر اس گھر نے کو کوئی لڑکا ہی نہیں مل سکتا

تھا۔

تلا کر دیا مجھے۔

کوئی میری سننے کو تیار ہے نہ سمجھنے کو۔ یہ میرے گھرانے کے افراد بھان چھڑکتے والے۔

تکیوں کو کے تحت اٹھیا نے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اونہد۔
وہ بے غیرت نہیں ہو سکتے۔ مگر میں ہو سکتا ہوں۔

عفت ہے اسکا شرمناک زندگی پر۔

غیر۔ یہ بات محسوس نہیں ہے۔ میں حقیقت کا سراغ لگا کر سامنے کر، اپنے آپ کو
مقتدر ثابت کر کے لی جہن سے اٹھوں گا۔

اور یہ بیگم معاف کرنا مجھے اچھا خاصا شک تم پر ہی ہے۔ کیونکہ میں نے خاص ذہن
وزلہ ہے۔

اگر تمہارا قصور ہوگا تو پھر تم طارق احمد فاروقی کو دیکھنا۔

بہت رووگی۔ بہت پچھتاوگی۔ اپنے انتخاب پر۔

بہت مصعب مزاج ہوں۔

جس طرح مصعب، بے قصور کے لئے نرم گوشہ اور مجرم کے لئے قطعی سزا کا فیصلہ محفوظ
کرتا ہے۔ وہ قطعی سزا۔

وہ یہ بیگم۔ جو حقہ دار تک بھی پہنچاؤ گی ہے۔

وہ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے مسلسل سوچوں میں غرق تھا۔ درمیان نے اسے پھینکنا
مناسب نہیں سمجھا۔

پچھتے خاتین باقوں میں بری طرح معروف تھیں اور گا بے گاہے عابدہ بیگم کو یاد دل رہی

تھیں کہ وہ بہت خوش نصیب ہے۔ خود صورت اور دوستی ان کی بہو بن چکی ہے۔
وہ لار جان کے شکریہ الفاظ سن رہا۔ سنگھار رہا۔

وہ پھر آئیں گے جی۔ کہہ کر گئے ہیں۔ خواجہ نے بتایا۔

ویسے تو انہوں نے بہت دیر کیا تھا۔ آپ کا کہہ رہے تھے بڑی بی بی نہیں ہیں تو چھوٹی
بی بی سے بات کر لیں۔ کہہ رہے تھے بہت ضروری کام ہے۔

ہاں میں جانتی ہوں کیا ضروری کام ہے۔

تاروہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ چکی ہیں وہ دھڑلے سے دوڑ رہی ہیں کہ انہوں نے یاد میں ہوئی۔

کیا کروں ستارہ بہت لگن سے انہوں نے انگوٹھیاں اتار دی تھیں۔

ٹھہر کر خدا کے لئے دو رکھ لینا اب تمہارے پیچھے پڑے گا۔

پڑ جائے۔ مٹے سہارے جو ہیں ان ہی میں کھپ جائے گا۔ ستارہ سروں میں اٹھی۔

مجھے تو سچی بات ہے رتی برابر شوق نہیں ہے ان قلموں و لہروں میں کام کرنے کا۔

دیکھا تھا مہر پارہ کو۔ خطا انہوں نے ہو رہی ہے۔ تمہیں معلوم ہے میں انہیں کب سے جانتی

ہوں

نہیں۔

ہاں تم کیسے جانتی ہو گی۔ ان دنوں میں ملتان میں تھی شاید ناگھ میں۔ ایک دفعہ اس

بجھ سے ملے، آئیں تو یہ ان کے ساتھ تھی۔ بہت بڑے آدمی کی مٹی ہے مگر وہ disown

کر چکا تھا۔ اس کی بات کے بعد وہ بیان تھے اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں یہ بتا کر جس شروع کر چکی تھی۔ قلموں میں کام کرتی تھی۔ مجھ سے تقریباً دس برس بڑی ہے۔ مگر نام سے مخاطب ہونا پسند کرتی ہے۔ دیکھا کس طرح ہنر کے سامنے غلط ہر کر رہی تھی کہ جیسے میری ہم عمر ہے۔ ہونہ وہ تو شکر ہے میں خود ہی اس کام سے نفرت کرتی ہوں مگر نہ یہ تو مجھے کہیں کا نہ رکھتی۔

ابھی وہ دونوں اپنے دورہ مری کے تذکرے کی طرف آئیں تھیں کہ فوج نے اطلاع دی گئے مسٹر یاتین تشریف لے آئے ہیں۔

جاؤ تم موت مارو۔ بچ میرا مکمل موافق نہیں کہ اس کی شکل بھی دیکھوں۔ فیروزہ بڑی مری سے گویا ہوئی۔

کیا باتیں کروں ستارہ دروازے پر رک کر شریعہ انداز میں مسکائی۔

آگے تو مجھ سے پوچھ کر کرتی رہی ہو وہ بھی ہنس دی۔

میرے پارے میں اصرار کرے تو کہنا سوری ہوں، قلم ہے۔

ستارہ ہار لکل گئی۔

فیروزہ کو واقعی تھکن محسوس ہو رہی تھی۔ اسے پتہ بھی نہ چلا اور آٹکھ لگ گئی۔ کئی گھنٹے وہ سیر ہو کر سوئی۔ پھر نکل زمین کے چگانے پر جا گئی۔

نہا دھوکا ہر باغ میں آئی تو گڑیا گھاس پر بیٹھی بہت خوشی سے کھیل میں مگن تھی۔ ستارہ جانے کون سا باغیچہ رہے بیٹھی تھی۔

شکرانہ کہیں ستارہ اسے دیکھ کر بولی۔

تم بھی سوچا تمس تار و تھک گئی ہوگی۔

پروگرام یہ ہے کہنا تھا کہ جلدی سوچاؤں گی۔

چلا گیا

کب کا۔ مجھ لہو رہا گیا ہے۔

یعنی میرا خدشہ درست نکلا۔ فیروزہ مسکرا کر کہیں کی چڑ پرڑھے گئی۔

ہائے بچ روز پیسے کے پیچھے لوگ دیوانے ہو رہے ہیں۔ کیا یہ سب ہے ان لوگوں کی۔

پتہ ہے کیا کہہ رہا تھا آپ تو۔ پئی لیکن سے زیادہ حسین ہیں۔ ستارہ نے ہنسی سے فضا میں ٹکاکار کیا۔ کہیں۔

پھر تم کیا بولیں فیروزہ بھی ہنس رہی تھی۔

میں نے کہا ناں۔ فیروزہ بھی مجھے عجیبی کہتی ہے کہ میں اس سے بھی حسین ہوں۔

ہائے بیچارے کا پروگرام۔ وہ تو لانے کا منصوبہ مکمل کر چکا ہوگا۔ فیروزہ ہنسی۔ تو نے

بہت زیادتی کی ڈارلنگ۔

نہیں میں نے اس پر کرم بھی کیا ہے۔ ستارہ شاہانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

وہ کیسے فیروزہ حیران ہوئی۔

میں اس کی قلم ناورشہ میں کام کر رہی ہوں۔

ہائیں۔ فیروزہ کو کرنت سا لگا۔

پانچ گھنٹے میں روز اس ملک کی ہیر و سن نمبر دوں بھی تین لاکھ لگتی ہے۔

تمہیں شوق ہے کیا فلموں میں جانے کا فیروزہ کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

معاذ حق! وہ معقول دے رہا ہے۔ کامیاب و ناکام سے اس نے ہاکی بھری ہے۔

اور گئی

میں ہور جا کر حرمنا مار کر تو نہیں بیٹھوں گی۔ وہ مجھے ڈنک دے گا سن ہی ڈنک کے

مطابق راہور چلایا کروں گی۔

پانچ گھنٹے کی خاصی رقم ہے روز اس نے بغور لیکن کا چہرہ دیکھ۔

ہاں ہے تو کسی۔ فیروزہ نے کم محم سے احمد اڑ میں تاسیہ کی۔

شاید اسے اچھا نہیں لگا تھا کہ ستارہ نے اس سے اور اس سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا

لیا تھا۔ جبکہ ان کی ماں کو دونوں کی کس قدر فکر رہتی ہے۔

کب جاؤ گی راہور۔

آئندہ جسے کو۔

اور کیا کہہ رہا تھا غلام محمد۔ عت علی شاہ نے اس پر نظر دوڑ کر منہ میں سکا رہا۔

وہ تو بس سچ نہیں بول رہا تھا۔ دھڑ گونڈ میں گوی بہت ہے نا۔ اور پھر بے کار

آدنی کو گرمی سردی لپاؤ بھی لگتی ہے۔ اس دھڑ سے پانچ گھنٹے۔

اسے بے کار بیٹھنے سے دو۔ غلام محمد سے کہنا۔ پھر سے کام دیا کرے صاف کرنے کے

سے۔ مصروف بھی ہو جائے گی اور روزی بھی حلال ہو جائے گا۔ انہوں نے جھٹکا دے کر خیار

مہ سے واضح کر کے پھینکا۔

کوئی پاپا بشر پاپ کے پہلو میں بیٹھا ہوا۔ بہت سنجیدگی سے گونڈ سے آئے ہوئے ملازم کی

گزارشات سن رہا تھا۔

وہ عت علی شاہ جو تک پڑے جاؤ بیٹا۔ پتا ہوم ورک وغیرہ کرو۔

بشر نے فوراً پاپ کے حکم کی تعمیل کی۔ مگر دروازے پر رک گیا۔ وہ بہت سوچتے ہوئے

ملازم سے گویا ہوا۔

پچل اتنے گونڈ میں عمر بھٹی کو تو نہیں دیکھا۔ وہ بڑے ہیں گونڈ کا راستہ انہیں پتہ ہوگا۔

نہیں بیٹے عمر گونڈ میں نہیں ہے۔ میں خود گونڈ گیا تھا۔ ان کا ہیڈ پھر شکستہ ہو گیا۔

پچل۔

جیسا کہیں۔ وہ اب وہاں ہو گیا۔

آئندہ عت علی کہتا اس کا تذکرہ پچل کے سامنے نہ ہو۔

بھڑکائیں۔

تو پھر میں کہہ دوں غلام محمد سے کہ پانچ گھنٹے نہیں۔

ہاں۔ ہاں۔ وہ ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹ کر بولے۔ اور مزید کہا۔ کم ظرف اور

ناشکرے محروم ہی رہیں تو زمین پر رہنے والے دوسرے جان لوں کے لئے بہتر ہے۔

آپ بہتر جانتے ہو یا نہیں۔ پھر میرے کو اجازت مانگیں۔

خبریں نہیں باب کھا نا کھا کر جاتا رہا۔ سہا ہے۔

انہوں نے ملازم کو آواز دی۔ وہ آیا تو حکم دیا کہ بجلی کو کھانا کھدیا جائے۔

شام کے سات بجے تھے، وہ اتنی جلدی کھانا نہیں کھا کر تھے۔

بجلی کمرے سے نکلا تو ملازم واپس آ گیا۔ یہ بتانے کے مہمان آئے ہیں۔

کون۔

پتا نہیں صاحب۔ اور دی ہیں۔

یہیں لے آؤ۔ وہ منظر بیٹھ گئے۔ مہمان اندر داخل ہوئے۔ اور نامانوان کا پر سکون چہرہ

حیرت کی تصویر بن گیا تھا۔

میرا صاحب۔ آپ۔

السلام علیکم۔ انہوں نے حقیقی مسرت سے محسوس جذبات میں ان کے ہاتھ تھام لیے۔

ولیکم السلام اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ تمہوں نے وریت بھی کا شانہ آہستگی

سے تھوٹھا یا۔

وریت علی شاہ مستاز شاری کی طرف متوجہ ہوئے تو سے کش دہاڑا کیے توجہ کا شکر پایا۔

وہ اس سے بہت خلوص سے لگے ملے۔

آپ لوگوں نے تو حیراس کروید۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ بھی کبھی میرے
غریب خانے پر تشریف لائیں گے۔

کتنے عرصے بعد وریت علی شاہ کے وجود سے کچھ مسرت پھوٹ رہی تھی۔ وہ بھائی

دوب و احترام سے میاں صاحب کو آرام دہ نشست کی جانب لےئے اور ساتھ ہی شاری کو

بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ورخو میاں صاحب کے ہاتھ محبت سے تھام کر ان کے برابر بیٹھ گئے۔

آپ یقین کریں میری خوشی کی کوئی پتہ نہیں ہے، آپ کو سامنے پا کر

یہ تمہاری محبت اور مہربانی ہے وریت علی۔ میں تو گزشتہ کئی ہفتوں سے تمہارے شہر میں

ہوں۔ آنکھوں کے آپریشن کے لیے آیا ہوں تھا۔ میں تو وہیں حیدر آباد میں علاج کرنا چاہتا

تھا۔ سکھر میں بھی اچھا علاج ہوتا ہے۔ مگر شاری نہیں مانا، کہنے لگا اگر چچی میں آنکھوں کا ایک

ماہر ڈاکٹر ہے۔ بہت صاف آپریشن کرتا ہے۔ آنکھوں کا معاملہ ہے۔

شاری نے بہت چھانچا میاں صاحب، آنکھیں تو بہت اہم ضرورت ہیں۔ اگر نہ

خراب ہو جائیں تو زندگی میں بہت مشکلات آ سکتی ہیں۔

ہاں وریت علی درست ہے مگر دل کی آنکھ خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں، میں

اس سے بصیرت کا دور طلب کرتا ہوں۔ میں اس کا ہوں وریت علی۔ اس سے زیادہ صبر کوئی

خیال نہیں کر سکتا۔ میں اس کی چیز ہوں۔ اس کی قوم رہی ہوں۔

ن کے لہجے کے بغیر سے یقین و توکل نے وریت علی شاہ کو پھر اس سیان کے پیچھے

کھڑا کیا۔ جہاں ان دیکھی تھکوں کے ٹھکانے تھے۔
وہ گنگ سے پیشہ رہ گئے۔

ہاں خوش بخت کہاں ہے وراثت علی جس کو دیکھ کر جانے گئے جدیوں کی تجدید ہوتی ہے۔ جس کو دیکھ کر چائی کی سمجھ آتی ہے۔ تم نے تو اس کی صورت کو ترس دیا۔ تم سے شکایت ہے۔

میں بہت شرمندہ ہوں میں صاحب۔ آپ میرے یقین کریں وہاں سے وہاں کے بعد میں بہت سے مسائل میں گھر گیا تھا۔

مسائل تو زندگی ہیں وراثت علی، مگر جنہیں ایک ہنر پر لٹا دیا جائے۔ اور تمہارے ذہن کو ہر چیز سے پیچ کر دیا جائے۔ تو تم کتنا عرصہ اس حالت میں رہ سکو گے مسائل تو انسان کو اس کی حقیقت سمجھنے کا بہانہ ہیں۔ مسائل کھوج پر کساتے ہیں، کھوج علم ہے اور علم وہ راستہ ہے۔ جو عرش سے وابستہ ہے۔ بس اپنے رب کو ذہن سے جو نہیں کرنا چاہئے۔ یہ تو زندگی کے رنگ ہیں۔

آپ درست فرما رہے ہیں میں صاحب، مگر بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جو زندگی دو بھر کو دیتے ہیں۔ وہ ہشتی سے گویا ہوتے۔

اللہ رحمن ہے وراثت علی یقین کرو۔ وہ زندگی دو بھر نہیں کر سکتا۔ جو پریشان ہو جاتے ہیں وہ اپنی ذمت کی گہرائیوں اور مضبوطی سے پیچے ہوتے ہیں۔ خدہ تمہیں علم سے لواز سے

وراثت علی تمہاری مشکلات آسان کرے۔ ذرا سے جاؤ تو۔
وراثت علی نے ملازم کو آواز دی وہ فوراً ہی حاضر ہو گیا۔

بشر کو بلاؤ اور ہاں دیکھو یہ ہمارے معزز مہمان ہیں، ان کی تواضع کا بندوبست کرو۔
ساتھیں۔ تکلف نہیں۔ اشارہ ہی قدرے شرمندہ نظر آیا۔

ایسے نہ کہیں۔ شادی میں بھلا کس طرح آپ لوگوں کے کام آئیں خوشیوں میں۔ آپ کی خدمت کروں۔ میری سمجھ میں نہیں، آسان گھر و ہم سے جذبہ خلوص ہو یہ تھا۔

اسی دم بشر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر و مسرت ایک ساتھ ظاہر ہوئے۔ وہ بھاگ کر میز صاحب سے لپٹ گیا۔

سلام علیکم میاں صاحب

سلام علیکم، شادی، نکاح، شادی منگوا دیا، میں صاحب نے بہت محبت سے، اسے سینے سے لگایا تھا۔

جب اللہ نے خیال کیا میں بنی نوع انسان کو اہلی دریا کیزہ خوشی عطا کروں تو اس نے مجھے پھول سے بچے عطا کر کے ۷۱ برسوں کو گلدزدہ کر دیا۔ میں صاحب پر ایک جذبہ کی کیفیت طاری تھی۔

جی میں صاحب مگر یہ گلدزدہتی ہوئی آگ بھی تو ہے۔ وراثت علی شاہ کے سینے سے ہو کر نکلی۔

یہاں پہنچا، پتی مجھ سے دریت علی۔ یہ ہادی ملکیت نہیں ہیں۔ ہم تو آقا خدا در ہیں صرف۔
 آپ کہیں تھے میاں صاحب میں نے پتا کو بتا دیا تھا کہ مجھے میاں صاحب پاؤ تے
 ہیں۔ بشراب ان کی آغوش میں مرے سے ملتا تھا۔

حیرتی پیشانی پر خوش بختی کا مہر ہے، مگر یہ میری خوش بختی ہے کہ تو نے مجھے یاد کیا۔
 انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تمام کر اس کی پیشانی چوم لی۔

میاں صاحب، اب آپ میرے ساتھ رہیں گے ناں بشریہ، پیٹ اور گلابی شرٹ میں
 بیمار کی اولین علامت محسوس ہو رہا تھا۔

دریت علی شاہ نے اپنے بچے کے جنس کو معصومیت اور مہر کی کوٹ کر محسوس کیا۔ مگر
 اسے کچھ ہو جاتا۔ ان کا دل یکبارہ گی پھر کا پناہ ور بنے سرے سے نفرت کے شعلے پنے وجود میں
 بھڑکنے لگے۔

مجرم کو گرز لندہ دی جائے تو لوگ دس ہجرت کہیں سے حاصل کریں۔

انہوں نے ایک بار چھوڑنے کو برا حق ثابت کیا۔

سب نہیں رہیں گے میاں صاحب

یہ تو تم جانتے ہو دریت علی میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ پھر یہ بچوس جیسا اصرار مجھ سے دشمنی
 کا گناہ نہ کر، ڈر، گونہ میں ابھی کو میری ضرورت ہے۔

میاں صاحب میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

تم ہم سے محبت کرنے لگے ہو دریت علی۔ بھلا اس سے بڑھ کر ایک انسان دوسرے
 انسان کی خدمت کر سکتا ہے۔ وہ شفقت سے مسکرائے۔

دریت علی کی یہاں بیدست دپا ہو چلی تھی۔ ان کی فصاحت و بلاغت اکم، انگلی کی
 قبلاؤں پر پٹ کر بیٹھ جاتی تھی۔

پھر بھی میاں صاحب چند دن تو رہیں گے

میں چند دن کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ رات بھر کے لئے اہت ٹھہر جاتا ہوں قہر میں خوشی کی
 خاطر۔ مگر مجھے ایسی جگہ دینا رات گزارنے کے لیے جہاں مجھ سے نزدیک دوسرہ نہ ہو۔ بڑا حوا
 ہوں رات کو نیند نہیں آتی، عبادت تو بہند ہے۔ میری کیا حیثیت۔ میں بھلا اس کی قدرت میں
 کیا خاف کر سکتا ہوں، میری عبادت میری پتی غرض ہے۔ میں نہیں چاہتا میری کھڑ پٹر سے
 دوسرے لوگ پریشان ہوں۔ جن کو نیند آتی ہو سو نا اس کے جسم کا حق ہے۔۔

آپ فکر نہ کریں میاں صاحب میں کسی ملازم کو آپ کے ساتھ۔۔

ملازم سارا دن کام کرتا ہے۔ اسے رات کی ٹنگی نیند سے محروم نہ کرنا۔ اللہ رحمان ہے۔
 اسے اپنی مخلوق سے بہت پیار ہے۔ جو اس کی مخلوق کا خیال نہیں کرتا وہ ہنا برا جہر ضائع کرتا
 ہے۔ رات آرام کے لیے ہے ملازمت ان کی مجبوری ہے اور آرام ان کا حق ہے۔

اللہ رحمان ہے۔ میاں صاحب رحیم بھی تو ہے۔ قادری صاحب نے بتایا تھا۔ بشر بہت غور
 سے ان کی باتیں سن رہا تھا، ایک دم کہہ اٹھا۔

قادی صاحب ٹھیک کہتے ہیں چٹا شادی مسکرے۔
ورایت علی شاہ بھی مسکرا دیے۔

اس کے معصوم ہونوں سے، زبان سے اپنی حمد سن کر تو قدرت بھی مسکرائی ہے۔ مجھے
محسوس ہوتا ہے۔ میں صاحب بھی شفقت سے مسکرے۔
ورایت علی شاہ کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ دُست کے عرفان کا آموختہ پڑھ رہے ہوں۔ وہ
اولین درس جسے آج کائنات کام کام پر بھلا دیتا ہے۔

بھائی میاں۔ اور تو سب ٹھیک ہے، بس آپ کو ڈرامی پریشانی ہوگی۔ فاروق نے خاصی
سنجیدگی سے کہا۔ عثمان نے مسکرا کر سوید نظروں سے دیکھا۔
جب آپ کہیں گے میری طرف دیکھو۔ تو وہ دیوار کی طرف دیکھتی نظر آئیں گی، اور
کیوں کہ آپ دیو نہیں ہیں، اس نے آپ کو فضا چایا کرے گا۔
اور حد اندہ کرے، اسکی ہرٹی جیسی آنکھیں ہیں۔

اور جب وہ ۱۱۲۷ء گھر جائیں گی تو وہی ہرٹی جیسی آنکھیں آپ کو بھینس کے دیدے
لگائیں گی۔ حسیب شیائے خورد و نوش کی چیزیں لے کر داخل ہوں۔
تو تو پہلی تان لگ ہی اٹھایا کر حسیب۔ مار جان مسکرا دیں۔

میں نشانہ لگا دی سس نہیں، غور کی کہ اپنی ہاؤس کو اجڑا کر دوں۔ تمہاری دودی مرتے
دم تک مجھ سے خوش تھیں، ورنہ نہ جان جو ہوتا ہے وہی کاٹ ہے مجھے اپنے اللہ پر پور بھروسہ

ہے۔ اماں جان! طبعیتان سے بولیں۔

دوای جان بچا دی تو چلی گئیں۔ صاحب تو آپ جو چاہے کہہ لیں۔ فاروق شریر ہوا۔

اللہ رکھے تمہاری پوچھ بھی سوچو ہیں۔ من سے پوچھ لینا۔ کس طرح ہاتھوں پہ ٹھانے
پھرتی ہیں مجھے۔ اگر ت کی ماں سے ہری بن گئی ہوتی تو کیا وہ آج مجھ سے اس طرح محبت
کرتیں۔

چھوڑیں، ماں جان۔ منہ پر تو سب ہی کرتے ہیں۔ فاروق عثمان کی طرف دیکھ کر
مسکرایا۔

اسلے اتنا میرے کام آئی ہے ایسہ اپنی خوشی سے کہ میں کس کا احسان نہیں تار
مکلی۔ اس کے لئے میرا دست ساتھ دید۔ کیا تعریف کروں اس کی۔ وہ تصورات میں کھو گئیں۔

ہرام مصر سے بھی بڑا جوبہ۔ رمضان بھی چنے کمرے سے نکل کرن کے پاس آ گئے
تھے۔ عثمان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔

اے لو تمہیں بھی تو ہوا لگ گئی۔ گویا طارق کی کھی ہوئی کر د گئے۔ بیٹے جو جیسا ہوتا ہے
اسے ویسی ہی کہا جاتا ہے۔

کیا پرو کر لیں نے ہاں جان یہ بتائیں۔

چچی ہی پرو کر لیں ہے۔ وہ بھی سی بجے میں بولیں۔ کہہ رہے تھے ۱۱۲۷ء ہاں مقلی نہیں
ہوتی۔ وہ تو ایک ماہ میں شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جو میرے خدشات تھے محض وہم ہی

لئے۔ لڑکی، مریمہ میں اپنی بڑی ضرورت سے مگر اس کی ماں نے مکمل مشرقی انداز میں تربیت کی ہے۔ جس میں توجہ بن رہی تھی جب تک کہ وہ بچہ نہ تھا۔

کیا شامیا شہنشاہی بنا رہی تھی۔ جان کر۔ انہی تھیں، مارے شرم کے۔
حسیب بہت توجہ سے ماں کی بات سن رہا تھا۔ چنانچہ میں بول پڑا۔
پھر چنانچہ میں بولا۔ وہ ناراض ہوئیں۔

شامیا نہ کیوں پہچن کر آتی۔ اس کی نظر بتا رہی تھی عورت کی حیا و شرم کا اندازہ تو اس کی نظر سے ہوتا ہے۔ اتنی دھیا اور باوقار لڑکی ہے کہ کیا بتائیے۔ اللہ نے میری سن ہی ہے۔ ارمخان کیلئے بھی پر سوں تمہاری چھوٹھی کے ساتھ جاؤں گی۔ سن بتائی ہیں۔ اب دیکھو۔
یہ کہاں کا نصف ہے، کسی کو ایک اور کسی کو تین تین۔ عثمان نے بہت شرم سے انداز میں ارمخان کو چمپیز۔ وہ اپنی فطرت کے جو حسب ماں کی موجودگی محسوس کر کے جیسپ سے گئے۔

ویسے جب، سلام میں داخل ہیں تو کیوں نہ پورے داخل ہوں۔ کم زکم چار۔ حسیب نے بہت حیا سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

میں سو یہاں ایک ڈھونڈنا مشک کا ہو گئی، یہ چلا ہے پورا مسلمان ہونے۔ کوئی درختوں میں لگ رہی ہیں لڑکیوں خدا کرے ان تینوں میں سے کوئی ایک میرے بیٹے کا بھوک ہو۔ تم دونوں کی ڈانٹیں آجائیں تو میرا بھی بوجھ کم ہوگا۔ باقی تینوں کا، تھا ہوا پھر وہ دونوں ہی کریں گی۔

کیا دونوں کی شادیوں ایک ساتھ کریں گی۔

ہاں تو اور کیا۔ ہاں تین مختلف دنوں میں لے جائیں گے۔ وہ پورے ہفتے بعد ایک ہی دن کر لیں گے۔

دادو بتا ہوا۔ آپ کی کفایت شکاری کی۔ ایک کھانے میں دو ویسے۔ فاروق نے بھرپور داد دینے کا نشان اٹھایا۔

اب کوئی کچھ بھی سمجھ لے۔ دونوں کی عرواں میں صرف ڈیڑھ برس ہی کا تو فرق ہے۔ میں جلد از جلد ان کے گھر سنا چاہتی ہوں۔ فرض ہے میرا۔

یہ بھیجی ہوئی صا حب تو ڈیڑھ برس بعد آکر بھی مزے میں رہے۔ فاروق نے بے ساختہ انداز میں کہا۔

ان سے زیادہ مزے میں تو وہ رہے جو تیسرے نمبر پر ہیں۔ پانچ سالوں کا قافلہ ہے، ان کے اور بھائی میاں کے درمیان۔

حسیب نے، اپنی مدت کے مطابق اپنی سادہ دلی کی روایت برقرار رکھی۔
اوس جان نے بے ساختہ نظریں اٹھا کر عثمان کو دیکھا۔ وہ بدستور مسکرا رہے تھے۔ ان کا دل قدرے مطمئن ہوا۔ اب تو وہ زیادہ شدت سے چاہتی تھیں کہ ان کے بچے کسی بہترین لڑکی کا انتخاب کر لیں۔

میں سوچ رہی ہوں، اگر میں نے ڈیڑھ مہینے میں شادی کرنا پڑگئی تو طاری زیادہ دنوں کے

یہ نہیں آسکے گا غنی کی ملازمت ہے۔ وہ فکر ممدی نظر آئیں۔

جی امی جان ۔۔۔ اگر چھوٹے بھائی نہیں آئے تو بالکل حذر نہیں آئے گا۔ فاروق نے بڑی عجیدگی سے کہا۔

ویسے ہی اس کے بغیر مجھے سونا پن محسوس ہوتا ہے۔ صبح کی نماز پڑھتے ہی میرا بھیجہ کھ جاتا تھا۔ پادری خانے میں آ کر۔ بعض اوقات میں یوں ہی بیٹ جاتی تھی تھک کر تو پریشان ہو جاتا تھا۔ فوراً میرا سر دبانے بیٹھ جاتا تھا۔ ایک تو اس کی ہڈی کو چین ہے نہ زبان کو۔۔۔ تمہارے باپا جان بھی بہت کمی محسوس کرتے ہیں۔ وہ افسردہ ہو گئیں۔

جی امی جان شرماتی تو وہ شروع ہی سے ہے۔ درمیان کو تو بہت پریشان کرنا تھا وہ اسکول جاتے ہوئے عثمان مسکرائے۔ تب درمیان بھی بولے۔

ویسے امی جان وہ خدا کا تصور ہی سمجھے۔ جانے کیا کیا سوچا کرتا تھا۔۔۔ اس وقت وہ شاید چھ سات سال کا تھا۔ میں رات کو لینا ہو پڑھ رہا تھا۔ میرے پاس آ کر چپکے سے پور۔

بھائی صاحب آئیں امی جان کو ڈراتے ہیں۔ میں ترنکا ڈاکو بیٹا ہوں۔ اور تپ از ترنکا ڈاکو۔

میں نے کہا ہاں میں تو ویسے بھی ڈرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ اور ویسے بھی ڈاکو چھٹ کے ہوں تو سوٹ کرتے ہیں۔ ماں جان لٹا ہمیں ڈرا دیں گی۔

تو وہ مزہ سوار کر بولا تھا پاپا نہیں بچے چھٹ کے کیوں نہیں ہوتے۔

امی جان تپس پڑیں۔ تم چاروں ایک طرف اور وہ ایک دوسری طرف تھا۔

امی جان۔ اگر چھوٹے بھائی نہیں آئے تو میں بہت پور ہوں گا۔۔۔ ہمارے گھر کی پہلی خوشی ہے۔ فاروق آواں ہوا۔

دوسری۔ حسیب نے حسب رویت تصحیح کرنے کی کوشش کی۔

امی جان ایک ٹاپیے کو خاموشی ہی ہو گئیں پھر بولیں۔

خوشی تو خوشی ہوتی ہے۔۔۔ نہ دوسری نہ پہلی۔۔۔ چھٹی تو خیر وہ لے گا مگر شاید زیادتی

دونوں کیلئے تھلے میں تو خدا سے چاہتی ہوں جدا از جدا دن دونوں کی شادی ہو جائے۔ عذرا

بھی تو میرا بچہ ہے۔ آخر اس کے نکاح کے بعد نہ جانے سب کیا عجیب سا محسوس کر رہے ہیں۔ بس ایک کی ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے۔ کچھ بھی سہمی میرے بچے کی خوشی ہے

وہ خاموشی ہو کر اٹھ گئیں۔ اب یہ حسب رویت فاروق بچے ہی تو ہیں مگر یہ تک گھر میں دور ہیکا ذکر تک کر رہا تھا نہیں ان سب کے ذہنوں میں کیا ہے۔

محبت مجبوری نہیں ہو سکتی۔ نہ نہ ہوتی ہے جو مجبوری کا بہانہ کرتے ہیں اس کی فراست

ناقص ہوتی ہے پاور سٹوڈیو کا بہانہ چاہتے ہیں۔

جس طرح خوشبو پانت نہیں ہوتی۔

جس طرح س کائنات کی وسعت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

اس طرح محبت کی حد نہیں بتائی جاسکتی۔

جسم ایک دوسرے کو چھونے سے بچو رہو سکتے ہیں۔

مگر محبت کے ساتھ مجبوری کا لفظ محبت کی توہین ہے۔

محبت آدمی تنہا ہی تو کرتا ہے۔

ایک دوسرے کو چھو کر محسوس کرنے کا عمل تو بہت مختصر۔ بہت کچھ دھڑکتا ہے۔

جبکہ محبت تو ہر پہر گئے ہر لمحے پر حاوی ہوتی ہے۔

اس کا کوئی وقت نہیں ہے۔

کوئی دورانیہ نہیں ہے۔

یہ تو کل وقتی مشقت ہے۔

محبت خوشی دیتی ہے اور جب آدمی خوش ہو تو وہ ہر کام توجہ سے، دل لگا کر کرتا ہے۔ کام

سنورتے ہیں اور یہ محبت ہر شے سنو دیتی ہے، نکھار دیتی ہے۔

محبت اس کائنات کی آرائش ہے۔ مجبوری نہیں ہے۔

مجبوری ہے۔ مجبوری ہے۔ وہ وحشت سے اٹھ کھڑا ہوا۔

جس دنیا میں ہم رہتے ہیں وہ معاشرتی گروہوں میں تقسیم ہے۔ اور ہر گروہ اپنا ذاتی نقطہ

نظر رکھتا ہے۔ اور فرد وہ ہے کسی بھی معاشرتی گروہ سے تعلق رکھتا ہو اسے معشرہ پہنچے قائم

کردہ اصولوں کے تحت میں رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات تو صورت حال اتنی نازک ہو جاتی ہے

کہ انسان کو ان خود اپنی سوچ پر بہرے بٹھانے پڑتے ہیں۔

جیسے سب میں تمہیں سوچ بھی نہیں سکتا۔

محبت خوشبو ہے اور خوشبو پابند نہیں ہوتی مگر اس کا جو ہر محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ اور جب اس

مہک کی طلب ہوتی ہے تو ایک قطرہ استعمال سے کسی نہ کسی طلب کی تسکین ہو سکتی ہے۔ میں

تمہاری مہک کا جو ہر اپنے مقدر کی امر یا ناپاک عمل میں محفوظ کر رہا ہوں۔

مجھے اب اپنے پر اعتبار نہیں۔ کیا خبر سب اس مہک کی طلب ہو جائے۔ تمہیں سوچنے سے

مجبور ہو چکا ہوں مگر محفوظ کر رہا ہوں۔

جس نے مجھے حالات سے دوچار کیا ہے۔ میں اس کے سارے عزائم خاک میں ملا

دوسرے گا۔ میں حالات سے لڑنے کا عزم کر چکا ہوں، ہتھیار نہیں ڈالنے میں۔ وہ کب سے کام

مجھوڑ کر سر قلمے میں تھا۔

فون کی کھنٹی بہت زور سے جیجی تھی یا اسے محسوس ہوا تھا۔ اس نے طوع کر ہارے سیور اٹھایا

دوسری طرف نور جہان تھیں۔

السلام علیکم وہ ہونٹ کاٹ کر بولا۔ اور وہ نہیں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

والسلام علیکم وہ خامی گھبراہٹ ہوئی تھیں۔ نکاح کے بعد وہ یہی مرتبہ سے ہمگام ہو رہا

تھا۔

طارق باکی من، فوراً آ جاؤ۔

دوست کا۔ غیریت

تمہارے ماموں کو ہارت اٹکے ہوا ہے، وہ ہاسپٹل میں ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں، تم تو جانتے ہو اور یہی کہی ہو، خیال کیلی فورنیا میں سٹل ہے۔ اس وقت مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ پلیز۔

وہ عابدہ بیگم اور طاہق احمد کا بیٹا تھا۔ وہ ان کی مٹی کا گھر تھا۔ مٹی کا شیرے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔

یہ مٹی کی بھجوری ہے۔

آپ فکر مند نہ ہوں، میں رہا ہوں۔ اس نے تسلی دی۔ پھر رات کے پچھلے حصے میں مونسو و فرقان سے رابطہ قائم کیا۔

پٹی گاڑی کی چابی بھجوا دو، ویسے تو میں آف ہو چکا ہوں مگر گھر نہیں جا رہا ہوں۔ کہیں ضروری جانا ہے۔ پلیز فور جلدی، تم ذرا آج دفتر کی گاڑی استعمال کر لینا شکریہ۔

چند منٹوں بعد ہی چہرہ اس فرقہ کی گاڑی کی چابی لے کر چلا آیا۔ وہ ذرا تاخیر کیے کے بشری صلی جان کے بتائے ہوئے ہاسپٹل کی سمت روانہ ہو گیا۔

وہ یہ فوزیہ درویشی ہئی، اس کے ساتھ برآمدے ہی میں مل گئیں۔

تھینک گاؤ تم آگئے۔

وہ بون تھیں، حسان صاحبہ انہی کی گھبراہٹ تھیں۔ نور جہان وٹنے وٹنے سے روئے

بیٹھ جاتی تھیں اور فوزیہ بھی شیر کرتے بیٹھ جاتی تھیں۔ وریہ ورفوزیہ بہت حوصلے کا مظاہرہ کرونی تھیں۔

آپ ٹوگ۔ یہاں کریں، گھر چلی جائیں، میں یہاں ہوں، آپ گھر نہ کریں۔

فوزیہ سنبھلایا۔ مردوں والے کام کرتی ہو، آج تو تمہاری ضرورت ہے بلکہ تمہارا امتحان ہے۔ اس نے فوزیہ کا شانہ چھو کر اپنائیت سے کہا۔

نہیں، میں کہیں نہیں جا رہی، مجھے اپنے بچے کے قریب رہنا چاہیے۔ اس کی کہیں نہیں بھڑائی۔

یہ اس کی زندگی کا شاید سب سے دکھ تھا۔ عداوت کا موش ہو گیا۔

تو پھر آپ لوگ چلے جائیں، فوزیہ کو کہیں رہنے دیں۔ آج ن کے رونے کی وجہ سے۔۔۔ دیکھ لیں۔ وہ چڑھا گیا تھا۔

میں بھی کہیں رہوں گی۔ فوزیہ کی رو کر آؤ، ذرا دیر ہو رہی تھی، منہ سے بولی تھی۔

تو پھر آپ لوگ وہاں گھاس پر بستروں لیجیے۔ اس کا ٹیکہ لہجہ نہیں ڈر سکا گیا۔

پریشان ہونے سے اگر کوئی فائدہ ہے تو مجھے بتا دیجیے تاکہ اس فائدے سے۔۔۔ میں، میں بھی شریک ہو جاؤں۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں جھڑپا گیا تھا۔

دریہ تم بڑی ہو، تم بھی کہیں رہ جاؤ کہیں ملتی، اکیلا پریشان ہو۔

میں آپ سے عرض کر چکا ہوں، آپ لوگ مجھے کسی قابل سمجھتے ہوئے یہاں، مونسو جان

کے پاس تھا چھوڑ دیجیے اور گھر کا آرام سے بیٹھیہ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ زنجیر
مرا ہو گیا۔

علیہ بھی مدد دینے والے سے کہا۔ پھر طارق کی مست مزی رائل بیوی ملین شہور سوت میں
ہوئی تھی، ہم رنگ دوپٹے اس نے گلو بند کی طرح نگلے میں اٹکایا ہوا تھا۔ طارق کو سخت کوفت ہوتی
تھی جب خود تین دوپٹے کو اس انداز میں استعمال کرتی تھیں۔ اس نے نظر چڑھ کر مانی جان سے
فرو ری رسیدیں و پرچیاں وصول کرنا شروع کر دیں۔ ان کے ساتھ یونی فرم جوڑ کٹرز سے
مل کر انہیں ہر کچا فٹو میر پانک چھوڑنے پڑا۔ دور یہ نہ جانے اس سے کیا کہنا چاہتی تھی اس
نے تو بھلی بند ہی تھی۔

لیکن جب وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو اس کی طرف ہنسی۔

طارق جو گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا وہ اس کے مقابل ہوئی تو بے ساختہ نظریں چار
ہو گئیں۔

بلیز فون پر انعام کرتے رہے گا۔

ٹھیک ہے۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

گاڑی کپاؤ سے نکل رہی تھی اور وہ ہر تہ سے کھڑے چڑھ رہا تھا۔

عمر کی مسلسل تین چھیاں ہوئیں تو فیروزہ اسے سوت لے آئی تاکہ احتیاط اور پائیت کا

رشتہ مزید مستحکم ہو۔

وہ کچن میں کھڑی چابی نوڈل تیار کر رہی تھی۔ ایک بار اس نے بتائے تھے تو عمر کو بہت
پسند آئے تھے۔ جب سے وہ دنیا تھا اسے زندگی میں پہلی بار عید کا سا احساس ہوا تھا پسند اسے
شاپنگ کرائی تھی۔ اب اس کی پسندیدہ ڈسٹریا کر رہی تھی۔

پہلی مرتبہ اسے اپنی زندگی بڑی با مقصد اور ہم محسوس ہو رہی تھی۔ اسے گھر کی لڑت کا
احساس مل رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے کچن سے باہر آئی تو عمر کو خود کے ساتھ کرکٹ میں مصروف پایا۔

دیکھو خود، جہاں ایک عمر کے جانے سے گھر میں کس قدر رونق ہو رہی ہے۔ یہ ناں

تھی۔ بے فی صاحبہ نے عمر کو بال کراتے ہوئے خواب دیا۔

محبوبہ مسرور ہو۔ بہت بے ایمانی کرتے ہیں۔ بلیز آپ ایسا تر بن جائیں۔

وہ بیٹا بغل میں داب کر سرخ چہرے کے ساتھ فیروزہ سے ملنے انداز میں کہہ رہا

تھا۔ فیروزہ کو اس کی محبت پر ٹوٹ کر پیا آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ

شام گراس کا منہ چوم لیا۔

میری جان۔ اگر میں ایسا تر بن گئی ہوں تو خود کے ساتھ زیادتی ہوگی کیونکہ میرا فیصد

تھوڑا سا ہے۔ حق میں ہوگا۔ میں کبھی وہ فیصد نہیں کر سکتی جس سے تمہیں دکھ ہو۔

کبھی خود ہی تم میرے بیٹے کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرو۔ اس نے خود کو بدایت دی۔

میں جگن میں بہت بڑی ہوں تمہاری پسند کی چیزیں بنا رہی ہوں۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کی شب تک تم کھیلو۔ وہ وہاں مڑ گئی ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھیں۔ عمر کچھ بڑھ چکی تو تکھیل میں مصروف رہا۔ پھر اندکی جانب بڑھ گیا۔

مگر ستارہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک کر رک گیا۔ اندر سے بہت تیز میزبان کی آواز آ رہی تھی۔

اس نے دروازہ کھولا اور کمرے کے اندر جھانکا تو حیرانی سے لٹکیں چپکنا بھول گیا۔ چست چیز اور مختصر سا بناؤں پہنے ستارہ رقص میں مصروف تھی۔ اس کے سراپے میں بجلی کی مہری ہوئی تھی۔ اس کا بناؤں پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ مگر اس کے قدم موسیقی کی لہ پر بدستور متحرک تھے۔ وہ تیزی سے جگن میں داخل ہوا تھا۔

محبوبہ ستارہ، دنیا جاسا، ڈانس کیوں کر رہی ہیں وہ واقعی جبرن سا تھا۔ کتنا سا، فیروزہ ہنس۔

ڈانٹ جو کہ میٹھا نہیں نا۔ ان کو بہت پسینہ آ رہا ہے کہیں وہ مگر نہ جائیں۔ وہ خاموش پریشان تھا۔

ڈانٹ کیرڈر لکچر وہ تھک جائیں گی تو اپنے بیڈ پر گر جائیں گی۔ فیروزہ نے سمجھا پا۔ مگر انہوں نے پیسے تو کبھی ڈانس نہیں کیا۔ آج کل وہ ایک فلم میں کام کر رہی ہیں۔

فلم میں بہت بڑی ہوں تمہاری پسند کی چیزیں بنا رہی ہوں۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا کی شب تک تم کھیلو۔ وہ وہاں مڑ گئی ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رقصاں تھیں۔ عمر کچھ بڑھ چکی تو تکھیل میں مصروف رہا۔ پھر اندکی جانب بڑھ گیا۔

مگر ستارہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک کر رک گیا۔ اندر سے بہت تیز میزبان کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور کمرے کے اندر جھانکا تو حیرانی سے لٹکیں چپکنا بھول گیا۔ چست چیز اور مختصر سا بناؤں پہنے ستارہ رقص میں مصروف تھی۔ اس کے سراپے میں بجلی کی مہری ہوئی تھی۔ اس کا بناؤں پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ مگر اس کے قدم موسیقی کی لہ پر بدستور متحرک تھے۔ وہ تیزی سے جگن میں داخل ہوا تھا۔

محبوبہ ستارہ، دنیا جاسا، ڈانس کیوں کر رہی ہیں وہ واقعی جبرن سا تھا۔ کتنا سا، فیروزہ ہنس۔ ڈانٹ جو کہ میٹھا نہیں نا۔ ان کو بہت پسینہ آ رہا ہے کہیں وہ مگر نہ جائیں۔ وہ خاموش پریشان تھا۔ ڈانٹ کیرڈر لکچر وہ تھک جائیں گی تو اپنے بیڈ پر گر جائیں گی۔ فیروزہ نے سمجھا پا۔ مگر انہوں نے پیسے تو کبھی ڈانس نہیں کیا۔ آج کل وہ ایک فلم میں کام کر رہی ہیں۔

یہ تھا جھوٹا سا بچہ۔ اور پھر یہ تو کسی وقتی لوسی گھر نے سے تعلق بھی نہیں رکھتا۔ میں کبھی نہیں۔ وہ واقعی اچھی لگتی تھی۔ یہ تو بڑے آزاد، حول کا پروردہ ہیں، حول کا جہاں فانی آزادی کو وسعت دینے کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں پھر یہ بات اس کے ذہن میں کہاں سے آئی۔

میرا دوست ہے نا۔ آپ ملی بھی تھیں اس سلسلے میں اس کا ایک کزن ان بھی تھا وہاں وہ اسے لیول پاس کر چکا ہے۔ ٹھٹھکا رہا تھا وہ اس کزن سے نہیں ملتا اس کی مٹی نے منع کیا تھا کیونکہ اس کے کزن کی مٹی فلم، یکسر نہیں ہیں۔ اور بیو جرنلزم کرنے والے اس کی مٹی کے بارے میں بڑی خوب بنوڑ پرنت کرتے ہیں۔

محبوبہ بیو جرنلزم کسے کہتے ہیں حسب عادت اس کے ذہن میں سوال بھی در آیا تھا۔ فیروزہ ہنس دی۔

تو سی عمر میں اتنی بڑی بڑی باتیں جانتا چاہتے ہو جب بڑے چاؤ کے تو سب ہٹا چل جاتے مہری بات سنو ڈانٹ۔ کام تو کام ہوتا ہے۔ ستارہ اتنی صرف، مٹی فلم میں کام کریں

گی۔ وہ زیادہ مٹی کی نہیں جن کی سے اور جو لوگ، اپنے کام سے کام رکھتے ہیں لوگ ان کے بارے میں بہت اچھی تھوڑی پرکھ کر رہے ہیں۔

اس نے صاف تیار کرتے ہوئے اس کی تضحیک کی۔

مگر میں صحت کو کبھی نہیں بتاؤں گا کہ ستارہ آئی نے کسی فلم میں کام کیا ہے۔ کبھی اس کی مٹی میری اور اس کی

دو قی ختم کروں۔ اس کے لیے میں نہ جانے کیا تھا۔ فیروزہ نیچے اٹھ کر اس کے مقابل ہوئی۔ اس نے عمر کو سینے سے لگا لیا۔ جانے کیوں اس کا دل بھرتا پاتا تھا۔

میری زندگی اتنی بڑی بڑی باتیں نہ سوچا کرو۔ شعور نے کے ساتھ تقدیر مسائل، اور دکھ طوفان میں سجا کر ویسے ہی راستے میں سن کھڑی ہوئی۔ یہ تو نظری اور خوشیاں سمیٹنے کی عمر ہے ہم خوش رہا کرو اور یقین کرو میں اور ستارہ آئی تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں ستارہ کو منع کروں گی اور بتاؤں گی ہمارے عمر کو قلم، یکسر نہیں پسند نہیں خوش

عمر بھول کی طرح کھل گیا اسے یقین آ گیا کہ اس کی اور طوفان کی دوستی ہمیشہ قائم رہے گی۔

مولانا آغا۔ السلام علیکم

ابن جناب آپ کی دعا نہیں ہیں۔ نہیں سب آپ مزید صبر ر کریں۔ میں نے آپ کو خوش کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر صرف ایک گیت اس نے کہ آپ کے صبر ر سے مجھے بہت

شرمندگی ہوتی ہے۔ آپ شکر یہ دانکر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ یہ تو آپ کی قدر فرمائی ہے۔ دراصل میں کچھ عرصے کے لئے یورپ جا رہا ہوں۔ رکیٹکٹ ہوں نہ ہر ہے اسی شے میں ترقی کرنے کا گواہ شرمندہ ہوں۔

جی۔ جی ہاں۔ کچھ کو دوسرے وغیرہ کرنے ہیں۔

جناب مجبور ہی ہے، یہ میرے ذہن کا مزاج ہے۔ جب تک باہر سے کاغذ لکھو کر نہ آئی کسی گفتی میں نہیں رکھتے نہ کوئی بڑا کام دیتے ہیں۔

آپ کی دعا دل پر منقول ہوگا۔

علی جان صاحب، ایک خصوصی عرض ہے۔

رہے نہیں یہی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، بس اتنی ہی درخواست ہے کہ پلمٹی وغیرہ نہ کی جائے۔ یعنی کوئی تھوڑی کوئی تعارف نہیں میں صرف آپ کی خوشی اور صبر کی وجہ سے ایک گیت کی حادی بھر رہا ہوں۔ لیکن میں اس لائن میں مشہور ہونا نہیں چاہتا۔ میرا aim تو آپ کو معلوم ہی ہے۔ جی ٹھیک ہے آپ شام چھ بجے کے بعد گھر جائیں۔ باقی معاملات گھر پر ہی طے کر لیں گے۔ بھیرویں کے سوا جو رگ آپ منتخب کریں گے مجھے منظور ہوگا۔ یعنی میں اس پر محنت کرنا شروع کروں گا۔ مگر کچھ ناظم لگے گا۔

بھیرویں سے میری کوئی نئی دشمنی نہیں ہے۔ بس مجھ پر تو اسے سن کر ہی ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ میں بندہ ہوں ذرا نازک مزاج۔ وہ شرمندہ سے مسکرایا۔

ایک توپ مجھے بھرا ہوا گارے لے کر کہہ رہے ہیں پھر ایک گیت کا اچھا خاصہ دھند بھی
 دے رہے ہیں پھر شکر یہ ادا کر کے تجھے میری نظروں ہی میں شرمندہ کر رہے ہیں۔ یہ تو زیادتی
 ہے میرے ساتھ۔ دیکھ۔ خدا خدا نظر اس نے رہیودر کھدی۔

اس کے اس اقدام پر گھر میں کیا رد عمل ہوگا۔ کہ نہیں خبر ہوئی

میں یہ کیوں کر رہا ہوں

کیا مجھے اپنے گھر والوں سے کوئی لگاؤ نہیں رہا

کیا یہ باقیانہ اقدام ہے

یا میں اپنی خدا دواؤں کی تلاش کرنا چاہتا ہوں

مگر میں تو صرف ایک گیت گانا چاہتا ہوں۔ ایک گیت سے بھلا کیا ہو سکتا ہے۔

نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں اپنے قوانین کو تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔

میں اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہوں۔ اور یہ جو ناگو قسم کا حادثہ میری

زندگی سے ہو گیا

ہن کر چٹ گیا ہے۔ میں اسے نوج کر پھینکنا چاہتا ہوں۔

میں مرحدو اس چیلنج سے نمٹنا چاہتا ہوں۔

میں ذرا بھی اپنے آپ کو سمیٹ رہا ہوں۔ حیر بھی تو ظالم نے تاک کر دیا ہے۔

مجھے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے کچھ بھلا دے کچھ فریب دے دے کہ میں اپنے آپ کو

سمیٹ کر زندگی سے بے باق چھین لیتا ہوں۔

یہ گیت بھلا دے گا ایک حصہ ہے۔

مجھے ایک گھٹک شکاری کا پتا چلتا ہے۔ شکاری تو غیر نظر آ بھی رہا ہے۔ اس کے عزائم کا
 پتا چلتا ہے اس کے لئے پرسکون اعصاب درکار ہیں۔

مجرم کو صرف سامنے ہی نہیں۔ نا ہے بلکہ سے اپنی نظروں ہی میں رہنا بھی کرنا ہے، اسے

مرگے کر جنگ انسانیت کا تاج بھی طلب کرنا ہے۔

ایک گیت صرف ایک۔

کسی کو کیا پتا چلے گا۔

میں صاحب آپ کو فحشک سے نیند آئی۔ بے راہی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔

ورایت علی شاہ، مرتضیٰ، شادی اسی کمرے میں جہاں میں صاحب نے رات گزاری

تھی۔ نیچے قالین پر ستر خون، چھائے ناشتے میں معروف تھے۔

ورایت علی کہاں ہے وہ تمہارا قابل حند بیٹا، جس کی خوشبو سے آج بھی وہ دیرانہ مہک رہا

ہے۔ جہاں رات کے اندھیرے میں ہمیں وہ نظر آیا تھا۔ اور بھئی بے فکر رہو بہت آرام سے

رات گزری۔

ورایت علی وہاں کے شریاں نوس میں خون جوش مارنے لگا تھا۔ جب میں صاحب کے

بیٹے کے لئے بہترین دھڑیل گت اپنے پا کیڑہواہن سے ادا کرتے تھے۔

وہ اسکول جانے کے لئے تیار ہو رہا ہے مگر میں اسے بلاتا ہوں۔ وہ اٹھ گئے۔
چند لمحوں بعد ہی وہ آگے آگے اور بڑھ کر دانا پھانسان کے پیچھے چلا آئے۔

نئی بوائے پینٹ ہمرنگ ٹائی اور سفید قمیص والے یونیفارم میں جس کی جیب پر اس
کے اسکول کا سوئوگرام بنا ہوا تھا۔ مرقسی۔ شادی کو بہت پہلے الگا۔

ہرٹ کی سی ہلکے چمکری اور یلہ کی خود اعتمادی اور احساس تحفظ نے، سے انتہائی پرکشش بنا
دیا تھا۔

مجھے، حوالہ دے کر ایک بچے کے لئے کس قدر ضروری ہے اس کی نظروں میں اس بشر
کا چہرہ گھوم گیا جو میرا صاحب سے چپکا ہوا اور بے حد خوفزدہ نظر آتا تھا۔

السلام علیکم میرا صاحب، اشاری، اکل اس نے بیساختہ انداز میں سلام کیا۔
وعلیکم السلام رحمان کی نظر محبت تیرا مقدر ہو۔ نیک روح مجھے مہمان بنا کر بھول گئی میرے
قریب، خوش بخت، میرا صاحب کو گھبرا کر گیا، چھوڑ دیا۔

بشر بڑی معصومی شرمندہ مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف بڑھا۔
میرا صاحب بچہ کہتے ہیں بچے جلد سو جائیں تو صحت مند رہتے ہیں۔ پھر وہ ہماری
میلڈم ہاری ہیں نا۔ وہ مجھے اسکول کے لئے تیار کر رہی تھیں۔ ہے نا بچہ۔ اس نے یقین
دہانے کے لئے باپ کی شہادت پیش کی۔
وریت علی شاہ دھیرے سے مسکرا دئے۔

کس بھلاہٹ میں چڑھا ہے تو کس سال تمہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
بشر نے چھ کر باپ کی طرف دیکھا اور اشد سے سے پوچھا کیا کہ رہے ہیں میاں

صاحب

آپ اس سال کس کلاس میں ہیں۔

میں کئی ٹو میں پڑھتا ہوں میاں صاحب

اچھا بھئی وریت علی شاہ، جتنا تو بہت پڑھ گیا ہے۔ وہ ہلکے سے ہنسے۔ لاچاری اور
وریت علی شاہ مسکرا دئے۔

اش اللہ خوشیار ہے۔ جس دنوں یہ گھر سے پاس تھا چپ ہوتا تھا مگر اس نے مجھے فون نمبر
بتا دیا تھا۔

وریت علی شاہ کے متحرک ہاتھ رک گئے۔

آپ کو فون نمبر معلوم ہو گیا تھا تو آپ نے رابطہ فون کے ذریعے قائم کیوں نہیں کیا تھا۔
مجھے معلوم تھا کہ سب آپ یہی سوال کریں گے۔ مرقسی۔ شادی سکرو دیا۔

بشر کے ذریعے ہم تک جو حقیقت پہنچی تھی، حیات کا تقاضہ تھا۔ اس گھر سے رابطے کی
صورت میں مزید الجھنیں پیش آ سکتی ہیں۔ بچہ۔۔۔ معاف کیجئے گا۔ گھر سے بیڑل کرنے کی
کوشش کی گئی تھی پھر ہی گھر سے رابطہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ شہد اس لئے چھوٹا تھا
کہ ہو سکتا ہے کہ بچے کے دوسرے خونی رشتہ دار ہم تک پہنچ جائیں اور دوسرے یہ ثبوت پیش ہو

جائے کہ ہم نے بچے کو متعلقین تک پہنچانے کی محلی کوشش، اپنی طرف سے پوری کی۔ کیونکہ اگر یہ بحرمانہ سازش ہوتی تو ہم بھی بلاوجہ پھنسن سکتے تھے۔ ماحول بہت خراب ہو چکا ہے شاہ صاحب۔

وایت علی شاہ اس کی ضمانت کے قائل ہو گئے۔

اگر ہم یہاں فٹ کر دیتے تو خطرہ ہے پکڑا رہا نہیں ہاتھوں میں۔ وہ چپ ہو گیا۔

میرا صاحب بشر سے باتوں میں معروف تھے۔ اسی دم ملازم نے آگرتائی کی اسکول ٹائم ہو رہا ہے۔ گارڈ پوسٹ پر منتظر ہے۔

میرا صاحب آپ جہانے گا نہیں۔ درت میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔ بشر نے دروازے پر رک کر شہادت کی انگلی اٹھا کر گویا دھمکی دی۔

بیٹے، بھی تو میں چلا جاؤں گا مگر نشانہ پھر آ جاؤں گا۔ تم اللہ حافظ کہتے جاؤ۔ بچے بہت بچے ہوتے ہیں میں ان کو جھوٹے بہل دے نہیں دیتا۔ وہ مسکرا دیے۔

بشر پھر ان کے تنہا کی غل کے زیر اثر آ گیا تھا۔ بھاگ کر واپس آیا اور اپنا ہاتھ سا ہاتھ بڑھا کر بولا۔

خدا حافظ میرا صاحب! خدا حافظ! اشاری اٹکل، خدا حافظ! وہ ہا پر چلا گیا۔

وایت علی شاہ تمہارے گھر کی زمین بہت خاموش ہے۔ میرا صاحب کی تمہیں آواز ان کے کانوں سے گھر گئی۔

وایت علی شاہ برسی طرح چنگ پڑے گئی میں سمجھ نہیں۔

آدم سے دوستی کے نئے عورت اسی کے وجود سے تخلیق کی گئی۔ پھر جنت میں رونق ہو گئی۔

پھر اسی نے آدم کی زندگی جہنم بنا دی۔ وایت علی شاہ بہت حیرت مند کر گئے۔ میرا صاحب ایک ٹائٹ کو خاموش ہو گئے۔

مگر یہ طے ہے آدم کا ارادہ آرزو کیا گیا ہے۔ اسے دو راستے دو ضدیں بتا دی گئی اور انتخاب کا حق دیا گیا۔ دوسروں کی کمزوری کی نشاندہی کرنا بہت آسان ہے۔ کون ہے جو کھل لہ لہو کے ساتھ اپنے عیوب و محاسن کو جانچ سکے، دیکھ سکے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیشے کے گلاس میں موجود پانی کے اندر مٹی کا ڈرہ تک نظر آتا ہے۔

میری باتیں عقل آپ کی فرست تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ وایت علی شاہ نے اپنی کم مائیگی کا اعتراف کیا۔ بلکہ جان کر نجات بنے۔

تمہارے گھر کی زمین بہت خاموش ہے، نوکروں کے قدموں کی آوازیں وہ یہ گھر کی زمین اپنے اندر اس طرح محفوظ نہیں کرتی جس طرح گھر کی بالکن کی آہٹ کو اپنے اندر سمیٹتی ہے۔ اس آہٹ میں حق ملکیت کا زور۔

ہوتا ہے نا۔ مجھے تمہارے گھر میں کہیں سے یہ پارکٹ آؤ نہیں آئی۔

وایت علی شاہ چند لمحے تو سانوں میں رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ صورت

حال بھی پیش آسکتی ہے۔ وہ انہیں تعلیمی کی، بہاؤں پر پہنچا ہوا، تعلق سے بزرگ سمجھتے تھے۔
اس کی آہستہ باہر کت نہیں تھی۔ شکر تھا کہ میں صاحب کی نظریں نہ لگ رہی تھیں۔
وہ کہیں ملنے لگی ہوئی ہے وہ؟ ہسٹنگس سے گویا ہوئے۔

تم نے سے صاف کر کے اپنے وجود سے چپکی ہر آنکھ کی جھڑکی ہے۔ خدا تم سے راضی

ہو۔

مرلہی آپ یہ یاد رکھ لیں ناں پلیر۔

شکر یہ سنا نہیں۔

میرا صاحب آپ بھی۔

میرا معذہ تھا جو ہر دوست نہیں کر سکا، ریت علی میری تسکین ہو چکی ہے۔

میرا صاحب یہ دودھ ہے اور چائے بھی ہے جو آپ پسند فرمائیں۔

انہوں نے بہ مشکل چائے آپ کو متوازن کیا تھا۔

چے لوگ بھی کتنے پیارے ہوتے ہیں۔ جیسے خود چے میدھے ہوتے ہیں۔ ویسے ہی

سارے جہاں کو کھاتے ہیں۔ میں صاحب نے کتنی معصومیت سے چائے کے گھونٹ بھرنا شروع
کر دئے تھے۔

کچھ دیر تو ریت علی شاہ کو خود پر قابو پانے میں لگ گئی۔

راشدری کی خاموشی بہت سنی خیز اور گہری تھی۔ میں نے ایک لمبے کے یہ نظریں بھی نہیں

اٹھائی تھی۔ رات مرلہی، راشدری اس سے دیر تک باتیں کرتا رہا تھا، گنبدہ پچور کے بارے
میں۔ جس کی طرف میں صاحب نے توجہ دلائی تھی اس نے بھی محسوس کی تھی۔ مگر اس کی
پوریشن ایسی تھی کہ وہ اشارہ بھی تذکرہ نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی اس نے تہائی میں بشر سے کچھ
کھونے کی کوشش کی تھی۔ یہ سوچ کر کے وہ نا کیا لگتا ہے یہ تو ان کی کرم فرمائی ہے کہ اپنے
برابر نہ تھا ہے۔

وریت علی غم نہ کیا کروں، نشا اللہ تم کا میاں ہو گے۔ دیکھو اس اپنے ضمیر کو صاف ہلکا چھلکا
رکھو۔ اور کوشش اور میدان ساتھ رکھو۔ بچے۔ خدا کی امانت سنی لیکن اس نے انہیں تہا رے دل کا
قر اور بھی بنایا ہے اور آنکھوں کی ٹھنڈک بھی۔ وہ تہا رے سینے میں ٹھنڈک اتارے گا۔ نشا اللہ
جو صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ سے صبر دے دیتا ہے۔

میرا صاحب شاہ پور ریت علی شاہ کی چپ سے تجھوں ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر تیشی کی
روشنیاں ان کے سینے میں منتقل کی تھیں۔۔۔

وہ ایک بار پھر جی اٹھے تھے۔ انہوں نے ولولہ انگیز یقین سے ہوا جو در رتا محسوس کیا تھا۔
بلکل اسی طرح۔

گویا ایک صحر کے تارینا کو دینا کی مل جاتے۔

میرا صاحب بعض انسان کتنے ضروری ہوتے ہیں جیسے آپ۔

میرا صاحب میں صبر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر مجھے راستے میں آپ کی دعاؤں کی

روشنی درکا ہے۔

وہ جڑی سے بولے۔

ورایت علی دنا اور مسکراہٹ دنیا کے عظیم ترین خیر ہیں، ہم نے انہیں تعظیم کرنے میں ہمیشہ جلدی کی ہے۔ اللہ رحمان ہے اس پر بھروسہ رکھو۔

تھوڑی دیر بعد میں صاحب ورایت علی کوئی زندگی دے کر چلے گئے تھے۔

وہ بہت کھرے تھے ہاں کو ہاں اور ناں کو ناں کہنے والے نہیں جاننے والے۔ ان سے مصر نہیں ہو سکتا تھا ان کا انداز گفتگو جیسے مگر قطعی ہوتا تھا۔

ورایت علی شاہ ان کو روک نہیں سکتے تھے مگر انہوں نے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ "سندھ وہ میرا ہے"

صاحب کو اپنے ساتھ خود چا کر یا کریں گے۔

رات انہیں اپنا گھر تمام گھروں سے منفرد نظر رہا تھا۔ اس میں ایک اللہ دوست شخصیت مہمان تھی۔ جس کا بجد روشنی اور لفظ خوشبو تھے۔ صاحب طریقت جس کا ہر کام مسنون ہوتا تھا۔ کم از کم ان کی تو یہی کوشش ہوتی تھی رات کو دوران گفتگو و رایت علی شاہ نے انہیں اللہ دوست کہہ دیا تھا۔ وہ خشت الکی سے کانپ گئے تھے۔ اور دیر تک ان کی آنکھوں سے اشک رواں رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد خود پر قابو پا کر جب وہ نوافل کے لیے غصے لگے تو صرف اتنا کہہ تھا۔

معیار کہاں

خدا کا۔ کھلا کھلا حسان ہے کہ اس نے ہم پر کرم کیا۔ اور احسان بھائی کوئی زندگی دی۔ اب جان نے منتکرات نڈالیں کہا ورتخت پر سہاں پھینک کر بیٹھ گئیں۔

عثمان فرقیہاری لہید پھوپھو کی کام آئیں۔ قہہاری ولہن کو دیکھو تو بہت پیاری اور مخان کی ولہن کو دیکھو تو وہ بے مثل۔ میں اپنے لہک کس منہ سے شکر اکر دوں۔ اور گھر نے بھی ماشا اللہ ہادی فشاہ کے مطابق ہیں مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ میری مشکل آسان ہوئی ہے۔ وہ لوگ تو یک ماہ میں شادی کرنے کو تیار ہیں مگر میں اب تو دیر کروں گی احسان بھائی کھل صحت مند ہو جائیں تو خوشی کے شادویا نے بھلے لگیں گے۔ تم خوش ہو رہے خان وہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

اور مخان جینچ کر مسک دیا۔ مجھے تپ کی پسند ورفیضے پر بھروسہ ہے اب جان۔ خوش رہو خدا تمہیں بہت نور دے۔ تصویر میں رہید جتنی پیاری نظر آ رہی ہے۔ اس سے مکی گلنا حسین ہے۔ پھر ماشا اللہ بہت مودب و رسا و دیگی ہے۔ اللہ عز و عز کرے۔ سنا ہے ہر ساس کو بھلی بہو گھر آنے سے پہلے چاندی بٹوٹی ہے۔ فاروقی قریب ہی کھڑا شیلو بتا رہا تھا شراعت سے بولتا۔

رے ٹیک فال لگاؤ منہ سے۔ میرے گھر میں بیٹیوں کی کمی ہے۔ یہاں میری بہو نہیں

نیکل بیٹیاں آئیں گی۔ بلکہ میری سہیلیاں مدد سکرائیں۔

اللہ رحم کرے۔ فاروق پھر شریعہ والا میں سکر گیا۔ مجھے اپنے بھائیوں سے وہی اور وہی ہے بلکہ خود سے بھی کہ تاج تہا رہی تو کل ۷۸ رگی باری ہے۔ سوچ لیں بھائی میوں کس قدر متوازن فرینڈ شپ قائم ہوگی ۷۸ رے ہاں۔

عثمان اور ارمغانت انس دینے۔

یہ دیکھو یہ کل سترہ جوڑے ہیں۔ پنڈی اور پشاور سے منگو کر رکھیں تھے۔ باقی میوں سے لے لیں گے۔ نکاح اور ویسے کے جوڑے بھاری ہوں گے۔ وہ بھی ہو جائیں گے۔ سیٹ تم دونوں کے بنے رکھے ہیں۔ چوڑیاں بوائے کو دے آئی ہوں۔ کیونکہ وہ ناپ عی سے بنونا چھیں۔ اگر کہو تو تکن بنو دوں ٹی ٹون کر دوں گی۔

انہوں نے بیٹوں کی طرف دیکھا۔

جو آپ سنا صاحب سمجھتی ہیں کر لیں۔

یہی موقع ہے آپ کو حقار حاصل ہے۔ پھر تو وہ اپنی اپنی مرضی قضا سے کریں گی۔ فاروق نے بھی عثمان کے جیسے میں اعتقاد کیا۔

جم جم کریں بہت خوشی سے۔ یہی تو ادا مالوں کی عمر ہوتی ہے۔ لندن کے ارمان پورے کرے میرے

بیٹے سلامت رہیں تاکہ ارمان پورے کرنے کے لیے وہ نہال ہوئیں۔

حسیب سونے کے بعد ان کے پاس آ بیٹھا تھا۔ کافی دیر سے خالی المذہن بیٹھا تھا۔ مگر اب جاگ چکا تھا۔ فاروق کی طرف دیکھا اور بولا۔

سارے تیر خانی جا رہے ہیں آپ کے۔

سب غصہ دینے۔

بیٹے بہت دیر سونے آج ماں مٹی نے حسیب کو پیار سے دیکھا۔

کیا فرق پڑتا ہے یہ بے چارہ تو سو یا جا گا برابر ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں طیفقن کر لگے دن ہوتا ہے۔ فاروق نے تے چھڑا۔

دیکھے ماں مٹی فاروق بھائی مجھے گدھا کہہ رہے ہیں۔ حسیب برا مان گیا۔

کوئی قسم کھا کر کہے میں نے تمہیں گدھا کہا ہے۔ فاروق نے سب سے انصاف چاہا۔

جی ہاں ایک طیفق سے جس میں گدھا ایک دن بعد ہوتا تھا۔ حسیب خنگی سے بولا۔

اچھا مجھے نہیں پتا تھا۔ بیچ میں نے نہیں سنا یہ وہ طیفق۔ فاروق نے بڑی معصومیت سے کہا صاحب فقیر دینے۔

اوس جان کیا دیر یہ اپنی بھی آئیں گی۔ بھائی میوں اور بھائی صاحب کی شادیوں میں فاروق تو لیے سے چہرہ پوچھتا ہوا ان کے پاس پڑی کرک پڑا بیٹھا۔

اب وہ ۷۸ رگی بھائی ہیں۔ بھائی کہا کریں۔ حسیب نے ٹوکا۔

ہاں خیر سے بھائی ہے وہ تہا رہی۔ کتنا بھلا لگا ہے میرے کالوں کو یہ لفظ بھائی جان تو

شاہد اعتراض نہیں کریں گے۔ مگر لوگ بہت باتیں بناتے ہیں وہ دانتا تو اسے درستی تک عاریق سے پروہ کرنا چاہیے۔

یہ لکھتے وہ بور ہی میں ہیں۔ جانے دن میں کتنی ہار نقاب کشائی ہوئی ہوگی۔ فاروق جہا۔

فاروق نے دریا کا ذکر بھیجنا تو گویا ان دیکھی سی دیوار گر گئی اور موضوع مہم ہو گیا۔

جو لکھنے کا اس جان و گوں کا کیا ہے باتیں بنانا تو ن کا مشغلہ ہوتا ہے۔ عثمان نے کہا۔ میرے جی کو چھان نہیں لگا وہ رخصتی سے پہلے۔

چھوڑیں ماں جیاں، آج کل کے نوجوان اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں یہ پرانا جکڑا ہوا زمانہ نہیں ہے۔ امضان نے سادگی سے کہا۔

نوجوان کی۔ انہوں نے نا۔

یہ جی بکس تو میرا پارسل، اسی تھیں۔ سامان ڈھونڈنا ہے۔ حیر آئے گی تو اسی کے سپرد کر دوں گی۔ بڑکایاں ہی یہ چیزیں خریدنے میں ماہر ہوتی ہیں۔ وہ لکھ دوں گی کچھ تو وہ امریکہ ہی سے لے آئے گی۔

تو پھر ماں جان یوں ہوگا کہ ہم بھٹی میاں کی ہارات لے کر دو پہر کو چلے جائیں گے لچا وہاں پھر وہاں سے ہارات بنا کر بھی صاحب کی سسرال چلے جائیں گے۔ ورد و نرواہاں۔

پھر یوں کریں گے پلٹیں میں بھر کر لے کر چلے جائیں گے۔ ناشتا وہاں۔ حسب فاروق کی

ہات کو مجیدہ سمجھا اور جل کر جلد توڑ دیا۔
بے ساختہ قہقہہ ہنسنے لگے۔

جس پر حسب سابق حبیب نے برا منایا۔

یا رکھو اوپر کی منزل سے بھی دھار مانگ لیا کرو۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کہ کسی طرح دلہنیں

سیٹے پھر رہے ہیں۔ فاروق نے مذید بھیجنا۔

رے مت ستایا کرو فاروق میرے بچے کو، ماں نے فاروق کو گھڑکار۔

دوپٹوں کی طرف سے توبہ فکری ہے۔ تمہیں تھان منگو کر رکھے ہوئے تھے میں نے، اب

کوئی حاتمہ بنانے والا نہیں ہے۔ سب مجھے ہی کرنا ہے۔ گوئے کن رنی وغیرہ۔ وہ سامان سوٹ کہیں میں بھرتے ہوئے خود دکھائی۔

کے انداز میں بولیں۔

وہ اپنے بیٹوں کے سامنے ہی ہر بات کرتی تھیں۔ وہ بھی من کی خوشی کی خاطر حصہ لیتے تھے مگر نہ ان کو ذلت ظہور پر ان چیزوں میں خاص دلچسپی نہیں تھی۔

فاروق ہمیں فرصت میں مہمانوں کی فہرست بنانا شروع کر دو۔ کبھی کوئی مٹے والا رہ جائے۔ اور ساری عمر شکایت پاتی رہے۔ ایک جمعے کو عثمان کی ہارات لے جائیں اور دوسرے جمعے کو

امضان کی۔ پھر امضان کی ہارات کے گلے دن ویسے کھٹے کر لیں گے۔

دیکھ بھائی میاں، ماں جان کا کھڑا پا۔ خرچہ پادری ہیں۔ فاروق پھر شریر ہوا۔

اب تم جو سمجھو، اگر تو رہتا بچت ہو رہی ہو تو کیوں نہ کی جائے۔ انہوں نے کھٹاکہ سے سوٹ کھینس بند کیا۔

فیل سائز سوٹ گیس ہیں۔ پچیس پچیس جوڑے آرام سے آسکتے ہیں۔ انہوں نے پھر اپنے بیڑوں کو خیال میں شریک کیا۔

پچیس پچیس۔ لگتا ہے آپ دونوں کی جمع پونجی اسی دن کے لیے تھی۔ فاروق نے سر ہٹا دیا۔

اللہ انہیں سلامت رکھے۔ زیادہ تو میں جان بوجھ کر نہیں بتا رہی۔ لڑکیاں تو کپڑے بتاتی ہیں یعنی ہیں پھر فیشن بھی بدل رہا ہے۔

نئی لباس چاہیے۔ میں خستہ انداز میں، مں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

فیشن لڑکیوں کے اور خبر آپ کو۔ لگتا ہے واقعی چاہتے رہتے ہو۔

دیکھیں، اس جہاں سمجھا لیں فاروق بھائی کو۔ حسیب جھڑک رہا تھا۔

وہ بری طرح چوکا تھا۔ سامنے پیسے کپڑوں میں دھیر آ رہی تھی۔

تو رات کو۔ جبکہ معلوم ہے رات کو میں یہاں ہوتا ہوں۔

السلام علیکم وعلیٰکم وقریب آکر بولی۔

علیکم السلام، وہ یونہی رخ سوزے سوزے ہو رہا تھا۔

کی ضرورت تھی اس وقت۔ نے کیا اس کا بوجھ بھارت تھا۔

میر دل گھیر رہا تھا۔ فون تو آپ، ٹینڈ نہیں کرتے۔ پاپا کی طرف سے فکری ہو رہی تھی۔ وہ اس کو نظروں سے باہر ہونے آہستگی سے بولی۔

جب ضروری انفارمیشن آپ کو مل جاتی ہے تو کیا ضرورت ہوتی، جی ہے کہ میں فون ٹینڈ کروں۔

اس کی بیڑی بدستور تھی۔

اور میں اس لیے بھی آئی تھی کہ کئی راتوں سے آپ نے ٹھیک طرح سے آرام نہیں کیا۔ میں یہاں ٹھہر جاتی ہوں آپ آرام کر لیں۔ مئی بھی کہہ رہی تھیں۔

شکر سہمی، حال میری زندگی میں آرام کہاں آپ جائیں۔ ہو جانے گا آرام بھی، میں ٹھیک ہوں۔

میں انہوں یہاں۔ پلیز آپ مان لیں۔ وہ صبر ہوئی۔

طارق اس کے سامنے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تفصیلی نظروں۔ ریزہ کی ہڈی میں سروا لہر دوڑانے والے لکچے میں پھنکار۔

آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ میں آپ سے نپا وہ ہنہ دھرم ہوں۔

ہاں ہے مجھے۔ درجہ پر مطلق عزتیں ہو رہی ہیں اس نے غاہ نہیں کیا۔

آپ مجھے پریشان کریں گی تو۔

آپ انسانی ہمدردی کے جزایات سمجھتے ہیں۔ یہ تو آپ کو نمازہ ہونا چاہیے وہ راز راز

بتا ہے، آپ کا خیال کریں

میری ہالہ ہاں ہوتی ہے اور بعد وہ مجھ آٹھا

جانتی ہوں میں یہ جملہ محفوظ کر رہی ہوں، وہ نظریں چھپا کر بون

مجھے آپ کا اس طرح روت کو تا، چھپا نہیں لگایا پروگرام صبح بھی بن سکتا تھا وہ پیچیدگی سے گویا ہو ذریعہ، رے خوشی کے گنگ ہو گئیں اس کے سلسلے میں طارق کی پسندنا پسند اس کے خاص مقام کا خود بخود تعین کر دیتی تھی

میرا مطلب ہے مجھے رات کے وقت لڑکیوں کا بے روت پر تہہ و نہانا اچھا نہیں لگتا اس نے دہرائی کی خوش فہمی، ایک بار پھر خاک میں ملائی

ذریعہ کے چہرے کا ہر رنگ اڑ گیا

وہ اس کے سامنے تھا و یا میں سب سے زیادہ عزیز بن کر لیکن، تمہارے بھی شروع نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رکھا طارق احمد فاروقی،

اور کیا کیا، چھپا نہیں لگتا آپ کو رات کے وقت؟ اس نے بھی، پناہ لہجہ ٹھیکھا سا کر لیا طارق نے جو تک کر اس کی صورت دیکھی

میں نے بھی فیصلہ نہیں کیا، چلی پسندنا پسند آپ کو تانے کا

وہ یہ کہہ کر مڑ ور کر شکل وارڈ کی طرف بڑھ گیا

احسان صاحب ڈیپ رنج ہو کر گھر بند ہمارے تو طارق کو بھی ایک گوند سکون حاصل ہوا اتنے عرصے میں روز نہ ذریعہ کی شکل دیکھ کر اس کے عصاب تن جاتے تھے اپنے ماموں کی خدمت کر کے اس نیپٹی، اس کی طرف سے حق اور کرنے کی کوشش کی تھی ویرا بھی سے اس سارے تعلق سے میں احسان صاحب کا کوئی قصور نظر نہیں آیا تھا جو وہ اپنی رشتہ داری کے زور سے عاید ہونے والی ذمہ داری سے جان چراتا اس کی طرف سے کوئی شکایت ہوتی تو رسوائی اس کے والدین کی ہوتی یہ یہی سوچ کر اس نے، ماموں کی اپنی سے لگ کر اتنے دن گزارے تھے ویرا بھی وہ منصف مزاج تھا اور عدل کرنے والا زیادتی کرنا پسند نہیں کرتا اس کا نظریہ تھا، سر، قصور واری کو ملتی چالیس غیر متعلقین کو جائز حقوق سے محروم رکھتے انصاف نہیں ہے

مگر اتنے دنوں تک ذہنی و سے مسلسل آنا سنا سنا ہونے کی بنا پر اس کے ذہن کا ہر ٹانگا کھل گیا تھا وہ پہرے سوچتا رہتا تھا

اور کئی دنوں تک مسلسل سوچ بچار کے بعد وہ ایک فیصلے پر پہنچا

سرشام وہ احسان صاحب کے ہاں گیا تھا ان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد پوچھ رہی تھی کہ ساتھ چہ ہونے کا موقع ملا تو وہ اس کے قریب چلا آیا ذہنی وہ اس نے بہت نرمی سے اسے مخاطب کیا

ذرتی دکواس خدا کی توقع نہیں تھی وہ کچھ پرتو بے یقینی کے عالم میں اسے دکھائی دے گئی تھی
وہ بے شکل ہوں

کل صبح نو بجے میں تمہیں فون کروں گا ٹھہرنا نہیں

جی وہ حیرت ہو کر شخصک سی گئی تھی

جی وہ دھیسے سے مسکریا ذرتی وہ کا تو دل بند ہونے لگا

کیا نہ کروں فون؟ وہ مسکریا گویا مظلوم کی کسی فارغ وقت روحانی شہزادے کی روح

اس میں حلول

کر گئی تھی

نہیں نہیں کیوں نہیں ذرتی وہ گھبرا کر جدی سے ہوں مبادا وہ دہنا زادہ تھی بدل ڈالیا وکتو

پھر صبح نو بجے وہ ذرتی ہ کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا گیا ذرتی دھیسے سے دیکھتی رہی گویا اس

کے دل پر چل رہا ہوں بھی تو کتنی دیر میں جیتے ہیں

میری رات ذرتی وہ کی کرشمہ بد سے گزر کر ایک وہ فون پر کیا کہے گا جو میں نے نہیں کہہ سکا

کچھ کمر رکھنا طارق احمد فاروق اب یہاں بھی مضبوط دل نہیں ہے میرا صبح ڈھنگ سے ناشتا بھی

نہ کیا گیا

کافی وقت تھا ذرتی نے غسل کر کے کافی ہیز سلک کا سوٹ پہنا اور ہلکا سا میک اپ کیا

گنگنا تے ہوئے اپنے آپ کو گئی پھر رات سینے میں دیکھا ہریا سینے نے گواہی دی ملک ملٹھن یا

فجیے

اس کائنات میں شاید وہ دل ہی نہیں طارق احمد فاروق جو ہم سے کچھ کے وہ سیکم نے

پڑا تو ہوگا ایک محفل کا قول کہ حسن مذاکرین سفارش ہے

اس نے میرے سنوری تھی جیسے وہ اس سے بات ہی نہیں کرے گا بلکہ کسی ناویدہ آنکھ

سے اسے دیکھے گا بھی

فون کی کھنٹی بجی اور جیسے اس کا دل زک گیا

اس نے تیزی سے ریسیور اٹھا لیا

ہیلو تھی بولنے لڑکی کی تو وہ زکاتیپ گئی

ہیلو طارق بول رہا ہوں آپ؟

میں اپنے میں طارق احمد فاروق سے بات کر رہی ہوں ذرتی وہ طارق احمد

آخر وہ ذرتی تھمسرا احسان علی کی صاحبزادہ تھیں اور خوش تقدیر ایسے میں چاہے سے

کیوں نہ شوخ ہوئی

طارق نے جیسے سرعام خود کو بیگم ہوتا محسوس کیا

ہرگز نہیں یہ اس کے خوابوں کی لڑکی تھیں یہ اس کے خوابوں کی لڑکی وہ ہے جس کی چرا

دو دوستوں کے بعد کاچھے لبوں سے اس کا نام لے گی

دوئی کی شادی اور رشتوں کے بے باک، ظہار پر اس کی پیشانی پر ہوندریں بھرتا نہیں

مجھے تو ایک لمحے کے لیے بھی محسوس نہیں ہوا کہ میں اپنی بیوی سے بات کروں گا اور کیا؟ مجھے
دھوکے سے یہ گائیڈاں تخلیق کی گئی

اسی طرح شاید یہ منظم چن بات کے دھوکے سے رشتوں کی لطیف گائیڈاں تخلیق کی گئی
میرے ہاں ابتدا ہی نہیں جدت ہی نہیں

نہ تو کیا ہے وہ ضروری بات جس کے لیے میں نوٹی پر لٹکا یا گیا وہ ناز سے بولتا وہ سنبھل
کریں۔

کچھ ایسے خاص بات بھی نہیں، بس ایک مسئلے کا حل چاہتا ہوں

کیا؟ کون سا مسئلہ؟ اس کا دل دھڑکا

مجھے احساس ہوتا ہے ڈر ہے کہ واقعی آپ کے دل میں میرے لیے حد گنجانے کی ہے شکر
ہے آپ کا احساس تو جواوہ احمدی

یقین کرو میں نے، ابھی تک اپنا کوئی آئیڈیل، میوچر پان نہیں کیا تھا میری جنسی میں نکاح
ہو تو خواہاں ہفتہ سا ہو گیا

جب ہم اس جان نے نکاح کی بات کی اور وہ بھی بتائی تو میں کچھ دیر کے پچھلے ضرور گیا
تھا کہ کیا ہو رہا ہے؟

خاص طور پر اس وقت جب مجھے وہ بتائی گئی۔ خوب غور کرنے پر معلوم ہوا تم نے اپنی
پسند کو پانے کے لیے راستہ بنایا ہے۔ مجھے تمہارے چند بات کی شدت کا صحیح معنوں میں ادراک

ہوا۔

شکر ہے، ہو تو سہی۔ ڈر یہ مسکرائی تھی۔

میں کیونکہ چکر، گیا تھا اور ابھن میں پھنس گیا تھا اس لیے بہت ذہل مایہ ڈر رہا۔ کیا میں
درست سمجھا ہوں ڈر یہ اس کی تو ذرا کوشش کی حد تک آہستہ ہو گئی۔

ڈر یہ کا تھیں تیز ہو گیا۔ آخروہ ہمیشہ کی طرح جیت ہی گئی۔ آخر ہے نار نال کا اس ہی کی
محنت۔

خوب پروہ۔ او تپائی کو بخونے کی شوقین۔

میں نے غم سے کچھ پوچھا ہے ڈر یہ کہاں کھو گئیں

آپ ٹھیک کہتے ہیں طارق اس نے سہیلی سے مشورہ کر لیا۔

طارق نے مشکل اپنے، عصاب پر قابو پایا۔ اچھا۔ یہ کچھ لوگ آگئے ہیں میرے آفس
میں۔ مخریبت کریں گے۔ حد حافظہ۔ اس نے ویسور دکھ دیا تھا۔

بس ڈر یہ ویسور کو لکھ رہی رہ گئی۔ اس کے کان تو نہ جانے کیا کیا سنتا چاہتا تھا اس خوش
گلو سے۔

میں نے تو پہلے ہی حساب سین کر لیا تھا ابھی جان۔ کہ بھائی جان کے غسل صحت کے
دس چندرہ دن بعد ہی کی تاریخ رکھیں گے۔ اب جان خوشیوں کے جہوم میں گھری ہوئی تھیں۔

ڈر یہ نہیں آئی

نہیں۔ آپ نے تو فرمایا تھا مگر وہ خود ہی نہیں آئی۔ (حاکم انہوں نے جی کو خود ہی منع کیا تھا) وہ عابدہ بیگم کی تیسری بیوی تھی اس کے لیے بھی تو جگہ ہائی تھی اتنی بہوؤں کی بھیڑ میں۔

کہنے لگی مجھے شرم آئے گی۔ سب لوگ چیمیزس گئے۔ مگر گرل وہ خوب نہیں۔ یقین تھا عابدہ بیگم کے شاندار سے بیٹے کو وہ اپنی منگی میں لے چکی ہیں۔ گھر کا لڑکا اور سردار چاند میں بھی یہی سوچ رہی تھی مگر لڑکوں کا سردار تھا فوزیہ ثوبیہ گھنٹیں میں بہت خوش ہوں۔ انہوں نے ثوبیہ کو پکارا۔

جب میں نے سنا نام پھوپھو مارے خوشی کے لر حال ہو گیا۔ دو دو شاہیاں، دو دو بھیاں۔ اللہ کتنا حرا آئے گا۔

جتنی رہو بیٹی۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ اس جان اس کی چچی خوشی سے متاثر ہو گئی۔ فوزیہ آپا خوب ناچیں گے، گائیں گے۔ میں نے بہت سارے ڈانس تیار کرائے ہیں۔ درچھو چھو میں بہت اسٹائش کی ہوندی سجاؤں گی۔ پھوپھو آپ ہمیں یہ بھوسے سے ملوا تو دیجیے نا۔ ہمارا حق سے تعارف تو کرنا چاہیے۔

عابدہ بیگم، ثوبیہ کے خلوص سے بہت متاثر ہو گئی۔

ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مایوں سے پہلے ہی میں تمہیں یہ بھوسے سے موزوں کی تم بالکل فکر نہ کرو۔ انہوں نے ثوبیہ کو گلے سے لگا کر تسلی دی۔

عثمان کی دلہن کا کیا نام ہے عابدہ رمضان کی دلہن کا نام بھی ذہن سے نکل گیا۔ تم نے بتایا تو تھا۔

نام تو اس کا نغمہ بیکھر میں پیار سے نفی کہتے ہیں۔ رمضان کی دلہن کا نام ربیعہ ہے۔ بہت عرا پر بیٹی نعم ہیں۔ نور جہاں نے اظہار پسندیدگی کیا۔ واقعی می فوزیہ اور ثوبیہ کو بھی پسند آئے۔ اب تو اور بھی ان سے ملے کوئی چاہ رہا ہے۔ ثوبیہ بہت چناب ہوئی۔

عابدہ بیگم مسرت سے مسکرائیں۔

تیسرا حصہ

صفحہ 201 سے صفحہ 300 تک

طارق کہہ رہا ہے اس نے کب تک کہا ہے آئے گا۔ اس جان نے پوچھا۔ بہت اچھا ہے۔ ایک دم فٹا سنک۔ عثمان کی بارات والے دن ہی آسکے گا بہت مشکل سے پھنسی دے رہے ہیں۔ بتا رہا تھا۔ کام زیادہ ہے۔ طارق کے ذکر پر نور جہاں کا بھروسہ خاص ہو گیا۔ یوں جیسے وہ کسی علیک کا تذکرہ کر رہی ہوں۔

بہت پور کر رہے ہیں طارق بھی نئی شروع سے ہوتے آئے ساتھ تو ور مزہ آتا بہت، نچوئے کرتے۔ کیوں؟ بی فوزیہ نے ثوبی کی ہم خیال ضروری تھی۔

بالکل ٹھیک۔ ٹوپیہ صلاتاً باندھ کر کرتی۔

علی جان صاحب کے ہمراہ وہ پروجیکشن ہال میں داخل ہوا تو سب دھڑکی متوجہ ہو گئے۔
کئی لوگوں سے تو وہ تعارف ہو ہی چکا تھا۔

ستارہ یا مین صاحب کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ستنے مذاکروں میں وہ تباہ موٹ تھی۔
آئیے جناب نگہ ہاتھوں آپ کا قلم کی بیرو مین سے بھی تعارف کر دیں۔ علی جان صاحب
اسے لے کر ستارہ کی طرف بڑھے۔

آپ ہیں اس قلم کی بیرو مین ستارہ جن کا فلمی نام ستارہ لکھا گیا ہے۔ آپ کی طرح ان کی
بھی یہ پہلی فلم ہے۔

اور آپ جناب طارق احمد فاروقی "ریٹیلٹ انجیئر"۔ پہلی مرتبہ کسی فلم کے لیے گیت
گار ہے ہیں گویا یہ اتفاق آپ دونوں میں کام ہے۔

یا مین صاحب چشمہ درست کر کے مسکرائے طارق نے سفید ساڑھی میں بیویں اس
پر شکوہ ہی لڑکی پر محض سرسری نظر ڈالی تھی۔

گلڈ ٹومیٹ یا سسر طارق۔ ستارہ نے مسکرا کر ہاتھ بڑھا دیا۔

طارق نے جو ہڈی دست میں اس سے فارغ ہو چکا تھا چونک پڑا، انہی کی حسین موم سے
وہ ہاتھ اس کے سامنے پھیرا تھا۔

صورت حال غیر متوقع تھی مگر وہ بہت گہر تھا۔ مسکرا کر رخونے کے اندر میں اس سے

ہاتھ ملائی لیا کہ ہر حوال کے مخصوص تھا سٹے ہوتے ہیں۔

اس کے ہاتھ گو اس کے مزاج کا تعارف تھے۔

اتنا سرور بھی۔ اس قدر پر ڈنڈا اس کے سامنے۔ وہ خاصی حیرت ہوئی تھی۔

ہماری قلم کا آغاز آج ان ہی کے گیت سے ہو رہا ہے۔ قسمت کے دشمن ہیں۔ حسرت
لکھنوی صاحب نے برسوں بعد موڈ بنا کر گیت لکھا ہے۔ ابھی آپ ان کی "تو از خود" نہیں
گی۔ ویسے یہ صرف کتنے کی نہیں، دیکھنے کی بھی چیز ہیں۔

علی جان صاحب نے خوش ہو کر بتایا۔ بلکہ شوخی سے اسے پچھیز۔

ستارہ نے بغیر غائر اسے دیکھا۔

آف وہنٹ سلیمین وٹن شرٹ اور میرن لائون کی آف وہنٹ میں۔ بے حد خود اعتماد
اور خاندانی سانچوں واقعی دیکھنے کی چیز لگ رہا تھا۔

پروجیکشن ہال کی تیر۔ یکمیں سن تھیں جس میں اس کی بے حد چمک وراقانیت کی
قرعہ خان سیاہ بھوڑا سی۔ کچھیں بیرو سے کی طرح آف رہی تھیں۔

وہ مسکرا دی۔ میں نے پہلی مرتبہ کسی مرد کو دوسرے مرد کی اس طرح تعریف کرتے دیکھا
ہے۔ وہ بھی رو رہا۔

سب اس ویسے۔

بس مس حنا مت پچھیے۔ ہم تو بیسی کی حد تک ان کے پنگل میں پھنس گئے ہیں۔

بمیر خجندی کے گویا ہوئے۔

حقیقت یہ ہے بہت غضب کی شے ہیں۔ انسان کو بنانا لیتے ہیں۔ پتا تک نہیں چلا۔
بھی تو، ہجے اور ٹکٹے

ہوئے گھرانے کے بچوں کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اٹھ سڑی میں، اس طرح کے کوئی عائد
لوگ زیادہ ہو جائیں تو نقشہ ہی پلٹ جائے۔

طریق اس قدر تعریفیں نہ کر بہت شرمندہ ہو رہا تھا۔

اب وہ سب بیٹھ چکے تھے وہ ستارہ کے پہلو میں تھا۔

اس نے حشر برپا کر دینے کے انداز میں پہلو ہلکا کر اس کی سمت متوجہ ہوئی۔

آپ کی رہائش کہاں ہے

یہ لکھنا نہ سے آوی ہیں۔ بہت سے دوسرے میں رہتے ہیں۔ یا بین صاحب نے جس کر
اضافہ کیا۔ جس پر ایک آگے پڑا۔

طریق مسکرا دیا۔ بہت ظریف اور عطا کے ساتھ۔

فی الحال میری رہائش وحدت کا بولی میں ہے۔ اس نے اس حینہ طرہ دار کو دیکھتے
ہوئے بہت پُر سکون انداز میں جواب دیا تھا۔

کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی۔ وہ ایک سزا مندے سے اس کے مسائل پر بات چیت کرنے
میں مگن ہو گیا تھا۔ قویٰ دیر بعد تقریب کا آغاز ہوا۔

اوانکارہ اور فی در پائنت مس حنا کے ہاتھوں قیتہ کنار۔ جدایت کا رنے کلیپ ویا۔ مصنوعی
گاہوں کے کچھ، ماش منظر فمبند کرنے کے دوران ہی ہار پہنائے گئے۔ منہالی تقسیم ہوئی۔
طریق اس دورت ملی چلاں صاحب کے پاس بیٹھا۔ پھر مل کر تار ہا۔

جب اس کے کانوں دوسرے پر ہیڈ فون کا وزن پڑا اور منہ کے سامنے، ٹیگ آیا تو ایک ٹکٹے
گئے یہ واقعی گھبرا گیا تھا۔

سازندوں نے سبز چھینر۔ وہ ملی جان صاحب کے ہاتھوں کی گردش دیکھنے لگا۔ اس کی
آواز ابھری۔ آواز کی سویاں چل پڑیں، اور وقت کی رفتار جیسے ٹھہرنے لگی۔

ریکاؤڈنگ مکمل ہوئی۔ علی جان صاحب نے سے بیس فٹے نگے لگا کر مبارکباد دی۔

پھر اسے اس کا ریکارڈ شدہ فقرہ سنایا گیا۔ اسے بے حد حلف اور خوشی کا احساس ہوا اس
کا جی چاہا کہ بار بار سنے خوب صورت موسیقی کے سچ بھرتی ہوئی، اپنی آواز سے واقعی بہت جیسی
لگی تھی۔ اپنی اس بچکانہ سی خواہش پر قابو پاتے ہوئے وہ ستارہ کی طرف متوجہ ہو جو، سے
مبارکباد دیتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

کتنی خوبصورت آواز ہے آپ کی۔

اسی وقت کسی میگزین کے رپورٹر اور فوٹو گرافر نے ان دونوں کے اس حسین وقت کو، اپنے
میگزین کے لیے محفوظ کیا۔ لیسٹس کا جھماکا ہو تو طریق نے بوکھلا کر علی جان صاحب کو جالیہ۔
دیکھتے یہ سخت وعدہ خلافی ہے اس نے فوٹو گرافی کی سمت اشارہ کیا۔

ستارہ کو لگو کر پار ہوتے تھیں۔ بمشکل مسکراہٹ روکی۔

اللہ اس قدر ٹیک سکر۔

وہ شہریت سے کہہ اٹھی۔

طارق جھپ گیا

ایک کوئی بات ہے۔ بس کچھ میرے پرسنل پر مل رہی ہیں اس وجہ سے۔

اُسے فکر نہ کرو یا، ابھی تمہارے سامنے ضائع کرو دیتا ہوں۔ دوست ہیں اپنے نجی

صاحب۔

نجی صاحب ایک منٹ، ذرا بات شیے۔ وہ فوٹو گرافی کی طرف بڑھ گئے۔

فوٹو گرافی تو اس نے ہر فلور پر ہی خاصی کیپ رکھی تھی۔

انہیں ہائین صاحب بدایت کر چکے تھے۔ نجی صاحب شاید بعد میں آئے تھے۔ ایک

بدینکار کی حشمت سے وہ وہاں خاصے پرانے تھے۔

بہت سے وابستہ اور بہت سے فریڈ فریڈ سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس لیے کبھی

دیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بڑا بچہ تھے کہ اس نو دوریافت کی جہی خبر و تصویر لگائیں۔ ستارہ کی تو سن

سب نے جی ر کر تھا ویرا تاری تھیں۔ اسی وجہ سے بہل گئے تھے۔ ورنہ اس پر درمی میں بڑے

بڑے آخر مند بھرے پڑے ہیں۔ اس انداز میں کام کر جاتے ہیں کہ پتا نہیں چلتا۔ بہر حال

صورت حال طارق کی حسب مشابہتی تو وہ وہیں چلا آیا۔

ایک بار پکار چکی تھی۔ پادری شلوار سوٹ میں تھیں طارق بہت سے کزنز کے جنوں میں داخل ہوا تھا۔

چھوٹے بھائی فوراً سماجی کے چہرے پر پہنچ جائیں۔ ان کی اہل عرف و انیس پر لپکے کے لیے تیار ہیں۔ پلیز پریڈ کا حکم فرمائیں۔ طارق نے طمان کیا۔

ٹیگوتی کا پلیز۔ ایک شریک محفل کزن بھائی۔

خود بھی کسی ڈوم سے کم تو نہیں ہیں۔ ایک اور کزن چڑ کر بولی۔

مہندی کی شب حتی۔ رونقیں اپنے عروں پر تھیں۔ جگر جگر جگ جگاتا گھر جھمکاتے دیو سات، خوشبوئیں اور تھپتھپ۔

طارق کو اپنے پر سکون اور خاموشی سے گھر کی یہ بی صورت بہت دلچسپ اور خوش کن لگی تھی۔ پھر اس کے بھائیوں نے کتنے پیار سے اس کا سواگت کیا تھا۔ اس نے بیا کر کیا تھا۔

تم م موٹ و مذکر کزن نے اس کا وہاں خیر مقدم کیا تھا۔

بھلا بھائی جان اور ذریعہ کے ساتھ ہی آج آتا تو کیا تھا۔ وہ لوگ بھی شام ہی کو تو آئے ہیں۔ انہوں نے طارق کا شانہ تمام کر کہا۔ وہ اسے شریروں کی فوج ظفر موج کے سر سے ذریعہ کے تذکرے پر بولکھلا سا گیا۔

یہ ہے دنیا کو یہ خوف بنانے کا صحیح طریقہ۔ حمیرا نے خاصا انداز سے سمجھایا۔

دراصل شرم آتی ہے۔ طارق نے وضاحت کی۔

انہیں آتی ہوگی۔۔۔ مائیں تو چھو کر گزر جاتی ہے رشاکوں نے بھی جھک لیا۔

تھہرے پاس آنے کی جلدی ہوتی ہے ناں۔۔۔ عارقی یہ کہہ کر آگے بڑھا۔۔۔ تھہر کے طوفان میں سامنے ہی فوڑیا رہی تھی بڑی ج جوج کے ساتھ۔

باؤسا سڑیٹ۔۔۔ یہ یو یو کم

مغلوں کی راجوں کو ذستاد۔۔۔ ناہران جیسے بنالیا ہے تو تھوڑی دوائیں بھی من جیسی۔ وہ شریر ہوا

سرخ پوشوں، چوڑی دھڑا پٹنگا سے اور بہت بھاری سے ہزرنگ کے دوپٹے میں وہ پیاری لگ رہی تھی۔

آپ پاپا کے ساتھ ہی آ جاتے ناں۔۔۔ ریت پل تو کہہ رہی تھیں آپ مج کوئی نہیں کے وہ پازیب چھنکاتی نزدیکی آئیں ہر دو گرام تو یہی تھا۔ آج صبح تک۔۔۔ ماسوں جان وغیرہ کی سیٹ کفرم ہو چکی تھی۔ میری سیٹ کل صبح کی تھی ٹائٹ کوچ میں جکٹ لگی۔ چلا آیا۔

وغیرہ تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ آپ کو فر کیا تھا کہ جلدی میں بھی، نظام ہو سکتا ہے۔ ٹوپی پیچھے سے نکل کر سامنے آدھنک۔

کا ہی سیر بھاری کرتے شور میں آج اس کی ج جوج فرائی تھی۔

میرا اتنی پروگرام صبح ہی کا تھا۔ وہ پچھی سے مسکر پ۔

دو گھنٹے کا سفر کس قدر خوبصورت ہو جاتا۔ یہ نہ سوچا آپ نے۔ فوڑیہ نے پھینچا۔

ان کی تو پوری زندگی کا سفر خوبصورت ہو چکا ہے۔۔۔ یہی ممکن ہیں۔ ٹوپی نے اضافہ کیا۔

دوسروں کو غیر مطمئن کر کے بعض لوگ تک پاشی بھی اٹھانے میں غصہ کی کرتے ہیں۔ (کس قدر اندھے بہرے و سناوت ہیں ہم لوگ ظاہر پر مطمئن رہتے ہیں۔)

وہ بمشکل ان سے بچا کر کمرے میں آیا تو فی صورت حال ورغش تھی۔ در یہ سفید جانی گے کرتے وہ سیر شور، رسوٹ میں بیوس جلدی جلدی پاؤں میں برش کر رہی تھی۔

سے دیکھ کر حیرت و سرت سے ٹھٹھک سی گئی۔

آپ آگئے۔۔۔

ہاں۔۔۔۔۔ وہ نے پاؤں باہری سمت لپکا۔ مبادا کوئی اوجھڑا نکلا تو خوب ریکارڈ لگے گا۔ آپ نے صبح آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اٹھ بی گئی۔

کہا تھا۔۔۔۔۔ پتھر پر تو نہیں لکھا تھا۔ وہ دی دی برہمی ظاہر کر کے فوراً ہر نکل۔ یا تھا۔ ذریعہ حیرت کے گفت سے برش تھا۔ ایک تک جتنے پروے کو دیکھ رہی تھی۔

آہستہ آہستہ قدموں سے وہ ہار آئی تو تمام پتار پاپاں مکمل تھیں۔ دلہن کے ہاں مہندی بچائی جا رہی تھی۔

مہندی کا نقشہ تیار ہے۔ کوچ کا حکم دیا جاتا ہے۔ فاروقی نے شور مچایا۔

پھوپھو سب ہی جا رہی ہیں آپ اکیلی رہ جائیں گی۔ میں آپ کے پاس ٹھہر جاتی ہوں۔ دوسرے عابدہ بیگم سے آہستگی سے کہہ رہی تھی۔

رے ایشیا اپنی بھینجی اور بہو پر ٹوٹ کر پیار آگیا۔

بہنی مہندی تو لڑکیوں ہی کی تقریب ہوتی ہے۔ تم بھلا کیوں نہ جاؤ۔۔۔ اور رسی میرے اکیلے رہنے کی بات۔۔۔ تو جب سب چھو جائیں گے تو کام ہی کیا رہ جائے گا۔

پھر بھی صبح کی تیاری تو کرنا ہوگی۔ ناشتے وغیرہ کا انتظام۔۔۔ وہ ہنسنے لگی۔

عابدہ بیگم نے حیرت و خوشی سے دیر کو دیکھا۔ اتنی بڑی تبدیلی۔

وہ تو ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جہاں اس قسم کے تمام انتظامات نوکروں کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں۔ (یہ تو بڑی ذمہ داری ہے)

میں کہہ رہی ہوں ہاں، کوئی فکر کی بات نہیں۔ نوکرانی ہے میرے پاس۔ تم بنامزہ کیوں کھونا کرو۔ دیکھو تو سب کتنی خوش ہیں۔ اور پھر ان سب لڑکیوں میں تم ہی، ہم ہو۔ غرض بھی تم سے مل کر خوش ہوگی اور پھر بری دکھاتے اور حوالے کرنے کی ذمہ داری بھی تم پر ہے۔ جاؤ یہی سب ٹھیک ہے۔

عاطق نزدیک ہی واش بیسن پر تھکا مڑا ہوا ہوا تھا۔ مگر اس نے سب باتیں سن لی تھیں۔ اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

اب کیا عاطق کہے گا تب ہی انہی کی انہوں نے گویا مذاق کیا۔ دیر یہ نظریں تھکا کر رہ

گئی۔ طارق تو یہاں شیڈ سے کھینچ کر ان کے نزدیک چلا آیا۔

اس گھر میں سب تک بڑے بڑے اور مشکل کام ہوتے ہیں۔ اور سب آپ کے بغیر ہوتے ہیں۔ اس نے دیر کی صمت دیکھے بغیر کہہ دیا آگے بڑھ گیا۔

اب جان کو بیٹے کا یہ ڈھوک سا انداز چھان نہیں لگا۔

کام تو ہو ہی جاتے ہیں۔ بچی تو محبت سے کہہ رہی تھی۔ اس آخر کچھ تو کہنا تھا۔

مہندی عثمان کی سسرال بچی۔ بہت شاندار، مستقبل ہوا۔ مہندی لے جانے والوں نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ ایک سے ایک شوخ و شریہ ایک سے بڑھ کر ایک حاضر جواب۔

گانوں کا مقابلہ شروع ہو تو وہ شور مچا کہ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ جب بھی دلہن والے گانا شروع کرتے طارق طوطی کی آواز نکالنا شروع کر دیتا۔

اب تک طوطا چشم تو سننے تھے پورے کے پورے دن دن طوطے آج دیکھے ہیں۔ ایک دلہن والی چڑھ کر ہوئی۔

ہوشیار باش عثمان صاحب بھی ٹہنی کے بھائی ہیں۔ طارق نے یاد دہرایا۔

جائیے۔ دلہن کی کی کو کہہ کر آئیے کن طوطوں کو بیٹی دے رہی ہیں۔ سمیرا نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ایک دلہن والی سے کہا۔

دوہوا والوں نے گانا شروع کیا تو کسی نے ڈیک پر شیر کے دھاڑنے کی آواز لگا دی۔ لڑکی اور اس نے شور مچایا ہم شیر لڑنا۔

آپ نے ٹیپو سلطان کا قول سنا ہے اگر چہ یہ احمد ہو چائیں تو شیر کی کھال بوجھ سکتی ہیں۔ پر ہم تو طوطے ہیں۔ سائرس میں چڑیا سے بھی بڑے اور ہمارا اتحاد بھی مشکوک نہیں۔ عاروق کے جسے پر ہلکی اور چھوٹا کیا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

بادقی در یہ بھی، پتلی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ کافی دیر سے پُپ کھڑی تھی۔

یہ کون ہیں۔ موصوف کی تعریف ایک دلہن دان نے عاروق کو تعجب سے دیکھا۔

یہ بھی دونہا کے بھائی ہیں تعریف تو ن کی یہ ہے کہ یہ ہم سب میں خوبصورت ہیں مگر افسوس کوئی جد یا راتھیں لے آؤ۔ مجھے آپ سے سخت بھردری ہے۔ عاروق نے درو مندانہ انداز میں کہا تو لڑکی تنگ کر رہی گئی۔ کہیں کہتے بہت بلند تھے۔

حد ہے خوش فہمی کی۔ وہ جل کر ہوئی۔

ایک سے ایک خوش فہم ہے ہمارے ہاں۔ آپ کے ہونے والے پہنچی عثمان صاحب احمد عاروق صاحب فرماتے ہیں میں مستقبل میں خمدہ یورپ کا شہنشاہ بنے گا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ ریڈیلڈی سوٹیر لینڈی میں ہوگی۔ وہ بھی جمیل لاکاؤن کے کنارے۔ چنوبو میں۔ عاروق کی بات پر سب کے ہنس ہنس کر پیٹ میں مل پڑ گئے۔

پھر تو مسئلہ افغانستان مسئلہ افغانستان بن جائے گا۔ کسی نے مان لگائی۔

اپنے بھائی سے کہہ دیجیے گا۔ ہمارے نیچے گرنے کے بعد اور کچھ کھلنے کے بعد تکلیف محسوس ہو تو ہمیں ہونے لگیے گا بہت اچھا چکر ہے ہمارے پاس۔ چوتھی بھی چھٹی کر دیتا ہے اور

نہ سے عواموں کے بھی بچتا ہے۔

ہلکی کے طوفان میں وصول پر تعجب پڑنا شروع ہوئی۔

نور یہ اور تو یہ بڑی سنجیدگی سے گانے میں مصروف تھیں۔

عاروق بھیڑ میں جگہ بنا کر ٹویہ کی سمت آیا اور یہ دور یا کہ وہ گیت چھیڑے جس کی تیاری اس نے چھپتے وقت کی تھی۔ وہ اسے کہہ کر پلٹا تو در یہ اسے جانے کس انداز میں دیکھ رہی تھی۔

میرا۔۔۔ اس نے در یہ سے نظریں نہ اٹھاتے ہوئے خیر اکوٹ واڑ دی۔

جی پھولے بھائی۔

انھویہ روہماں تو نکلو ڈگازری سے جو دلہن واہوں کو دیتا ہے۔ اس نے در یہ کی غیر قوم داری کو بہت خوب چنکایا۔

ممائی جان تو کہہ رہی تھیں کہ در یہ بھی۔

اس محفل رنگ و بو میں جانے کہاں سے بہت سارے دھواں طرکی کی آنکھوں میں جھریا۔ در یہ بھی کون کون سی ہیں۔ دلہن کی بہن کے کان کھڑے ہوئے۔ وہ غائبانہ متعارف تھی۔

دلہن کی بہن کے چہ نکلتے اور حیرت ہونے پر خاموشی ہی چھا گئی۔

در یہ بھی ایک لمحے کو ہنسی گئی۔

ٹویہ نے در یہ کی طرف اشارہ کیا۔

اودہ۔ وہ تو ہمیں خود ہی سمجھ لیتا ہے۔ یہ تھا بلکہ رقی بھائی کے آس پاس بغور دیکھنا چاہیے تھا۔
 رقی کی خوشامد ہی آگئی۔

دریہ میری سے یا ہر نکل گی سارا نکلوانے کے لیے۔

اس کے دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار سارے تعاشق تھے۔ سارے جہان میں جیسے اعلان ہو رہا تھا۔ وہ اس کا ہے۔ اس کے برزخ میں اس کا بھی حوالہ تھا۔ استحقاق، پناہیت، دوری کے خوف سے دور رفاقت۔ کتنا مشکل سرحد

تھا۔ جو اس نے طے کیا تھا۔

ہر چند کہ وہ ذہنی طور پر بہت ابلجہ کی تھی۔ فون پر اس کی اپناہیت بھری۔ ڈنڈا اور اب بھر گیا ہے یہ شخص تم مجھے، جتنے، جیسے لگے۔ اور تم ہی نے مجھے نظر انداز کیا۔ میں جس چیز کو پسند کروں تو اس کا مطلب ہے وہ شے خوش نصیب ہے۔ اور تم۔ تم۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو۔ دریہ حسان کے لیے تو بڑے بڑے جوئے شیر نکالتے کو تیار تھے۔

تمہیں، ایک دن تسلیم کرنا پڑے گا کہ میں نے تمہیں چاہ کر تم پر احسان کیا ہے۔

میں تو جنت میں رہا کرتی ہوں۔ کوئی چیز میری دسترس سے باہر نہیں۔ میں نے تمہیں چاہ کر اپنے آپ پر جبر کیا ہے خود کو گرہ۔ ایک ایک لمحے کا تاوان وصول کروں گی۔ رقی احمد فاروقی تم نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ میں دریہ ہوں۔ ڈیمنٹ انٹر پرائز کی مالک۔ لوری لیجر لمز کی

حصہ دار۔

میرے سامنے آ کر تو لوگ نظریں اٹھانا بھول جاتے ہیں۔ تم کس قدر خوش نصیب ہو۔ تمہیں ہم نے چاہا ہے۔ وہ اپنی بہادری کا کورم کرتے ہوئے سارا نکلوانے لگی۔
 دلہن، دانوں کا ملاز سہارا اندر رکھ رکھ کر آ رہا تھا۔

بھروہ خود اس جگہ چلی آئی جہاں سارا پونچھا تھا۔ اپنے پر سے چایاں نکال کر اس نے سوٹ کیس کھولا۔ وہ ٹھنکی ہوئی کپڑے وغیرہ باہر نکال رہی تھی۔ میر بھی اس کی مدد کو آئی تھی اور سارا سچا رہی تھی۔

دریہ نے زیورات نکال کر بدھ سنگم کی جدیت کے مطابق دلہن کی امی کو کھول کر دکھائے اور ان کے دیکھنے کے بعد سچے ہوئے جواہروں کے درمیان رکھ دیے۔

یہ کون ہے ایک سرگوشی آنکری۔ یہ وہاں کی بھابھی ہے۔ جونی سرگوشی بھری۔

ہائیں۔ ہم نے تو سنا تھا دوہا سب سے بڑا ہے۔ کوئی متجب ہوئی۔

اس کے چھوٹے بھائی کی بیوی ہے۔ ایک نے سمجھا یا۔

چھوٹے کی پیسہ کر دی۔ جی بھر کر حیرانی کا ظہار ہوا۔

لاح ہوا ہے ابھی۔

میں کیا وقت آئی تھی۔ کیا باہر جا رہا تھا

کیا پتا۔

یہ تو اب بھی اس سے پتہ چلے گا۔ اب کچھ میں وہی وہی نفس کا تاثر بھی تھا۔

دور نے یہ سرگوشیاں سنیں تو اسے سخت اُچھٹن کا احساس ہوا۔

لوگ فارغ کس قدر ہیں۔ مجھے تو کبھی خیال نہیں آتا کہ کون کیا کر رہا ہے کون ہے کہاں

سے آیا ہے اسے خود کو موضوع بنایا جانا وہ بھی تھیدی انداز میں بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

بہت دماغ والی لگتی ہے۔

نہ ہے ال وار بہت ہے۔ عثمان کی سگی ماموں زاد ہے۔

مسئلہ پھر چل پڑا۔

اس نے بہت فز سے موڈ میں دلہن کی کی کو چا بیال تھانیں ور ہا بر گازی میں جا کر بیٹھ گئی

اور ملازم سے کہا جاؤ فاروق کو یاد کر لہذا اندر سے۔

تھوڑی دیر میں فاروق باہر آیا۔

جی۔ آ یا۔۔۔ ابھی۔۔۔ وہ گزرتا گیا تھا۔ اسے یوں منہ بھرنے گاڑی میں سینہ دیکھ

کر۔

ابھی یہ لوگ بھی ہمارے ہاں آئیں گے۔ جدی چلو۔ میں اگر دست کو سونہ سکی تو میری

طبع سے خراب ہو جائے گی۔ ہر آپ مالیز۔

چھاٹن ابھی آتا ہوں۔ وہ اندر بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد طارق آتا نظر آیا۔ اس کا دل بھڑک گیا۔

اس نے تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا۔ پھر تیزی سے گاڑی بند کی اور فون سے سیدھی سڑک پر ڈال دی وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئی۔ یہ کیا حرکت ہے بھلا وہ کبھی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ ابھی گاڑی فیسم ٹکس بھر جائے گی۔

وہ دوسرے لوگ۔۔۔ وہ بمشکل ہوئی۔

لڑکیاں ابھی گانے وغیرہ گارہی ہیں۔ ان کا بھی وہی کا کوئی پراگم نہیں۔ بلکہ کسی کا

بھی نہیں۔ ٹوٹ کر لیجیے ہمارے ہاں کسی فرد واحد کی وجہ سے اکثریت کے ساتھ زیادتی نہیں کی

جاتی۔

دور یہ سس ہو گئی۔

یہ آپ کا موڈ کیوں خراب رہتا ہے ہر وقت۔۔۔ وہ دور میں جیسے آپ نے فون۔

میرا سوڈ ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے۔

لیکن آپ تو۔

وہ تو کبھی کبھار ذہن بد کرنے کے لیے فیس بول لیتا ہوں۔ جب تک تو کہتے ہیں انسان

کے خط ہر پنہیں جانا چاہیے۔ وہ تلخ کچھ میں گویا ہوا۔

وہ آپ نے یہ فون پر۔۔۔ دور نے اسے کچھ پاد لہ کر، حوصلہ دلانا چاہا۔ کچھ حلقہ کا

بھی نہ زلکا نا چاہا۔

طارق نے آپ پر ہلکا

اس کی خاموشی میں قلمی پن تھا۔ وہ یہ کہ بد ضبط سخت خاموش رہتا ہوا۔

وہ سے گیت پر چھوڑ کر ہی وہاں ہو گیا تھا۔ اس کی ناستخت زخمی کمر کے

اندراج کر اسے جواب دینا مشکل ہو گیا تھا۔ بمشکل کہا کہ سرور کی وجہ سے آگئی ہے۔ اور طارق چھوڑ گئے ہیں۔

ایسے پچو پچو بھر بھر ہاتھوں میں مہندی لگا رہی تھیں۔ ایک لکھنے کو رک کر بھاؤج کر طرف دیکھا۔ عایدہ سنگم چوری ہو گئیں۔۔۔ اور پیچیدگی سے بولیں۔

شا کر پناہ بد ہلکہ فاروق کیا کھوٹے سے بندھ گئے تھے، وہ نہیں آ سکتے تھے یعنی ان میں سے کوئی

کیوں طارق کے ساتھ آنے میں کیا نہ ہئی ہے عایدہ۔۔۔ نور جہاں متعجب ہوئیں۔
سہرا خاندان جمع ہے بھائی جان ہر مزاج کے لوگ۔۔۔ ابھی لکاج ہی ہوا ہے۔ وہ کیوں ڈرتیں۔ صاف بتا دیا۔

ہونہ۔۔۔ انکس خاندان ہی نے تو روک کر رکھ ہوا ہے جیسی تو اس نے نخواست سے مرچھٹکا۔
وائی فٹ۔۔۔ یہ کلید ہے کیڑوں جیسے لوگ۔ کیونکہ کے مینڈنگ۔ ان کی پرداہ کی جانے۔
ان فٹو کے ٹکڑوں کو فریقہ کے کسی صحر میں نہ چٹکوا دیا جائے۔ کوئی جھجھ پر اعتراض تو کر کے دیکھے۔ جیسے مزاج ٹھکانے لگاؤں کی کہ وہ راستہ ہی چھوڑ دیا کریں گے جس پر میں چوں گی۔۔۔ ہونہ۔۔۔

کچھ طارق کی طرف سے ہال تھا اور کچھ طبیعت پر سخت جبر کا رد عمل۔ شریاٹوں میں لبو اُٹھنے لگا تھا۔

پتا نہیں کسی طبیعت ہو رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا اپنے بال لوج کر چیلنج کر روئے۔
تبی واسطہ۔

وہ اس جگہ چلی آئی جہاں اسے سونا تھا۔ بمشکل لباس تبدیل کیا۔ اور بیڈ پر گر پڑی۔ بھر بیٹھا شا روئی۔ تی نازک مزاج جو کبھی کسی مشکل سے نہیں گزرتی تھی۔
اس کے لیے اتنی کوشش بھی بہت تھی۔

ہونہ بہت براہ بڑھ کر کہہ رہی تھیں فون پر در یہ کولے، کو۔ وہ، کٹھ کیا کرے گی۔ جب ایک پرواقعی خاندان کی تو، صرار کر کے کھوایا کیوں تھا؟ رائے کرتی ہیں اس عمر میں۔
اور طارق۔۔۔ پوچھوں گی تمہیں اچھی طرح۔۔۔ دیکھ لینا۔

خود سے لڑتی بھڑتی جانے کب سوگی تھی۔ شاید رات تین بجے کا عمل تھا جب اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ شاید نرکی والے ابھی سو جوتھے، اور۔۔۔ طارق بہت خوبصورت س گیت سنا رہا تھا۔

دل میرا تمہاری ادوائیں لکھیں دل جھین لینے وہی لگا ہیں لے گئیں
در یہ بابتھیا رکھڑکی میں آئی۔ وہ دوسری منزل کے آخری، اور تھے تعمیر شدہ کمرے میں تھی۔ وسیع و عریض برتہ دے میں رنگ و نور کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ محفل اپنے عروج پر تھی۔

ماتنے رسم کی فرض سے انجان بنایا ہوا تھا جس پر طارق کفر ہو گیا تھا گاربا تھا کہ انفراد اس کے
اور گرد گریسوں اور صوفی پر ہر ایمان تھے۔ باقی پر ایمان مدہ کچھ کچھ بھرا ہوا تھا۔

موقع کی محاسبت سے گیت شروع تھا۔ کچھ لڑکے ساز بہار ہے تھے۔

نفس بہار ہے دن ہیں فروز کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے حضور کے

بہاریں جی بھر کے بانگ لے گئیں۔۔۔ دل میرا۔۔۔

اس نے گانا ختم کیا تو ٹوٹیہ بھل گئی۔

طارق بھائی فلاں گیت سنائیں۔ اب وہ دوسرے کپڑے بدلے ہوئے تھے، مکمل سرخ

سوٹ اور کاہنی کا دوپٹہ۔ تنے کے کام کی پہل۔

اب طارق اور ٹوٹیہ میں بحث چل پڑی تھی۔ وہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ طارق

منکر نے جادہا تھا۔ بڑھی ڈھنڈی سے۔ میرے سامے تو اکثر موٹی روئے وہ بتا رہا ہے۔

وہ سنگ گئی۔

ٹوٹیہ جانے کیا ہوا وہ کفر کی ہی سے نکال رہی تھی۔

سب نے چونک کر اوپر گردنیں اٹھا کر دیکھا۔

(میری غیر موجودگی میں کس قدر خوش ہے اتنا بھی یاد نہیں کہ میں گھر میں موجود ہوتے

ہوئے بھی محفل میں نہیں ہوں)

اوپر آئے

کیوں کہ اس وقت سب حاضرین محفل ٹوٹیہ و طارق کی سمت متوجہ تھے بڑا اہم
جدھر ٹوٹیہ بڑھی اور وہی سب کی نظریں۔ طارق نے وہ کمرے کی کڑکی سے جھانکی دیر کی
سمت دیکھا۔ اس کی روح میں کڑواہٹ کھس گئی۔

یقیناً محترمہ کو بھڑک گئے ڈانے کا خیال آ گیا ہے۔

چلے حاضرین میں اپنی خوشی سے بغیر ضرور کے آپ کو یہ فراموشی گیت سنائے دینا

ہوں۔

ٹوٹیہ جو ابھی تھوڑی سی دور کی تھی بھاگتی ہوئی واپس آئی اور عثمان سے مخاطب ہوئی۔

بھائی میرا نہیں روکیے میں کہہ رہی تھی تو کہہ رہے تھے یاد نہیں ہے۔ گول گپے والا سن

لو یا ناگہ آہو روٹاں ہو اور اب کیسے یاد آیا۔ روکیے میں ابھی آتی ہوں۔ شروع نہیں کرنا۔

ٹوٹیہ۔۔۔ دور یہ چھوٹی۔

آ رہی ہوں۔۔۔

اُن کو چلی جانا کہ قاروق شریعہ ہو۔

ہم آپ کی طرح ہواؤں میں نہیں اُڑتے۔ وہ پٹارے سے بوی۔

بھر پانی میں اُڑتی ہوں گی۔ ایک کو حک سینئر کھول لیجیے۔ فنی بات ہے خوب چلے گی۔

نہ کر مٹ بھاڑ کر بھا۔

لہجے بھرے۔۔۔ یہ کی جان سنگ گئی۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے سب اس پر غصہ رہے

لہجے بھرے۔۔۔ یہ کی جان سنگ گئی۔ اسے ایسے محسوس ہوا جیسے سب اس پر غصہ رہے

— 34 —

جگر آپی۔ ٹوبہ چمڑہ ہونے پر جھدائی ہوئی تھی۔

تین بجے والے میں صاب سوچاؤ۔

ہائیکس۔ کیا ہم سونے آئے ہیں۔۔۔ وہ جب نے جہن کو دیکھنے لگی۔

پلدا گھر جاگ رہا تھا اور اہم موجا نہیں۔

طہریات خراب ہو جائے گی۔

آپ نے مجھے یہ کہتے کے پے پاؤں ہے آپ کی طبیعت قسبک نہیں ہے، آپ سو

چائیں۔ وہ پڑھائی سے بڑی۔

دوست کثیر۔۔۔ فی۔۔۔

تم ہوجاؤ تو لپکا ہے۔

ثوبہ اس کی سونچ تھی۔ تمہیں جو ناٹ پلپ کی روشنی میں واضح ہو رہی تھیں دیکھ کر واقعی

پریٹ شاہجہاں

آپ کی آنکھیں کیوں سوچ رہی ہیں۔۔۔

اس نے تو سمجھی ہوش میں پئی بہن کو روئے جہ نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ہر تنہا پوری کمری جاتی

ہش و صد ۷۷ (کیا: لی ہوئی ہیں۔۔۔ مگر کس۔۔۔)

تاریخ پل آبی

نور محمد امیر (شی از الیمنٹ ہیر ہوتی میڈ پر ہوس)

مثال: وہ شہید کو طعنے کے مقابل ہر دشت نہیں کر پائی تھی۔ بھلا ثوبیہ کا کیا تصور

چھاتم جاؤ۔ میرے سر میں بہت شدید درد ہوا تھا۔ آنکھوں سے پانی نکلتا تھا شاید اس

یہ تو جی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ چھاب۔ اب تم جاؤ۔ اینڈ ڈونٹ ٹاک، پاؤٹ می۔

ثوبیہ حضرت ابراہیمؑ پریشان واپس نیچے چلی آئی۔ بھلا کیا بات ہوئی۔ طبیعت خود کی خراب

ہے۔ سڑتے گئے لیے مجھے ٹھہر رہی ہیں۔

طریق نے اس کو ابھی ابھی نماز میں آتے دیکھ لیا تو جانتے کیا کیا اس پر نازل ہوا۔

جانے کس کس پاگل کرو گی اور یہ نیکم مگر حساب کتاب کا وقت اب دوشنبہ

نہیں، تم پر چھوٹے ہی میرے بیٹے نے اعتراض کیا تھا۔ فیروزہ ہنسی۔

اب آخوند قزوینی

کیسے سالکا یہ کام کرے

بیچ زور۔۔۔ دیری، نرسنگنگ۔ اور پھر ہیر وطن کے قتلور ہی اور ہوتے ہیں۔ ستارہ

ہنسی۔ بس قوراللم ہٹ ہو جائے پھر سب دشمنوں پر تاجیں گے۔ اب اگلی شونگ، بیٹ آباد

اور تمہیں گلی میں ہوگی۔ پھر درہون کا پر وکر م کو مہو، اور بٹاک کا ہے میں نیک پارٹی دیا چاہے رہی تھی

یا مبینہ صاحب لورڈ وائسرائے کو۔۔۔

پھر دلی کیوں نہیں فیروزہ نے استفسار کیا۔

ہمارا ایک بندہ کمرچی گیا ہوا ہے۔ اس دن کی چھٹیوں پر۔ اس کے بغیر پارٹی پر صاف نہ ہوگی۔

بیرو ہے فلم کا۔ فیروزہ نے پوچھا۔
ننگر ہے۔

کون فیروزہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ (یقیناً کوئی نامور آرٹسٹ ہی ہوگا۔)
طارق

جیسا۔ یہ نام تو پہلے کبھی نہیں سنا۔ فیروزہ حیرت ہوئی۔ چاہے غالب۔

ہوں مگر تخیل خوبصورت۔ وزن کا، لک، روز سونگ تو جھوٹے لگو گی۔ مگر اسے اپنی قدر نہیں
بے حد مزہ لگانے کا اور وہ نہیں رکھتا۔

کس

اس کے خاندان والے پسند نہیں کرتے۔

اور وہ آج کا ان دن اتنا ویلڈیٹ ہے۔ کیا خاندانی لگتا ہے فیروزہ کو دیکھیں محسوس ہوئی۔

ہوں۔ لگتا تو ہے۔ آرکیٹکٹ ہے۔ بہت دلکش مگر ہے بہت مغرور۔

اس میں یہ خوبیاں نہ بھی ہوتیں تو مغرور ہونے کے لیے خاندانی ہونا ہی کافی تھا۔ فیروزہ

صورت سے بولی۔

اے وہ تو چالبازی اور شہرت سے بھی دور رہا کرتا ہے۔ یقین کرو۔

پھر تو وہ واقعی خاندانی ہے۔ بھلا جو بچے معزز شجرہ رکھتے ہوں گے یہ تو بہت کچھ
بھی نہ ہو تو کیا فرقی پڑتا ہے۔

وہ سیر ہے۔ لہا سب ہے۔ کس قدر لگی ہے اسے شاید احساس بھی نہ دیتا ہو۔
مگر وہی فیروزہ کے رگ وریشے میں زبان بن کر چلی رہی تھی۔

شوہر ٹیس میں ایک سے ایک خاندانی بھی ہوتے ہیں روز۔ وہ اپنا آپ مٹانے کے لیے
میدان میں اترتے ہیں۔

شہرت کی کی ذات کی تسکین ہوتی ہے۔ اس کی جدوجہد کا عام ہوتی ہے۔ چھب سوتی
ہے۔ مشہور ہونے سے گھبراتا ہے۔

اس میں شاید کوئی خلا نہیں ہے۔ وہ حقیقت میں مطمئن ہے۔ اس سے بے نیاز ہے۔ تم
نے بھی سے تسلیم کیا ہے تب ہی تو اس کی وجہ سے پارٹی postpone کی ہے (ملتی کی
ہے)۔

تم تنید کر دو گی پارٹی سنا رہے تھے چائیک پوچھا۔

کب دو گی

شاید کسی فریڈے کو۔

ایک اینڈ پر تو میں اسکا آ جا د جاتی ہوں۔ پھر وہاں سے مری۔

ماں نے بھی یہ درد رکھا ہے۔ بھلا تا تو کل کی مشکوک خوشیوں کی خاطر ہم سچی سچ کی

خوشیاں برپا کر لیں۔۔

ان کا اثر تم کچھ سالوں بعد محسوس کرو گی۔۔ میں تو اس تہائی میں عمر کے خیال کے ساتھ بہت خوش ہوں۔۔ ورتم بھی آزاد ہوں۔ میں ایسا کروں گی عمر سے مل کر ہوں۔ چاہوں گی۔ خوش۔۔

ہاں روز۔۔ تم ضرور آنا۔ تاکہ سب دیکھ لیں میرے بھی آگے پیچھے کوئی ہے۔ فیروزہ نے اسے گلے لگالیا۔

تم بھی محسوس کرتی ہوتاں کہ کسی کا۔ کسی اپنے کا آگے پیچھے ہونا اس معاشرے میں کتنا ضروری ہے۔۔ کل کو جب عمر بڑا ہو گا تو دیکھنا ہم کتنے مضبوط ہو جائیں گے۔ جب مجھ سے ایک ہاتھ اونچا ہو کر سارے زمانے کے سامنے مجھے ملے گی کہ کا تو حفاظت کے عزت کے، وفکار کے جانے کتنے دن دیکھے قلعے تعمیر ہوں گے۔

ستارہ کو فیروزہ کے گلے لگ کر ایک گوند ممانیت کا احساس ہوا۔ پھر چونک سی گئی جانے کیا مروج کر۔

روز گزرا کبھی ہے

اندھ پہنچا رہے کمرے میں۔ چاؤ کو بکھودہ جمہیں دیکھ کر کتنی حوشی کا، غماز کرے گی۔

ستارہ تیر سی سے اپنے کمرے کی سے بڑھ گئی تھی۔

وہ جس وقت گونجھ میں داخل ہوئے بغار میں ان کا وجود نہ تک رہا تھا۔

کرچی سے چلتے وقت انہیں محسوس تو ہو رہا تھا کہ طبیعت گڑبڑ ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ راستے میں ہی قحطی مری حالت ہو جائے گی۔

بہشگل انہوں نے فیروزہ تک کی تھی۔

پہلے پر پہنچنے ہی انہوں نے فخت جھلت کے انداز میں ہارن پر ہارن دیا۔

نہاں مجھ کہیں دور خوب کا کی گولی کی پتیلیاں، بکھر رہا تھا۔

روشن نے کھڑکی میں سے جہاں تک کر گھبرائے ہوئے انداز میں غماز مجھ سے کہا۔

غماز مجھ شاہ صاحب۔

وہ تو سر پٹ دوزخ۔ روشن جلدی سے کمرے سے نکل کر اس طرف آئی جہاں وہ برتن دھو رہا تھا، درجہ کر برتن رکھنے لگی۔ زور زور سے تاکہ اندر داخل ہوتے وقت شاہ صاحب بھی نوٹس لیں کہ وہ برتن رکھ رہی ہے۔ شاید انہیں ترس آ جائے۔

جیسے آج تک اتفاقات کی کثرت اس کی زندگی میں رہی ہے۔ پھر کوئی اتفاق ہو جائے، پھر اس کی تقدیر بدلت چلائے۔

شاہ صاحب ایک طرف آ کر فرش میں بیٹے ہوئے کمرے کی طرف چلے آئے۔

روشن نے چپکے سے کھڑکی میں سے انہیں دیکھا۔

محض اپنی چال سے حسن کو پھنس کرنے وہ کتنا جھکا جھکا لگ رہا تھا۔ بڑھاپے کی طرف

گامزن۔

وہ ہیں دیوار سے ٹک کر بھوٹ بھوٹ کر روتے گی۔

یہیں نے کیا کر دیا۔۔۔ یہ سنا گیا ہو گی

غلام محمد بھری غصہ طبعیت خراب ہے، جیسی چائے بنا دو، دھڑست لگا دو، دو رکھو

چائے تو بنا دو یا شام کو بات کروں گا۔ میں سونا پتا ہوں

بھڑکائی۔۔۔

اس نے بستر لگانے میں بھرتی دکھائی پھر چائے بنانے اور چکی خانے میں چلا آیا۔

روشن چائے بنا رہی تھی۔

مالکین۔ میں بنا لیتا ہوں چائے، آپ تکلیف نہ کرو۔

غلام محمد وہ بہت دور سے تھک کر آئے ہیں۔ مجھے پتا ہے وہ کسی چائے پشہ کرتے ہیں۔ تم

انہیں یہ نہ بتانا کہ میں نے بتائی ہے۔

اس نے چائے پتا کر غلام محمد کو دی، اور خود پھر ان کے کمرے کے صوب میں چلی آئی۔

نہ جانے اس کے کان کیا سنتا چاہتے تھے۔

چائے ابھی بنی ہے۔ شکریہ غلام محمد

میں نے نہیں، یہ چائے مالکین نے بنا کیا ہے۔ اس بھڑے آدمی نے اپنی طرف سے کوشش کی

کہ مالک کے دل میں مالکین کے لیے سنجیدگی نکلتی آئے۔

یہ چائے تو مالے چائے، غلام محمد اور ایک بات غور سے سن لو۔ اگر میں غلطی سے کبھی

ذہر کھاؤں تو کبھی اس کے ہاتھ سے تریاق لینے کی بجائے مرنا پسند کروں گا۔

روشن کو پکڑ کر آگیا۔

ہر مرتبہ غصہ بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کی نائلیں اٹھان سی ہو گئیں۔

وہ بیٹھ گئی۔ اسے دل خوش فہم حیرت ہر خوش فہمی کا اختتام کسی نہ کسی کپڑے کھا کر ہوتا ہے۔

تجربے یقین کیوں نہیں آتا۔ کہ تیر، مقدور کے کٹواں پیچھے کھائی ہے۔ مایوسی کی ہر انتہا امید کی

کمرت کے صندوق ہونے پر ٹھہر رہی ہوتی ہے۔

اور یہ اس لیے کہ زندگی کی طلب باقی ہوتی ہے۔

وہ بھی شاید کوئی امید کی کمرت یا کمرت کی تاریکی میں ان کے کمرے میں آئی تھی۔

وہ بخار میں مبتلا ہونے کے سبب سینہ سے تھے۔ ان کے بچنے ہوئے سرخ بوٹ

جانے کس قسم کے کرب کے مظہر تھے۔

وہ اس کے تھے۔ اور وہ انہیں چھو بھی نہیں سکتی تھی۔

جرم کی تحریک اور رول دونوں انسان کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ وہ باہر سے کب

ڈرتا ہے۔۔۔

خارجی ڈر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ خوف تو انسان کا اپنا ہمزاد ہوتا ہے۔

جرم و ملامت ال کر ڈر تخلیق کرتے ہیں۔۔۔

یا پھر انجانے میں کبھی کہیں سے نقصان پہنچا ہو وہ نقصان غیر شعوری طور پر خوب بن کر

ساری زندگی پر چھا جاتا ہے شاہ صاحب نہوت تو ہرگز نہیں تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔

ذوق اس کی پٹی کا گزاری مارا نہیں تھا جس کے سبب وہ کانپ رہی تھی۔ اور قدم کن کن بھر کے ہو رہے تھے۔

وہ شخص بھی بہت ڈرپاک ہوتا ہے جو حقیقی علم والا لگی سے دور ہوتا ہے۔ اور فریب نہیں خوشیوں میں گمن رہتا ہے۔ اور پٹی پر فریب زندگی کو اس کائنات کا حرف آخر سمجھتا ہے۔

اس نے ابھی عرفان والا لگی کی منزلوں پر چنانا پسند نہیں کیا تھا۔

خوب سی، اور فریب جیسی زندگی گزاری تھی۔

اتنے سارے خوف مل کر اس کی ہمت پست کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر ان سے معافی مانگنے لگی تھی۔

مگر ان کے پاؤں نہ تو آسو بہاتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔

اس کے شک اس کے رخساروں پر دوں تھے۔

وہ آخر ان کے قدموں پر جھک گئی۔ گرم گرم آسو بہت ہی شاہ کے پاؤں پر گرے تو

ان کی آنکھ کھل گئی۔ انہوں نے چونک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تھا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔

کیوں بتی ہو۔۔۔ ان کی بھاری۔۔۔ وارنٹی سے جو جھل تھی۔

آپ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے۔ اس کی زندگی ہوئی آواز بھری۔

یہ جان کر بھی میں نے تمہیں معاف نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

آپ اتنے شقی نہیں ہو سکتے۔

جب تم تنہی ہو سکتی ہو تو یک خود مختار مرد سے کیا بعید ہے۔ میں نے تمہیں کہا ہے کہ

میرے سامنے نہ آیا کرو۔ میں بہر حال خون نہیں کرنا چاہتا۔ ان کا بچہ سفاک ہو گیا۔

میرے گناہ کو پہلے آپ معاف کریں گے، تب ہی خدا بھی معاف کرے گا۔ وہ بھر گویا

ہوئی۔

گر تہہ کی اپنی بیٹی کو تہہ کی لگی، اس نقصان پہنچائی تو تم سے بھی معاف نہ کرتیں۔ اس کا

خون ہونے کے پاؤں جو۔۔۔ پھر میرا تہہ۔۔۔ رشتہ تو خونی بھی نہیں ہے صرف تین یوں کے کچے

رشتے سے بندھا ہے۔

بندھا ہے نا۔۔۔ ایک آس جا گی۔

مگر اس میں انتقام کی گرہیں چڑھ چکی ہیں اب یہ ہموار نہیں ہو سکتا۔

میری وہی نیندیں رخصت ہو چکی ہیں۔۔۔

میری ہر خوشی فنا ہو چکی ہے۔

میری زندگی کا ہر لطف کھو چکا ہے۔

میرے سیر نہ کتنی ہوئی آگ بن چکا ہے۔ میں زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں۔۔۔ تہہ کی وہ سے

محض تہہ رنی وجہ سے تم چلی جاؤ۔۔۔ مگر یہ وہ میرے سامنے آئیں تو۔۔۔ فوراً یہاں سے چلی جاؤ۔۔۔

انہوں نے زخ موز لیا۔

دور مجرہ شکست کے کانوں پر پڑتی وہیں چلی آئی۔

آنسو تو تھمن بھول چکے تھے۔ اب بھی بدستور بہہ رہے تھے۔ صرف جرم کا حساس ہی نہیں تھا۔

مامتا۔۔۔ بیٹی کی ماما بھی تو آگ بن کر اس کا تن من خاستر کرتی رہتی تھی۔

نہا لوں کا جہم بیکراں تھا جو قلقلی احمد کے بیٹوں کے ویسے میں شریک تھا۔

ماں جان کے بارے خوشی کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہر شخص ان کی بہوؤں کو سرور ہاتھ۔۔۔ دونوں سٹیج پر موجود تھیں۔ ہر شخص کی توجہ کامرکز۔

طارق نے اپنی دونوں بھابیوں کو کٹ دیے تھے منہ دکھائی میں، جن پر ان کے نام کندہ تھے۔ ماں جان نے دونوں بہوؤں کو منہ دکھائی میں نگلن دیے تھے۔

نور جہاں نے سیک، سیک، سیک کی غولہ کی ان دونوں کو پہنائی تھی۔ ویسے بھی وہ خاصے تحائف، نئی قمیض گھر بھر کے کپڑے عیدہ۔۔۔ کی تھیں۔

اسے ہر پور طریقے سے وہ شادی میں شریک ہوئی تھیں کہ ساری عمر کے گلے مٹ گئے تھے۔

ماں جان نے خوش ہو کر طارق کو کئی بار بتا دیا تھا کہ اس کی ممانی کیا کیا کرتی ہیں۔

(وہ ہنسنا سب کچھ بھی دے دیں، ماں جان تو بھی وہ میرے خوابوں کی قیمت نہیں چکا سکتی) اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا۔

ذریعہ کو قوت تھا، وہ بڑے حال ہی ایک کمرے میں مجرہ سترحت تھی۔ ماں جان نے طارق کی ذیولنی لگائی تھی کہ وہ ڈاکٹر کو رور کر دے گا چیک اپ کرے۔

وہ چارونا چارڈاکٹر کے ہمراہ اس کے کمرے میں داخل ہو کر جہاں تو بہت متفکری تھیں، ان کا خیال تھا ان کی بیٹی جس گھر میں موجود ہے، وہاں محض خیال ہی نہیں رکھا جائے گا، بلکہ ہر طرح کے ناروغزے تک اٹھائے جائیں گے۔ ذریعہ پشت کیے لپٹی تھی۔ بہت پر بھی اس نے گروت نہیں بدلی۔

حبیبہ سے جانا ناکی پڑا۔

دوبیہ۔۔۔

وہ علم غنوں کی میں تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو جیسے کوئی فرشتہ سنہری پروں سے ہوا میرا ہو۔ اور جسے "واڑنے" اس کا نام لیا وہ تو اس کی مٹی کا جو ہر تھی۔

اس نے وہم کو یقین کرنا چاہا۔ ایک بار پھر اسے آواز میں پناہ نام سنا چاہا۔

ذریعہ وہ اپنی ذات کی لٹی پر چڑھ گیا۔

دوسری سمت پھول بر سے تھے۔ اس نے گروت بدلی۔ اس کی آنکھیں متورم اور سرخ ہو چکا

ہو تھا وہ نظریہ اٹھایا۔ یہ ڈکٹر شفیق ہیں چیک اپ کے لیے آئے ہیں۔

شریف رکھیے ڈاکٹر۔

بتایا گیا ہے کہ آپ ہمارے شریف آئی ہیں۔ شاید آپ کو کراچی کی آب و ہوا سے
نہیں آئی۔ ڈکٹر شفیق مسکرائے۔

(آب و ہوا تو بہت اسی آئی۔ کہ مقصود و مطلوب ہے۔ بس لوگ اس نہیں آئے) وہ
مسکرا دی۔

گھبرائے کی بات نہیں ہے۔ نشانہ دو تین گھنٹوں میں بخارا تر چائے گا۔

ڈکٹر میں انجکشن نہیں لگوانی کبھی بھی مجھے ڈر لگتا ہے سوئی کی انجکشن سے۔ در یہ نے سرخ
دیکھ کر گھبراہٹ نہ ظاہر کی۔

(خود سوئی کی انجکشن سے ڈرتی ہے۔ اور دوسرے کے وجود میں سوئیوں تار کر بھی نام
نہیں ہوتی) طارق کی نگاہوں میں زہر دوڑا۔

ڈکٹر کے جاتے ہی اہل جہاں و نور جہاں نغمہ اور ربیعہ کے ساتھ کمرے میں داخل
ہوئیں۔

دری۔ جانتے ہیں تمہاری بھابیائیں تمہیں دیکھنے آئی ہیں۔ نور جہاں پیار سے بولیں۔

دری نے آنکھوں کی کوشش کرنے لگی۔

نغمہ نے پناہ مانگی ہاتھ بڑھا کر اسے پیٹ رہے کا شادہ کیا۔

اہل جہاں و نور جہاں تو فوراً وہیں پہنچ گئیں۔ وہ دونوں اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

آپ لوگ محفل چھوڑ کر یہاں آ گئیں اور یہ مسکرائی۔

بھئی، ہمارا ایک خاص آدمی بیمار درتھا ہو تو اس کی عیادت فریضہ اول ہے۔ ربیعہ
مسکرائیں۔ پھر وہ کہیں یا نہیں دیکھ کر کوئی ہے تو نہیں۔

اسی دم طارق چند دواؤں کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ پتی بھابیوں کے سامنے دیکھ کر کچھ
شیشا سا گیا۔

پہلے بیمار کرتے ہیں پھر خدمت کرتے ہیں۔ نغمہ نے ہنسنے لگا۔ تب دری نے سوچا۔ (آہ

بھ بھی آپ میری روح تک کیوں کر آئیں۔)

جی۔ وہ غل سا ہوا۔

گھر میں مہمانوں کا جھوم ہے۔ اس ماحول میں بیماری خود بخود جہنم ہے۔ نغمہ
مہنگی آئیں۔

ان کے پیسے۔ کہ باریہ ہوئی ہیں۔ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا اور پٹ گیا۔

میں تمہیں کیوں کر سمجھوں طارق احمد فاروقی۔ یاد رکھن تم میرا انتخاب، میری چیز ہو۔

میری قید میں ہو۔ میرے پیسے یہ تسکین بھی بہت ہے۔ کہ جو میرا انتخاب ہے وہ میری دسترس

سے دور نہیں۔

سارا اتر، تم پر دھڑکنے دریہ بہت مسکرائیں۔

پارو ۔۔ گاڑی کی جوں میں ۔ فیروزہ یوں ۔
لیکن روٹ کا پتا ۔

پاکستان کے ہر شہر کے دوٹ سے واقف ہوں میں ۔ تم چاقی ہو ۔
وہ ۔ پارہ کی بات کاٹ کر معنی چیز ہی نہیں کر گویا ہوئی ۔
تارو کہاں ہے اس نے پوچھا ۔

وہ ایورنٹ میں شوٹنگ کر رہی ہے ، میں شاہ نور میں ہوں ۔ دونوں میں زیادہ فاصلہ تو ہے
نہیں ۔ تم شاید جانتی بھی ہو ملتان روڈ پر ملی ہیں ۔

ہمارے تھی تارہ کہ تہری کچھ پر ہم تھیں اس وجہ سے وہ سٹروڈے کو ڈنڈے رہی ہے ۔ تم
بچپن ہم بھی آ رہے ہیں ۔ تارہ تو پورے یونٹ کے ساتھ آئے گی ۔ اچھا خدا حافظ ۔ اور ۔ کے ۔
ذیر ۔

اس نے ریسورر کھو یا ۔ اور تیاری شروع کر دی ۔ بال ٹنگ کر کے کپ میں مقید کیے اور
چہرے کی کلیننگ میں مصروف ہو گئی ۔

تو بچنے میں جس منٹ تھے جو وہ آئینے میں درازیں ڈال رہی تھی ۔

سفید رنگ اس کی قدرتی گلابی رنگت سے ہم آہنگ ہو رہا تھا ۔ سب اسٹک بھی اس نے
نیمپل پنک استعمال کی تھی بال اس کے ترشے ہوئے تھے دونوں سائڈ پر اس نے سفید گلوں کی
ہیں استعمال کی تھیں بلکہ یہ گینگے سفید ہیرے تھے عمود ، وہ ڈائمنڈ کی چلیں استعمال کرتی تھی ۔

عادت ہے ۔ وہ بھی منسکرائی (ہٹا کوئی تصویر نہیں پیسے انسان ایسا کیوں ہو کہ دوسرے کی
ذات میں عیول کر جائے ۔ اتنا اچھا کیوں لگے کہ بنانا نے بنا چاہ رہے)

وہ اپنی گاڑی ہی میں ۔ ہو رہی تھی ۔ مگر گھنٹوں کی مسلسل ڈرائیونگ سے وہ جھکن سے
چور ہو رہی تھی ۔ مہ پارہ کے کپ وٹھ میں پہنچ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا ۔ ملازم اس سے
تعارف ہوا تو فوراً پہچان گیا ۔

میم شوٹنگ پر کی ہوئی ہیں ، درستہ تھی بھی ۔ آپ کا کروسیٹ ہے ۔ شریف ۔ اے ۔ وہ
اسے کمرے میں لے آ یا ۔

وہ ہسٹر پر گر گئی ۔ ڈائریکٹ تو بیچ تھا اس وقت سڑک سے مت بچ رہے تھے وہ کچھ دیر
آنکھیں بند کیے لیٹی رہی ۔

پھر ملاز کو بایا اور کپڑے پر پیس کرنے کو دیے ۔

سفید گلوں کا گہرا شلو اور تھا جس پر سفید ہی ریشم ور شیشے کا کام ہوا تھا ۔ دوپٹ بالکل سادہ
جاریٹ کا تھا ۔ اس کے ہمراہ وہ سفید سینڈل ، اور پرس ، کی تھی ۔ اور سفید گلوں کے آرٹیفیشل
آؤٹ سے تھے ۔ پتا نہیں اس کا دل کیوں چاہ رہا تھا کہ آج وہ ہر شے سفید استعمال کرے ۔

ملازمہ چائے کافی کا پوچھنے لگی تو اس نے چائے کے پیسے کہا اور پھر جس کرنے چلی گئی
واپس کمرے میں آئی تو فون اس کا بھنک رہا تھا ۔ اس نے دیکھ کر دوسری طرف مہ پارہ تھی ۔
پلو ۔ روز ۔ آئیں تم فحشک نو بچ ۔ کلچر چا نا گاڑی بچ رہی ہوں ۔

سیاہ گھور بالوں میں سے ہیر و سکا دکھنا بہت بھاتا تھا۔ یہ نہیں وہ ہانگ کا ٹکڑا سے لٹی تھی اور بہت خاص تقریبات میں استعمال کرتی تھی۔ یہ نہیں مل کھاتے ساپ کی شکل میں بنائی گئی تھیں۔

چھی طرح پنا جانیوہ لینے کے بعد اس نے پرس سے چیزیں نکل کر کے حید پر میں ڈالیں خوشبو چھڑک کر سنگھاتی ہوئی ہوئی کیست روانہ ہوئی۔

وہ ہوئی میں داخل ہوئی تو شانے پر دوپٹہ پھینک لیا اور پرس سینے سے لگا کر اس طرف آئی جہاں ڈنکا ہتھام تھا۔ تارہ استقبایہ فراتھ اتھام دے رہی تھی، سے دیکھ کر خوشی سے ہنسی آئی۔

بالکل حور پرئی بن کر سٹی ہو جان۔ ویسے یہاں بڑے بڑے متقی پرہیزگار جسم کے ٹوک بھی موجود ہیں۔ حوروں کی سخت ضرورت ہے۔

ستارہ نے سر کو تھکی کی تو فیروزہ اپنی ہنسی پر قابو نہ رکھ سکی یہ سخت ہنس پڑی۔ ہنسی زکی تو محسوس ہو، ہر نظر اس پر ہے۔ وہ کچھ ترس ہوئی پھر نہایت مشاقی سے سنیں گئی۔

ستارہ نے سب سے اس کا تعارف کرایا۔ فیروزہ نے یہ بات محسوس کی کہ ستارہ نے اپنے یونٹ کے محسوس سے محسوس در کر کو بھی تو محبت کیا تھا جو یک طرف، ایک ہی میز کے گرد کھٹے تھے۔ یہ ہماری قلم سے آغاز کرنے والے گلہ س سے سنگو صادق احمد فاروقی۔ مجھ سے زیادہ ان کے نگرے آٹھائے جا رہے ہیں ان کے جبکہ مجھ پر پوری قلم ڈھینڈھ کر رہی ہے اور آپ جناب

نے صرف ایک گیت گایا ہے۔ صرف ان کی ہنر سے یا میں صاحب کے لئے جیسے سکا قی کو اس ڈن میں، ٹونٹ نہیں کیا گیا ہے۔

ہات دراصل یہ ہے گھر والوں سے ٹھپ کر گایا ہے۔ اس لیے وہ شری ہوئی۔ طارق نے دھیسے سے سکر دیا۔ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔

ہم کیا نگرے اٹھا کریں گے۔ جب بٹھ لیں، کتابیں، شائستہ اور حرام کرنے وال ہو تو جو یا اس کے ساتھ ہمارا رویہ کیا ہوتا چاہیے۔ آپ خود ہی ٹھاف کریں۔ ملی جان صاحب نے صفائی پیش کی۔

روز یہاں بیٹھو۔ اس نے طارق کے مقابل فیروزہ کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر وہ طارق کی سمت متوجہ ہو کر شہادت سے گویا ہوئی۔

شرما کریں گے تو نہیں

آپ نے فرمایا تھا۔ ہر شخص آزاد ہے جیسے اور جو چاہے کہہ۔ کھانا اپنی پسند کا اٹھنا بیٹھنا مرضی کا۔ ہذا اگر میرا موڈ ہوگا تو میں شرما بھی ہوں گیا۔ کوئی پابندی تو نہیں ہے ہاں شرمانے پر۔ اس نے اپنی فطری حاضر جوابی کا مظاہرہ کیا۔ سب ہنس دیے۔

بہت دیر بعد جی اچھا سا گروپ بنا ہے۔ بس فاروقی صاحب ہمارے ساتھ لڑیا دتی کہہ رہے ہیں۔ یا میں صاحب مسکرائے۔

طارق مسکرایا۔ مگر بور، کچھ نہیں وہ اپنا سلف بنا چکا تھا بعد اوہر یا نہیں۔

آپ نہیں، ہو میں ہیں فیروزہ نے کہنیاں میز پر نکالیں۔

جی۔ اس نے سرسری نظر دوڑا کر بڑے وقار سے جواب دیا۔

آپ کی پوری فیملی

فیملی۔ وہ کچھ اچھا نہیں مہرے سب گھر والے کرپچی میں ہوتے ہیں میں یہاں بی

ملازمت کی وجہ سے ہوں۔

شابہ آپ آرکیٹیکٹ ہیں

جی ہاں وہ جو بات دے رہا تھا اس نے زخو کوئی بات نہیں کی تھی۔

کیا شادی شدہ ہیں۔ مہ پارہ ن کے نزدیک چل آئی۔ جو اس قدر احتیاط سے رہتے

ہیں۔ وہ پھٹکوا پن سے ہنسی۔

اے بھئی یہ تو بڑے پرہیزگار کنوہے ہیں۔ ان کا بس چلے تو نظر اٹھا کر دیکھنے سے

پہلے بھی کاغذی کاروائی نکال کر لیں۔ یا مین صاحب بولے تو حاضرین کے بیساختہ قہقہے گونج

اٹھے۔ طارق کچھ چھینپ گیا۔

سب ایسے بھی کوئی بات نہیں۔ اور اس دور میں تو کاغذی کاروائیاں بھی معتبر نہیں رہیں۔

وہ کہہ گیا۔

اتنے آرتھک سے آوی ہیں آپ۔ کوئی شہ پرکاری چیز بنائیے ناں یہاں، اپنے ملک

میں۔ جو آپ کی صداقت اور روح کا مظہر ہو۔ فیروزہ نے، سے بھر سے متوجہ کیا۔ طارق نے

چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

(یہ تو اچھی خاصی معقول قسم کی لڑکی ہے) فیروزہ نے، سے اپنی سمت دیکھا پایا تو نظریں

ٹھکالیں۔

(اس سے بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ خاصی پییدہ قسم کی لڑکی ہے)

آپ پڑھتی ہیں۔۔۔ دو پوچھ بیٹھا بیٹھے لی، خلاقیات کے مظاہرے کے طور پر۔

یہ پڑھتی ہیں۔ مہ پارہ نے ٹکڑ جوڑ۔ اس کی معنی خیز بات پر چند ایک کے قہقہے بہت

زوردار تھے۔ فیروزہ ساکت سی ہو گئی۔ اسے اپنے سفید لباس پر چمک چمک گندگی دکھائی دی، طارق

گوں کے قہقہے پیٹے سے لگے۔

(پڑھا نا تو، اچھی بات ہے اس میں ہنسی کا تو کوئی پسو نہیں لگتا۔) اس نے تجزیہ کیا۔

جب آپ آسانی سے یہاں پہنچ کر بیٹھا سکتے ہیں تو مستقل کیوں نہیں گاتے

مہرے والدین پسند نہیں کریں گے اس نے، غماز سے کہا۔

آج کل، پے لیو چر کی خاطر کون کسی کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

کسی کی پرواہ کی جائے یا نہیں۔۔۔ لیکن والدین کسی میں شامل نہیں ہیں۔ شاید ابو اور

مٹی تاثیر سے بیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔ میں اپنے اندر اس قدر اخلاقی جرأت نہیں پاتا۔ اس نے

اعتراف کیا۔

سب کے اندر بہت لگی ہیں۔ آپ ان سے اتنی دور ہو کر بھی انہیں مقدمہ رکھتے ہیں۔

نہیں، میں خاصاً آدمی ہوں۔ ایک گیت تو گایا ہے ناں۔ سرتابی تو کی ہے۔

یہ تو آپ کی انفرادیت اور جراتِ اظہار ہے۔ اپنی اپنی ذوات پر ہر شخص کا حقِ تصرف رکھتا ہے۔ فیروزہ نے قطعی انداز میں کہا۔

طارق نے ایک مرتبہ پھر اس گہری سی لڑکی کو چونک کر دیکھا جو اسے فلسفے کی طرف لے آئی تھی۔

ایک بات کہوں تو اندازے گا۔ فیروزہ گویا ہوئی۔

فرمائیے۔

”آپ کے والدین اپنی بیٹی سوچی سے آپ کی تقدیر کے فیصلے کرتے رہے اور آپ نقصان میں رہے تو بتائیے آپ کسے موردِ اضرارِ ظہر، کس کے ہو سکتا ہے آپ کے پاس نقصان کی صلاحی کے لیے وقت بھی نہ ہو۔“

فیروزہ نے سہولت کی بو چھاڑ کر دی تھی۔ اور طارق نے بمشکل جان بچھڑائی تھی۔ رات تقریباً دس بجے یہ محفل اختتام پذیر ہوئی تھی۔

کاش تم یہ جملہ نہ کہتے سناہ سے۔

حمیدیں یہ معلوم میں کس طرح کا بیچ پر چل کر زندگی گزار رہی ہوں۔

آپ کی بات بہت ذہین ہیں بلکہ وہ تو مجھے بہت مقدس سی لگتیں۔

مقدس

مقدس

مقدس

ہتھوڑے کی طرح سر پر بوسہ تھا اس کے یہ لفظ۔

میں اب مزید غریب میں زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔ اور نہ میں اس معاشرے سے ڈرتی ہوں اور نہ اس کی پروہ کرتی ہوں۔ یہ مجھ سے بھی کیا سکتا ہے۔

نہیں چاہیے مجھے مصنوعی عزت و احترام۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ قصداً اب پھر مری کا تھا۔

پتے پاس رکھو، بنا تقدس۔ تنگ و منہ۔ بچیوں۔ بڑے خاندان والوں۔ دل چھوئے، بات بڑی۔ ہر جگہ تقدس کی بات لے لے آتے ہیں نہ جانے کیا مقابل کو کیا سمجھنا چاہتے ہیں۔ ہونہ۔

ہمیں ہیرے پیش کرتے ہیں۔

کل کے پچھواڑے غریب بچہ بھوک سے مر جاتا ہے۔

ہونہ۔ خاندان کا تقدس۔ اس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

اس نے ہاں ہاتھ اسٹیرنگ سے اٹھا کر خستہ روں پر پھیلتے شک صاف کیے۔ اور گاڑی کو سڑا۔

اب اس کی گاڑی، ال روڈ پر دوڑ رہی تھی۔ جہاں طارق احمد فاروقی کا آفس تھا۔

وہ دائیں چائیں نظر ڈالتی ہوئی آخر منزل مقصود پہنچا۔

انجمن بند کرنے کے دلوں ہاتھ اسٹیمر تک پر زور سے مارے اور پشما سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے گویا سستانے لگی دماغ میں جو کچھ کبھی پک رہا تھا۔ آٹھویں بند کرنے کے سکون ملا نہ بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر کہ وہ خوب دمی شادی عمارت پر پہنچے کی نیت تھی۔

دماغ کے کھوتے ہوئے روعے میں جیسے وہ کوئی حرف معتبر گردش میں دیکھ رہی تھی۔ وہ اس تیر گردش کرتے حرف کو قلاب میں کرنا چاہتی تھی۔ روعے سے باہر نکال کر۔ ناچہ رہی تھی۔ وہ حرف جو جانے کس ماورائی زبان کے حرف جیجی کا حصہ تھا۔

وہ ایک حرف یا کوئی لفظ جو اس شقی انسان کے دماغ اس طرح دکھایا چاہتی تھی کہ وہ ساری کہانی اسارے جذبات اسارے دھکے ساری رسائیاں، ساری کوتاہیاں، سب نا انصافیاں، اہم مہم۔

اس ایک حرف سے اپنے آپ کو جگنے لے۔

کہ طارق احمد فاروقی۔

پہلی زبان سے خود کو گالیاں دے کر زبان پر آئے پڑ چکے ہیں۔

اب یہ کیا کہ جو مجھے سہراب سے خوابوں کے پیچھے بھگانے میں اس کے ساتھ ہوں۔

ہجری سے بچ جاتا ہے لگوں۔ اس خوش فہمی سے بچ رہو کہ۔۔۔

کہ پارسائی کا دعویدار۔۔۔ بچ کا صلہ یوں دے گا کہ اپنی چوروں سے میری رسائیاں

کی کر دے صاف کرے گا۔ ہر کوئی خوش نصیبی کا ستارہ میری پیشانی پر چلا گیا۔

آج کل کے منہ میں ہوتا ہے۔

آدھا ہجر۔۔۔ وہ شریف و پارہا سر بہت دوزخ لگتا ہے۔ میں بچ کے غبار سے چونک کر اس کا پیچھا کرتی ہوں۔

سانس پھول جاتا ہے دوزخ دور یہ کہتے ہوئے۔

کراے مستند انسان پورا جی تو سن لے۔ بچ سننے میں تیز کیا جانے گا۔ میرے دل ہی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔

جس طرح میرا وجود اس کائنات میں ہے، اونیٹس ہے۔

اسی طرح میرا بچ بھی جیتا ہے، وراکھ ہے۔

طارق احمد فاروقی، اگرچہ میں سال خوردہ اور سن رسیدہ نہیں ہوں لیکن۔ لیکن یہ سوچ میری معتبر کمائی ہے کہ انسان خود کو فریب دیتا ہے۔

عالم نگار وہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ مقابل کو فریب کے گرو یا دمن رہا ہے۔ اس اسات سے

جس دن سے یہ کمائی ہاتھ لگی ہے فیصلہ کر لیا ہے۔

جو ہوں وہی ظہر کروں گی۔ اگر کوئی نادست خط مجھے گا تو اسے خود بتاؤں گی۔ ہوسکے گا تو

اس کا من بھی نوج ہو گی کہ ٹوٹنے مجھے مقدس کہاؤ نے مجھے شریف کہاؤ نے مجھے معزز سمجھ

کیوں دلی مجھے گان۔۔۔ کس نے، چاند دلی کہ مقدس کہہ کر مجھے اس قدر نگلی گان دے

بہی حساب بیوقوف کرنے آئی ہوں۔ تمہاری خط بھی دور کرنے آئی ہوں۔ ہو سکتا ہے اس روز تم پر بھی گر کر لی ہو۔ تم بڑے قیمتی انسان ہو۔ ٹیک، شریف، پارسی، خاندانی، تعلیم یافتہ۔ تمہارے سامنے کچھ ناواقفیت پائی ہے۔

در اصل میں فارغ بہت ہوں۔ پھر کچھ شریفوں کو بھیجتا ہوں وہ ان کا رول دیکھنے میں لطف لگی بہت آتا ہے۔

اس نے گلاسز نکھوں پر چڑھائے۔ ڈسک برکون پینٹ، جیکٹ اور اسٹ برکون شرٹ میں مہوس اور برکون اسکاٹ میں ہال سپین وہ اس دن بالکل تھکنے لگا تھا۔ آری تھی جس دن وہ وہلٹ ڈولس میں میونس ہو کر طارق سے ملی تھی۔

طارق، اپنے تمام کلم مار کر ہولڈرز میں پھنسا کر، بھٹن سے سوچ رہا تھا۔ کون خاتون ہو سکتی ہیں۔ چہرہ ایسا دلچسپ چکا تھا۔

ڈوب۔۔۔ اس نے گویا خود ہی پوچھا۔ شاہد۔۔۔ اس سے کچھ بھی بید نہیں ہے۔

خیالات کے اس قافلے کو بھی کوئی سوز بھی نہیں ملا تھا۔ کہ وہ دھڑک چوکا تھا۔

تھا۔۔۔ اس پر غل میں وہ اپنے آدھا چہرہ گلاسز میں چھپانے لگا۔ وہ خاصی سوہمی ہو رہی تھی مگر وہ ایک نظر میں پچان چکا تھا۔

ولوسٹر پارٹی احمد۔

الوسٹر پارٹی احمد۔۔۔ شریف و کیے۔ وہ ہاٹن بھڑ ہا تھا۔ اس کے اندر دیکھ کر جنہوں نے پہلی ملاقات کا ہر تاثر قارت کر دیا تھا۔

آپ نے مجھے پہچان لیا۔ مسکرائی۔

ظاہر ہے۔ جب ہی بیٹھنے کے لیے کہا ہے۔ اب وہ اپنے اصحاب کے پورے کنٹرول روم پر قابض ہو چکا تھا۔ اور دیکھتے سے مسکرایا تھا۔

مس فیروزہ۔۔۔

میڈم فیروزہ۔۔۔ مس سے مزہ جس آتا۔ وہ بات کاٹ کر زہریلی ہنسی کر رہی۔

حالہ نکد نما ہے عورت، اپنے ساتھ مس لگا کر بہت خوش ہوتی ہے۔ وہ ہنس دیا۔

میں خصوصی موقع پر خود کو میڈم کہلاتی ہوں۔ اس کی سٹیکوں پر پانی تھا اور وہ جس دلی تھی۔

کیا میڈم بھی کہلاتا ہے یہ تو ناخصل دوسرے دیتے ہیں۔ وہ سادگی سے مسکرایا تھا۔

جب میری روح مجھے گالیاں دے دے کر پاؤں ہونے لگتی ہے۔ دھشتوں کے بگولے

اٹھتے ہیں تو میں قطرہ قطرہ فریب اندر غلطی ہوں۔ کبھی برقعہ پہن کر شاپنگ کرتی ہوں۔ کوئی

آپ جیسا مل جاتا ہے تو اسے کہتی ہوں بلکہ فرمائش کرتی ہوں کہ مجھے میڈم کہے۔ ویسے انگریز

نے میڈم کے خالے تو نہیں بتائے ناں۔ مگر ہر حال اس نے عورت کی حرمت کا سہل تو بتایا ہے۔

طریق کا درجہ تو جیسے ہوا میں تیرنے لگا تھا۔ اتنی لمبی حالت اس کی کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اتنی غیر متوقع صورت حال۔

پیشانی ہو گئے یا سمجھ نہیں پائے۔ ہا۔۔۔ اس کا دلکش چہرہ مٹ گیا۔

دراصل حادی جناب کو یہی بتانے آئی ہوں۔ کہ الفاظ ربوہ کی طرح نہ بانٹتے بھرا کر رہیں۔ اس معاشرے میں بعض الفاظ بڑے قیمتی ہیں۔ دوسرے پر اجارہ داری قائم ہے۔ کچا چیا جائیں گے آپ کو یہ سب لوگ اس بے حیا ملی پر۔

طریقہ سادہ سے انداز میں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے پورے یقین سے چھوٹا تھا کہ اس کی ذہنی کیفیت نازل نہیں ہے۔ بلکہ وہ حیران تھا۔

کہاں وہ سفید کپڑوں میں بیویں انہی کے معقول می لڑکی اور کہاں یہ آج کی بیچارہ سی میڈم فیروزہ۔

مقدس نہیں ہوں۔ آپ کو سمجھانے آئی ہوں۔ یہ پاکیزہ سے الفاظ آپ اپنے خاندان و معاشرے کی کوالیٹی اور سریفائیڈ خواتین کو بطور تحریک پیش کیا کریں۔ کیونکہ جس کثرت سے آپ یہ اہم الفاظ جا بوجھ استعمال کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اہمیت اور روح سے آپ لوگ قطعی ناواقف ہیں۔

اہم پیشانیت لوگ ہیں۔ آپ جیسے ناواقف کبھی کبھی نجانے میں چر کے لگا جاتے ہیں اور اہم آپ جیسے معصوموں سے لڑنے بھڑانے آ جاتے ہیں۔

طریق کا پھل ہونٹ کہہ سے دو توبہ تھے تھا اس کی نظریں ٹھٹکی ہوئی تھیں۔ فیروزہ کی ہانگیوں سے وہ گویا کبھی خواب سے جاگا کسی جسم سے آرزو ہوا۔

اس سے قبل وہ کچھ کہتا۔ وہ ہتھیوں سے اپنے رخسار صاف کرتی، کھاساڑا نکھوں پر چڑھاتی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اس نے فیروزہ کو رنج پہنچا ہے۔

اسے دکھ پہنچا ہے۔

اب کیا وہ اس سے معذرت کرے کہ

مجھے معاف کر دیجئے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو مقدس کہہ دید۔ غلطی ہوئی شرمندہ ہوں۔ آئندہ کبھی نہیں کہوں گا۔

بھلا کون ہے جو ایسی فوجی نرالی معذرت کر سکے

اور یہ تو اس کے سامنے دنگان میں نہ تھا کہ وہ زندگی میں کبھی ایسی صورت سے بھڑے گا۔

اس انکشاف سے اس کے ذہن کو پوری قوت سے دھچکا لگا تھا۔

وہ واقعی اس روز فیروزہ کو ایک ذہین، شریف، دلچسپ قسم کی لڑکی سمجھتا تھا۔

وہ اپنا اسرار اقرار کرتا کہ وہ ایسی ہوئی تھی۔

اس کی سسکیں، اس کے آنسو ابھی تک اس کے ذہن کے منظر پر تھے۔

بھلا اس میں روٹنے کی کیا بات ہوئی۔

انسان جس احوال میں پیدا ہوتا ہے وہ قدرتی طور پر اس سے اہم آہنگ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر ایسے لوگ تو پوری شعوری اور غیر شعوری کوشش کرتے ہیں معزز کہنے اور نظر آنے کی۔

انجانے میں میں نے عہدہ تارقیینا کرنے کی وجہ سے، مگر سے معزز کا ہاتھ مل دے ہی دیا تھا تو سے خوشی ہونا پڑی تھی۔ یا نہیں۔ اس کا ایک صبرہ اجتماع بیان کیا تھا۔ اس کے لیے یہ گالی کیلئے مکر ہو گیا۔

نہ میں علی جان صاحب کی بات ماننا نہ اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوتا۔ میری قصور ہے۔ لہاں جان کو پتا چل چاہئے کہ کون کون لوگ میرے ملے و دلوں میں شامل ہو گئے ہیں تو ایک لمبی پچی ڈکھا جائیں۔ وہ دوسری عمر میری صورت نہ دیکھیں۔

اس نے کبھی کسی عورت کے آنسو نہیں دیکھے تھے۔ شاید ہی بے فیروزہ کے آنسوؤں نے اس پر بہت گہر اور بے پناہ چھوڑا تھا۔

اماں جان نے بہوؤں کے گھر میں آنے سے پہلے علی سب کو فہم نشین کر دیا تھا کہ عشاں کی دہکن کو بھیہ جانے اور مصفاے کی دہکن کو بھیہ صاحب کہنا ہے۔

اگرچہ آپ نے دورانہ پیشہ سے ریلنگ نہیں کی۔ باقی آنے والی دہائیوں کے مانگ بھی آپ کو ساتھ لے تیار کرنا چاہیے تھے۔ بچپن سے بھائی کی دہائی کو ہٹا کر کیا کہنا چاہیے۔ فاروق کو بہت دور کی سوجھی تھی۔

جی انہیں چھوٹی بھابی کہنا۔ طارق کو چھوٹے بھائی کہتے ہوں۔ ریوے نے پاؤں میں نکلے کھجورے کو دوبارہ مضبوطی سے جما کر پین لگائی۔

فحشک کہہ رہی ہیں وہ کہن اور یہ کہ چھوٹی بھابی کہنا۔ اس جان نے بہت اہتمام سے پات پر چوتا پھینکا ہے۔

بھائی صاحب۔ اتفاق کا چہرہ مظاہر ہو رہے ہیں۔ اس جان سوار روپیہ نکالیں۔ مسجد میں ریت کو چھوئے گا۔ کسے قول کا فاروق نے شور مچایا۔

اس لڑکے کو چین نہیں بن! ہنگامے سے ناشتا کر لے۔ صبح ہی صبح ہنگامے

اگر جانے۔

ہوں۔۔ وہ سچے دلی سے ہوں کر کے پھر پہنے پان میں لگن ہو گئیں۔
گروریہ آپا کو چھوٹی بھانجی کو ماضی شروع کر دیا۔۔ تو حسیب میری دان کو کیا کہے گا وہ بہت
آگے تھک کر آہستہ سے پورا۔

وہ تو بھلا بھلا اہل اجاث نے ان میں نہیں دیکھا۔ اتنی زور سے ہنسی چھوٹی تھی کہ اگر پانٹ منہ میں ہوتا تو سیدھے فاروق کی صورت پر چاٹ نکلتا۔

نقد چائے پیے سامنے ہے، رہی تھیں۔ درہجہ اور احوالِ جہان کو ہنستا دیکھ کر تجسس میں پڑ گئیں۔

اگلے صبح سے، منین وغیرہ شروع ہوگا۔ چچی جان آئیں گی کا مڑ دینے۔ کہہ رہی تھیں۔

ہاں تو چلی جانا لیکن سوو کی کیا وہاں

آپ ہی دین گی، ماں جان۔ سب تو ظاہر ہے میں آپ ہی کی نمائندہ ہوں کر شریک ہوں گی۔ خیر نس پڑیں۔

سدا کی دینا ہوگی اور دلہن کی منہ دکھائی ہوگی۔ کیوں

گی۔۔

لڑکی کی شادی ہوتی تو کوئی بڑا تھندو پیتے۔

پانچ سو سدا میں دے دیں گے پانچ سو منہ دکھائی میں۔ یا ہر روے دیں سدا

میں۔۔

یہ تو بہت ہیں ماں جان۔۔۔ نذر نے نوکا۔

تمہاری عزت کی بات ہے لیکن۔ اب ہمیں ہی تمہاری ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھنا ہے

اور یہ ہمارا فرض ہے بیٹی

نذر کی روح کی بہت بہت ٹکھری۔ اپنا گھر چھوڑتے ہوئے کتنے دھڑکے اور اندیشے

تھے جو ایک ایک کر کے دور ہوتے جا رہے تھے۔ انہوں نے عیدہ بیگم کو بہت مختلف پاتا تھا۔

بڑے دل واپس، بیمار پیشہ اور بہت قوت برداشت والی۔

خدا کرے ماں جان، میں آپ کے قلم خوبصورت جذبوں کا حق دار کر سکوں۔

عثمان نے ہمیشہ کی طرح بیٹی پوری سمجھاوا۔ اس کے ہاتھ پر دھکی تو انہوں نے فوراً کہہ کہ بڑی دلہن کو رو۔

نذر جو بہت سنجیدہ احساس اور سمجھدار تھیں چند ہی دنوں میں گھر کا، حول سمجھ گئی تھیں۔ فوراً

لغاف لے کر ساس کے پاس چلی آئیں۔ یہ آپ نے مجھے کیوں بھجوا دیا۔ گھر کی حکمران تو ماں

ہوتی ہے، اور بیٹیاں کبھی اپنی ماں کے اختیار سے دستبردار نہیں ہوتیں کیونکہ انہیں عطا ہوتا ہے

کہ ماں اپنے جیسے بھی دور کے نام ہی لگا دیتی ہے۔ بیٹی بھی کبھی ہیں اور فرق بھی کرتی ہیں۔

تب عابدہ بیگم نے بچہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

شکر ہے، لک ٹو نے کبھی مجھے ایسا ہی نہیں کیا۔ اب تو مجھے یقین ہو چلا ہے، کہ نہ تو جو

لاتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ میری ساس کسی قدر سخت مزاج تھیں۔ پر میں نے برداشت کی حد نہیں

بھرا تھی۔ آخری دم کس قدر قدرت تھیں میری۔ اپنی ایک ایک چیز میرے سپرد کی تھی۔ اپنے

ہاتھوں کی چیزیں، انگوٹھیں، سب اتار کر میرے ہاتھوں میں ڈال دی تھیں۔ اور ہینگی، کھنکھوں

سے اعتراف کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی زیادتی کر دیتی تھیں اور یہ کہ انہیں عابدہ بیگم سے کوئی شکایت

نہیں۔

اب عابدہ بیگم نے آخر وقت اپنی ماں کے اعترافات سنے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ تہہ دل سے

اپنی بیوی کی قدرت تھیں۔

سب ان کا دل کہتا تھا کہ ان کی بہو عیال کی میدان پر پوری اثر میں گی۔ احساس

تھا کہ عموماً جو بے کی کی کے سبب وہ یقیناً تعظیوں کی سرکوب بھی ہو سکتی ہیں جس کے جواب میں انہیں نئی قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ وہ اپنی دانشمندی کی وجہ سے کسی بھی صورت حال کے لیے شو کو ہمیشہ تیار رکھتی تھیں۔

تم اپنی تیاری کر رکھو دلہن، اور جتنے دن پیسے جانا ہو چلی جانا۔ یہی تو دن ہوتے ہیں بچوں کے آؤ دی کے۔ پھر پال بچوں میں گھر کر کہاں ہوٹا رہتا ہے۔ جب بچے کچھ دار ہوتے ہیں تو دل وہ نہیں رہتے۔ پھر ان کے مستقبل کی فکریں لگ جاتی ہیں۔ وہ اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولیں۔

چچی جان تو ریجہ کے لیے بھی کہہ رہی تھیں۔ ریجہ خود ہی منع کر رہی ہیں۔ نغمہ ریجہ کی مست دیکھ کر مسکرائیں۔

وہ کیوں مار جان جاتے جاتے ظہیر تھیں۔

کہہ رہی ہیں پھر گھر میں کون رہے گا بھی تو آئے ہیں ہم ہوگ۔ چچی، اپنی بیوی کے ہاں سے۔ نغمہ نہیں پڑیں۔

جیسی رہو۔ گھر کی فکر نہ کرو۔ میں جو ہوں۔ اور کون سی یہ تقریبات روز روز ہوتی ہیں تمہاری بی بی شادی ہوئی ہے۔ یہی بہانے ہیں پہننے اور نہنے کے۔ وہ جوتا کچھ رکھا ہے۔ وہ

کب اس حوالہ کرو گی ہنسو کیلو۔ ماری زندگی گھر ہی بنانا ہے۔ وہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

چچیں مائیں، ابھی بھی جان کچھ نہیں۔

کیا۔ وہ برتن اٹھاتے ہوئے حیران نظروں سے فاروق کو دیکھنے لگیں۔

کچھ بھی۔۔۔ بھی ابھی اسپورٹس چیزز مین، میرا مطلب ہے چیزز پرسن ٹھیکے کی جانگت دیکھا کریں نا۔

خود در ریجہ کی دلکش گرہ مم ہنسی سے فانی احمد کے گھر کے دروازہ پر کھڑا اٹھ۔

اس نے ریجہ کو دوسری طرف احسان صاحب سے۔ وہ سنبھل گیا۔

السلام علیکم

والسلام (وعلیکم السلام) انہوں نے اپنے مختصوں، انداز میں جواب دیا۔

(اللہ خیر کرے، آج تو، موسا جان نے یا کیا ہے) اس نے دل میں پتاہ، لگی۔

طریق بننے کہاں دو تم۔۔۔

طریق نے خود پر حیرانی سے نظر دوڑائی۔ میں نہیں ہوں جی اپنے آفس میں۔

میرا مطلب ہے، اتنے دنوں سے تم نظر نہیں آئے۔ عابدہ کا بھی فون آیا تھا۔ کہہ رہی

تھی تم نے گھر بھی بہت دنوں سے فون نہیں کیا۔ کیا بات ہے بہت مصروف ہے وہ مفصل گویا ہوئے۔

جی ہاں مصروفیت تو واقعی ہے۔ (جیتے رہیے، مائیں جان خود ہی بہانہ بناتے

کڑو یا۔) ابھی تیرے جان چھڑ گئی۔

کسی روز نہیں آج ہی۔ آج شام کا کھانا ہمارے ساتھ کھا کر۔

آج تو ہمارے جان بچا۔

آج ہی تمہاری ممانی جان کا اصرار ہے۔ وہ بات کاٹ کر بولے۔ کیا انہوں نے خون رکھ دیا۔

طریق نے نئی طرح ریسور کو گھورا۔

تین ذروں کے بلوں کے عوض، پٹی جاگیریں بنائیں۔ طریق احمد فاروقی۔ تمہیں تو۔
خیر۔ میں بھی پھر طریق ہوں۔ وقت خود ثابت کرے گا۔ کون بیٹا۔ کون ہمارا اس کی
زنی خود اعتمادی ہو کر کرتی۔

اس چیت کے نیچے تو حلق میں لوالہ پھنستا ہے۔ یہ کھانا کھا رہے ہیں۔

اس نے سر جھٹک کر پھر پنا کام شروع کر دیا۔

شام کو وہ چار دہا چار دہاں چلا آیا تھا۔

ممانی جان۔ اس میں غالباً اس کی منتظر تھیں۔

السلام علیکم

والسلام علیکم۔ آفس سے آرہے ہوں۔ انہوں نے بڑی محبت سے اس کے شانے پر ہاتھ

لگی نہیں۔ گھر سے آ رہا ہوں۔ ہنگ شرت اور بلیک چیت میں وہ بہت تر و تازہ سا دکھائی

دیکھ رہا تھا۔

حسن سے وہ نہیں بہت سوس کا بھلا ہوتا ہے بلکہ ہر دیکھنے والے کا بھلا ہوتا ہے۔

حسن کو دیکھ کر بھلا کس کی نظر کو تازگی کو حساس نہیں ملتا۔ وہ سرشاری سے مسکرائیں۔ وہ
بے حد خوش تھیں کہ وہ یہ در طریق کا کھیل بہت مشہور ہوگا۔

تمہارے ہمارے جان بچا۔ اس میں ہوں گے۔ آؤ۔ وہ لٹوئی وغیرہ تو ایک فی ویڈیو دیکھ
رہی ہیں۔ میرے شیشے کے مطابق نہیں

تھی اس پے میں یہاں بیٹھ کر تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

وہ سے لے کر گے بڑھیں۔ اور ٹی وی۔ اس میں لے آئیں۔

دریہ سرخ دوپٹے اور سیاہ شلو، رسوٹ میں ہنوس قالین پر بہت سارے کشن دیوچے
اونٹنی لٹتی ہوئی بہت گن نظر آئیں۔ فوزیہ کشن کا بیٹا سر کے نیچے کھے دراز تھی۔ تو یہ ابدت وہاں
نہیں تھی۔

السلام علیکم وہ فوزیہ کی منت متوجہ تھا۔

فوزیہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی۔ آپ آ گئے۔

وہ یہ جدی سے سنیں گی۔ السلام علیکم اس کو وہ مسکرائی۔ اس کی موجودگی میں تو وہ بہت بھلا ہو
کر صرف و صرف اردو بولتی تھی۔ جیسا کہ اس سے ملنے پر ہیڑ کرتی تھی۔ کئی ملاقات میں اس
نے نکال کیا۔ یہ تھا فیشن زدہ طبقہ کو۔

وہ اسے اپنی روح میں اتار چکی تھی۔ ہر بات اس کی پسند کی کرتی تھی۔ کتنی مشکلوں سے پایا تھا اسے۔ حالانکہ وہ اب بھی اس سے دور رہتا تھا۔ مگر وہ بے حد سکون تھی۔ مطمئن تھی۔

اس کی حنا میں گرفت میں تھیں۔ پھونچتی پھونچتی پھونچتا تھا کہ یہ وہ سے چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ اب اس کی فینڈیں بٹھکی ہوتی تھیں۔ طارق کی کج ادائیگیوں کے باوجود۔

اس بھمکی۔

ستم، بے پرواہی، پیشہ کی ہوا، اسے محبوب تھی۔

اس خیال کے بعد ہی اس کا دل تہقہ لگائے لگتا تھا۔

کہ سو اس کا ہے۔ صرف اور صرف اس کا۔ بھی وہ سے بچھو نہیں سکتی۔ سکرچھو نہیں سکتی۔ مگر چھو بھی لے گی۔ کچھ دیر کا انتظار ہے۔

کیسے ہیں آپ۔ اس نے دوپٹہ پھراؤں سے گلے میں لگاتے ہوئے پوچھا۔

ٹھیک ہوں۔ وہ نظر چراتے ہوئے سسٹے کی سمت بڑھا۔

اب آپ آگئے ہیں تو میرا ایک کام کر کے جائیے گا۔ فوزیہ بھی وہاں سے اس کے برابر آکر بیٹھ گئی۔

خدا یا رحم۔ بھی اب یہ چھل کو بند کر کے کچھ بنیادی سے رہا کرو۔ وہ ہنسا رہا کہ یہ کام کون سے پہلے قیامت۔ طارق نے اس کی سمت شرارت سے دیکھا۔

کون۔۔۔ فوزیہ خاصی سیدھی سا بھی تھی۔

وہی جس مظلوم کو جوڑا تھا وہ ساتھ بنا ہے۔

اب وہ خود کو بہت کنٹرول کر چکا تھا۔ کیونکہ تقریباً سب ہی حیرتی سے پوچھنے لگے تھے کہ اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ حریف تو کوئی دور ہے، دور پھر وہ اس قدر گیا مگر یہ نہیں ہے کہ کوئی اسے بدل کر رکھ دے۔ کسی کی کیا مجال جو اس پر چھا کر سے اپنی سادہ کا مہرہ بتائے۔ جس دن وہ یہ سوچتا تھا پہلے کی طرح ہو چلا تھا (بظاہر)۔ مگر بدل تو اس سے کچھ چھڑانے کے پہنچانے والے بننا رہتا تھا۔

میرے جوڑے کی فکر چھوڑیں۔

دو تو، مسلسل میں بندھا ہے۔ طارق نے اس کے جھلے میں گرہ لگائی۔ اور اس دیا۔

فوزیہ نے اسے ناراضگی سے دیکھا۔

ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا کام ہے مجھ سے وہ جلدی سے ہوا۔

یہ جو آپ کی نیگم صاحبہ نا۔ اس نے فی دی بند کرتی دور کی طرف اشارہ کیا۔

دور کا دل وہ عزت کا تھا۔

(اے خدا۔ کیا میری قسمت اپنے حوالے اپنے ذکر اپنی سوچ سے خالی ہو چکی ہے۔ ہر قدم پر صرف سی کا ذکر) وہ کچھ بول نہیں، صرف فوزیہ کی سمت خاندان نظروں سے دیکھا۔

یہ بہت ذل ہوتی جا رہی ہیں۔ میرے ساتھ جیم خانہ بھی نہیں جاتیں۔ نہ پارٹیز، ٹیڈ کرتی ہیں۔ سنہ شایگ شب سہیل

کرتی ہیں۔ کیا کر دیا ہے آپ نے وہ جھوٹی۔

میں نے وہ بیساختہ کہا تھا۔

یہ سب آپ ہی کا کیدھر ہے۔ ورنہ یہ پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔

خود شیس کورٹ بھی نہیں جانتیں۔ ان کا دل تو بوزھا ہو جائے گا۔ وہ فکر مندی سے ہوں۔

اس کے اندر میں اتنی تشویش اور سادگی تھی کہ وہ صرف اور صرف اس کی حالت پر قہر لگا دیتا۔

بوزھے دل والے یہ بے ہودہ قسم کی سووی دیکھتے ہیں۔ اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ایک لمحہ بھی

ورنہ کو خوش نہیں ہونے دیا۔

مجھے تو آپ سخت قسم کے کنزرویٹو (دقیق نوعی) لگتے ہیں۔ وہ منہ بنا کر ہوں۔

مجھے زندگی کی ہر چیز باحقی اور وجد کے ساتھ پسند ہے۔ ابھی ہی موسیقی، ایک طیف سا

حساس مسرت دیتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر نس لیتا ہوں۔ کوئی باحقی اور زندگی کے کسی جج

سے ٹچ کرتی ہوئی کوئی سووی آتی ہے تو دیکھ لیتا ہوں۔ بات یہ ہے وقت ضائع کرنا پسند نہیں

کرتا۔ اب چاہے جو نام بھی دے دو۔ میں نہ انہیں مانوں گا۔ وہ تو زیادہ کچھ کہیں گے۔ انہیں ہنس

ملسکا۔

ہم ڈسکس کر رہے تھے آپ کی کو۔

پھلا۔ یاد آ رہا۔ بھول گیا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

آپ کی فوزیہ نے شہزادہ بھرے انداز میں ٹھکور۔

نہیں۔ موضوع کو۔ (دوست تو کبھی بھی ذہن سے محو ہو سکتا ہے دشمن نہیں)

سب آپ ان کا علاج تاکر جائے گا۔ میں سخت بور ہو رہی ہوں۔ آجکل۔ وہ ہوں۔

پڑھا لکھا کرو۔ ٹیک کام کرو۔ کھاتے، سوتے تو واقعی آدمی بور ہو جاتا ہے۔

اس نے شرارت سے اسے ہچکچا۔

اہم کھیلنے لگی ہیں۔ اس نے گویا، طعنا دی۔

وریہ، ابھی تک کچھ بیٹ کے پاس بیٹھی کیسٹس دیکھ رہی تھی۔

قسمت خدا کی تحریر ہے طارق احمد غریب کا دکھ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے یہ اس کا

نصیب ہے وہ، پنا نصیب بدل لے کسی ور کا بیانات میں جا رہے۔ گرا اس کے حق میں جو۔

خوش نصیب کے منکھ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ وہ کسی سے چھین نہیں رہا۔ اسے ملا ہے۔

قدوت نے چانسز دینے تک ہی ناں۔

ہم اپنے حصے کے سکھ سیکھ رہے ہیں۔ یہ ہمارا حق ہے چاہے کھ کر سو کر گزریں یا کھیل

کو کر۔ یہ بات طے ہے۔ جو مزے اٹھا رہے ہیں کسی سے چھین کر نہیں لے رہے۔ میں دے

گئے ہم نے لے رہے۔

وریہ نے گھوم کر بڑی شان میں بیوی، مستفنا، قدرے نجات سے طارق کو مخاطب کیا۔

(بھرے پاس تمہاری ایک ایک بات کا جواب موجود ہے ورنہ بیگم۔ مگر وقت آنے دو۔

ایک پارٹم سے لکھا تھا ابھی تک ٹھک رہا ہوں۔ مجھے وقت کا انتظار ہے۔ ایک ایک حرف کا

فرض بناروں گا۔ تم بھی یاد دہانی کرو گی کہ کس سے لکھائے تھے)

وہ خیال سے چونک کر ایک دم فوڈیہ سے مخاطب ہوا۔

یار۔ ماموں جان نہیں آئے ابھی تک۔ اس نے در یہ کو در یہ کی بات کو زنی طرح سے نظر انداز کر کے اس کی ذات بالکل سمجھنی کر کے رکھ دی تھی۔

”تے ہی ہوں گے۔ اس نے کاک کی طرف نظریں نہ اٹھائیں۔

آئیے طارق کارڈ لکھتے ہیں۔ در یہ نے آفر کی۔ اب وہ پھر بدی ہوئی نظر آئی۔

آپ دونوں کھیلے، میں۔ فوج بندہ کر دیتی ہوں، کسی کو آنے نہیں دوں گی۔ فوزیہ شریر ہوئی۔

اتنے خوبصورت مذاق۔ ایسے جلتے ہوئے موسم میں۔ اس کا سینہ دھک اٹھتا ہے ان

چاقی کی ریت یہ بے کیف

کی فضا۔

اس سرے پر نہیں ہوں سچا میں دیر ہے اور اس پار وہ وہ۔ کون۔ جس کے چہرے اور سراپے کے خدوخال واضح نہیں ہیں جو سایہ سا دکھائی دیتا ہے۔ یہ تو کوئی روشن چہرہ تھا در یہ تم نے اسے سنا ہے کہ کد کھلا ہے۔

دکھائی دیکھتے تھے جس کے پورے وجود کو، ری کی طرح رگیدتی چلی گئی۔

مجھے یہاں ماموں جان سے ابو ایوب کیا ہے۔ میں کارڈ لکھتے نہیں آیا۔

اس لئے وہ یہ کیستہ دیکھا۔

کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ در یہ بہم کر رہی۔

(عجب سے۔ وہی بوطارق احمد فاروقی۔ گرم جوش کے نہ ہوتے تو کب کے مر گئے ہوتے۔ جیسے گرد پیکھیل کے کیا غصہ ہوتا ہے)

وہ قیاس کھینچ کر گئے پیچھے سے برابر کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

معلوم ہے مجھے کہ آپ کو پاپا نے مدعو کیا ہے۔ کیا مدعو کیے گئے لوگوں پر کارڈ لکھنے کی پابندی ہوتی ہے۔ وہ گویا سفید جھنڈا ابر کر مسکرائی تھی۔

فوزیہ فیس پڑی۔

اسی دم ٹوپیہ ہاتھوں میں تیر تیز برش کرتی، فوج میں داخل ہوئی۔

بوطارق بھائی۔ وہ خوشی سے چلائی۔

منع کیا ہے، ابھی فلو سے اٹھی ہو مت غسل کیا کرو اتنی شام کو۔ فوزیہ نے اس کے بھیکے بال دیکھ کر جھانپائی۔

بب تو ٹھیک ہوں، بیوا وہ فوزیہ کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر دمار سے لائی۔

تم بیمار ہوتی ہو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ سچے سے دل کی ہے یہ فوزیہ نے انگلیوں کے اشارے سے ثویہ کے دل کا سائہ بتایا۔

ابھی تھیں تو نالوں کے دونوں کے سائے تک پتا ہیں۔ ویسے گھوڑے کے دل کا سائہ کیا

ہوتا ہے۔

طارق نے اسے پھینکا۔

”آپ کو نہیں بتاؤں گی۔ آپ کا کیا بھروسہ۔ کیا نقشہ تیار کر کے اس پر بھی کوئی پناہ بنا ڈالیں گے۔ طارق کا بیساختہ وراسی قہقہہ اور ثویب درسیہ کی ہنسی اس میں ہم آہنگ ہو گئے تھے۔

اور تھوڑی دیر بعد، مومن جان بھی تشریف لے آئے۔ طارق کو موجود پا کر ظہار مسرت کیا۔ پھر لہاس وغیرہ تیدیل کرتے چلے گئے۔

پھر کچھ دیر بعد کھانے وغیرہ کا سہلہ شروع ہو گیا تھا۔

نیل پر تو خاصی رکھی سی بات چیت رہی مگر وہ اس وقت چونکا جب اسے احسان صاحب کے ساتھ تھہر کر دیا گیا۔ ایک ایک کر کے سب کھسک گئے تھے۔

کافی کے کپ سا منے رکھے دونوں مومن بھانجے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد، مومن جان گویا ہوئے۔

بیٹے ایک ضروری بات کرنا ہے تم سے۔

جی قہر پاتے۔ وہ سنبھلا۔

منا ہے تم کوئی کورس کرنے دینا چاہا ہے ہو۔ نہیں نے غور سے دیکھا۔

جی ٹھیک سناتے۔ مگر اب دینا نہیں جرمی جا رہا ہوں۔

ہاں۔ یاد آیا۔ یہی بتا رہی تھیں تمہاری ممانی جان۔ انہیں یاد آ گیا۔

کیا تم اپنی موجودہ جاب سے مطمئن نہیں ہو؟

نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں، بس فیوچر پائننگ کا ایک حصہ ہے یہ کورس بھی۔ بچے کام کا ورنہ پھینکا چاہتا ہوں۔ وہ اطمینان سے گویا ہوا۔

گند۔ تو پھر میرا خیال ہے کہ رخصتی کر دی جائے۔ در یہ بھی ٹھیک ہو جائے گی۔ کیا خیال

ہے تمہارا اب وہ اپنے مطلب پر آئے۔

نہی۔ وہ ایک دم چونکا۔ میرا پروگرام کچھ زیادہ لمبا نہیں ہے۔ دس ماہ میں واپس آ جاؤں گا تو پھر۔ وہ رک گیا۔

تمہاری والدہ سے بات ہوئی تھی فون پر۔ وہ تیار ہیں مگر کہہ رہی تھیں تمہاری سہولت بھی دیکھی جائے میرے خیال میں، ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ اخراجات وغیرہ کی تم پر وہ نہیں کرو۔

طارق نے ایک تھنڈی سانس بھر کر انہیں غور سے دیکھا۔

دراصل میں ذریعہ کو رخصتی اس لیے جلدی کرنا چاہتا ہوں کہ پھر فوز یہ بھی ہے۔ جب سے

بیماری سے اٹھیں اس میں بھی خیال رہتا ہے کہ اپنی زندگی میں بچوں کو ان کے گھروں میں استا دیکھوں۔ وہ بولے۔

درحقیقت وہ اپنی بیگم کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے اگر انہیں تو ابھی رخصتی وغیرہ کا

خیال بھی نہیں آیا تھا۔

مرویت کر گئی۔

وقت تنہا رہے مطابق ضرور بے حد رقی۔ اور میرے صبر کا راستہ بھی طویل۔ لیکن۔

وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی۔ اس کے کان خوشخبری کے ٹھٹھرتے تھے، اور اب جیسے ساتھیوں
ساتھ نہیں کر رہے تھے۔

وہ صرف تین دن کی چٹائی پر کھڑا آیا تھا۔ "ج کل وہ ویسے ہی بہت معروف تھا۔ ایسا
محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی ذہنی شخص کی ہو یا وہ کسی شجر سے سے اسیری کاٹ کر نکلا ہو۔

نقد اور سچہ کو اتنا ہنسنا تھا کہ وہ اپنا آپ بھلا ٹیٹھی نہیں اور وی۔ ٹی۔ پی ٹریٹ منٹ
وے رہی تھیں۔

دیکھو بھی خبردار جو کسی پر ویسی میں مجھ بچارے کو پریشان کرنے کی کوشش کی۔ یہ نہ ہو کہ
جا کر نگوں اور فریڈمنس کے راشن کارڈ بچنے شروع ہو جائیں۔

میرا راشن کارڈ تو تم ساتھ ہی بیجا نامہ ہیڈ تھیں۔

فکر نہ کریں۔ سارے چابی سے چلنے والے کھلونے ماراؤں گا تا کہ تیلوں کے دھندلے میں
شیر خوار رو کر آپ کا ناک میں دم نہ کریں۔ رہی طرح شرا کر رہ گئیں۔

نہایت کڈ مارا کام بھی دے لیا کر بھی۔ ہاں چاٹنے کے سر پر ہڈیوں کے کراسے جھاڑو

جمعے کا دن تھا۔ اب جان ہی رہی معروف تھے۔ وہ وہیں چلا آیا۔ وہ نیکل لیسپ
جلائے کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ تھے مصروف کہ انہیں لکڑیوں کے پودے سرکانے کی بھی

ان کی بیگم نے انہیں ہونے کر رکھ دیا تھا۔ بقول ان کے چہرہ ہی لیکن کا لڑکا لہلہ کا اس کا لڑکا
ہے۔ یہ لڑکے باہر جا کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ خاص طور پر یورپ کی چکا چند ان کی
داشت چھین لیتی ہے۔ اور پھر ہاں کی آواز دہرا دیتا لڑکیوں۔ لڑکا خوبصورت اور تعلیم یافتہ
ہے جانے کتنے راستے اس کے لیے کھل جائیں گے۔

تب وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتی سنجیدہ ہو گئے تھے۔ کہ بہر حال وہ بہترین اور بااثر
دوسرے قریبی تھے۔

وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر جان مگر میں سمجھتا ہوں کہ فیملی کے ساتھ مکمل یکسوئی سے کام کرنے
میں مجھے دشواری ہوگی اور میں پناہ گزین اس طرح حاصل نہیں کر پاؤں گا جس طرح میں چاہتا
ہوں۔ آپ خط و قلم کے خدشات کو دل میں جکد نہ دیں کچھ نہیں ہوگا۔

احسان صاحب نے چونکہ کراس کی صورت دیکھی۔ کیا یہ لڑکا سوچیں پڑھ سکتا ہے
ایک لمحے کو وہ کچھ چور سے ہو گئے۔

میرا مطلب یہ نہیں ہے بننے جو تم۔ بالآخر وہ بولے۔

وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میرے شاندار مستقبل کے لیے آپ کا تعاون بھی
ضروری ہے۔ اس نے اپنے مخصوص دو ٹوک انداز میں جواب دیا۔

اس کا ہجرتا قطعی تھا کہ وہ زود اثر دلیل دھونڈے رہ گئے مگر ہاتھ کچھ نہ لگا۔ فرانسیسی
دریچے سے ناک نکالے ہوئے وہ یہ ہمت نہ کر سکتے تھے۔ یہی وہ ڈھکس کی رٹ دے رہے ہیں

مہبت نہیں کی تھی۔

اب تو مہمان بن کر آتا ہوں لہذا آپ پھر بھی لفت نہیں کرتے۔ وہ کڑکیوں کے
پودے سرکالے لگا۔

بھئی لفت تو تم نہیں کرتے ہمیں۔ بھابھیاں کیا ملی تھیں کہ روگرد نظر تک نہیں ڈالتے۔
انہوں نے قلم رکھ دیا اور اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائے۔ تم تو ہمارے یہ مہمانوں سے بڑھ
کر مہمان ہو گئے۔

ریڈیو چل رہا تھا شاید ہجان نے گیارہ بجے کی خبروں کے لیے کھول دیا تھا۔ گیارہ بجتے میں
چار منٹ باقی تھے۔ کوئی کمرشل پر گرم چل رہا تھا۔

اسی دم ایک نعرہ بھر۔

طارق کی سٹی ٹیم ہو گئی۔ اس نے چوری چوری باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھنے کا
اردوہ ملتی کر دیا۔ چار تک ہجان نے کبھی اسے گاتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

مگر چور کی وارنٹی میں تنکے کے صندوق اس پر گھبراہٹ غائب آگئی تھی۔

وہ آگے بڑھا اور ریڈیو کی آواز بے حد دھجی کر دی۔

پٹ کر دوپا رہا باپ کی طرف آتا تو وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

میں نے سوچا اب تو بہت دنوں میں ملاقات ہوگی۔ جتنے وقت تناہام نہیں ہوگا کہ بات
چیت ہو سکے۔ کیوں نہ آپ کو دست ب کرتی دیا جائے۔ اس نے فیس کر پٹی گھبراہٹ دور کی۔

ہاجان اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ مسکرا دیا۔ ٹھیکہ کر رہے ہو۔ وہ بولے۔
بھئی طارق کیاں۔

جی ہا جان وہ اپنی ساقی حاست پر واپس آ چکا تھا۔

بھئی جب تم یں۔ ای۔ ڈی میں تھے تو کبھی بارانعات وغیرہ دے تھے جیت کر۔ غالب
موسیقی وغیرہ کے مقابلوں میں حصہ لیتے تھے۔

جی۔ اس نے دل سنبھال کر وہ فکر مند نظروں سے انہیں دیکھا۔

ایک مرتبہ غالب حبیب نے قیہارے کسی فنکشن کی کیسٹ ہمیں سنائی تھی۔

جی۔ اس کا دل اچھل کر مطلق میں آ گیا۔

بھئی اتم نے ایک غزل بہت خوب گائی تھی۔ کیا تھی وہ۔ انہوں نے ایک لمحے کو سوچا۔
اب اور کیا گسی سے مراسم بڑھا ئیں ہم۔ غالب فرزند کی ہے۔ ہم نے کئی بار سنی، بہت اچھی لگی تھی
ہیں۔

یہ جو نعرہ رہا ہے اس گلوکار کی آواز میں، اور تمہاری آواز میں ہمیں سرغورق محسوس نہیں
ہو رہا۔

طارق کی ٹھکی ٹھکی نظریں تانٹھ سکیں۔

بیٹے۔ ریڈیو کی آواز تو پیسے کی خاصی مدد تھی۔ تم نے بالکل ہی معدوم کر دی۔

اس کی حاست خیر ہو گئی۔ (طارق اٹھ کر یہ قیہارے بھی باپ ہیں۔ آں جناب کے والد

مسترم) اعتماد اور محرم کے حصے ٹوٹ جائیں گے تو باقی کیا رہ جائے گا۔

اگر کوئی گیت ریکارڈ کر ہی لیا تھا تو کم از کم ہمیں تو مطلع کرتے۔ آخر باپ ہیں

تمہارے۔

طارق سے تو نظریں نہ اٹھائی گئیں۔ (کتاب طوفانِ انجمنہ) (ہے) اس نے تصور کیا۔

بیٹے۔

نگی اپا جان

نہیں تو شاید پتا بھی نہ چلتا۔ مگر تم نے ہی ہمیں بتا دیا۔ میں یہ پروگرام ہم جمعہ کو مننا

ہوں۔ میری پوری توجہ تھی اس طرف۔ تم نے اتنی ٹھیکر بیٹ اور تیری میں ریڈیو دھیم کیا کہ

ہو سکتا ہے میں غلط سمجھ رہا ہوں۔

وہ سنا جان بات دراصل یہ ہے۔۔۔۔۔ کہ میں نے ناچتے ہوئے کسی کے شدید اصرار

پر یہ گیت ریکارڈ کر لیا تھا۔ آپ قسم لے لیں جو چاہیں۔ میں نے تو اس کا معاوضہ تک نہیں لیا۔

اسے جھوٹ کی پرنٹس نہیں تھی۔ اور اتنے واٹمنڈا نہ درگھرے باپ کے سامنے وہ

اداکاری بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجبوراً آپے گناہ کا اعتراف کر لیا۔

فائق احمد نے سبک نظر دیکھا اور گویا ہوئے۔

بیٹے ایک اور اہم اطلاع دوں تمہیں۔۔۔

(ایک فیئر) مگر۔۔۔ شاید وہ دیا میں صرف اپنے باپ ہی کے سامنے اس قدر دیتا تھا۔

یہ سیت پچھلے جمعہ کو بھی اسی پروگرام میں نشر ہوئی تھا۔ اور کل رات کے ٹھکانے گیتوں میں

بھی شامل تھا۔ سچ کل خبریں ذرا اہم قسم کی ہوتی ہیں اس لیے پانچ دس منٹ پہلے ریڈیو کھول

لیتا ہوں۔ دلت۔ مگر چارناؤ سر نے پورا نام تو نہیں لیا تھا۔ مگر بہر حال میں نے اس گیت کے

گلوکار کا نام طارق لیا تھا۔ ہمیں یونہی شک سا ہو تھا۔ مگر بھی کچھ دیر پہلے کی تمہاری ایک حرکت

نے ہمارے شک کو یقین میں بدل دیا۔ اور اب تو تم نے اعتراف کر لیا تھا۔

طارق کا ذہن میں سا ہو کر رہ گیا تھا اس جانب تو اس نے دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ آخر

فلکی نغمے تو دن رات ریڈیو سے نشر ہوتے ہی ہیں۔

اگر تم ہمیں بتا دیتے تو کوئی حرج نہیں تھا۔ تم سے بہر حال اس قسم کی امید نہیں تھی۔

طارق بری طرح شرمندہ تھا۔ اپا جان تو سدا کے دھیسے تھے۔ اصل ڈرو تو اسے ماں کا تھا۔

پھر میں نے ایک ایک حرف پوری سچائی سے باپ کو بتا دیا۔ تب فائق احمد گویا ہوئے۔

مگر تمہیں شوق ہے اور خوشی ملتی ہے تو کبھی کبھار اپنا شوق چوراکر لیا کرو۔ کوئی بات نہیں۔

طارق احمد نے حیرت ہو کر ان کی صورت دیکھی۔

اس جان کو ہتا چل گیا نا تو وہ مجھے اس گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گی۔ پلیز

جان اس نے درخواست کے انداز میں باپ کو دیکھا۔

میں جبر کا قائل نہیں ہوں بیٹے۔ اور والدین کو دھوکا دے یا خود میرے میں رکھے تو اس

سے کہیں بہتر ہے کہ سے خود ہی اجازت دے دی جائے۔ کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

پابندی اس کی آتش شوق کو بجھ کاٹی ہے۔ ورنہ زلزلہ میں اقصیٰ بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور پھر
 مجھے یقین ہے کہ تم کبھی ایسے راستے پر نہیں چلو گے جس میں ہماری سہارنی رہا طشت اکابر
 چلی جائے۔

مے اپنے شکم سے باپ پر فخر محسوس ہوا۔ جب یہ شکم سے وہ گویا ہینک گیا۔

میں اس نافرمانی پر آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

وہ خود بخود خوشحال و سزا زدہ تھا۔ پھر بھی اس نے معافی مانگ کر باپ کا مات بڑھایا۔

اماں جان کو بچا چل گیا۔ وہ پریشانی سے بولا۔

فلان احمد مسکرا دیا۔ کچھ نہیں کہیں گی تمہاری ماں۔ لیکن اس کا اندازہ غصہ خط لگا۔

اماں جان تو سنتے کے ساتھ آگ بگول ہو گئیں۔

اجازت۔ یعنی میں اسے میراثی لینے کی اجازت دے دوں۔ ہوگ کیا کہیں گے کہ کس

دوہ میراثی خاندان سے تعلق ہے ہمار۔

عثمان کی ماں یہ وہ زمانہ نہیں جب پیٹھے اور قرن تقسیم تھے اور ان پر مخصوص لوگوں کی

اجازت دینی ہوتی تھی۔

ہونہر سب بھائی میراثی سب لڑکار ہو گئے۔ وہ غصے میں بولیں۔

پانا کے رکھوں روپے کا شورہ کم کا، لک گویا تمہارے نزدیک سوچی ہو گیا۔

اور وہ جو احسان، مہراں نے لوری لیسر کس کے نام سے کپڑے کی لٹ لٹائی ہوئی ہے گویا وہ

کپڑے لٹے والے۔

اچھا تو چپ گزرتا نہیں نے حمایت کرتے حساب کو ڈانٹ چلائی۔

اور یہ کون سا ہا قاعدہ گلوکار بن رہا ہے۔ کبھی کبھار میں کوئی حرج نہیں۔

بس تیس پونہ لگا کرتی ہیں۔ آپ اور سرچہ چاہیں۔ وہ ناراض ہوئیں۔

چھوڑ عثمان کی ماں۔ یہی دو چاروں ہیں ان کے تخیل تماشے کے ذمہ داریاں پڑ جائیں

کی تو کب فرصت ہوگی نہیں کسی شغل کی سب ہمیں ہی دیکھو۔

نچا ہاں۔ آپ سے تو میں نے ایک ناگہ پر کھڑا کر کے چھوٹے کر دئے ہیں۔ آپ کی

بیچاگی کے کیا کہنے۔ وہ شوہر کی حمایت پر سنگ سنگ کر بھڑک رہی تھیں۔

بہوئیں دو توں خاموش تھیں۔ وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔

عثمان نے بھی دے دے و بے انداز میں عارقی کی حمایت کی۔ یہ بیچ نے ارمان کو شہ کا دیا۔

کہ وہ بھی کچھ بولیں۔

ارمان نے انہیں اشارے سے کہا کہ تسلی رکھیں۔

بھئی یہ پیشہ ہو گلوکار بننے تو نہیں جا رہا۔ کبھی کبھی کی بات ہے۔

یہ کبھی کبھی بھی کچھ کم طوفانی نہیں ہوتی۔ خطبات کی شہادت دیں پتے بیٹے کو۔ ت کا

موڈ پر ستور خراب تھا۔

تھیک ہے، اہ، چان۔ جیسی۔ آپ کی مرضی۔ یہ تو وہ پہلے ہی جانتا تھا۔ سو بات ختم کی۔

تھکا دے۔

پھر یوں بھی من کی عزیز اہل جان دوست ڈاکٹر صاحب کا چنانی۔ دلی برسوں سے کام کر رہا تھا۔ بہت ہدف و قاطریقے سے۔ بہت عزت کی جاتی تھی اس کی۔

عزت ٹوائٹن کا کردار کرتا ہے۔

اور وہ اپنے تمام بچوں پر بہت عقائد کرتے تھے۔

اے جان جس فلم میں چھوٹے بھائی گانا گائیں گے اس فلم میں آپ ملکہ جذبات کا کردار ادا کیجیے گا۔ باپ کے چاتے ہی فاروق شریعہ ہو۔

خدا نہ کرے۔

پھر ایک دم چونک کر رہید کی طرف پلٹیں۔ اے وہ ہیں۔ یہ ملکہ ترنم۔ ملکہ غزل، ملکہ برصغیر یہ قاصد آ رہے تھے یہ بھلا ملکہ جذبات کا کیا مطلب ہے۔ کیا دوسرے بغیر جذبات کے ہوتے ہیں۔ یہ وہ ملکہ جذبات یہ بھی خوب رہی۔ ملکہ جذبات ہوں گی تو بادشاہ جذبات بھی ہوں گی تو بادشاہ جذبات بھی ہوں گے۔ شہزادہ جذبات۔ شہزادی۔

کیونکہ انہوں نے کبھی فلم وغیرہ نہیں دیکھی تھی۔ اور جب دیکھی تھی تو یہ اصطلاح کی اعتراض نہیں ہوتی تھی۔ اس بے انہوں نے واقعی اس پر تعجب کا اظہار کیا اور نہیں۔

بھلا اس لڑکے سے کیا بھید ہے۔ وہ خوشگوار موڈ میں مسکرائیں۔

واقعی اے جان یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے ۱۲ ویں صدی میں۔ فاروق بھائی اپنے

انگریز بھائی کا ہم سے چھپ کر کرے اور تمہیں پتا نہ چلے تب فائق احمد اپنے گھر کو کسی طوفان سے بچانا چاہتے تھے۔ وہ زمانے کی روش کو بچانے والے انسان تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ کھن کا شکار کوئی نوجوان زیادہ عرصے تک نہیں رہتا۔

تمہیں اندازہ نہیں عثمان کی اس میں کس بنیاد پر اسے جازت دے رہا ہوں۔ وہ بھی تھک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

غائبہ بیگم پر اس جیسے کا فوری اثر ہوا۔

میری عزت آپ کی عزت سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اگر آپ کچھ سوچ کر اسے جازت دے دے ہیں تو ٹھیک ہے۔ کبھی کبھار یہ کر لیا کرے اپنا شوق پورے مگر خبروں میں الٹی سیدھی خبریں نہیں لگنا چاہئیں۔ اور نہ الٹی سیدھی عورتوں کے ساتھ تصوریں وغیرہ بننا چاہئیں۔ ہاں اس اوقات کھول کر دیکھو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

وہ سوچ رہی تھیں فائق احمد جیسے واضح و درانداز نے جو بھی فیصلہ کیا ہے کبھی بدی سے کیا ہے۔ یوں وہ دھیمی پڑی تھیں۔

خوش ہو بیٹے۔ وہ مسکرائے۔ ہاتھ دھوئیں۔ بہت جبر و ضبط کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا۔

بہت بہت شکریہ ادا جان۔ اس نے جذبہ تشکر کا اظہار کیا۔

وہ تو کب کے اٹھیا رول چکا تھا۔ لیکن باپ کی نرمی سے فائدہ اٹھانا اپنا حق سمجھا۔

فائق احمد کو عقائد تھا کہ تاجپا شیرخوار اور خلیفہ بیت نہیں ہے من کی کنگی ۱۹۱۵ کا سر

پاس سے نہیں کہہ رہے۔ حسیب نے اس کو سمجھایا۔

تم میری شہرت کے ہر مکان کو خاکہ میں ملاتے رہنا۔ کیا تھا جو بھگنے دیتے کہ یہ
صدر ج میری گھڑی ہوئی ہے۔ سب ہنس دینے۔

چھوٹے بھائی، اپنی فلم کے مہودت پر مجھے ضرور دیا ہے گا۔ فاروق نے فریادیں کی۔

یہ آپ کے گلے میں ڈالے جاتے والے ہارمیٹ کمرہ میں گئے اور بیچ کر گاڑی میں
پیٹرول ڈسٹ میں گئے۔ آج کل ماں جان نے دن کا ہاتھ تنگ کیا ہو ہے۔ حسیب نے، کشاف
کیا۔

اے ہاں۔ خدا معلوم کہاں مار مار بھرتا ہے۔ ہر دوسرے روز کھڑا ہوجاتا ہے کہ وہ
پیٹرول ڈسٹ کو لوتا ہے۔ خدا جانے گاڑی میں پیٹرول ڈسٹ ہے یا گاڑی کو پیٹرول سے بھرتا
ہے۔

عثمان۔ تم کتنے دنوں میں ڈبوتے ہو پیٹرول۔

حسیب نے اس جان کو خوب یاد دلایا تھا۔ وہ واقعی تنیدگی سے عثمان کی طرف متوجہ
نہیں۔

فاروق حسیب کی سمت کھانے والی نظروں سے محسوس رہا تھا۔

حسیب حسب عادت عذرا سے بات نکلنے پر ہچکچتا رہا تھا۔

سردیوں کی شام تو گویا سر پر ہی رہی رہتی ہے۔ سارا گھر پانچ بجنے والے تھے دردت

دب پاؤں جو جی محسوس ہونے لگی تھی۔

وہ چلچلاتی دھوپ میں عازم سفر ہوئے تھے مگر گونج کر ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ بہت
طویل سفر کے بعد یہاں پہنچے ہوں۔

جیپ کیا تھی آثار قدیمہ کا شہکار تھی۔ بیسویں صدی کی یادگار کے طور پر رکھی گئی تھی یہ واقعی
مجبوری تھی۔

آپ، ایک منٹ ٹھہریں میاں صاحب میں معلوم کر کے آتا ہوں۔ مرقعی راشٹری نیچے
اُترتے ہوئے بور۔ میاں صاحب نے چھڑی دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھامی اور
آنکھیں بند کر لیں۔

آجائے میاں صاحب۔ یہی گھر ہے رسول بخش کا۔ وہ فوراً ہی ایک بچے سے معلوم کر
کے آگیا تھا اس نے سہارا دے کر میاں صاحب کو تاما۔

دونوں نبی بخش کے گھر کی سمت بڑھے۔

نبی بخش ہانپتا کھانپتا آتا نظر آیا۔ درجہ دی سے آ کر میاں صاحب کے ہاتھ تھام بیٹھے۔
السلام علیکم میاں جی۔ اتنی زحمت میرے لیے۔ وہ انہماکی سے گویا ہوا۔

ہاں نبی بخش۔ خدا کی زمین پر رزق تلاش کرنے کا مطلب یہ تو نہیں کہ انسان حقوق
الغیر وصول جائے۔ اس کے سوا کچھ جواب دے کر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے

۱۱۱

مجھے ہنسی خط کا احساس ہے میاں جی۔ میں آپ کو اپنی محاسنت کیا بناؤں۔ کچا کوٹھا تھا جی
میرا۔ ان بارشوں میں گر چار۔ بڑی مشکل سے ڈیرے سے نکلیں گھسٹن سے رقم، دھاری ہے۔
فصل سننے پر جو پیسے ملے تھے وہ جی گھر والی کی بیماری پر خرچ ہو گئے تھے۔ کوٹھا پکا کر وارہا
ہوں۔ دھرتوسب کبڑ پھینکا ہے۔ آؤ وہاں چلتے ہیں جہاں آج کل مہر ٹھکا ہے۔ وہ نہیں
لے کر آئے بڑھ گیا۔

گھبراتے نہیں ہیں نجی بخش۔ وقت چھا ہوا نہ گزر جاتا ہے۔ اللہ کا شکر کرتے رہا کرو
جس کی مہربانی ہے کہ اس کی رحمت اندھیروں میں دے دیتا ہے اور جنگل میں راستہ۔
وہ توفیق کی تعریف کا بہانہ ڈھونڈتے تھے۔ بہت مدھم آواز میں کہتے وہ دین علی شاہ کے
پھاٹک پڑ گئے۔

یہ کس کا گھر ہے۔ مرقعی، شاری نے پوچھا۔

گھر تو یہ ایک بڑے آدمی کا ہے۔ میرا دوست ان کی زمینوں پر کام کرتا ہے۔ ورین کے
اس گھر کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ یہ گھر بہت بڑا ہے۔ غلام محمد سے چوسات دن کے لیے یہاں
بیچے ایک کمرہ لیا ہے۔ ویسے اس کا لگ بہت مہربان آدمی ہے۔ مجھے تو اس کوٹھ میں زیادہ دن
نہیں ہوئے یہاں کے لوگ بتاتے ہیں۔

گھر والی تو میری ہسپتال میں ہے۔ میں نے سوچا اس کے آنے سے پہلے کوٹھا ہی پکا کر
لوں۔

اچھا کیا۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔ میاں صاحب نے چھڑی دوسرے ہاتھ میں تھامی۔
جی بخش نے پھاٹک کی زنجیر ہٹائی۔ ساتھ ہی آواز بھی لگائی۔ غلام محمد۔
چند منٹوں کے بعد غلام محمد پھاٹک دیکھے شدید حیرتی کے عالم میں میاں صاحب کو در
شاہی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پہچان گیا تھا اور در شاہی بھی اسے پہچان گیا تھا۔ دونوں نے ہاتھ ملائے
۔ اس نے میاں صاحب کو سلام کیا۔

یہ دین علی شاہ کا ملازم ہے میاں صاحب۔ یہ ہمارے کوٹھ آیا تھا شاہ صاحب کے
ساتھ بیکر کو لینے۔

اچھا بھئی۔ موصوف کرنا ہم جہیں پہچان نہیں سکے۔ اب عمر کا وہ حصہ ہے جب سب حواس
قویٰ زندگی ہو جاتے ہیں۔ وہ اتنی انتہائی سے بول رہے تھے جیسے خود کا میکرو ہے ہوں۔

کوئی بات نہیں میاں صاحب۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آپ شریف رہے۔
یہ میرے مہمان ہیں غلام محمد، اپنے گھر تو آج کل بیٹھنے کا بھی ٹھکانہ نہیں ہے تم جانتے ہو۔
نجی بخش، غلام محمد کی بات کاٹ کر بولا۔

تمہارے مہمان بھی ہمارے مہمان ہیں نجی بخش۔ ایسے مہمان تو قسمت والوں کے
ہوتے ہیں۔ وہ بہت جذبے سے گویا ہوا۔ اور انہیں لے کر اندر بڑھ گیا۔ بہت احترام سے
انہیں بٹھایا۔

میں بارہ سال کا تھا غلام محمد جب میاں جی کی سرپرستی میں آیا تھا مجھے اپنی قسمت پر ناز

بہارِ نبی بخش نے بڑے فخر سے بتایا۔

پھر تم میرا جی کو وہاں کیوں چھوڑ آئے۔ غلام محمد حیران ہوا۔

وہ گونہ بہت ہی چھوٹا ہے بہت ہی چھوٹا۔ وہاں روزگار نہیں ملتا غلام محمد۔ میں نے تو آنکھ
وہیں کھولی۔ میرا دل کب کرتا تھا اسے چھوڑنے کو۔ مجبوری بہت کچھ کراتی ہے میرا جا دھر سے
نہیں آتے، میں انہیں مجبور نہیں کر سکتا۔

میرا صاحب نے بہت شفقت سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

اصل بات تو زندگی کو صحیح طریقے سے گزارنا ہے نبی بخش۔ اگر تم صحیح گزاور رہے ہو اور
تمہیں جہاں راقی بھی مل جاتا ہے تو یہ بہت شکر کا مقام ہے۔ میں خوش ہوں کہ تم باہمت انسان
ہو۔ محنت کرتے ہو روزِ قیام ملال کرتے

ہو۔ میں جہاں ہوں وہاں خوش ہوں۔ تمہارے یہ دعا کرتا ہوں۔ میری فکر نہ کیا کرو۔
اللہ سے زیادہ مہربان کون ہو سکتا ہے۔ سب اپنی مخلوق کا بہت خیال ہے۔ میں اس کی نگرانی میں
ہوں۔ میرا خیال اس سے زیادہ کوئی نہیں رکھ سکتا۔ وہ بہت مضبوط سہارا بہت محفوظ پناہ گاہ
ہے۔ تم اپنے دل پہ بوجھ نہ رکھا کرو۔ میں یہاں رہوں یا وہاں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم کتنے
چھوٹے چھوٹے سیلوں میں اُبھے رہتے ہیں۔

جادوگر ہمیں تو صرف یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے کسی کا دل تو نہیں دکھایا۔

ہم نے خدا کی مخلوق کو کتنا فیض پہنچایا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا یا نہیں اس سے مغفرت

طلب کی یا نہیں۔ اصل فکر یہ ہونا چاہیے نبی بخش۔ دراصل سے ان فکروں کو دور کرنا
چاہیے۔

آپ درست فرماتے ہو میرا صاحب غلام محمد نے بڑی تیزی سے گروت ہائی۔ پھر ان
کی خاطر تواضع میں لگ گیا۔ مرتضیٰ شامی تو کچھ دیر بعد واپس روئے ہو گیا میرا صاحب نبی
بخش کے پاس ایک دو دن کے لیے رُک گئے تھے۔

غلام محمد نے جدی سے ایک صاف ستھرا بستر لگایا۔ ورکھانے وغیرہ کا بندوبست کرنے
اپنے گھر چلا گیا۔

میرا نبی آپ یہاں آرام کر لیں۔ تھک گئے ہوں گے اس نے بھی درست کر کے
میرا صاحب کی چھڑی، ایک طرف کھڑی کرتے ہوئے کہا۔

مغرب کی نماز تو وہ پڑھ ہی چکے تھے۔ انہیں سونہ کر بیٹ گئے۔

میں بہت فکر تھی تمہارے نبی بخش۔ اتنے دن جو ہو گئے تھے۔ تمہیں دیکھ کر دل کو سکون مل
گیا ہے۔

یہ میری خوش نصیبی ہے آپ کو میرا کتنا خیال ہے اس نے میرا صاحب پر گرم کابل
ڈالتے ہوئے، ظہر تشکر کیا۔

میرا صاحب کو آنکھیں سونکھتا پکارو "بہت سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا تھا۔
غلام محمد کو کیلے غم ہو چکے ہیں۔ کمرہ بالکل برف ہو رہا ہے۔ تمہارے وہ ایک دم چونک

یہ یہ کون ہے۔ اتنا ضعیف۔ اتنا بڑھا۔ کیا وہ بیت علی شاہ کھانا بھارت کا کوئی بزرگ۔ اس خیال کے ساتھ ہی وہ ساری جان سے کانپ گئی۔

وہ کب سے اس گوشہ میں قید تھائی کاٹ رہی تھی۔ گوشہ میں آہستہ آہستہ سب کو پتا چل چکا تھا کہ وہ بیت علی شاہ کی بیوی سچ کل یہاں رہ رہی ہے مگر سندھ کے اس پنجابی پس ماندہ گوشہ کے لوگ، اندہ ترین لوگوں کی مجال نہیں تھی کہ وہ وہ بیت علی شاہ کے گھر میں داخل ہو کر یہاں چارٹ داخل ہو کر گھر کے اندرونی صورت حال سے باخبر ہو سکیں۔

غلام محمد تو بابر گیا ہو ہے بی بی۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

السلام علیکم جی۔ روٹن کو مارے گھر ابٹ کی سلام ہی ہو جی۔

وعلیکم السلام۔ اللہ کی رحمت تمہارا حصہ بنے۔ تمہیں اس کی رضا حاصل ہو۔ خدا تمہیں

دونوں جہاں میں نفع بخش دے۔ وہ خود کھائی کے اندر زمیں گویا ہوئے۔

وہ واقعی تھک گئے تھے۔ تھا کاوٹ ان کے بچے سے عیار تھی۔

روٹن کا دل بھرا آیا۔ اتنی خوبصورت دعا نہیں اس کے لیے۔

اس نے اپنی ساری زندگی میں کبھی وہ کور بیت نہیں دی تھی۔

وہا قلب و روح کا اجالا ہوتی ہے۔

اعتماد بھری لہر غماست ہوتی ہے۔

بے بسی اور کم ہمتی کا عکس ف ہوتی ہے۔

رجوع ہونے والا اپنے مرجع کی ہمہ گیری اور بلبے و حاکت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نے تو ہمیشہ اپنے نفس کی حاکت کو محسوس کیا تھا۔

یا پرورپے کو قوت سمجھا تھا۔ دست کو حاکت سمجھا تھا۔

پتلی ادا۔ خود بخود مانگی جائے یا کوئی دے۔

روشنی کی رفتار سے دل سے ٹکراتی ہے اور روح تنک منور ہو جاتی ہے۔

یہ انکشاف اس پر آج ہو رہا تھا۔

اس نے پٹ کر بغور اس ضعیف شخص کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ وہ کبھی

شاید سو رہے ہیں۔ وہ وہیں پٹ آئی۔ سوچوں میں بھڑکے کہ خدا معلوم کون ہیں۔ شاید غلام محمد

کے رشتے دار۔ یا وہ بیت علی شاہ کے۔

مگر دعائوں کے خوبصورت الفاظ اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

وہ اوپر کمرے میں جا کر کھڑکی کے پٹ ختم داکر کے کھڑی ہو گئی۔ اسے غلام محمد کا بہت

تجربہ ہے۔ اتنا رشتہ بہت دیر میں آیا تو اس کے ہاتھ میں کوپکڑ کا تھیل بھی تنک رہا تھا۔

وہ سیدھا درجہ خانے آیا تھا۔ روٹن بھی تیری سے دیر چلی آئی۔

تھیں پتا تھا غلام محمد کو کیلے ٹم ہو چکے ہیں۔ روٹن نے جبرانی سے کوپکڑ کو دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

مجھے آپ کی ایک ایک ضرورت کا خیال رہتا ہے، لیکن وہ اپنی طرف سے کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

روشن کا دل بھرا آیا اس نے رخ موڑ لیا۔ میں تمہارا حسان کبھی نہیں اتار پائوں گی، تاہم مجھے یقین۔

لیکن جب آپ میرے کوئیے ہوتے ہوں تو میں بڑا شرمندہ ہو جاتا ہوں۔ میں آپ کی کیا خدمت کرتا ہوں۔ اس گوشہ میں رکھا گیا ہے جو میں آپ کو پیش کر دوں۔ میرے گویا دکھ ہوتا ہے جب۔

دکھ کا ظہار کر کے میرا دکھ نہ بڑھاؤ، غلام محمد۔ میں ایک نہیں کی غزلیوں سے گزرتی ہوں۔ اس کی تکلیفیں بھرتی ہیں۔

غلام محمد۔ یہ نیچے کمرے میں کون سو رہا ہے اس نے بڑے غور سے غلام محمد کی صورت دیکھی۔

نئی بخش کے میاں تیار ہیں۔ اس کے ملنے آئے ہیں۔ نئی بخش کا دنیا میں کوئی نہیں تھا لیکن۔ میاں صاحب نے اس کو پا مارا۔ جتنا اس نے پڑھنا پڑھا دیا۔ اب وہ دھڑکیا ہے۔ اور اس کا روزگار ہو گیا ہے نا۔

وہ۔ روشن کو تو رہے اطمینان ہوا۔

لیکن ایک بات۔ بوسہ آپ کو وہ بھیجنا۔

ہوں۔ کہو اب تم مجھے، لیکن نہ سمجھو غلام محمد۔ میری وقت تھا۔ اب نہیں ہے۔ کیا کہہ رہے تھے تم۔

لیکن میں صاحب مالک کو جانتے ہیں۔ آپ ان کے سارے کچھ نہ بولنا۔ شاہ صاحب کو اس نے یقین منسوب کرنے کے لیے پوچھا۔

جی، لیکن

وہ کیسے۔ ابھی تو تم بتا رہے تھے کہ یہ کہیں اور رہتے ہیں۔ وہ اب بھی۔

وہ جی۔ بشرطیکہ میں ان کو ملے تھے۔ اسی وجہ سے ان کی ملاقات ہوئی تھی شاہ

شاہ صاحب سے۔ جب وہ بشرطیکہ

کھو گئے تھے۔

روشن ایک عام تحقیر میں گھر کر رہ گئی تھی۔

بس آپ اگر ان سے ملو تو بتانا نہیں کہ اگر مالک کو پتا چل گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ اور وہی بات چھوڑ کر اس نے پے اپنی کام کا حدیث بھی ساتھ ہی لے لیا۔

فکرت کرو غلام محمد اس نے سیاہ پاور، بھی طرے لٹٹی، اور ہارنگل کی۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

وہ اس لمحے بری طرح جھلا گیا جب کہ گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد گاڑی ایک جھٹکے سے خود بخود رک گئی۔ کافی کوشش کرنے کے باوجود بھی جب گاڑی میں حرکت نہ ہوئی تو وہ

وہ زہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اسلام آباد میں صرف چند کلومیٹر دور تھا۔ اس نے ہنٹ کھول کر چھٹنگ شروع کی۔

آج تک کسی خراب گاڑی کو ٹھیک کرنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ دیر تک پڑوں کے
اجوم اور تاروں کے ٹیڑھے میٹر سے سسلے کو بخور گھورتا رہا۔ کچھ شے نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

پارفر قاتل کم از کم ٹوٹے میٹرے اسلام آباد دور و دور سے کچھ دن پہلے شادی کر لی
ہوئی۔ اپنی پرانی گاڑی کو اس آس میں گھسیٹے جا رہا ہے کہ بیوی نئی کار جو چیز میں لے گئی۔

تیری شادی ہو گئی ہوتی تو آج یہ دن دیکھتا تو تعجب نہ ہوتا۔

اس نے سر اٹھا کر روڈ کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ اکا دکا گاڑیاں گزر رہی تھیں۔

کوئی کار میں وغیرہ تو گزرتی دور دور نظر نہیں آ رہی تھی۔

کیا گئی ٹرک میں لد جاؤں۔

اس نے ارد گرد مایوسی سے نظر ڈال کر دوبارہ ہنٹ کا بیڑہ لینا شروع کر دیا۔

شام بھی گہری ہو چکی تھی۔ وہ سر نہجہ کائے دیر تک دھڑا دھڑ پڑوں کو گھماتا رہا۔ اسی دم

ایک سرخ کار اس کے نزدیک آ کر رکی، وہ ایک سرکٹری سے باہر نکلا۔ you help may

کی سترم آؤ لاکاٹ سے نکل گئی۔

وہ بری طرح چوٹک اٹھا۔

کھڑکی سے سر نکالے فیروزہ مسک رہی تھی۔

اس نے آج تک نہ جانے کتنی مرتبہ غیر متوقع صورت حال کا سامنا کیا تھا۔ مگر اس طرح
کبھی چھٹکنیں نہ کھولے تھے۔

شکریہ میرا خیال ہے یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ واقعی شیشا کی۔

خیال سے، مگر چیزیں ٹھیک ہوتیں تو سب سے پہلے ہم ٹھیک ہو جاتے۔ وہ دلکشی سے
مسکرائی اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آئی۔ بلو جینز اور ہائی ٹیک وہلڈ جری میں اس
کا پور وچہ لپٹا ایک ایک راز فشا کر رہا تھا۔

وہ اس کے بے حد ترغیب آ کر کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی پہلی حالت خاصی ڈرامائی ہو رہی تھی۔ آستینیں چڑھی ہوئی تھیں۔ ڈرک گاڑی
ناک کی لوک پر تھکے تھے۔ ہار آڑی، تنگ کے کن، مٹے انداز میں حدود کو اس کر رہے تھے
بلکہ کر چکے تھے۔ گویا کھائے ہوئے ہوسے کی طرح بکھر چکے تھے۔

فیروزہ کو، اس کی دلچسپ حالت دیکھ کر جیتھ شامی آ رہی تھی۔ بمشکل ضبط کر کے ہنٹ پر
تھک گئی۔

کیا تلاش کر رہی ہیں اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔

اس کا عیب۔ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

کیا پچھلے جنم میں موٹر سائیکل رہ چکی ہیں وہ واقعی مذاق سمجھ۔

قیہہ برس کی عمر سے گاڑی چلا رہی ہوں۔

اس عمر میں تو اس شخص بھی نہیں بنتا۔ وہ یہ بات بھی مذاق سمجھا۔

میں نے ہزاروں کو اپنے اشاروں پر چلایا ہے، اور چلا رہی ہوں۔ اس شخص تو اس کا بھی نہیں ہے میرے پاس۔ وہ گاڑی پر دو بارہ ٹھک گئی۔

طریق کے حوس باختہ ہونے لگے تھے۔ سے بھی کوئی را جواب کرنے والا ذی نفس موجود ہے۔ اس کی خود اعتمادی کو یہ ایک قلعہ تھی جس کے بے فکرے کرنے لگے تھے۔

فیروزہ نے اس کی خاموشی کو محسوس کیا۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سیدھی ہو گئیں۔

یہ کام اب میرے بس کا بھی نہیں رہا۔ یہ دیکھتے یہ تار بند ہوگا۔ یہ پٹی جگہ سے مکمل ہٹ

چکا ہے۔ اب خان ڈاکٹر سے

کام نہیں چل سکتا۔ اسپیشسٹ دیکھا رہے۔ اسے کک کر دیجیے۔ یہاں ایک قریب ہی

درکشپ موجود ہے۔ آئیے میرے ساتھ۔

آپ کے ساتھ۔ وہ گھبر سا گیا۔

کیا یہاں قرب و جوار میں آپ کے رشتے دار رہتے ہیں۔ فیروزہ نے مسکراہٹ ضبط

کرتے ہوئے بڑے سنجیدہ انداز میں پوچھا۔

جی نہیں تو۔ وہ گھبر ہٹ میں کچھ سمجھا نہیں۔

اچھا۔ تو یہ کیجیے۔

جی جی۔ وہ جگت بھرے انداز میں اس کی بات کاٹ کر بول تھا۔

آپ میری گاڑی کی کچھل نشست پر بیٹ جائیے اور منہ پر و مال ڈال لیجیے۔

وہ عجیب سا ہوش بن کر فیروزہ کو گھورنے لگا۔ تب وہ مسکرا دی۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں۔

اسکی کوئی بات نہیں میں دراصل۔ وہ کوئی تاویل دھونڈنے لگا۔

دراصل کیا ہے، اور دراصل کیا ہے۔ اس بحث کو چھوڑیے۔ اور کوئی فیصلہ کیجیے۔ میں آپ کو

اس پریشانی کے عام میں اس طرح تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔ حارہ لکھ مجھے بہت جلدی ہے۔

بچ

آپ کا بچہ۔ وہ بھر بات کاٹ کر قہر سے اسے دیکھنا لگا۔

ایک لمحے کو فیروزہ بھی گھبر گئی۔ پھر منہ پر مسکرائی۔

اسکی عنایت۔ سپا آپ کے قہیل کے لوگ مجھ پر کہاں کر سکتے ہیں

طریق اتنی کچھلی بات پر گویا گزرنے کو ہو گیا۔

کیا سوچ رہے ہیں وہ کچھ جھلٹی۔

آپ کی عمر کیا ہے وہ ایک دم پوچھ میں مگر نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

یہ بات تو آپ کے من شریف کی شریف زادیاں بھی بتاتے ہوئے کترتی ہیں۔ میری

دو گات بند کرنے کا روتہ ہے۔ وہ فیس پڑیں۔

طریق کے کانوں میں گویا شائیں ہونے لگی۔ کیا جواب موڑتا زندگی کا۔

ویسے طبی عمر بائیس سال ہے اور فنی عمر۔ اس کے بچے بائیس کو دو سے ضرب دے لیجیے۔ بلکہ اب کیجیے تین سے ضرب دے لیجیے۔

طریق احمد فاروقی۔۔ ایک بار نظر تو ملا لیجیے۔ آپ کی ذات کی گہریاں ناپ لیں تاکہ پھر قول کر لپ سے بات کریں۔ وہ ہنس دی۔

طریق کو سردی میں پسینے چھوٹ گئے۔

اب کیا رات۔۔۔ نہیں۔۔۔ مگر اس کی بات و محوری رہ گئی۔ کیونکہ طریق نے مجھ سزا سزا کر جیب میں نکال لیے تھے۔ اور گھوم کر سیدھا اس کے مقابل ہو گیا۔ اپنی سوجھوں کو نظیوں سے سنوارتے ہوئے وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیاہ ہیرت کی کلیوں کی طرح چمکتی ہوئی آنکھیں فیروزہ کی مجرم سو نیت کو گویا جلا کر رکھ کرے نکلیں۔

میڈم فیروزہ۔۔۔ آپ پر رحم کرتے ہوئے شخص آپ کا خیال کرتے ہوئے نظریں نہ کھائے ہوئے تھا۔ ناپ لیجیے میری ذات کی گہریاں۔

راستہ بھول جائیں گی اگر نہ پاؤ گہرا لکھا۔

اس نے کھٹاک سے ہلٹ کر اویہ۔

ہر مرد کو نہیں چھینرتے۔ کہ بعض مرد بہت زیادہ مرد ہوتے ہیں۔ محورت کو دیکھتا اور اس کو بنا قریب بخش دیا مرد لگی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے قریب آ کر کوئی سنہرے سونے پڑ کر بھی بیٹھ

پادرسائی کی چادر بیدار رکھنا۔ اصل مرد لگی ہے۔ یہ مشکل کسی کسی سے حل ہوتی ہے۔ میں نے کیا گزرا مرد نہیں ہوں میڈم فیروزہ۔ استقلال کسی مرد میں نہ ہوتا۔ اسے مرد ہی نہ رہے گا۔ اس نے سہ سے آتے ہوئے ٹرک کو ہاتھ دیا۔ ٹرک رک گیا۔

وہ ڈرائیور کی کھڑکی کے پاس جا کر کچھ کہنے لگا۔

فیروزہ ہکا بکا کھڑی تھی۔

اس قدر بڑا، بنا کا مہذب بظاہر سادہ سا انسان اس قدر کڑیل ہے۔ واقعی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ واپس پلٹا۔ گاری رک کی اور فیروزہ کی سمت مڑا۔

آپ نے میری وجہ سے اپنا نہایت قیمتی وقت صرف کیا۔ گویا میں آپ کی مہربانی کا مقروض ہو گیا ہوں۔ میری اوقات اور استطاعت کے مطابق کوئی خدمت ہو تو۔

بندل آف تھینکس طریق احمد۔ تمہارے ساتھ جو بی مہربانی تھی ہونا چاہیے کہ تمہیں اپنے معاملے سے بھی دور رکھا جائے۔ تم تو انسان کا تعارف ہو۔ تمہیں تو کسی فرشتہ صفت دل کی آرائش ہونا چاہیے۔ چارچاند لگ جائیں گے اس دل کو جو تمہارا من چاہے گا نا ہوگا۔ در سنو مجھ کو ان نیت۔ مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگی۔ جگ کھڑے ہی ہوں۔

وہ اپنی گاڑی کی سمت بڑھ رہی تھی اور طریق ٹرک کی طرف۔ قدرت کس قدر صبرے علم میں مشغول کرتی چار ہی ہے۔ مگر دوپ رات کے ناملے واقعات مزید چیش آگئے تو چند برسوں

میں یقیناً عالم فاضل ہو جاؤں گا۔ وہ ہر کچھ جانتے ہوئے، اپنے آپ پر خود ہی ہنس رہا تھا۔

وہ کما جی سے مغربی جرمنی کے لیے غلامی کر رہا تھا۔ ہندو اور انیس پورٹ پر تقریباً اس کے تمام جاننے والے صبح اس کے تاجا جان، اینڈ فیملی، اور مسلمان، اینڈ فیملی کے موجود تھے۔ ذریعہ بلوشلو، رسوٹ، اور بلائٹ فر کا کوٹ پہنے خاصی چپ سی نظار آ رہی تھی۔ طارق ہنس ہنس کر سب کے ہاتھوں میں لگن تھا۔

جیسے ہی وہ دوستوں کی سمت ڈیفرانٹ لے ڈریو کو ڈروڑی۔
ذریعہ یہ بھی۔

ہوں۔ وہ چونک کر مسکرائی۔
وہ آئیے۔

وہ ان کے قریب مسکراتے ہوئے چلی گئی۔

جی۔۔۔ خطرہ رقی کے حوالے ہی سے تو اب اسے کتنے سارے لوگ بھ بھی کہے لگے تھے۔
اس کا، بنگ، بنگ سرشار ہو جاتا تھا صرف یہ ایک لفظ اس کے۔

یہ میں، مام ضامن، یا تھا، آپ باندھ دیجیے، اس کی تاثیر بڑھ جائے گی۔ فرقان نے
شرارت سے طارق کو نکھڑا دی، اس کی روح تک جھس کر رہ گئی۔

مام ضامن، ذریعہ نے استعجاب ظاہر کیا۔ یہ کیا ہوتا ہے
اس نے واقعی کبھی سنا بھی نہیں تھا اس کے بارے میں۔

جوشادی شدہ مرد جرمنی جاتے ہیں یہاں کے پاؤ پر باندھ دیا جاتا ہے۔

وہ کیوں وہ حیران ہوئی۔ دوسرے مسکراتے لگے۔

چھا۔ کیا یہ بھی کوئی پروڈوکول ہے قلعے سب کے پیسختہ تھے۔ ذریعہ ن کے اس طرح
ہٹنے پر جھینپ سی گئی۔

جی ہاں، یہ بڑا روحانی قسم کا پروڈوکول ہے۔ پاکستان کی طرح جرمنی میں بھی لڑکیوں کی
شادی ایک مسئلہ ہے۔ بعض افراد تو ایس پورٹ سے ہی چپ کر رہے جاتے ہیں۔

تین مرتبہ جرمنی جا چکی ہوں۔ فول مت بنائیے۔ وہ سب کو مسکراتے دیکھ کر فرقان کی
شرارت سمجھ گئی۔

آپ سے مذاقی کروں گا۔ تو بکھیجیے۔ مجھے صرف آپ ہی کی نہیں ہے عزیز دوست کی
بھی فکر ہے۔ سنا ہے جرمنی عورتیں قطعاً چھٹی پو یا ر ثابت نہیں ہوتیں۔ ساری عمر کا سول ہے
یہ بھی دگر تپا آپ سے کبھی، مام ضامن باندھنے کے لیے نہ کہتا۔

چھوٹی یا فرقان کسی نہ۔

چھوڑیں کیوں۔ گربا ت پروٹیکشن اور سیلفی کی ہے تو ضرور بندھنا چاہیے۔

ذریعہ نے طارق کی بات ٹاٹ دی۔ اس کا دل کانپ کر رہ گیا تھا، اس مذاق پر۔

مام ضامن فرقان بھائی کو کہہ گیا ہے مام۔

یہ لکھیے۔

فرقان واقعی شراوت کا پروگرام بنا کر آیا تھا۔ سچ کچھ نام ضامن جیب سے نکال کر دویہ کو
تھما دیا۔ طارق نے فرقان کو اس طرح دیکھا گویا کچا چبانے لگا۔

بات صرف پرنیکاشن تک کی نہیں پروڈکشن کی بھی ہے۔ دویہ یوں دو گھر بھر پیداوار یعنی
بال بچے۔ اس نے طارق کی طرف جھک کر سر گھٹی کرتے ہوئے گویا بچہ نر۔

طارق نے نام ضامن دویہ کے ہاتھ سے چھین کر جیب میں ڈال لیا اور فرقان کی سمت
نکھوتے ہوئے گویا ہوا۔

کمال کرتے ہو یا۔ تھے لوگ کفرے ہیں بزرگ وغیرہ۔

پھر دویہ کی سمت دیکھا۔ کرپتی میں ماں جان سے بندھو لوں گا۔ فکر نہ کرو۔ دوستوں
کے سامنے اب اس کا بھی مجرم رکھنا تھا۔

یہ بات جس کی تو تاثیر پڑ چکے تھے۔ فرقان جانے کب کب کے بدلے لے رہا تھا۔
ماں کی دعا سے زیادہ تاثیر کسی چیز میں اثر نہیں ہوتا۔

لیکن عزیزم جرمنی جانے کے لیے صرف ماں جان کی دعا ہی نہیں ایک عدد و فیض حیات
بھی شرط تھی۔ دعا دون کو تم سے نکاح پر راضی ہو گئیں۔ ورنہ جرمنی تصویریں ہی میں دیکھتے
رہتے۔ اسی غیپ و پرست میں تمہارا نام ناپ پڑا۔ اسی غیپ و پرست میں تمہارا نام ناپ پڑا۔

کتنی کے دھڑکے، اپنی جگہ درست، وہ تمہاری ٹریفنگ پر، انھوں لگا دے، ورنہ کسی جرمن بیوہ کو
بیارے ہو جاؤ۔ وہاں کی سٹیشن شپ کی خاطر۔ نرم کوا آہٹ سے سینہ تو نہیں آ رہے تھے ناں۔

اس نے گویا فیس کمرہ ہات نالی۔

جرمن ہی۔ سٹیشن شپ۔ تو یہ فرقان نے تو دیر یہ کو دہا کر رکھ دیا تھا۔

فرقان بھٹی۔ اس قسم کا مذاق بھر کبھی نہ کیجیے گا۔ بہت کمزور دل ہے میرا۔ اس رہے ہو
طارق۔

نہیں رہا ہوں۔ وہ آگے بڑھ گیا۔

(حق خود بصورت باتیں۔۔۔ ایسے نہا کرتے ہیں طارق احمد فاروقی) وہ بھی بھی سی اس
کے پیچھے ہوئی۔

نہ پورچ۔۔۔ تو آج میں وہ اس کے نزدیک ہی تھی اس آس پر کہ وہ کوئی شکستہ سا لفظ کہے گا۔
تسل کے چڑھا دے چڑھائے گا۔ مگر وہ تو ہمیشہ کی طرح نجان بنا ہوا تھا۔

طارق۔

ہوں۔

کچھ بتائیں۔ کتنے دل نہیں گئے۔

طارق کو یہ بولڈ نہیں ڈرنا نہ بھٹی۔ یہ معاشرہ مشرقی ہے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا
ہے۔

مرد کی نظرتا موٹا۔ دھڑکن معتدل اور ذہن اندیشہ ہائے روزگار میں جھلا ہوا۔
تو صورت کی بیقراری اور اظہار بے کلامی اس کے مقام سے گزرتا ہے۔

(دوب۔ تم تو بالکل بھی خودمختار نہیں ہو)

یہ تو مجھے بھی نہیں پتا۔ اس نے رکھائی سے کہہ کر فرقان کی سمت قدم بڑھا دیے۔

موسم سرما کی چھٹیوں میں فیروزہ عمر کو سوات واپس لے آئی تھی۔ اس غضب کی سردی پڑ رہی تھی کہ ہوش و حواس تک جتنے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ عمر کو وہ بہت پہناؤ دھا کر رکھتی تھی۔ پہناہ قیمتی، اونٹنی، درگرم میوے کا اس نے ڈھیر لگا دیا تھا۔ فخر کا کوٹ، ورکپ، خوبصورت سے منگوا دیا تھا۔ جو عمر کو بے حد پسند آیا تھا۔

مٹی۔

ڈرائنگ۔ وہ ایک فیشن میگزین میں ٹرم تھی۔

یہاں کوٹ کراچی واپس مٹی کے پاس بھی تھا۔ مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔

تو تم اپنے بچے سے منگوا لیتے۔

بچہ کیسے دے گا۔ ہمارے سسر تو مٹی کی نہیں۔

تو مٹی سے کہہ دیتے۔

کہا تھا۔ انہوں نے ڈانٹ دیا تھا۔

ظاہر ہے اس نے اس پر تھوڑی سی شادی کی تھی کہ وہ بت علی شاہ کا مال ٹیم پر خرچ کرے۔ وہ جیسے بڑبڑائی۔

جی جی۔ عمر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

فیروزہ نے لیٹے لیٹے سے دیکھا۔ سیاہ ٹیڈر کی جیکٹ، سیاہ دستاں پہنے وہ اس سے کچھ فاصلے پر لکھنے میں مشغول تھا۔ اس کی روح نہال ہو گئی۔

عمر ڈرائنگ۔

جی جی۔

اور آدھات۔ میرے پاس۔

وہ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ فیروزہ نے ہنا کھیل۔ اس پر پھینک دیا۔

جان جھڑاں ہے۔ کمرہ بند ہے۔ اور آپ ابھی تک گلوڑ پہنے ہوئے ہیں۔ اس نے

اپنے بازو کے گھیرے میں اسے سمیٹ لیا۔ پتے مکتے سینے سے اس کا سر لگا لیا۔

میرا بیٹا مری میں بور تو نہیں ہوتا۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔

بور تو نہیں ہوتا۔ مگر مٹی۔

مگر کیا وہ بیٹائی سے پوچھنے لگی۔

جب رات کو میں بیلڈ پر بیٹا ہوں ناں تو مجھے بچہ بھر لکڑیا بہت یاد آتے ہیں۔

ورمیں۔۔ فیروزہ کا دل ڈوبا۔

آپ تو ہر وقت ہوا آتی ہیں۔ وہ اس کے بازو سے پھسل کر بیٹھ گیا، درغور سے فیروزہ کو دیکھنے لگا۔ لبوں پر بہت خودمختار مسکراہٹ تھی۔

سیاہ گرم ناکھی میں میںیں فیروزہ کا دودھیا رنگ چم چم کر رہا تھا۔ چہرے پر ملائمت اور نظر

میں حلاوت تھی۔ حسن کو گویا چار چاند لگ رہے تھے اس وقت وہ مجرم یا زندہ اس تھی۔

اپنے پسندیدہ خواب کے عمل میں تھی۔ سب کچھ فراغوش کیے ہوئے ترشیدہ باہول کو سمیٹ رکھا تھا۔ تجلی تیزگفت اور بڑا قتی سا، حول ہو رہا تھا۔

مٹی۔ ویسے آپ لڑکی ہیں ناں

ایسے بھی اور ویسے بھی۔ اس نے جیسے نہ کھلکھلا کر عمر کو بھر پنے ہاروں میں دھج لیا۔

تم نے بھلا یہ کیوں پوچھا وہ مسکرائی۔

مٹی۔ لڑکیوں کی تو شادی ہو جاتی ہے۔

لڑکوں کی بھی ہوتی ہے۔ فیروزہ کو پھر کد نہیں ہوئیں۔

حق۔ میرا مطلب ہے وہ بڑھ گیا۔ گویا وہ اپنی بات منتقل نہیں کر پا رہا تھا۔

مٹی جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے تاں تو وہ بچے پیسے والے گھر میں نہیں رہتی۔ کہیں اور چلی جاتی ہے۔

کہیں۔ فیروزہ کو اسے چھیننے میں بڑا اطفارہا تھا۔

ایک بار اتنی جہناں وہ اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ بڑی بزرگی سے سمجھا گیا۔

خود۔ فیروزہ نے عاوانی جہاں سے پوچھا۔

مٹی۔ وہ رنج ہو کر ٹھنکا۔

اچھا اچھا۔ وہ جلدی سے ہوں۔ ہاں تو کیا کہہ رہے تھے۔

آپ بھی تو لڑکی ہیں۔ آپ کو بھی ہمارے لئے جائے گی۔ پھر میں کہاں رہوں گا۔ وہ اڑھٹھ کر لکھ نظر آیا۔

جان میں صرف لڑکی ہی نہیں مٹی بھی ہوں۔ اور مٹی کی ہمارے نہیں آتی۔ اس کے حلق میں عرو میں کے کانٹے سے، نکتے لگے۔

مٹی کی بارے میں آسکتی ہے جب وہ آسکتی ہوتی ہے۔ میرا دوست ناصر تھا ناں کراچی میں اس کی مٹی کی بارے میں آتی تھی۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔

عمر بارے جوش کے ٹھہ کر فیروزہ کے مقابل گھٹنوں کے مل بیٹھ گیا۔

اس کی مٹی وڈو (بیوہ) ہوں گی۔ یعنی اس کے پی کی ڈتھ ہوگی ہوگی۔

اچھا جب پی کی ڈتھ ہو جاتی ہے تو مٹی وڈو ہو جاتی ہے وہ پوچھنے لگا۔

مٹی اس کے پی کی ڈتھ نہیں ہوتی تھی بلکہ ناصر کی مٹی کی بن سے لڑائی ہوگی تھی۔ مٹی۔

فیروزہ کا دل کانپا کہ خدا مظلوم کیا پوچھے جا رہا ہے۔ اس نے فوراً اسے ٹوکا۔

چھوڑو بیٹے۔ ہانکل فکر نہ کرو۔ میری مٹی بارے میں آئے گی۔

کبھی بھی نہیں۔ عمر نے پھر یقین کر لینا چاہا۔

کبھی بھی نہیں۔

اس کی رگ رگ میں انکامے نکلے۔

مٹھن یک شک کی تخلیق کے لیے۔

ایک آئینہ کو دیکھ کر کہنے کے لیے پورے دل دماغ اور جسم کی محنت لگائی پڑتی ہے۔
جب جا کر آئینہ سچا آئینہ نہیں ہوتا ہے۔

اور اس لمحہ بیدار میں۔۔

اتنا خدا سے قریب ہوا کرتا ہے۔

عمر نے اس کے بازوؤں میں آنکھیں موند لی تھیں۔

اور وہ صدمے سے فکروں گناہ تھ۔

رات بچا بچا خاموش تھی۔

آج تو دیر سے کسی گائے بھینس کے ذکر کرنے کی بھی آواز نہیں آئی تھی۔

بہت کچھ دیر قبل ایک گدھے کی کرخت آواز نے اس کے اعصاب کا تار تار ہل دیا تھا۔ اور
جب سیوہ کاہن بند کمرے میں سنگتی ٹیکٹیکس کے پاس ٹھوڑی دکانے بیٹھی تھی۔ چہارست سو اڑے
سائے درجہ کی وقت کے کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔

ایک صحت مند و خوبصورت شیرخوار بچی کب سے اس کی آغوش میں ہاتھ پاؤں سج رہی
تھی۔

تصور اتنا چلتا تھا کہ وہ دے دے اور اس نے بالکی سی جنبش بھی نہیں کی۔ مباد تصور نوٹ
جائے اور اس کی آغوش میں انگارے دھبے اٹھیں۔

لیکن تصور بچہ حال لگاتے کیا۔

اسے نیچے کچھ آہستہ محسوس ہوئی تھی۔ اس کا دل دھڑک گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر
دروازے کی سمت آئی اور دروازے کی سمت آئی اور دروازے کو چیک کیا۔ آیا بندر سے بند
ہے یا نہیں۔ پھر کھڑکی کو بہت آہستگی سے کھول کر نیچے جھانکا۔

اوہ۔ یہ تو وہی ہیں۔ نئی بخش کے میاں صاحب۔

وہ پیٹھ کو چلا کر اچھا دونا بھر رہے تھے۔ شاید وضو کے لیے۔ ایک ڈیرا سے پانی کے
لیے آتی مشقت کرتے دیکھ کر اسے ترس سا گیا۔

چار نکل پہلے تو کبھی اس نے پروا نہیں کی تھی کہ کون کیا کر رہا ہے۔

پہلے تو اس کی بچی فکرت ہی کم نہیں ہوتی تھیں۔

آج ڈنر میں جانا ہے۔

کل کلب میں سلامانہ تقریبات کا آغاز ہے۔

آج کارڈ میں ڈویشن دینا ہے۔ کون سا ڈیس ہے۔

کبھی جوہر کا میٹ پانچا نا نہ بھول جائے۔

آج گاڑی کی ڈیوڑھی بھی ہے۔ جب سے سڑھار کی جا پانی کا کارڈ آئی تھی اس کی فینڈر
اڑی ہوئی تھیں۔ آج وہ ہر قسمت پر سزا افتخار کے ڈنر پر پی کا د میں جانا چاہتی تھی۔

مستقبل کرتے وقت یہ موسم کہتے وقت وہ اسے لی کار میں تھرتا دھندا دیکھ لیس گی۔
فلان قریب میں بیگم نعیم احمد نے اپنے برائیلی ڈائمنڈ میٹ پر تر کر کے کس قدر

برمت کیا تھا۔

لہذا اب لازم ہو جاتا تھا کہ روایت علی شاہ اسے شمالی امریکہ جنوبی امریکہ کے کسی جزیرے سے پہنچے بے مہلکوار کر پہنچائیں۔
کسی نوکر کو کھانا ملا یا نہیں۔

اس کے کوئی بجلی بجلی ہوئی یا نہیں۔۔

اس کے ذرا نیور نے میزبان کے گھر میں کھانا کھایا تھا وہ پس گھرا کر کھانا کھا یا تھا
اسے علم ہو چیا ان میں رہتا تھا۔

اس کے بلگر کا بھگوار لودا واپس آ گیا یا نہیں اس کی بیٹی اپنے گھر میں بسی یا نہیں
اسے یا نہیں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ۔

اسے شاہنگ سینٹر پہنچنے کی جلدی تھی۔ راستہ بند ملا۔ ہٹا چلا کہ بھری ہوئی بس کے پائیدین
سے ایک آدمی گر کر مر گیا ہے۔

تب اس نے بند راستے کو کلفت بھرے بند میں دیکھ کر کہا تھا۔

جب بس بھری ہوئی ہوتی ہے تو ٹوٹ چڑھنے ہی کیوں ہیں۔

اسے دھیان ہی نہیں آتا تھا کہ لوگ بھری ہوئی بس میں مجبوری کے تحت چڑھتے ہیں۔

اگرچہ جہات غربت کی ایک اہم وجہ تھی۔

مگر ترقی کے نقطہ میں انسان بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔

ایک روٹی کی تلاش میں انہیں کسی مل کا رخا نے بھٹے پر چڑھنا ہی پڑتا ہے۔
یہ ہونے کے خوف سے ہمیں بھر کر پھینک دیتی ہیں۔

ان یا سکیور کی سمت اس کا دھیان ہی نہیں جاتا تھا۔ انتہائی خود مگر ملن اور مطمئن دولت
تھی اس کی۔

یہ وقت کی کتنی بڑی تبدیلی تھی۔ کہ آج وہ ایک بوزھے کو پنڈ سے پانی بھرتے دیکھ
کر ڈپ اٹھتی تھی۔

بہت تیزی سے زینہ اٹھ کر کدوہ آئی تھی اور دو ٹان کے ہاتھ سے لے کر بولی۔۔

ایسے میاں جی میں بھرتی ہوں وضو کریں گے میاں جی۔۔

ہوں۔ وہ مصطفیٰ کے باعث ہانپنے لگے تھے۔

تبی سردی پوری ہے۔ ٹھہریے۔ میں آپ کو پانی گرم کر کے دیتی ہوں۔

تو میری عاقبت تہ بگاڑی۔ مجھے عاقبت ہے۔ میں خوش ہوں۔

کیوں میاں جی۔ کیا آپ کے گھر والے آپ کو پانی گرم کر کے نہیں دیتے روشن نے
ترجمہ میں نظروں سے ان کی مصطفیٰ کو جانچا۔

اللہ نے رات آرام کے بے ہائی ہے نئی۔ اور نیند داغ و جسم کا حق ہے۔ مجھے کیا حق
پہنچتا ہے کہ میں لوگوں سے ان کے حقوق چھینتا پھروں۔ اور مجھے عاقبت میری قیامت ہے کسی پر

انسان تو نہیں ہے۔

ایلیس، عزرا، زلیخا، تھامی۔ ایک ایک چپے پر اس کے بعد اس کے نشان تھے۔ اس سے زیادہ اللہ کا مقرب کوئی نہیں تھا۔ ایک لمحے میں راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ میں اپنی عبادت پر کیا لگایا کروں اور دنیا کو کیا پریشان کروں کیوں اپنا تماشا کروں۔ کیا گرم اور کیا ٹھنڈا پانی پیتی۔ سارا مسئلہ توحید کی قبولیت کا ہے۔ ہم سب بہت بے اختیار ہیں یہاں۔

وہ اس کی خوشی کی خاطر اس کے پیچھے پیچھے باورچی خانے میں چلے آئے تھے۔ وضو کرنے کے بعد وہ سیدھے کھڑے ہوئے۔ چادر میں لپیٹے ہوئے روشن کے سراپے کو ایک بے نیاز اور سرسری نظر سے دیکھا۔

تو کون ہے بیٹی۔

ایک عورت ہڈیوں میں جی بھسساں کا دل بھر بھر آ رہی۔

تو اسی گھر میں رہتی ہے۔

جی۔

وریت علی شاہ سے تیرا کیا رشتہ ہے معلوم ہوا ہے کہ یہ گھراٹی کا ہے۔

روشن کے پاؤں تلے سے زمین سرگ کی۔ اس نے گھبرا کر میاں جی کی شکل دیکھی۔ وہ چار خانے کا رومال اپنے سر پر پھیلاتے ہوئے اپنی مخصوص خود فراموشی اور ننگن سی کیفیت میں تھے۔

میں ان کی خادمہ ہوں میاں جی تمک خود۔ اس نے ہنست کاٹے۔

گھر کو بول چال سے پڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کسی اچھے گھر کی عورت۔

روشن نے خوفزدہ ہو کر میاں جی کی سمت دیکھا۔

ماحول کا اثر ہو ہی جاتا ہے میاں جی وہ بالکل بوی۔

خوب کہا۔ وہ مسکرائے اور ناتواں انداز میں اپنے رہائشی کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

آپ کی چائے نماز بچھ دوں میاں جی۔ کتنے دنوں بعد روشن کو خود کو استعمال کرنے کا

موقع مل رہا تھا۔

مصلیٰ میرا بچھا ہوا ہے بیٹی۔ مجھے معاف کر دینا بیٹی کہ رات کے اس پہر تیری منہی نیند

خراب کی۔ وہ شفقت سے گویا ہوئے۔

(مجھے منہی نیند نہیں آتی) میں جاگ رہی تھی میاں جی۔ وہ گویا ہوئی۔ (جن کے نصیب

سو جا نہیں یا سلا دیے جائیں پھر ان کی آنکھیں جاگا کرتی ہیں)

سے توفاروقی کے فون کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ نور جہاں مماتی کر چکی جا کر لوں جان

سے تمام معاملات طے کر آئی ہیں۔ اس کے پاکستان پہنچنے کی رخصتی کی تقریب عمل میں

آجائے گی۔

اس کے آدو گنگنا تے ذہن کو نور احمد کا لگا تھا

یہ تو آخر ہوتا ہی ہے طارق احمد کب تک آنکھیں بند کیے خود فراموشی میں مبتلا رہو گے یا

کسی جھوٹے کے قتل پر ہے کہ کچھ ہر شے تھرا رہی پسند کے مطابق ہو جائے گی۔

ایک تو لگہ جاتے ان لوگوں کو اتنی جلدی کیا ہے۔ کچھ ہے گھر میں کیا لڑکیاں نہیں تھیں؟

اس نے کھاک کی سمت دیکھا۔ پاکستان، اور جرمنی کے وقت میں چار گھنٹے کا فرق تھا۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ گویا پاکستان میں رات کے بارہ بج رہے ہوں گے۔ اس وقت اس جان عموں جی گئی ہوئی ہوتی ہیں۔ بقول رات کے جب تم لوگ سو جاتے ہو تو قیامت کے پورے سمیٹتی ہوں۔ ان کا شمار وہ ان کی دھماچہ کڑی کی سمت ہوتا تھا۔ جو چہار

بیتھا تھا وہیں ایک دنیا بس لیتا تھا۔ کتابیں، ادھار کٹمن، چائے کی پیالیاں، قلم، کاغذ۔

وہ خط نہیں کتنی تھیں۔ اس نے تصور کیا تو اعتراف خود بخود کر لیا۔

فون صیب نے، ٹھہرا تھا، رات خوشی کے غیر متوازن ہو گیا تھا۔

چھوٹے بھائی، کل صبح جرمنی کا حکم، طاعات و شریات ہڑتال کرے گا

عراقی نہیں دیکھا پاکستان والوں کو ہر بات کی جلدی ہوتی ہے۔ بارہ بھی جلدی سے بجا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں آٹھ بج رہے ہیں تقریباً۔ اس جان کو بلا دو جلدی سے۔

چند لمحوں کے بعد ہی اس جان سے مخاطب تھا۔ علیک ملیک کے فوراً بعد ہی وہ اپنے مطلب پر آگیا۔

اس جان میں پاکستان، کرکٹ بہت خوبصورت سا گھربانا چاہتا ہوں۔

آدھ تو تین لی چکا ہے۔ وہ مسکرائیں

میر مطلب ہے اس جان وہ عمارت سے دور گھر نہیں۔ کچ کچ کا گھراؤن پتھر کا۔
 لڑکی ساری عمر، ہورہی میں رہنے کا ارادہ ہے وہ کچھ نہیں۔ وہ تو اس میدان کے ساتھ مضبوط ہوئی غنمی تھیں کہ یکدم وہ کرچی وہاں آ جائے گا۔

بیٹے تم اپنے دفتر وں سے کہونا کہو تمہیں کرچی ہی کہی دیں۔

صرف میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے اس جان یہ تو پورا ایک پروگرام ہوتا ہے اس۔

تمہاری خودی کی میت نہیں۔ ابھی سے سسرال میں پھنس رہے ہو۔

وہ آپ کے بھائی کا گھر ہے۔ اس تاتے میں ان لوگوں سے ملتا ہوں۔ وہ ہرے مانتے تو مجھے یاد بھی نہیں رہتے۔ وہ میسٹریج کب بیٹھا۔

کیا مطلب۔۔۔ وہ ابھیں۔

مطلب یہ اس جان میں کرچی میں رہوں، ہور میں رہوں یا چک جسرہ میں۔ ایک بہت خوبصورت گھربانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ یہ میری تمہارے۔ ایک شوق ہے۔

پھر۔۔۔ تو بتا لینا بیٹے۔

میں چاہتا ہوں گھربانے کے بعد رخصتی ہو خدا کے لیے میرے معاملے میں جلدی نہ کریں۔

تم نے تو اپنے معاملے میں خود جلدی کی تھی بیٹے۔

مجھ پر لڑم۔ لگا کریں اس جان کچ بتائیں کیا میں نے آپ سے کچھ کہا تھا

ہر بات کہی تو نہیں جاتی۔ کچھ خود بکھنے کی بھی ہوتی ہے۔ بہر حال فرق کوئی نہیں ہتا۔

دو فون پر بحث بڑھانے کی خواہش نہ تھی۔

آپ انہیں کسی طرح نالیں۔۔۔ ہالیز۔۔۔

کیا مطلب۔۔۔ وہ بڑی سے بولیں۔

دیکھو رقی دُریہ کی پہلی اور بڑی بیٹی ہے۔ بیٹی ایک ذمہ داری اور فرض ہوتی ہے۔

میں ان کے احساسات سے نہیں کھیل سکتی۔ دو بچیاں ان کی اور بیٹھی ہیں۔ مت بناؤ یہ قوف بناؤ ہمیں۔ ورس جوتہ داری رخصتی کی تاریخ طے ہوگئی ہے۔ چاہے دنیا اوجھ ہو یا اوجھر۔ چاہے تمہارا کام مکمل ہو یا مکمل رخصتی اسی تاریخ کو ہوگی۔ لب ہم تمہاری ڈکڈگی پر نہیں مانج سکتے۔

ٹھیک ہے۔ اس نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

دیکھو رقی بنے۔ مگر تانا کوئی کھیل نہیں ہوتا۔ تم مگر جیمیز بیٹھو کے تو یہ سلسلہ خدا معلوم

کتنا درد زد ہوگا۔ بیٹی والوں کی بٹی بھی مجبوری ہوتی ہے۔ خاص طور پر وہاں جہاں ایک نہیں بلکہ تین تین بیٹیاں شادی کے رقی ہوں۔ کل کو باپ ہو گئے تو وہ دے کے مسائل جانو گے۔

(ہ) اس کے سینے سے ہوک اٹھی۔ میں خود پٹی، ناؤ ضد سے خوف زدہ ہوں۔

اجہ بہر حال یقین ہے دُریہ کبھی میرے بچوں کی ماں نہیں ہوگی۔

اس نے فون رکھ دیا۔

میں تو یہ چاہتا تھا، ماں جان۔ دُریہ چند دن اور خوشیاں سمیٹ لے دے مگر۔ اس سے کہ

اسے میری ذات سے خوشی کا سا یہ بھی نہیں ملے گا۔

میں وہ وقت آج بھی نہیں بھول پایا ہوں۔

جب میں اپنے گھر والوں کے سامنے بیٹھ نہیں بلکہ خود اپنی بھی لگا ہوں میں ذلیل و رسوا ہوتا تھا۔

دُریہ تمہیں صرف اپنی زندگی گزارنے کا حق تھا۔ میری زندگی بھی تم ہی گزارنا چاہتی ہو، میرے خواہوں کو محسوس کرنے والی۔ میں تمہیں کیسے معاف کر سکتا ہوں۔

نظرت ہے مجھے ہر اس گھنڈی انسان سے جو اپنی دوست کے مل بوتے پر زندہ انسانوں کو بھی پٹا جا گیر کچھ کر تعریف کرتا ہے۔ گویا تم نے یہ جانتا کہ جس سمت نظر دوڑا وہ سمت تمہاری، جس چیز کی آرزو کرو وہ تمہاری۔

تم نے مجھے چیز گنیے سمجھ لی۔ میں تمہارے باپ کی جا گیر تو نہیں تھا۔

مجھ زندہ انسان کے ساتھ تم نے یہ انسانیت سوز ذرا صبر چاہا۔

گویا احساسات صرف تمہارے پاس ہیں اس لیے کہ تم بیٹروں سے روکتی ہو۔ تم نے ایک طرف سوچ کر میری اہلیت کی ہے میری زندگی اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرانے کی کوشش کی ہے۔

تم نے مجھے اس طوفان سے آشنا کر یا جو میں نے بھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ تم سمجھتی کیا ہو پتے۔ آپ کو کھوکھلا کر دوں گا اپنی دلیلیز پر شا کر۔۔۔ اپنا قرب مگر کبھی تمہیں نہ

سو نہیں گا۔ میرے جیسا آئینہ طبع اور آرٹک انساں اس کے خواہ مخواہ، فکیم سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ بلکہ زندگی سے بھی زیادہ قیمتی۔

کیا کوئی اپنی زندگی کے دشمن کو معاف کر سکتا ہے۔

یہاں محسوس ہوتا تھا کہ اس کے دماغ کی شریات پھٹ جائے گی کہ جی وقت فون کی گھنٹی بجے۔

آخا۔ پاکستان سے موسیقار، مسٹر علی جان کا فون تھا۔

وہ ایک دم چمک اٹھا۔ (یہ مسٹر علی جان تو میرے بے ایک نعمت ثابت ہوئے ہیں)۔

اور کیا حال ہے علی بھائی

تمہارا ہجر کاٹ رہے ہیں۔ ان کی مشفق سہیلی وزارت آئی۔

وہ ہنس پڑا۔ کوئی سرسری دھن جھنجھکی ہو سکتی ہے اس، حول میں۔ کہیں

تم آؤ تو سبکی ویسے، اسقدر خوبصورت دھنیں بٹائی ہیں۔ اسمر کر دیں گے تمہیں۔

بہت بہت شکریہ۔ انشاء اللہ جیسے ہی وطن واپسی ہوگی۔ آپ کا کام پورے ہوگی۔

عنایت۔ ویسے میں نے بٹ صاحب سے کہہ دیا ہے کہ ایک گیت حارث فاروقی نے

ایمانتاً لکھا ہے گا وہ اب اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

بے حد شکریہ۔ وہ محسوس ہوا۔

یاد میں تمہارا بے اللہ صاحب کا بہت شکریہ ہو، مرنے چاہتا ہوں۔ ملاقات ضرور کرنا۔

کیوں نہیں ملتی بھائی ضرور!

تین غلطیاں تمہارے انتظار میں ہیں۔ اور شو کوئی کنسرٹ وغیرہ ہوتو تمہیں شامل کر لیا

جائے۔ کوئی حرج تو نہیں

کنسرٹ

چند دنوں کی بات ہوتی ہے یا۔ فکر کیوں کرتے ہو۔ آج کل ایک کنسرٹ کینیڈا میں

ہو رہا ہے۔ دو دن کا کل

ہو رہا ہے۔ موقوفے ہارپا نہیں ملتے۔ میں ہر رات رات کو نہیں نہیں ملے۔ بہت بڑا کنسرٹ

ہے۔ بھارت سے بھی فنکار آ رہے ہیں۔ بین الاقوامی شہرت تمہاری منتظر ہے۔ کلک اور

رہائش بھی آ رہی ہے۔ کڑے ہے۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

علی جان صاحب نے گویا اس کی رگ رگ میں جوش بھر دیا۔

چنانچہ متونے کا کس قدر نادر موقع مل رہا تھا۔

لیکن یہاں سے شریک ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ اس نے، بھائی سے کہا۔

مے دنیا اتنے بڑے بڑے فرڈ کر جاتی ہے۔ بندر گاؤں قریبے پانچ جاتی ہیں

راتوں رات۔ ٹیکنا جی چوری ہو جاتی ہے۔ سرکاری رات غائب کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارا

معدہ تو بہت نصیر ہے۔ وہ تمہارے چیف بھی تو ہیں ہوتے ہیں آج کل۔

وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ سفر پاکستان میں وہ تمہیں جی بھر کر چھوڑتے ہیں۔

کوئی بہانہ بنا سوار۔ میلہ نکل جس پر۔ دو دن کی بات ہے۔ دوسرے دن رات کی
فلائنگ سے واپسی۔

ایک بر سے دوسرے بر کا قافلہ ہے۔ سفر بھی خاص ٹائم ملے گا۔ وہ بھلا
کچا کہتا ہوں طارق قابوئی یہ مواقع روز روز نہیں ملتے۔ تم بہت لگی ہو۔ میں نے تمہارا نام
ویا دور منظور کر لیا گیا۔ ورنہ اس وفد میں سب سمیر زیں۔ پاکستان سے بھی اور چندوستان سے
بھی۔

میں غور کر کے آپ کو جواب دوں گا۔ پرسوں تک۔ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ مجھے یہاں سے
اجازت کس طور ملے گی۔

ہاں ہاں اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ دن کنسرٹ کے، ورنہ قی سفر کی نایم تک۔
اور سکے۔

اوکے۔ خدا حافظ۔
آئی مائیٹ

حق شفیقت پائی تھی۔ اس لمحے میں کہ پروانہ وار وہ کی راتوں سے تڑپ رہی تھی اور
بڑے کمرے کے دروازے تک آئی تھی۔ مگر پٹ گئی تھی۔ شاید ہمت نہیں تھی۔

غلام محمد اس کا دکھ اس کا جرم سب جانتا تھا۔
جرم حلا کر اس کے دکھ میں شریک ہو رہا تھا۔ مگر دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی۔ شاید دکھ بھی

با اختیار بنانا دھوکہ دے ہیں رستم محمد کی بنا ہیں تو بہت بے اختیار ہی تھیں۔ مضبوط جسم و جان کے
ہوتے ہوئے بھی۔

اور یہ باتوں۔ ضعیف شخص سے کتاب بھاری بھر کم سامانوں ہو رہا تھا۔
اس کی صورت پر صرف نظر لانا ہی باعث تقویت ہوتا تھا۔

اللہ سے محبت کرنے والوں کی یہ واضح پہچان ہے کہ جون کو دیکھتا ہے ن سے محبت
کرنے لگتا ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق سے پیار کرتے ہیں، اللہ کی مخلوق ان سے پیار کرتی ہے۔

وہ بھی ان کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی، اور حیرت تھی کہ ایسے بھی ہوتا ہے۔
صبح کو تو نیا بخش دن کو اپنے ادھورے مکان میں لے جاتا تھا۔ غلام محمد بھی ان دنوں
کے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ خود بھی تھی حالت میں رہتی تھی۔

مگر رات کو اس کاچی چاہنے لگتا۔ وہ محبت دڑھنے بچھانے والا نا تو اس سا بوجھ آدمی
اسے دکھائی پڑے صرف ایک نظر ڈال کر اس کے گناہ اور دکھ کھوج لے۔ اس کی مغفرت کے
لئے ہاتھ بٹک کر اللہ کے حضور۔

کہ اللہ سے محبت کرنے والے انسان کی دعا سے صرف نظر کر سکتا ہے۔
اس نے ذرا سا دروازہ کھولا۔ مہم ی روشنی میں میاں صاحب کی گہری نیند میں نظر
آئے۔ رات کا ایک بجنا تھا وہ ڈھائی تین بجے کے قریب اٹھتے تھے۔ وہ ن کے باہر آنے تک
ستر پر بہت کی مٹھتی رہتی تھی۔

تین چار دن سے وہ انہیں گرم پانی سے دھو کر رہی تھی۔ آجکے دن وہاں کمرن کے مصلے کے نزدیک دکھ رہی تھی۔ سردی بھی تو غضب کی پڑ رہی تھی۔ اسی لیے نئی بخش نے میاں صاحب کو جانے بھی نہیں دیا تھا۔ جب وہ جائے نماز پر بیٹھ جاتے تو وہ بہت آہستگی سے دروازہ بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آ جاتی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو نئی انہوں نے اس کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ نے اُن کی دعا سن لی۔

میں کس قدر خود غرض ہوں۔ اس نے دروازہ پھر بند کر دیا۔ اور اپنے آپ سے گھن کھائی۔

دعا وال کے بچے میں۔ اس برقی رات میں غصہ خیزی خونِ نغمہ کرنے والی ہوئی۔ میں اس بزرگ کے جاگنے کا تھکا کر رہی ہوں۔ اگر میں آسودہ اور سیر ہوتی تو کیا اس بزرگ کی خاطر جاگتی۔

میری کوکھ میں آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ آگ مجھے کب سولے دیتی ہے۔

میں تو آسودہ نیند کا حلق ہی بھول چکی ہوں۔ میں نے تو یوں بھی جاگنا ہے اور یوں بھی۔ میں تو وہ بد نصیب ہوں جسے نیکی کی توقع ہی نہیں ملی۔ لنگھوں سے اس کا پورا وجود مل رہا تھا۔

عمر، بشر۔ ہائے محسوسوں تم اللہ سے اتنے قریب تھے کہ اُن واحد میں اس نے تمہاری سن نذر و تاد دیکھ تو لو۔ میں یہاں ہوں۔

قاف کی اس دوی سے بھی بدتر جگہ جہاں لوگ پھرمیں جاتے تھے۔

پھرمیں کے رہنا کتنا آسان عمل ہے۔ مشکل تو پھروں کے در و دیوار کے بیچ زندہ رہنا ہے جیسے احساس کے ساتھ تنہائی کی یہ آگ۔
دن رات ضمیر کے طعنے۔

دورایت علی شاہ تمہارا یہ گوشت تو میرے لیے جائے کوئے طاعت ہے۔ یہاں ایک ایک چیز کے ساتھ تمہارا تذکرہ ہے۔ یہاں تو ہر بات طاعت، میرے معلوم ہوتی ہے۔ اتنے بڑے مفتقر ہو دورایت علی شاہ۔ کبھی مجھ سے ملے دیتے۔

ہائے وہ میرے پہلو میں رہتے وہ۔ پٹھان مہربان آدمی اس قدر سفاک ہو گا۔
غم، ایک تو نہیں ہے۔

یا کی۔ وہ کوں سا اسم؟ زبان پر۔ کون کسے مضرت ہو۔ بڑے بڑے مگر ابوں کو راستہ دکھا دیتا ہے۔ بس دورایت علی شاہ کے بچے ملاوے۔ پھر وہ چاہے مجھے دھکا روے میں تجھ سے پھر کبھی کچھ چاہیں گوں گی۔
وہ برآمدے میں موڑے پر بیٹھی تھی۔

پاؤں اور ہاتھ سن ہو چکے تھے۔ مگر نقاشا رونے سے چہرے اور جسم میں حدت سی محسوس ہوتی تھی۔

معاذے سچے سر پر کسی کے دست مہربان و عشق کی مرش محسوس ہوئی۔ اس نے چپکے سے

چہرہ پونچھا۔ اس نے جان لیا تھکہ کہ میاں جی کا مسعود ہاتھ اس کے بد نصیب سر پر ہے۔
کیوں روئی ہے بیٹی کیا تیرا دنیا میں کوئی نہیں تیری راتیں کالی رہتی ہیں۔ کیوں
ایک فصل، ایک موسم تھا میاں جی۔ ساری دنیا بھری تھی۔

میں نے بھرائی ہوئی آواز میں ایک دکھ سینے سے آزاد کیا۔ کچھ آنکھیں کھلی ہوئی۔

یہاں ہم تو سب کے ساتھ آتے ہیں۔ بیٹی۔ اسی لیے تو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس
دنیا کو لہو و لعب یعنی کھیل ٹماٹا کہا ہے۔ دنیا کی یہ ہے بیٹی۔ ہاتھ آئے تو موڑ نہیں اور چھو
جائے تو جی چھوڑ نہیں۔ جو اللہ کی رضا پر راضی رہتی ہے ان کی زندگی بہت آسان ہو جاتی
ہے۔ جو وقت کو گزرتا دیکھ دیا ہے یاد کر کے نہ رو۔ جو وقت ہے۔ جو ہے۔ تو ضائع نہ کر
میں کیا کر دوں میاں جی۔ وہ چارگی سے بولی۔

ٹو اکیلی ہے بیٹی۔

جی۔

اگر تو رشتوں سے آزاد ہے تو انسانیت کے رشتے تجھ سے بندھے ہیں۔ یہ کونھ بہت
پسند کرتا ہے۔ اگر تجھے قرآن آتا

ہے پڑھائی آتی ہے تو ن روشنیوں کو آزاد کر۔ تاکہ اس کونھ سے اللہ چر اور ہو۔ اور اللہ
کو بہت یاد کر۔ اللہ کی مخلوق کو فیض پہنچا۔ زندگی آسمان کی آسمان ہو جائے گی۔

اللہ عالم نہیں ہے۔ اس نے خود پر ظلم کر ختم کر لیا ہے۔ ہم جو جوتے ہیں وہی کا نئے

ہیں۔ اس لیے دکھوں کا موسم میں شکوہ نہیں کرتے۔ مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ظہار و خدمت
کرتے ہیں۔ معافی مانگتے ہیں۔ بھی تو خادمہ و ریت علی شاہ کی ہے اور خدمت ہماری اور ان
دوران درودِ حاجت کرتی ہے۔ وہ مسکرائے۔

میں نے اس گھر کو میری پناہ گاہ بنا دیا ہے۔ اسکی ہوں نامیاں جی۔ اور پھر اس گھر کی
دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ ریت علی شاہ آتے جاتے رہتے ہیں اور۔

بیٹی۔

جی میاں جی۔

بیٹی۔ جب تو جاگ ہی جاتی ہے تو ہمارے برابر مصلیٰ بچھ لیا کرو۔ جو چھڑے ہیں ان
سے ملنے کی دعا کرو۔ مغفرت، تنگ تجھے بہت پیٹھی نیند یا کرے گی اور تیری سترکاری بھی دور
ہو جائے گی۔ قرآن کا قصد ہے بیٹی بے شک دوس کو اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ملتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد ریت علی شاہ کے قدم اور خاموش درویشوں اس کی پیشانی سے آزاد ہونے
گواہی میں شریک ہو جائے۔ جانے کتنے چے بعد اس کی پیشانی سے آزاد ہونے۔

نہ جانے وہ کب تک سوتی رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد وہ قدر گہری نیند سوتی تھی کہ
چکانا پڑھا اور غلام محمد کی برداشت کے جواب میں وہ ہوں کہہ کر پتے بیدار ہونے کا اعلان
کرتی تھی۔

آج تو اس نے دروازہ پیٹ ڈالا۔ قنائب جا کر اس کی ہوں سالی ہوئی تھی۔

جب تک گمان یقین کے قاسب میں نہیں ڈھلتا اس وقت تک روئے کا ایک ایک تار
بیقرار رہتا ہے۔

خود اللہ واحد و لا شریک پر یقین کی بات ہو۔

یا کسی کام کے یا یہ تمکین تک پہنچنے کا یقین ہو۔ منزل تک رسائی کا یقین ہو۔ یا بے کسی
دوستی کا یقین انتہائی طلب ہو۔

کسی کی محبت کا یقین۔

چھتر کرنے کا یقین۔

دعا کی قبولیت کا یقین

یہ طے ہے۔ شک و گمان اضطراب و اضطراب ہیں۔

یقین رقرار سکون و رخصت ہے۔

نگاہ بصیرت گرد و پیش ڈال جائے تو یہ دل آویز بخشش ہوتا ہے کہ اس دنیا میں موت
الہیم، ملک فرعون، خزانہ قارون، اور وہ اصحاب سے بھی بڑی ایک دولت ہے۔ جو یقین کی
دوست ہے۔

جس کے پاس یہ دوست ہو وہ بڑا کامیاب ہوتا ہے۔ ایک زمانہ سے دشمن سے دیکھتا

ہے۔

آخر رات اس نے یقین کی لہروں کو اپنے وجود میں اتارنا محسوس کیا تھا۔

اس بات کا یقین کہ گناہ حریف کرنا رب کا یگانہ کے اختیار میں ہے۔

میرا حق نے اسے بتا دیا تھا۔ یعنی اللہ رحمن و رحیم ہے۔ رحمن کا مطلب ہے جس قدر
مہربان جیسے کوئی بے کنا رہ سمد یعنی اپنے، سنے اور نہ دینے والے ہر ایک پر مہربانی کرتا ہے۔
مشترک، منکر، کافی، کاہن اسی سبب کھاتے پیتے اور ٹھانڈے سے رہتے نظر آتے ہیں۔ کمال
مہربانی کے سبب ان کی مری دراز رکھتا ہے۔ انہیں توبہ کا موقع دیتا ہے۔

اور رحیم کا مطلب ہے بہت شفیق، مگر میں جلدی نہ کرنے والا۔ جلد غصے میں نہ آنے
والا۔ یہ تو عیب ہیں تاں اور اللہ چر

عیب سے پاک ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا تھا۔

یعنی کوئی ہم سے محبت کرے تو ہمیں اس سے کیسا سلوک کرنا چاہیے۔

ہمیں بھی اس سے محبت کرنا چاہیے۔ اس نے جواب دیا تھا

شاہی۔ تو پھر تم اپنے خالق سے محبت کرو۔ یہی تمہارے آنسوؤں کا علاج ہے۔

نجر کی لہر کے بعد وہ سو گئی تھی۔ اس کی کہ دس بج رہے تھے اور سے ہوش نہ تھا تھوڑی دیر
بعد اوپر دھوپ میں بیٹھ کر بال سمجھانے لگی تو مجھے شورش کی دیا۔ وہ جلدی سے کمرے کی کڑی
میں آئی۔

میرا صاحب مرتضیٰ، شہری کی جیب میں بیٹھا ہے تھے۔ نئی بخش، غلام محمد و رگوٹھ کے
دوسرے چند لوگ کھڑے تھے۔

وہ تیزی سے زینہ اتر کر انکی اور چٹک کی دھن میں کھڑی ہو گئی۔ اور چٹک کی فریجیر
دور سے ہلائی۔
غلام محمد تیزی سے اندر آیا۔

جی مالکن اس نے حیرانی سے اس کا متورم چہرہ دیکھا۔

میں سچی کہیں جا رہے ہیں وہ سقراری سے بولی۔

اپنے گونڈہ جا رہے ہیں مالکن یہاں تو مہمان تھے ناں۔ آپ طے تھے ناں سے۔ غلام محمد
نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

ہوں۔

مالکن آپ نے میرا صیب کو بتا دیا۔ غلام محمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

میں سچی مجھے، مجھے گلے۔ میں نے ان سے باتیں کیں، اور یہ بتایا کہ میں تمہارے، مالک
کی نوکرانی ہوں۔ تم کیوں خوف زدہ ہو گئے غلام محمد، میں تمہارے، حسانات نہیں نکال سکتی۔

ایک، حسانات کو غلام محمد میں سچی سے کہو، میں انہیں صدام کرنا چاہتی ہوں۔

اچھا سچی وہ حیرت پریشان واپس ہو، مالکن کس وقت میرا صیب سے ملیں، اور اسے کیوں
ہٹا کر چلا۔

تموؤزی دیر بعد میں صاحب دوبارہ پھاٹک عبور کر کے غدر داخل ہوئے، اسے دیکھ کر
مسکرائے۔

شاہد شوہر کی تھی مٹی اس لیے تجھے دیکھ نہیں پائے۔ گھبرنا نہیں۔ یہ گھر ہے، شاہنا لکھ بلی
خوشیوں کے لیے لوگوں کی موجودگی اہم نہیں ہوتی۔ نیکی کرو۔ روح خوش ہوگی تو تنہائی میں بھی
میلہ لگے گا۔

انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اور اس کا جی چاہا تجھیں، بار بار کرو نے
لگے۔

میں سچی۔ بھرا بیٹے گا۔ وہ بہ ضبط بولی۔ یہ ہر کچھ شورش ہوا تھا۔

انشانہ لکھ اس شور میں میں سچی کی آواز پست محسوس ہوئی۔

اسی دم اس نے غلام محمد کا زرد پڑتا چہرہ دیکھا۔ ایسے تاثرات تھے گویا اس نے ملک
الموت کو دیکھ لیا ہو۔

مم۔ مالک۔

اسی دم، بیت علی شاہ نے اندر قدم رکھا تھا۔

کیپٹن کے پردگرم سے متعلق اس نے کسی کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔

شاہد یہ سوچ کر کہ اس نے زبردستی اجازت دی ہے۔ ان کا ذہن قطعی آہستہ نہیں کیا
فائدہ کہ نہیں خواہ وہ ایک کرب میں مبتلا کیا جائے۔

صرف ابا جان کو غد لکھ دیا تھا کہ چند دنوں کے لیے کیپٹن جا رہا ہے۔ اب ان سے
دوسروں کو پتا چلا، تو وہ دوسری بات تھی۔

اس نے بھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس کی زندگی میں ایک دم یہ شاندار موقع آئے گا۔
 طبیعت تو اس کی ویسے ہی گدگداتی رہتی تھی۔ سارا، حول اپنی طرف متوجہ کر لینے کی عادت
 مصاحبت تھی۔

پر تو، م میں اس نے صرف مفت غزلیں سنائی تھیں مگر سب کو وہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔ ہر
 شخص کو اس کی آواز بہت پسند آتی تھی۔ پھر غزلیں کا۔ چنانچہ انتخاب، بے پناہ داد اس کے حصے
 میں آتی تھی۔

اسٹریٹی جان، اس بے پناہ نے نہیں مانتے تھے کہ وہ ان کے کریڈٹ پر تھا۔

یہ اس کی زندگی کا ایک یادگار تجربہ تھا۔

جب اس کی دوستی کی حدیں بین الاقوامیت کی حدوں کو پھیلائی گئی تھیں۔

شعبہ دار نے سب سے پہلے اخبار پڑھا تھا۔

اس لیے کہ سب سے پہلے ان اس کا آیا تھا۔ پاکستان ہندوستان کے معروف گلوکاروں

اور کارکن کے ساتھ یقیناً اس کے فوٹو گراف لگے ہوں گے۔

ایک جست میں وہ احسان ایئر لائنی کو پھیلائی گیا تھا۔ ادھر ٹوشل ہونا لازمی، مرقہ وہ

دل کھول کر بھلا، استہرانیہ۔

کنسرٹ سے پہلے ہی میں طارق احمد فاروقی تھا۔ کنسرٹ کے بعد بھی میں طارق احمد

فاروقی ہوں۔

اس دینی نے جتنی دیر بندگی کے پیمانے پہ جائے ہیں۔ ہونہ۔ یعنی حسب تکلف کی مشہور
 آدمی کے ساتھ تصویر نہ بنے کسی بڑے مشہور فنکار سے ملاقات نہ ہو اس کی اہمیت اور
 انفرادیت علیٰ تسلیم نہیں کی جاتی۔ کیا ہوئے، در مشہور انسان درختوں میں گتے ہیں۔

یہ بھی تو دور اہوں، چور ہوں کے امتحان سے گزر کر پناہ تسلیم کروا رہے ہیں۔ گویا
 دیر یہ بیگم اب تمہارے حساب سے میں پروڈیو شہرت یافتہ ہونے لگا ہوں۔ میں تو لٹ بھی نہیں
 کراتا شہرت و بہرت کو اور نہ سر پر سوار رکھتا ہوں مگر یہ تمہارے معرکے میں کام آئے گی۔

تمہارے غور و کا بہت پاش پاش کرتا ہے۔

تم نے میرا ہر کام قیث کیا ہے۔ ناں۔

ان سوچوں کے ساتھ جب کو ریٹائیڈ پر کو ریٹائیڈ طارق احمد نے کراچی شہر میں قدم

رکھے تو پناہ چلا۔ ہر طرف سے گویا جال کی ایک مضبوط تار چلی ہو۔

چھو لے بھائی۔

بارت کراچی سے جائے گی۔ حسیب نے نچوٹنے کی طالع دی۔ اس کے ہاتھوں کی

خوبصورتی گرمی میں عجب ٹھنڈک سی آتی۔ (میں تو صرف تمہارے خیال سے سویر کر رہا تھا

وہ یہ اس لیے کہ میرے گھر میں آکر تمہیں کوئی خوشی نہیں ملے گی۔)

جن کا سلسلہ شروع ہوا تو دوسرے پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔

دیسہ پتو پتو شور مچاتی اپنے بھاری بھر کم و بنو کو سنبھالتی اس کے پیچھے بھاگیں۔

پہلی مرتبہ کہہ رہے ہیں کہ ہاکی آگے دو گیند پیچھے۔ حسیب پھر کہہ بیٹھا۔
 شرم نہیں آتی پھوپھو پر گیند کی پہنچتی کس رہا ہے۔ ماں جان نے گھر کا۔
 مجھے اس بات سے فو آ رہی ہے۔

خوشبو اس کے بعد آئے گی چھوٹے بھائی۔ شیل لگاتی ہیں۔
 فاروق شریر ہوا۔

ماں جان خدا کے لیے مجھے بچالیں۔ مجھے مٹی ہونے لگے گی۔
 تھوڑا سا لگوا دو بیٹے پوٹھی رہا۔ انہوں نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ پیچھے۔
 میں نہیں ماننا۔ رسوں رسوں کو آپ مجھے سوراخ لٹل پڑھنے کو کہیں گے تو پڑھوں

گا۔

وہ تو آپ ویسے بھی پڑھیں گے شکر اللہ۔ حسیب برجستہ کہہ بیٹھا۔
 زبردست قطعہ پڑھ رہے تھے۔

دیکھو چھوٹے میرا تم بہت چل نکلے ہو۔ 'اٹن' میں شہر دس گا۔ گرم 'اٹن' کی حمایت
 میں بولے۔ طارق نے حسیب کی کھنچائی کی۔
 انی کما ہیسہ پھوپھو پھوپھو کا کام کر گئیں۔

رمضان ایک تصویر بنا طارق کی۔ نعرے شروع ہو گئے۔

صرف چہرے کی۔ پاک، ہند کی فلم ٹی ٹی میں بچو نہیں گئے۔ کہ پوچھو تو جانیں۔

دوبارہ بھی شروع ہوئیں۔

اور بتائیں گے کوئی حرفوں سے ملتا ہے یہ 'اٹن' سے بنے ہیں۔ ایسے پھوپھو بھی بہوں
 کے ساتھ شروع ہو گئیں۔ سب طارق بری طرح چٹختی گئی تھی۔
 بیٹے اس طرح بھی کرتے ہیں۔ زادی کی بات ہوتی ہے۔ ماں جان نے نوکا۔
 روپ آتا ہے۔

روپ آئے گا تو 'اٹن' کے دل پر چڑھو گے۔ نعرہ شریر ہوئیں۔
 یہ تو ان کے سر چڑھ کر بول رہے ہیں۔ شا کر لے ہانک لگائی۔

دیکھیں پھوپھو مجھے کا۔ جلاؤ کہہ رہا ہے۔ بے وقب۔ طارق نے پھوپھو کا کام میں رخنہ
 ڈالا۔

خان کا 'اٹن' نہیں کہا تھا۔

وہ تو میں ہوں بھی نہیں، جب ہی تو کہہ رہا ہوں مجھے، 'اٹن' کی کیا ضرورت ہے۔ اس نے
 جلدی سے جان چھڑائی۔

ورگھر دھمے، شام اللہ۔ پھوپھو پیار سے بولیں۔

ن تمام رسوں، جنگ رسوں سے گزر کر وہ نازک وقت سی گیا تھا کہ وہ یہ س کے گھر
 میں تھی۔

دوبارہ چٹختی ہوئی تھی۔ فو زید اور ثویب نے خوب خوب اس کی ڈرگت جانے کی کوشش

کی تھی۔

اس کا جی ڈر بھی ناک نہ تھا کہ وہ اندر جائے مگر مجبور تھا۔ سارے گھر میں مہمان براجمان تھے۔

جرسی میں قیام کے دوران اسے ایک فی سٹ لگ گئی تھی، شاید تپائی کی وجہ سے۔ یعنی سکیمٹ نوٹھی۔ اس نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر جلدی جلدی دو تین کس لگائے۔ باقی کھڑا جو تو بے سلسلہ دیا۔ دور درازہ آہستہ سے دھکیلا۔

سرخ لٹکا ہوا شرابہ سوٹ اور صرف پھوپھوں کے زبور سے آراستہ ڈریہ بستر سے ٹیک لگائے بہت دلکش زاویے سے چشمی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو وہ عین بچہ دروازے میں رک گیا۔

پھر آہستہ سے پلٹا۔ دروازہ بند کیا، اور خوب مضبوطی سے دبا کر چٹائی لگا لی۔ جب انسان ذہنی خلقت کا شکار ہو تو اس کے معمول کے کام بھی رک رک کر انجام پاتے ہیں۔ قوت عمل کی بھڑکتی ذہنی ارتکا ذکی مرہون منت ہوتی ہے۔

اور اس وقت طارق کی فکری قوت میلنگر دل حصوں میں غنیمت تھی۔ درہم کے یہ انداز اسے مزید بھسم کر گئے تھے۔ وہ رواجی فنون کی طرح گھبرائی شرمائی نظر نہیں آ رہی تھی۔ خواب پرورد طارق کی روح میں بیزاری کے آسیب آترنے لگے تھے۔

مہوسات کی دکانوں میں ٹیلرز کے شوروم میں جو ہریوں کے ہاں اس۔ چاہے سب کے

بے حد حسین، ڈرتو دیکھے ہوئے تھے۔ اس سے درہم نہیں ملے سے ایک دکھائی دے رہی تھی۔ یہ اس کے احساسات تھے۔

دوسری سمت بظاہر نہ عثمادی درہم کی ہتھیلیاں پسینے سے بھلک چکی تھیں۔ سینے میں دل خوف و سرت کے مشترکہ احساس کے ہمراہ بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا ہاتھ طارق بولے گا نہیں بلکہ پھنے گا۔

اس کے دلکش دامن سے سعادت و ملامت کے لٹارے برسیں گے۔ مگر وہ بھر بھی خسارے میں نہیں رہے گی کہ بہر حال وہ اس کا تکیا ہے ناں۔ اس سے ہارے خوف کے نظریں بھی نہ اٹھائی گئیں۔ مورد حال بہت ذرا دھائی سی ہو رہی تھی۔

طارق بیڈ کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اور درہم کے کان منتظر

اس نے جیب میں سے ایک خوبصورت ہیرے کی انگلی نکالی۔ کچھ دیر تک تو دیکھتا رہا۔ تپائی متناہوا جوں کی بیضا تھی اس پر۔

درہم کی سمت دیکھتا تو کچھ سوچنے لگا۔ نظر میں ہٹاتا تو کچھ۔ پھر وہ کنارے پر بیٹھ گیا۔ درہم کی سائیس عترت پی ہوئے لگیں۔ نہ جانے کیوں انگلی اسی نے درہم کی آغوش میں ڈال دی۔

بہت سمجھدار ہیں، اس جان۔ رونمائی کے لیے بہت قیمتی انگلی فتنہ کی ہے۔ بڑی

یہ بھی نے مجھ سے پوچھا تھا کہ انہیں کورونما میں کیا دینے کا ارادہ ہے شاید انہوں نے نہ قی
 میں پوچھا تھا۔ مگر میں نے بتا دیا کہ مجھے وہیں نہیں رہا۔ آخر یہی کہہ سکتا تھا میں۔ جھوٹ
 بونے کی مجھے عادت نہیں ہے۔ تب ماں جاننے یہ گٹھلی مجھے دے دی کہ دور یہ کو دے دینا۔
 ان کی بات تم تک پہنچا دی ہے۔ انہوں نے تمہارے معیار کا خیال رکھا ہے غور سے دیکھو۔
 اصلی میرے ہیں۔

یہی بھری اور نکھل پاتیں۔ دوریے نے بہت سے شاکی نظروں اٹھائیں۔ انگٹھی اس کی
 آغوش میں پڑی تھی۔

دوریے نے آہستگی سے انگٹھی اٹھا کر سہیل نیکل پر رکھ دی۔

طارق نے ایک سگریٹ نکال کر نکال دیا۔ بھر ایک سست بہت سا رادھوں چھوڑ کر چلتی
 نظر سے دور یہ دیکھا۔

خوش ہو، اس کی بھاری آواز جھکی جھکی سی لگی۔

دوریے نے چونک کر اس کی سمت دیکھا۔

ہر چند کہ میں تم سے کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتا مگر بھی بتانا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تم
 نہ میرا انتخاب ہو نہ میرے پیسے میری سزا کا۔ یہ سارا عمل تمہاری بہت دھڑکی اور بیجا مددگست کا
 نتیجہ ہے ہمد ہر جسم کے فنا کے تم کو دے دیا اور یہ کہ مجھ پر بھی اپنے ولہجہ حب کی مارت
 کی دھاک بٹھانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ان کے گھر سے یا ان کی طرف سے کوئی ٹیٹہ میرے

گھر میں آئے خود معافی کی راگھ ہو یا قیمت ڈیکوریشن میں۔

تم میرے نکاح میں اپنی مرضی سے آئی ہو بلجیر میں۔ ہذا میری مشکوٰۃ ہونے کی حیثیت
 سے تم میرے گھر پر حقیرانہ گتھی ہو یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے۔ سوئے۔ وہ رک گیا۔
 سوئے دریا کا کچھ پھٹنے لگا۔

یہ تاشقی ہے۔ بھلا کیا کی ہے مجھ میں۔ حسن، دولت، جوانی، محبت اور کیا خوبیاں ہو سکتی
 ہیں ایک لڑکی میں۔

چارون کی کڑ ہے طارق احمد۔ جسے کڑیل سے ہوتا ہے آپ ہی آپ ڈسے جاؤ گے۔
 ہونے۔

اس صورت حال کی تو مجھے ویسے بھی توقع تھی۔ دیکھ لیں گے۔

طارق کو حیرانی ہوئی۔ وہ کچھ بولی نہیں۔

اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو پھنس گیا۔ اس قدر حسین لگ رہی تھی تمام دنوں سے لگ۔

یہ تمہاری ہے طارق تمہاری دسترس میں، اللہ کی نعمت۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ خودواری اور نہانی حقوق کی پاسداری کی جنگ ہے۔ میں جہاد کر رہا ہوں۔

ایک انسان کو دوسرے انسان پر اتنی دھونس سے تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس
 کی حیثیت تو اس ریاست کی ہی ہو رہی تھی جسے فتح کے شوق میں بادشاہ جارحیت کا نشانہ بنایا گیا ہو

پامال کیا گیا ہو، پھر اس پر فاتح نے اپنا جھنڈا مہرایا ہو۔

وہ پاتھروں کی سمت بڑھ گیا۔ اس کے داغ کی فسیں پھٹنے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہینٹ سلیپنگ سوٹ میں جا رہا تھا۔ درختوں سے متعلق ایک میگزین آٹھا کر بیڈ پر درز ہو گیا۔

دریہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی ایک اپ و فیورہ صاف کر رہی تھی۔ پھر وہ شب نوای کا ملبوس لیجن کر آئی۔

طارق نے نوٹ کیا۔ وہ کافی دیر سے ہالوں میں برش کیے جا رہی ہے۔

وہ۔ وہ اٹھا اور دروازہ کھول کر خوشنودہ کچھ تلاش کرنے لگا۔ پانچ منٹ بعد پلٹا تو دریہ بیڈ پر دراز ہو چکی تھی۔ وہ دوسری سمت، کروڑ رہ ہو گیا اور وہ وہ میگزین کی ورق گردانی کرنے لگا۔

دریہ نے اس کی طرف پشت کی ہوئی تھی۔ مگر سے احساس تھا وہ جاگ رہی ہے۔

اس نے لیپ بچھ دیا۔

میں بالکل حد حیرے میں ہونے کا عادی ہوں۔ اگر تمہیں کوئی محسوس ہو تو مجبوری ہے طارق، تمہارے غور کا بہت پاش پاش کیا تو میرا نام بھی دریہ نہیں۔ دیکھ لینا۔ میری نفسی خواہشات اتنی بھی بے لگام نہیں ہیں کہ بیدار بن جاؤں۔ پوچھ لو گی تمہیں۔ میرے پسرون جیسے حسن کی تسلط کرنے والے عاشق، فن۔

دوسو فی اس کی کٹھنوں سے ٹوٹ کر ٹیکے میں جذب ہو گئے۔

دن بھر کی تھکاوٹ تھی یا شاید انتقام کا پہلا مرحلہ طے ہونے پر کلیہ ٹھنڈا ہوا تھا کہ طارق کو نوٹ کر نیند آئی تھی۔

میں کو زندگی میں شاید پہلی بار سو رچ نکلنے کے بعد بیدار ہوا تھا۔

خوب تیز چمکداری دھوپ کھڑکیوں کے شیشے سے چمن چمن کر رہی تھی۔ وہ ایک دم آنکھ میچھا اور سوئے ہوئے ذہن کے ساتھ معمول کے انداز میں یا کیں طرف سے رست و اوج اٹھانا چاہی۔ مضبوط سا ہاتھ نرم و گداز و جو سے جا ٹکرا دیا۔

اس نے گہرے سانس کے ساتھ ہوشمندی کی دنیا میں قدم رکھنا نہ ہرٹی جگہ کا آغاز تھا۔ چونکی گردن موڑ کر دیکھ دریہ بیڈ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھی روسو سے ناخن صاف کر رہی تھی۔

کلب میں مقید رفلوں کے ساتھ اس کا چہرہ بالکل سادہ اور جتنا اثر تھا۔

اس نے تھک کر لیپر میں پاؤں ڈالے اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر پاؤں میں نریش چلائے لگا۔ پھر ہاتھروں کی سمت بڑھا۔ دریہ کی آواز آئی۔

درو زہ کھول دیں، اندر بھی دوسرے جگہ ہیں۔

درو زہ تم بھی کھول سکتی ہو، اس نے کھانک سے ہاتھروں کا دروازہ بند کر دیا۔

دریہ نے دانت ڈھکیں کر روسو سے ٹیک ٹیبل پر چٹخا۔ ہونٹہ۔ اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اور

پھر وہ ایک آکر دوپہر کے کام میں مشغول ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد خواجہ کی نیکہ ڈرائیو داخل ہوئی۔ کہاں ہیں وہ تمہارے فیملیوں کو لانا پارٹنر شری ہو گئیں۔

اور وہ تو خاصے سے پارٹنر ہیں۔ سمیرا ایسی۔ پہلے دن ہی اصول توڑ دیے تھے۔
کہاں مرغ کی ہڈی سے پیسے اٹھنے والے بندہ۔ کہاں یہ نصف انتہا۔ سمیرا دیر کے پاس بیٹھ گئی۔

ایک ساتھ بہت سارے خوف دیر پر حملہ آور ہوئے کہ وہ بھل کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔
اس پر انکشاف ہوا۔ اس صبر کے عظم کا اعلان اس کی اپنی رسوائی کا اعلان ہو گا۔ اس کے
چرخ کی اعتراض اس کی اپنی ہی جگہ بنائی ہے۔

اسے محاسبات ہوا کہ بہت کچھ ہو گا رہے۔
اب وقت بدل چکا ہے۔ اسے اپنے گلے گلے چھپنے کا بھی احساس ہوا۔
یہ میں نے کیا کیا۔

مگر اس کے سوا اچانک بھی تو نہ تھا۔
کیس بچا ہے تم نے مجھے طارق میں تصور بھی نہیں کر سکتی کہ تم میرے بجائے کسی اور
کے کہہ دو اگر تم نے مجھے ٹھیکرہ بچا تو شوٹ کر کے دوں گی۔

اس کا دل ٹھہرا آیا۔
کتنے طیف۔

کتنے خوبصورت مذاق طارق کے حوالے سے کیے جا رہے تھے۔ وہ خواجہ کا تھا۔ مگر جس
کی مہنگ کو پاس سے دوچکر دم تھی۔

اس کا وہ کشتہ وہ فرخ سینہ والے پانی سے بھی زیادہ دور تھا۔ جس پر سر رکھ کر اپنے ٹوٹ
جانے کا اعتراف کرنا اس کی
اولیٰ خواجہ کی تھی۔

اسی دم ستم چٹے مسکرتا ہوا باقہ روم سے برآمد ہوا۔ سیاہ شلو رسوت میں بیویں گھبرا گھبرا اور
بچے ہر شگاف سے۔

سب لوگوں کو میرا کمرہ اتنا پسند ہے، پہلے بتایا ہوتا تھا کہ رات کہیں اور گزار لیجنا۔
جیسے گزار ہی تو لیتے۔ یہ سچ معنی خیز تھا۔ میں مسکرائیں۔

سب میں پڑیں۔ دیر یہ بھی مسکرائی۔ جبر کی زندگی کا دلین اور ک ہوا۔
یہ سب نے سہ سوٹ کیوں لپیٹا ہے میرا نے قریب جا کر طارق کو سر سے پاؤں تک
گھبرا۔

کل میری آزدی کا انتقال ہوا تھا۔ سوگ منا رہا ہوں۔ وہ مسکراتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل
کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

بہت دھول جھونکتے ہیں یہ جہد کہہ کر تمام مرد حضرات۔ ہانگل رعب میں نہ آنا دیر۔
بچہ کے دل سے کچھ نہ بچتی تھی۔

آپ تو کم از کم کراس ٹیکسٹس قادیوں بھانگی سب سے سادہ ترین ہیں چھانٹ کر آپ کو دیا ہے۔ طارق نے رعبہ کو چھیڑا۔

تاؤں گی ارمغان کو نہیں کہتے ہیں آپ کو آپ کے چہیتے ڈالے بھائی۔ رعبہ نے بناوٹی ناراضگی کا اظہار کیا۔

دور یہ کون ضرورتیں پر رشک۔ یا جن کی خاطر اہلبالہ و لہجہ و مزاج بدلتے ہیں مجبور تھا۔ واقعی دور یہ بھانگی بھانگی جان بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ گرفت بھی میں نہیں آتے یہ کسی کے۔ آپ ڈراماٹسٹ کیجیے گا۔ حیرانے جانے کہہ گا اُدھار چکا یا۔

دوے حیران کی بچی خدا کے لیے انہیں اتنا نہ چڑھاؤ۔ یہ تو ایسے ہی باقی حسین ہیں۔ وہ شرمات سے مسکرا یا۔

اے دور یہ کیا بہت ستایا تمہارا کہ نغمہ نے اس کے کان میں شرمات سے سرگوشی کی۔ دور یہ کے سینے میں شعلے سے دھبہ اٹھے۔ بڑی نا آشنا سی پیش تھی۔ ایک نیا تجربہ۔

حیران جانی۔ دور یہ کا خوبصورت مہجور نکال دو۔ میں ناشتے وغیرہ کا انتظام دیکھتی ہوں۔ رعبہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نوٹ کر لیں دور یہ نفوس سے اس طرح بات کرتی ہے۔ طارق نے دور یہ کو مخاطب کیا۔ سب فیس پڑیں۔ دور یہ کے دل پر دی کی چل پڑی۔

جانے دیں چھوٹے بھائی۔ ہمارے ہیں۔ چار دن بعد دور یہ بھانگی آپ کو بتائیں گی کہ

بہنوں سے کسی طرح بات کرتا ہے۔ میرے بھائی کی۔

بہت ٹیر می ٹیکر ہیں میں۔ مجھ سے ڈرو۔ وہ شرارت سے اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے بود۔

اللہ کے سوائے ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ آپ بھی نہیں ڈریں گا چھوٹی بھانگی۔ حیرانے دور یہ کو روک دیا۔

تم کیسی بہنیں ہو۔ ایک رات کی بھانگی کے سامنے میرے ساتھ غداری کر رہی ہو۔ وہ دن کے پاس چلا آ یا۔

پتے رات پورے کر رہے ہیں۔ حیرانے طیارہ بہم پہنچائی۔ گویا۔ کینہ۔ مجھے تو تمہارا تعلق اوٹ کے خاکہ میں سے معلوم ہو رہا ہے۔

مگر خود کو اوٹ تصور کرتے ہیں کرتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ دیر ختم ہوئے تھے ابھرے تھے۔

اے بچوں تم سب کی ہور ہیں۔ کب سے تمہار کر رہی ہوں، سورتی سر پر آپ بچا۔ بھانگی جان کا مون آیا تھا کہ وہ لوگ دور یہ کو لینے آ رہی ہیں۔ جدی کرو۔

لیکن شام کو تو واپس ہے۔ حیرانے بچہ کر مانی کو دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھیں دور یہاں سے تیار ہو کر ہوٹل پہنچ جائے گی۔ منتظر ہوئے۔ دور یہ بھانگی

تک یونہی بیٹھی ہے۔ تم لوگ کیا کر رہی تھیں اتنی دور سے

دوبہ چھو بھی کو دیکھ کر پشانی گئی تھی۔ بعض دفعہ عقل برکل آ جاتی ہے۔ اس نے عروسی
دوپہ جلدی سے کھینچ کر سر پر ڈال لیا۔

سرخ نائی پر کا دانی کا بھاری دوپہ جب منظر پیش کر رہا تھا۔
وہ سب کی سب مسکرا رہیں۔

اگر جان نے یہ بات محسوس کی۔ بلکہ انہیں ناگواری محسوس ہوئی۔ صرف انہی کے
ساتھ دوپہ کو سواتی دیر سے

نہیں، یہاں چیں بیٹھی ہیں۔ میاں پاس کھڑا ہے۔ اس کے باوجود یہ اس بے ہودہ لباس
میں بیٹھی ہوئی تھی۔

چوہا یہ بھی بہت ہے کہ سانس کا قاعدہ کر لیا۔ انہوں نے اس پر بھی خیر متائی۔ اور لڑکیوں کو
جلدی کا کچھ کر جانے لگیں۔

تم نے میری داکو سام نہں کیا طارق نے بظاہر مذاق کیا۔

دوبہ جھٹ باتھ پیشانی تک لے گئی۔ حالانکہ تو بین کے حساس نے اسے ٹھکرا کر رکھ دیا۔

عابدہ دیکھ آگے بڑھیں۔ دوبہ کے سر پر باتھ بھیر اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

ذریہ کو دونوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھنے کا موقع نہیں ملتا اس لیے وہ باتوں کی اسے سمجھ
نہیں ہے۔ پھر سامان باہر رہی ہے۔ مگر میری بیٹی سام کرنا جھول گئی تھی، مجھے تو کم رکھ بیٹی

بہو کو بچا کر کرنا چاہیے تھا، مگر تم نے سب کچھ بدل دیا لے کر۔ انہوں نے چلی کوتاہی کا اعتراف
کیا۔

اس کی چھو بھی نے بھری محسوس میں اس کی عزت بحال کی تھی۔ اسے اس کی ذات ایک
مضبوط پناہ گاہ محسوس ہوئی، اور ایک عجیب سی آسودگی اور امنیت کا احساس پیدا ہوا۔

اچھی بھی بچیں اب جلدی کروں شاپاں۔ وہ دوبہ کا شانہ چھتیا پاتی باہر نکل گئیں۔ طارق
بھی دن کے پیچھے پیچھے پھر چلا گیا۔

حمیر اور بیچہ اس کے بناؤں سگھار کا اہتمام کرتے لگیں۔

تھوڑی دیر بعد ناشتہ آ گیا اور پھر طارق۔

وہ بیرونی شکل سوٹ میں جس پر خاصہ بھاری کام تھا، بہت حسین لگ رہی تھی۔ طارق اس کے
باتھ میں اخبار تھا۔ وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔

ناشتہ کر دیا لگا کر۔ بس مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔ وہ شاہانہ سائل میں حکم صادر کر
کے اخبار پڑھنے لگا۔

ذریہ نے چائے بنا کر چھپے سے پیانی بجائی۔

طارق نے اخبار چھڑے کے سامنے بیٹھا دیا۔

منہ میں زبان نہیں ہے۔ طارق کے لمبے منہ گ لگا دینے والی تھی۔

ذریہ کی شریلوں میں خون اٹھنے لگا۔ اس کے تو باپ نے بھی کبھی اونچی آواز میں اس کا

نام نہیں لیا تھا۔ مجھ کو کہہ دیا تھا۔

جس سے اس نے کچھ ٹرائی میں بڑے زور سے چٹا۔ اور ستر سے لڑکھوٹے پر جا کر بیٹھ گئی۔ سے یہ محسوس ہوا جیسے وہ جنگل میں آگ گھر چکی ہو۔ سو اہل اہل کرتا چاہتے تھے اس نے بمشکل کنٹرول کیا تھا خود پہ۔

عراق ایک لمحے کو سناٹے میں رہ گیا۔ اس کی مردانہ ناپ بڑی زوردار ضرب پڑی تھی۔ اس کی خوشیوں بھری زندگی کو جنم کا راستہ دکھانے والی یہ نگہ پڑی جا۔ اس کی یہ جمال۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھرا۔ پھر آٹھ کر دوسری پیدلی میں اپنی چائے تیار کی اور گھونٹ گھونٹ اطمینان سے پائے پی۔

وہ بھوک پیاسی بیٹھی تھی۔

ایک روشن ضمیر انسان کی حسیات سے عراق کے دل پر طال کے ہول تو منڈرائے۔ مگر وہ اس کے ویسے ہوئے رخم بھرا نہیں سکتا تھا۔

”جنگ تک اس کی یادداشت میں وہ حساس ذہن تازہ تھا جب وہ دھڑکی میاں کے بچانے لڑا تھا۔“

اس دور ویسے کا رخم جب اس کا تصور دھوس بنا تھا۔

یہ قطعی قابل رحم نہیں ہے۔ جسے دوسرے انسان کے جذبات و احساسات کی قدر و اہمیت کا دراک نہیں۔

وہ ایک کمزور لمحے سے پھر بھاگ نکلا۔

میرے خوب بہت قیمتی تھے۔ وریہ میرے مستقبل کی پوری عمارت کی بنیاد۔ کیسے بھگتا کر دوسرا دوسرا۔

ہاں آکر کچھ سوچا۔ ہوتا تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔

وہ چائے پی کر ہر چلا گیا۔ وریہ کا دل چاہا کہ بند کر کے چھ چھ کر دے۔ مگر وہ اپنے پروگرام پر عمل درآمد نہ کر سکی۔ کہ اس کے میکے والے

آچکے تھے

دلہہ شام کا تھا۔ یعنی شام سے مردانہ رات جو اس خطے کے انسانوں کو بہت پسند ہے۔ انتظار کرنے کی عادت یہاں کی تب وہاں میں ہے۔ شام کی تقریب بھر پور رات کی تقریب بن جاتی ہے۔

مگر یہاں تو وریہ نے جان بوجھ کر کا روٹی کی تھی۔ ٹھیک ہے ٹینشن کی وجہ سے اس کے سر میں درد تھا۔ مگر اتنا بھی نہیں جتنا وہ ظاہر کر رہی تھی۔

اکثریت ہوئی پہنچ چکی تھی۔ وریہ کی غائب تھی۔ عہدہ عظیم مسلمان تھیں کہ ان کی بھابی نے بتا دیا تھا وریہ کی سہیلیاں اسے نو بجے تک لے آئیں گی۔ مگر جب نو بجے تو انہیں تشویش ہوئی۔ بلکہ سب تل کو ہوئی۔ فون کیا تو معلوم ہوا کہ تل تیار ہو رہی ہے۔ تمام ذمہ دار لوگوں کو خدشہ تو آیا مگر کیا کر سکتے تھے۔ ایسے کی تقریب میں دلہن کی غائب ہو تو غائب ہی حسن

باقی نہیں رہتا تقریب کا۔

سب نے بری طرح شور و غل مچانا شروع کر دیا۔ تقریب کا مزہ کراہونے لگا۔ عارِ ق نے کسی کی نہیں سنی کھانا شروع کر دیا۔ اور فاروق وحسب کو گارڈن ٹاؤن بھیجا۔ دس بجے وہ مرلٹکائے وہیں آئے دکھائی دیے۔

چھوٹے بھائی کی سہیلیاں بہت شریر ہیں۔

یہ اتنے نرم الفاظ۔ فاروق نے حسیب کی بات کاٹی۔ وہ کون سا سن رہی ہیں

چھوٹے بھائی وہ انتہائی خطرناک ہیں۔ کہہ رہی ہیں عارِ ق بھائی کو بھیجو۔ وہ سہاگن ہیں اپنے صیوت کے ساتھ۔ کیک جائیں گی۔ فاروق نے بتایا۔

اگر جان اور بات کی بھگتی نور جہاں تقریب آچکی تھیں اور نس چکی تھیں۔

اگر لڑکیاں تو یونہی شرارتیں کرتی ہیں۔ تم خود کیوں نہیں گئے تھے۔ تمہیں چھ جانا چاہیے تھا۔ اس جان نے سے ایک طرح سے ڈانٹ لی دیا۔

فوزی اٹوٹی کہاں ہیں۔ اس نے ہنسا سس کی سمت دیکھا۔

اے وہ اندامیں نور کے ساتھ مصروف ہیں۔ کیا راستہ نہیں۔ تا تمہیں سب کیا تیب ہی جاؤ گے۔ حسب سب جہاں چلے جائیں گے۔

عابدہ بیگم کو ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ نور جہاں بے حد شرمندہ سی نظر آ رہی تھیں۔ کہ فون پڑ رہی ہے نے خود کہا تھا کہ میں ٹھیک ہوں، پیار ہو رہی ہوں۔

عارِ ق نے بہت دیریں ڈر سوجھ کی گئی۔ غصی طوفان کی طرح وہ درید کے کمرے کی سمت بڑھتا تھا۔ دستک دینے بغیر کٹاک سے اندر چلا گیا تھا۔

سبز بھاری شرہ سوٹ، اور خوب زیورات، دے ہوئے بہت اہتمام سے میک اپ کیے وہ صوفے پر بیٹھی سہیلیوں کے ساتھ کافی پی رہی تھی۔

عارِ ق کا موڈ انتہائی خطرناک ہو چکا تھا۔ آٹروہ بنا دجاس کی زندگی کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے۔

اس کی سہیلیوں نے شوقی کا مظاہر کرنا پاپا تو اس نے بیچ میں لوک دیا۔

محافل کیجیے گا معزز خواتین۔ آپ لوگ ڈر۔ ایک منٹ کے لیے باہر تشریف لے جائیں۔ اس کا انداز، ناقابلِ مذاق تھا کہ وہ پتکوں پر باہر چلی گئیں۔

عارِ ق نے دروازہ بند کیا، اور بجلی کی تھری سے درید کے پاس آیا۔

ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

آخر تم ہو کیا چیز۔ میں تم پر پورے عرف بھیجنا وقت کا زیاں سمجھتا ہوں۔ یاد کر کے رکھ دیا ہے تم نے مجھے۔

ٹھیک سے بات کریں۔ مجھ سے مجھے اس بچے کی عادت نہیں ہے۔ وہ بھڑک اٹھی۔

تم نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے۔ فلا فلاں سو میں اس طرح کی باتیں کرتا ہوں، کرتا رہوں گا۔ کچھ لمبی عادت

ہے۔ وہ اس سے زیادہ براہم ہوا۔

پچھلے تو آپ ایسے نہیں تھے۔ دوری کی آواز بھرا گئی۔

تم نے مجھے ایسا کر دیا ہے۔ ڈکٹیٹر کی سب تم ہی بھگتو گی۔

کیوں کیا کی ہے مجھ میں۔ اس کی آنکھوں سے اشک برس ہو گئے۔

انہی نہیں ہے غم میں۔ وہ سچی سے دہ موزا کر پورا۔

ڈریہ نے صوفے پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر دنا شروع کر دیا۔

صورت حال حریہ خراب ہو رہی تھی۔

رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے، فوراً اٹھ کھڑی ہو، وہاں ہوٹل میں موجود لوگ آپ

کے یا آپ کے والد صاحب کے زور خرید نہیں ہیں۔

میں نہیں جادری۔ وہ چٹکی۔ بلکہ کبھی بھی نہیں جادری گی۔ اس نے اشک صاف کیے۔

طارق نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اٹھایا، مقدمہ کھڑا کیا، بخور اس کا چہرہ دیکھ، اور

مسکرایا۔

یہ خوشخبری رات ہی کو کیوں نہ سنا دی۔ بہت بہت شکر یہ اس کرم نوازی کی وجہ سے میں

تمہاری چٹکی ہر زیادتی محاف کروں گا۔ میرا کیا مجز ہے۔ "خمر مرد ہوں۔ عورتوں کی طرح

زبانے کی باتوں کے خوف سے بھی اپنی زندگی مشکل نہیں بنا سکتا۔

جس طرح تم نے شادی کی تمام کاروائی میں لیڈنگ رول ادا کیا تھا۔ اب میحد کی تمام

کاروائی میں بھی تمہیں سرکاری کردار کرنا ہے۔ وہ پٹار

ڈاکٹر کا کلینک دھکے سے رو گیا۔

طارق کے مضبوط سر پہ کو دیکھا، اس کی خوشبو کو محسوس کیا۔

دف۔ یہ اس کی رگ رگ میں بہا ہوا انسان۔ جس کی مضبوط چال و خوش طواری۔ اسے

خوار کر کے تھی۔ اس نے تو اپنے آگے مردوں کو موم کی طرح پکھلتے دیکھا تھا۔ اس نے ایسا

مضبوط و کڑیل مرد کتب دیکھا تھا۔

طارق۔ اس نے پکارا۔

طارق رک گیا مگر پلٹا نہیں۔ دوریہ بھاگ کر اس کے پاس گئی۔

چل رقی ہوں شک۔

مگر طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ عورت کو نیچا دکھانا نہیں چاہتا تھا۔

اس کا تو واقعہ ہی کوئی، ورتھا۔

اس لیے اسے دوریہ کی ہمارے کوئی روحانی مسرت نہیں ہوئی۔ وہ ہارنگل کر تیزی سے

گازی کی سمت بڑھا۔

دوریہ کی سہیلیاں جانے کہیں سے پھر اٹل پڑیں۔

آپ دفون جائیں، ہم لوگ، ابھی آ رہے ہیں۔ گازی، آئی ہوں نہ میں۔

زارا نے ڈریہ کا شانہ خصوصاً کر تسلی دی۔ وہ بہت ہوشیار لڑکی تھی اس نے وہاں کے سواڈ کا

انہا فو کر لیا تھا۔ اس لیے اس نے دلوں کا تہ جانا مناسب جانا۔

دور یہ نے جیسے ہی گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔ طارق نے نہایت حیرتی سے گاڑی روڑ پر دوڑا دی۔

ہونٹ بجھتے ہوئے وہ انتہائی خطرناک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

وہ اس نے دور یہ کی سسکیا سُنیں۔ اس نے رفتار ڈرائیونگی کی، دور یہ کی مسرت دیکھا۔

دور یہ خدا کے لیے۔ مجھے مزید پریشان نہ کرو۔

دور یہ کی سسکیاں بدستور تھیں۔

وہ اسے مل ایک آرمی سٹریٹ پر تاجا۔ وہاں سے ایک ریلوے گورے کر مجھے کون، دروہ اس نے جھد کر پھر سپینڈ بڑھائی۔

دور یہ نے جلدی سے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔ مگر سر نہیں اٹھایا۔

دور یہ میں قطعی اچھا انسان نہیں ہوں، تم دھوکا کھا گئی ہو۔ میں تو بہت مکیا گزر رہا شخص

ہوں۔ یقین کرو اس نے بہت کرب سے اسے بتایا۔

دور یہ تو پھر ہزار جان سے ٹکا رہا لے لگی۔

طارق احمد تہاری من ہی بیس تجلیوں نے تو ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ تم میری روحانی

آسودگی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ کہ تم جو، جسے منفرد سے ہوس دی، دنیا میں سب سے زیادہ میرے

ہو۔ میری قانونی اجارہ داری، جو گئی ہے تم پر۔

اگر تم میرے بچائے کسی، دور کے ہو جاتے تو کچھ کھا کر مر جاتی۔ کاش میرے دل میں

جھاک لگے کچھ سکھ

جب وہ ہوٹل پہنچے تو سب بے حد فکر مند سے باہر ہی آکھڑے ہوئے تھے۔ فوزی شوبی

نہیں دیکھ کر لپک کر آگے بڑھیں۔

ہی۔ کیسی طبعیت ہے آپ کی۔

سر میں دروہ تھا بہت شدید۔ اس نے نظر مڑائی۔

وہ سب جیسے مطمئن سے ہو گئے۔ فاروق کمرہ پیے آسودہ ہوا۔

اتنی دور لگا دی چھوٹی بھ بھی میرے کمرے کو تو رنگ لگنے لگا۔ تھا۔ آپ جلدی سے

بھ بھی کے ساتھ کھڑے ہو جائیں میں آپ کے بیڈروم کے لیے ایک شاندار سی تصویر بنانا

چاہتا ہوں۔ اس نے طارق کو مخاطب کیا۔ طارق ناچا دور یہ کے ساتھ کھڑا ہوا، فاروق نے غور،

کمرے کا مٹن و جاوید۔

اے لڑکے کیا تمنا ہے۔ بچہ دروازے میں اڑ گیا ہے۔ اندر سب لوگوں کا تھکا کر رہے

ہیں۔ عابدہ نیگم نے بیٹے کو گھر کا دور یہ کو لے کر اندر بیٹھ گئیں۔

کیا غضب احمد طارق ہے دور یہ دو دیتے ہیں طارق احمد تہارے انتخاب کی۔ طارق نے

نفر کی پشت چھپائی۔

طارق شدید حیرانی سے سوچتا رہ گیا۔ کہ وہ کتنی دور سے اس کے سامنے تھی اور اسے پتا

تک نہیں کہ وہ کیا غصب اٹھا رہی ہے۔

طارق بھائی۔ ثوبیہ جھم سے اس کے سامنے آئی۔ فیروزہ بھاری کاہ اور سوٹ اور دیگر لوازمات کے ہمراہ وہ واقعی روشنی کی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

ہوں۔ اس نے نظر پڑائی۔

جانتا نہیں آپ نے ہماری آپنی کو، راتوں نہیں۔ یہ لگ رہا ہے وہ بہت دیر سے دوری نہیں۔ وہ شراست سے اسے دیکھ رہی تھی۔

طارق ایک دم گھبرا گیا۔ اس نے نہیں بھی۔

کبھی ذرا بھی گا بھی نہیں، بہت نازک مزاج ہیں ہماری آپنی۔ گرا نہیں کچھ ہو گیا ناں میں تو مر جاؤں گی۔ میری جان ہیں آپنی۔ اس نے شریانداز میں طارق کو دھمکی دی۔

طارق کا سر پھوڑے کی طرح ذکھنے لگا۔

حیرت ہے میں نے، ابھی تک راستے کا تعین بھی نہیں کیا کہ مجھے اپنی آئندہ زندگی کس موڑ اور انداز سے گزارنا ہے۔

کتنی سفاک ہو تم دوریہ۔ زندہ انسان سے کھیل گئیں۔

وہ اپنے دوستوں کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہا تھا

فیروزہ تھو سے تو وہ ہے نامراد بڑھاپے میں کیا بیڑیاں رگڑ کر مرنے کا رادہ ہے میرے منہ میں خاک۔ بڑھیا کب سے، سے سمجھا سمجھا کر ہانک ہو رہی تھی۔

اس خدا کے ہے مجھے اب اپنی مرضی سے جینے دو۔ خدا کے لیے اس نے دونوں ہاتھ دوڑے بخود کر رہا ہے۔

سامنے کیے۔

میں تمہاری ماں ہوں فیروزہ۔ بھڑک نہیں رہ سکتی۔ ساری زندگی شاہانہ ٹھانڈے سے گزر کر مشکل وقت کاٹے نہیں کتنا بیٹی۔ مجھے اپنے لیے کچھ نہیں چاہیے بیٹی۔ میں بہاریوں کی پوت روٹی سے زیادہ دیکھوں پر گزرا کر لے دوںی۔ مجھے کوئی لگتی نہیں ہے۔

فیروزہ کا دل نرم پڑ گیا، سے پٹی ماں پر ترس سا آ گیا۔ آخر کو وہ اس کی ماں تھی۔

میں یہ کب کہہ رہی ہوں اس۔ میرا سب کچھ تھا رہی ہے۔

مگر میں اب اس راستے پر نہیں چل سکتی۔ میرے پاؤں میں جڑیاں پڑ چکی ہیں۔ تمہیں پتا نہیں ہے ماں میں آدھی پاگل ہو چکی ہوں۔

رات کو گھونگھٹ نکال کر گھن میں دبے پاؤں پھرتی ہوں۔ ایک تصوراتی دنیا میں اس دنیا میں میرا نسخہ ہے۔ وار میں اٹھارویں صدی کی ان پڑھ اور باعصمت عورت ہوں۔ میں اپنے سر سے گھونگھٹ کرتی ہوں۔ اپنے سینے سے پردہ کرتی ہوں ان سب کے سامنے میرا شوہر آجائے تو اس تک سے گھونگھٹ کرتی ہوں۔ میری دنیا ور مصلوات صرف اس تک محدود ہیں۔ میری اٹھان اور پیدائش صرف سے پتا ہے، تھی پردہ دیکھوں کہ میری ماں کو بھی میری قاست کا اندازہ نہیں۔ میں اس دنیا میں کتنا سکون محسوس کرتی ہوں۔ تمہیں کیا پتا۔

دو ہجڑیا کی خوشی میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میں پاگل ہو چکی ہوں۔ اور۔ مجھے اب اسی طرح رہنے دو۔

فیروزہ مجھے تیری فکر کے منہ پر پہنچا دیا ہے۔ اس دنیا میں ہر شے اپنے مقام پر ہو تو ٹھیک رہتا ہے اس دنیا کا نظام۔

ہاتھی، شیر، بھیرے جنگل میں، چڑیا پرواز میں، بچہ، ماں کی خوشی میں رہے تو اس دنیا کا نظام قائم رہ سکتا ہے۔

اگر ان میں سے ہر ایک کی جگہ بدل دی جائے تو کچھ باقی نہ بچے۔ بٹی۔ یہ تو ناہنجیب ہے۔ اس نے فیروزہ کی پیشانی سے بال سمیٹ کر بوسہ دیا۔

اور۔ مت بہلاؤ مجھے۔ تمہارے بہلاؤؤں نے بیوٹ مار دیا ہے۔

تیرا کیا بنے گا بیٹی۔ بینک کا کھاتہ دیکھ کر آئی ہوں۔ پیسے پیسے تو خرچے نے ختم ہو جاتے ہیں۔

میں نے موقع لیا ہے۔

لبرٹی میں ایک چٹا ہوا بینک خرید رہی ہوں۔

اچھا تو اب کاروبار ہوگا۔ بڑھیا تدرے مطمئن ہوئی۔

کاروبار تو ہمیشہ سے کر رہی ہوں۔ اس نے ماں کے زور پر سر رکھ کر، "بھیس سوڈا"

لیں۔

ٹوہنے پاپ پگنی ہے فیروزہ مگر اس سے ڈبا دیا ہوا ہے۔

منٹ ہوا سن، بھیرے کا نام میرے سامنے۔

وہ بہت بہلا، اس نے فیروزہ میں کم و کم تیرے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتی۔

ماں جو مرد و فداوار نہ ہو اس کی پرستی بھی نہیں ڈالنا چاہیے۔ تم ٹھیک ہو قہیدوں کے بارے

لے کر۔

بالکل اسی کی طرح انہما پسند ہے۔

مت ملاؤ مجھے اس ہزدل سے اور۔ اس نے، اس کو پچ کر دیا۔

ستارہ تو ٹھیک تھا کہ ہے۔ یہ پتا نہیں تھے ہی کیوں اب الگ تھا ہے

فیروزہ آنکھیں بند کیے ہوئے مسکرا پڑی۔

کیسی ٹوکی وزنی دنیا ہے ہماری۔ ٹھیک ٹھیک ہونے کے اپنے اپنے معیار ہیں سب

کے۔

ستارہ، ابھی بہت چھوٹی ہے ماں۔ انجوائے کر رہی ہے۔ پھر اسے وہ حادثے بھی پیش

نہیں آئے جو سن کو تبدیل

ہونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

شاید کاروبار، ہو میں کرے گی۔ بچہ مری میں ہے۔ خود سوات میں۔

سوات سے پیسے کی کراچی میں تھی۔ بھول گئیں۔ جب کراچی سے سوات آ سکتے ہیں تو

سوائت سے، ہو بھی جاسکتے ہیں۔

عمر دب چھا خاصا ایل جسٹ ہو چکا ہے۔ ویک یڈ پرتے گا تو دیکھنا، ماشا اللہ دیکھنا
کس قدر حسین ہو رہا ہے۔ مجھے تو اس کی باتیں پاگل کر دیتی ہیں۔ مجھے مٹی کہتا ہے تم دیکھنا اس
کیسے جتے ہیں ہم دونوں ماں بیٹے۔

فیروزہ کے لہجے میں عجیب سی منہاس تھی۔

احتیاج لازم ہے فیروزہ ہے ہاتھ داس کی ورد ہے۔

دیکھنا ماں ہم نکل کر رہے ہیں، ورد رہے ہیں۔ واریت علی شاہ کی نکاحی مشوقہ کچا چھا
رہی تھی، ورس وھنس سے وہ رہی تھی۔ بلکہ دھول جھونک رہی تھی آنکھوں میں۔ میں نے تو
واریت علی شاہ کو ہی عہد کو پھوس میں سلا دیا ہے۔ وہ ستر جنم میں بھی میرا قرض نہیں آتا رسکتا۔
وہی عہد کہہ رہی ہے۔ کیا واریت علی شاہ کے تخت تک پہنچائے گی اسے۔ فیروزہ کی ماں
ہنس۔

وہی عہد تو جلا وطن بادشاہ کا بھی ہوتا ہے۔ تخت تو بخت سے ملے ہیں ماں۔

ویسے خوش ہے، پریشان تو نہیں ہوتا۔ فیروزہ کی ماں نے حربہ تشفی چاہی۔

پریشان ہو رہے اس کے دشمن۔ وہ اتنا خوش ہے کہ کوئی حد نہیں۔ وہ جس، دھول ورمی
کا پتہ ہے میں نے اس سے بڑھ کر، دھول دینے کی کوشش کی ہے۔ نگاہ آکھ ذکر پتھر ٹی
زمین پر نہیں لگایا۔ چھٹی کو پانی دیا ہے۔ ماں۔

ٹو بہت سمجھ رہے فیروزہ۔ اپنے باپ کی طرح گہری۔ تیری حالت دیکھو، کچھ کر پچھتاہی
ہوں۔ تجھے ان راتوں پر ڈال دی کیوں تھا۔ مجھے بھی دھن چڑھ کی تھی۔ بہت چڑھتی تھی
میں۔ بس اس سے انتقام لینے کی ضد سوار ہو گئی تھی۔ اس کی بیجور حقیقت تھی۔ جو اس وقت مجھے
سمجھ نہیں آتی تھی۔

فیروزہ کو ماں کی آغوش میں سر رکھ کر مٹھی بند رہی تھی اس نے اپنی ماں کے لٹکا نہیں
نے اس می ماں اس کے خوش میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔

الف توپ

روشن تو کئی دن تک تصور کر کے کانپتی رہی تھی۔ گر میرا صاحب نہ ہوتے تو۔ اسے
خوف سے جھرجھری آ جاتی۔

کتنے عرصے بعد اس دن واریت علی شاہ سے نظر مل گئی۔ گوکہ انہوں نے فوراً چڑھ گئی۔ مگر
اسے کھک سی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے واریت علی شاہ کی بھرپور ذات کے ساتھ بہت خوشیوں بھر وقت گزارا تھا۔ باہر
سے واپس آ کر وہ واریت علی شاہ کو زیادہ باہر نہیں رہنے دیتی تھی۔

اس کی واریت علی شاہ کی عمر میں چھا خاصا فرق تھا۔ اس پر اس کا منصب کا پہنچاؤ دھند۔
پاگل کرنا حسن نشے میں جلا کر دیتے وہی دلکش مسکراہٹ۔ واریت علی شاہ بہت مدہوش ہو گئے
تھے۔

ان کی کم عمری وہی انہیں برخواستی دے رہی تھی۔ وہ ہر شے سے بے نیاز اس کشادگی سے ہر شے پر
چل رہے تھے۔

اس کے سینے سے ٹوک اٹھی۔

جب انسان کو موت ملتی ہے تو وہ حریف ہو جاتا ہے تو اللہ اس سے نازل کردہ امن و سلامتی
محسوس لیتا ہے۔ اور گندم آگاہی کی مشقت پر لگا دیتا ہے۔

کاش شو کروں سے پہلے آگاہی ملا کر دے۔ اس کی روح سکے۔

اس نے چاہا ہے آ نکھیں پونہیں۔

زیرینہ آ کر سب سے دور۔ اس نے تیسرے درجے کے چاول صاف کر کے ایک طرف
رکھے۔

آئی دوی زیرینہ جھٹ آ موجود ہوئی۔

آموختہ شاعر پہلے اس نے قرآن سے ہاتھ مل تھا۔ اس کی دور کی نظر کزور ہوتی
جا رہی تھی۔ فاصلے سے صاف چڑھ نہیں سکتی تھی۔

زیرینہ اس کے شانے سے لگ کر آموختہ سناٹے لگی۔ پھر اس نے آگے سٹی لیا۔

آؤ اوی چاول صاف کر دوں زیرینہ نے غرے کی سمت ہاتھ بڑھائے۔

کرچکی ہوں۔ تم اپنا سٹی یاد کرو۔

اوی۔ تم میرے کو اپنے گھر کا کام کیوں نہیں کرنے دیتیں وہ آ رہا ہوئی۔

گھر۔ وہ تجھی سے ہنس۔

کام ہی کتنا ہوتا ہے یہاں۔

پانی تم خود بھرتی ہو، کھانا پکاتی ہو، جھاڑو دیتی ہو، تم ہا ہی، سٹائی ہو دوی۔ ہا رے گونڈ
وے، چھاتیں سمجھتے کہ استائی کام کرے۔

بڑی مہربانی تم لوگوں کی۔ وہ اظہار شکر کے طور پر دے چھو کر بولی۔

ساجدہ۔ تمیں پوری ہوئی

دوی خرپائی ہاتی ہے۔ آج ہو جائے گی۔ وہ دور ہی سے بولی۔

نعمت۔ وہ میں نے تمہیں چنگیر اور نو پیان اوی تمیں، ان کے پیسے
اوی باپا شام کو آئے گا تو پتا چلے گا۔

میں تمہیں، ایک دو کتابوں کے نام لکھ کر دوں گی۔ سہنے بابا سے دن میں سے منگا دیتا۔

پیسے کم پڑے تو پڑھوں تک اور تو پتا تیار کر کے دے دوں گی۔ فکر نہ کرنا۔

میں کہہ دوں گی اوی۔ نعمت نے سوئی من میں وہا کر جواب دیا۔

پھر اس کے پاس آئی۔

دوی۔ تم شاہد، تمیں سے کتابیں نہیں منگا دیتیں

نہیں۔ میں ایک مست پوری کر رہی ہوں۔ کہ کتابیں، اپنی محنت کی کمائی سے خریدوں گی۔

میں نے فکر نہ کر لی۔

یہ کسی منت ہے چاروں پانچ لڑکیاں حیران ہوئیں۔

مالی تھی میں نے۔ میرا کل شاہ کی محنت۔ اس نے دل کو منہاں۔

اوی پہنچے تو تم بہت فیشن والی عورت تھیں۔ چہرہ (چشمہ) لگاتی تھیں۔ اونچی جوتی پہنتی تھیں۔ سب تو تم بچی (پچانی) بھی نہیں جانتیں۔

نیمہ نے سیاہ چادر میں لپیٹ کر روشن کو بہت غور سے دیکھا۔

(بالن۔ دل اور مقدر ہوتے تو رائی نہیں لگتی۔) آہ۔

لقد سائمن کا کرم ہے نیمہ۔ پیسہ اچھا نہیں کرتی تھی یہ اچھا ہے۔

تم اللہ وں ہوگی ہادی۔ زرینہ نے چنا تجزیہ پیش کیا۔

روشن کی آنکھیں چمک پڑیں۔ لڑکیاں گھبر گھبر گئیں۔

میں تو۔ لقد وں کے پاؤں کی دخول بھی نہیں ہوں۔ آئندہ ایسے نہ کہنا۔ میرا کلچر پھٹے لگتا ہے۔ اس نے آنکھیں صاف کیں۔

اب جنیں کہیں گے وی لڑکیوں نے جھٹ آئندہ کا پروگرام قبول کیا۔

اوی جب تم پہلے گوشت لے تھے تو کسی سے بات بھی نہیں کرتے تھے ہم لوگ ہیں ناں

لیکن اب ہمیں اپنے پاس نہ دے ہو۔ پڑھائی بتاتے ہو۔ ور شہر بھی نہیں جاتے ہو۔ ساجدہ نے

غبار کی مددگی سے اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات اس کے سامنے کیے۔

مجھے گوشت اچھا لگتا ہے۔ اس کا دل رو دیا۔

بچ بچا کوئی۔ لڑکیاں اور بچوں کی پھولی نہ سائیں۔

ہاں۔

اوی۔

بابا غلام محمد گوشت کی ور عورتوں کی دھڑا آنے کو منع کرتا ہے۔ کہتا ہے پڑھنے والی چھو کر لی جائے گی ور کوئی نہیں۔

ٹھیک کہتا ہے۔

تم نے اسے پورا تھا۔ ساجدہ نے پوچھا۔

ہاں۔ شاہ سائمن طعہ کرتے ہیں۔ اس نے آنکھیں سے جواب دیا۔

شاہ سائمن کا عصب بہت بر ہے۔ اس نے مزید فرمایا۔

لگتا ہے اوی سارے گوشت والے شاہ سائمن سے ڈرتے ہیں۔ پردی شاہ سائمن بہت

مہربان ہے۔ سارا گوشت اس کی عزت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے گوشت میں کبھی نہیں رہا۔

پڑھائی کرتا تھا ناں باہر غیر وطن میں۔ زرینہ نے مزید اطلاع بہم پہنچائی۔

میرا بہا کہتا ہے۔ اس کا باپ بھی بہت اچھا تھا۔ اس نے غلام محمد کے باپ کو شہ (مقت

) میں زمین دی تھی۔ کلثوم جو کافی دیر سے چپ بیٹھی تھی اس نے بی اطلاع گے پڑھائی۔

اوی۔ تم اپنے بچوں کو پڑھائی کے واسطے شہ میں رکھتے ہو۔ وہ غیر وطن میں پڑھتے ہیں۔

میں نے سخت تر ہاک آواز میں بتایا۔

جب علی تم یہاں آ گئی ہو۔ تمہارے دل نہیں لگتا ہوگا۔ ساجدہ نے گویا بچہ سوٹا۔

میری ماں کو تم سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ پر شاہ سائیں کے غصے کی وجہ سے وہ دھر نہیں آتی۔ کلثوم نے کہہ دیا۔

ٹھیک کرتی ہے۔ درخت کے لیے کسی کو آنے بھی نہ پتا۔ مجھے بھی شاہ سائیں کے غصے سے ڈر لگتا ہے۔ روشن نے مضبوط سانس پا کر جان بھر دی۔

اچھا اب تم لوگ جاؤ۔

وہ سب اپنا اپنا کھینچا سینگے لگیں۔

وریت علی شاہ تو کسی طور ان لوگوں کو اس کے پاس نہ پہنچنے دیتے۔ وہ تو خدام محمد نے، دھمے دلوں کا قرض اٹا رہا تھا۔ اور بری عجزی سے درخواست کی تھی کہ گوشت کی بیچوں کو ایک استانی قرآن پڑھانا چاہتی ہے۔ ان کے مکان کا محسن اس مقصد کے لیے چاہیے۔

معاذ قرآن کی روشنی پھیلنے کا تھا۔ یہاں وریت علی شاہ مجبور ہو گئے تھے مگر انہوں نے واضح کر دیا تھا کہ روشن کا تعلق محسن میں موجود افراد سے نہیں ہوگا۔ خدام محمد پر تنگی بہت اٹھاؤ تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق سوالات وغیرہ نہیں کیے تھے کہ

استانی کون ہے

کہاں سے آ رہی ہے

یا کسی کو کھانے سے متعلق ہے

وہ فطرتاً ہی کم گو تھے۔ اور اب تو جیسے ان کے ہوتوں پر تاملے لگ چکے تھے۔ اگر اس دور میں صاحب از خود یہ نہ کہتے۔ کہ وریت علی شاہ قہار کی خادمہ بہت ٹیک اور لکھی ہے اس کا خاص خیال رکھ کر دروازہ نہ جانے وہ اس کے ساتھ کیا کر بیٹھتے تب وریت علی شاہ کا غصہ جھانک کر طرح بیٹھ گیا تھا۔ مگر نہ وہ تو روشن میں صاحب کے مقابلہ دیکھ کر پیسے گھبرائے تھے۔ پھر ان کی سوچ، ان کی طرف پرواز کرنے لگی تھی۔

مگر اعتراض کو بہر حال تھا۔

یعنی روشن، ان لوگوں کے سامنے۔ ان کے درمیان آتی کہ وہ یہ استانی و آئینہ یا روشن بنے خدام محمد کو خود سمجھا یا تھا۔

درخت محمد پر سے تو اس کے قرض اٹا رہے نہیں اتر رہے تھے۔ فوراً ان کو کرنے کو پتیار ہو گیا تھا۔

جب تک لڑکیاں محسن میں موجود رہیں، بڑے پھانک کی ذرا بھر تندر سے چڑھی رہتی۔ خدام محمد آس پاس موجود رہتا۔ چھوٹے چھوٹے کام کرتا رہتا۔

یاشین پر جانوروں کا چارہ کا شمار تھا۔ ذریعہ اس کی بیٹی تھی۔ سب سے بڑی۔ روشن کا روم روم خدام محمد کا ممنون احسان ہو چکا تھا۔ اور روشن نے یہ رسمک تہائی کی وجہ سے نہیں اپنا تھا بلکہ میں صاحب کے یہ لفظ اس کے دل میں حیر کی طرح تازہ ہو چکے تھے۔

بیٹی تو پڑھی ہوئی ہے۔ یہ کونہ انتہائی ہیں، اندہ ہے۔ یہاں اپنے علم کی روشنی پھیلے۔ نیکی

کر۔ روح خوش ہوگی تو جہاں میں بھی سید لگے گا۔

اور پھر یہ آئرا کہ نگلی خدا سے قریب کرتی ہے۔

خدا کا قرب حاصل ہوگا تو وہاں میں جہنمی چائیں گی۔ خصوصی توجہ ملے گی۔ جس لئے روح پھول کی طرح ہلکی محسوس ہوگی۔

اس لئے وہ اللہ سے دھار کرے گی۔ کہ

وردیت علی شاہ کو جس کے پچھل جائیں۔۔۔ اور۔۔۔

اس کی بھی کوکھ کا جہنم تھنڈ ہو۔

اس نے میرا صاحب جیسے پتہ سرا۔ نہایت آج تک نہیں دیکھا تھا۔

اور دگر کے تمام انسانوں سے زیادہ جاننے والا۔

اور دگر کے تمام انسانوں سے زیادہ جاننے والا۔

اور دگر کے تمام انسانوں سے زیادہ دنیا داری کا حال۔

ظہر اکینہ و شکوے۔ ان جالوں سے ترلو۔

ورنگر کی مٹی سے بنا ہوا انسان۔

جس کی زبان پر کوئی حرف ملامت نہیں۔

جس کو کسی سے شکایت نہیں۔

جو اللہ کی تعریف کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

روشن کو اپنی ذات کی گندگی کا اور چند احساسات کے دور دور ہوا تھا۔

اسے شدت سے احساس ہوتا تھا کہ وہ میرا صاحب کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے۔

ہر آہ پر اس کا دل دھڑک اٹھتا تھا۔

گوشت کی گلی میں داخل ہونے والی ہر موٹر پر سے لگتا میرا صاحب آئے ہیں۔

چٹکی خوشی کا حسرت میں وہ کھڑکی تک گرتی پڑتی پکچھتی تھی۔

غلام محمد چائے تک کے اندر داخل ہوتا تو اس کے کان فطخہ ہو جاتے۔

جیسے اب یہ کہے گا میرا صاحب آگئے ہیں مالکین۔

توبہ۔۔۔ میرا گئی۔۔۔ آپ نے تو سب کچھ بھل دیا۔ کاش آپ مجھے پہچانتے۔

لاکھیاں چلی گئیں اور وہ اپنے اور غلام محمد کے یہ کھانا تیار کرنے لگی۔

غلام محمد بہت متع کرنا تھا مگر وہ غلام محمد کے قبل از صبح انداز کے کھانے کھا کھا کر ٹھک آ چکی

تھی اور سب کھانا خود پکاتی تھی۔

ذریعہ کی دوست کے ہاں ڈرن تھا۔ نور جہاں ممالی نے دوسرا جیٹا فیس فون کر کے اسے تاکید

کی تھی۔ ذرا غمیرہ سے وہ ویسے ہی پچھتا تھا مگر اس کا خیال تھا ان تقریبات میں وقت بہت برد

ہوتا ہے۔

اس پر ستر ذریعہ کی دوست کے ہاں ڈرن۔ تمام افراد کراچی وایس سوسائٹی چکے تھے۔ اور

آج سید تھا دس تھا کہ

دوبلے اس کے چھوٹے، گھر میں تھا تھی۔ جب مہائی جان نے دوسری مرتبہ فون کھڑکا یا تو وہ پائلت جو اسے سینٹ جیمز کراؤن کھڑا ہوا۔

معاذ اللہ! وہ اس کے براؤن شوخرب ہو رہے ہیں۔ حسب سابق وہ فرقات کی گاڑی لے کر برائی کی طرف چل پڑا۔

اس نے، ابھی تک اپنی کوئٹس حاصل نہیں کی تھی۔ ہائیک وہ لینا نہیں چاہتا تھا۔ جس پروجیکٹ پر وہ "ج کل" کام کر رہا تھا۔ اس کی تکمیل کے بعد وہ گاڑی لے لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ پیپر تو اس کے پاس تھا مگر فی الوقت وہ گاڑی لے کر غیر چپ، واری خراجات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے ہی محسوسات کا رن پڑا ہو تھا۔

وہ جیسے ہی، آرکیٹ کی بھیڑ بھیڑ کا حصہ بنا اس کی نظر فیروزہ پر پڑی۔

اس مرتبہ وہ بیکل یا، نگہبانی نہیں۔ کھڑا ہر ہے وہ بھی انسان ہے۔ انہوں کے بیچ رہتی ہے۔

فیروزہ کی اس پر نظر پڑی، اس وقت وہ ایک مشہور گلوکارہ کے ساتھ تھکا تھکا پاؤں میں مصروف تھی۔ فیروزہ کو ایک دم پچپا کر اس گلوکارہ نے فیروزہ کی نظروں کا تعلق کیا اور طارق کو دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

بیلو طارق احمد

وہ ان کے بڑے ایک چاچا۔ بیلو، مزہ مسکریا۔ ہائے دوں! اس پڑی۔

روزہ۔ یہ طارق ہیں، ان کا یہ گیت تو سن۔

اچھا۔ گلوکارہ کو کچھ حیرانی سی ہوئی۔

اور طارق صاحب کی گاڑی ٹھیک ہوگئی۔ فیروزہ نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔ اسی میں آیا ہوا۔ وہ ہنس دیا۔

کس قدر بات قدم اور بات ہیں آپ۔ وہ بھی ہنس دی۔

بات سنیں۔ وہ ایک دم یوں۔

یہ آپ اتنے کچھ کسوں ہیں

محنت سے کماتا ہوں۔

چھا ڈنیر۔ میں چلتی ہوں، رات کو میری ریکارڈنگ بھی ہے۔ گلوکارہ نے اجازت چاہی۔ اور دونوں کو خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

آپ محنت سے کھاتے ہیں تو دوسرے کیا جاؤ گی چھڑی کھڑے کیاتے ہیں فیروزہ نے انہیں سے بات شروع کی۔

ہاں۔ محنت محنت میں بھی فرق ہے، اور کمائی کمائی میں بھی۔ اس کے منہ سے عادات اور جتن جھڑا دیا ہو گیا تھا۔

فیروزہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اعصاب روئی کے گالے بیٹھے گھر۔

کتنی چاہ سے وہ اس بوتیک میں مصروف تھی۔

اس کا دل بھرتا۔ اس نے فوراً منہ سوز لیا۔

آپ تو اسام آید میں نظر آئی تھیں۔ اس وقت یہاں۔۔۔ کیا شہنشاہ کے آئی ہیں۔
میں اسام آید میں نہیں سوات میں گھر رکھتی ہوں۔

آف اتنی خوبصورت جگہ۔ بہت خوب۔ طارق نے سیرت کا اظہار کیا۔

سوات میں آپ کس جگہ ہیں

مکھو رو میں۔ اس نے بدستور منہ پھیر دیا تھا۔ طارق اس نماز پڑھ رہا تھا۔

وہ اس خیال سے اس سے باتیں کرنے لگا تھا کہ اس روز۔۔۔ اس نے فیروزہ کو بہت

محنت سست سدا دی تھیں۔ نہ جانے کیوں اسے ملال سا ہو تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ۔

جانے کیوں اس کی تمام خسیات مٹ گئی ہو کر یہ محسوس کرتی تھیں کہ یہ لڑکی سبھی قابلِ رحم

ہے۔ ایمان کی بات یہ تھی کہ اس نے طارق کی توجہ حاصل کرنے کے لیے قطعی کوشش نہیں کی

تھی۔

مرواس سلسلے میں خاصہ حساس واقعہ تھا ہے۔ اس نے تجویز کیا تھا۔ اس روز فیروزہ نے

جس شوقی کا مظاہرہ کیا تھا وہ اس کی فطرت کا حصہ تھی اور وہ کاسے س کے بیک گراؤ کے

ساتھ محسوس کر رہا تھا اس لیے فیروزہ کی شوقی سے خائف ہو گیا تھا۔ مگر اس نے کپ کہا تھا۔

ایک اور دن پچیس کی تھی۔

اسی وقت کاؤنٹر پر کھڑے فون کی کھنٹی بج گئی۔

فیروزہ نے فون اٹھایا۔ اس کی آواز بدستور پر مڑ رہی تھی۔

ہاں۔۔۔ بھئیکیہ تو ٹھیک تھا کہ چل رہا ہے۔ کئی ملازم ہیں میرے پاس۔ میں تو اس تین
چار گھنٹے کی ہنسی ہوں۔

کہاں ہاں۔۔۔ ستارت تو خود شونگ میں مصروف ہوتی ہے۔ بس گھر جا کر سو جاتی

ہوں۔ ستارہ ٹھیک ہے۔ لڑکی کوئی بات نہیں۔

اس نے فون رکھ دیا۔

وہ آپ کھڑے ہیں۔ وہ بھئی۔ میں سمجھی جا چکے ہیں۔

یہ بھئیکیہ آپ کا ہے وہ حیران ہوا۔

جی۔ وہ بیگم ٹھانے لگی۔

محنت مزدوری کر کھیٹ پانے کی کوشش تو کرتے ہیں۔ مگر آپ جیسے بلند ذہنیے اور

محکمہ ذی انسانی ہمیں جیسے نہیں دیتے۔

اتنا کہہ کر وہ کھٹ کھٹ کرتی، نذر کو، م میں گھس گئی۔

چند لمبے تو طارق بھونچا کاسا کھڑ رہا۔ پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

مجھے یہ لڑکی لکھنا ہی کیس معلوم ہوتی ہے۔ اب بھلا کیا کہہ پائیں گے، وہ دور دور پٹی

کھانسی نظر نہیں آئی۔

مطلوبہ شہنشاہ کے جب گھر پہنچا تو حیرت انگیز نگارہ دیکھا۔

دور یہ کچھ میں کھڑی آلیٹ بنا رہی تھی۔

کیا آلیٹ لے کر جاؤ گی ڈار کے ہاں وہ متعجب ہو۔

حق یہ بنا رہی تھی کہ اگر آپ نے جانے سے انکار کر دیا تو کھ میں ملے کیا

تمہاری مٹی کے دو فن آئے تھے اب بھوری ہے۔

دور یہ کانی تو پا کر خوب کرار کرار سا جواب دے مگر آٹھ کھنے کی تہائی نے کچھ مصیبتیں

سکھائی تھیں۔ خون کا ٹھونٹ پی کر رہ گئی۔

میں تیار ہو رہا ہوں۔ مجھ سے زیادہ انتظار نہیں ہوگا۔

وہ اس کی چاہ تھا۔ ان اداؤں کا، لکھ جن پر وہ مڑی تھی۔ پھر اس کے انتظار میں تو ہیں۔

تو پھر شکایت کیسی۔

کیا ابھی اس کے اندر شویہ کے طالع زندہ ہیں۔ اس کا دل شکوہ اچھیل اور مسٹ کر چھیدا۔

طارق تم میری پسند ہو۔ میں تمہیں جیت کر رہوں گی۔ میں دور یہ ہوں۔ چند دن کا خوش پر

چلتا ہوگا۔ چلوں گی۔ میں تمہیں گنو کر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔

یہ میری اسلٹ تھی۔

میری ہر خواہش پوری ہوتی ہے۔

پھر نہیں، بنا کہنے کی تم سے کیسے ہاتھ دھو رہی تھی۔

اُف۔ میں تو یہ سوچ کر کانپ رہی تھی ہوں۔

اگر میں اپنے کھیل میں ناکام ہو جاتی۔ تو کس قدر اسلٹ ہوتی میری۔ میں نے
تمہاری ویڈیو محدود کر کے تمہارے غرور کو شکست دی ہے۔

تم کیا کر سکتے میری تدبیر کے مقابلے میں۔ ہونہ۔

کیا کر لیں تم نے تم نے مجھے نظر انداز کر کے میری اسلٹ کی تھی طارق احمد۔ کچھ کیسے

نہیں ہو اب۔۔۔

میری چیز۔۔۔ میرا چارہ۔۔۔ انہیں گیا وہ تمہارا غرور وہ ناز وہ افتخار تم گر بجھے پاؤں

کی جوتی بھی بنا۔

تب بھی فتح مند میں ہی ہوں۔ حق آوی۔ وہ اپنی جیت کے نشے میں سرشار ہو رہی تھی۔

دیکھ لیں گے تمہاری مضبوطی۔ آوی ہی ہو۔ خرم۔ سیسہ پائی دیو نہیں ہو۔

اے نور، وی انسان تمہارا سا رافو، دے گھر کی بیویاں میں ڈو دوں گی۔ تم موسم بن کر

میری گرفت میں ہو گے۔ غنڈہ ب۔۔۔ تاکہ مجھے یقین ہے۔

وہ بیسویں ساری ساری اور زچہ ت میں شعہ جوالہ بنی اس کی غنڈہ تھی۔ طارق نے آئینے

میں اسے دیکھا۔ مگر کچھ تبصرہ نہیں کیا۔ نہ نظر سے خطبات سے۔

اُف۔۔۔ غت کو فت کا احساس ہوا تھا۔ شرٹ کی آستین کاٹن غائب تھا۔

جن لگانا تو۔۔۔ نا ہوگا۔ میرے گھر میں تو تمہیں یہ سب کام کرنا ہوں گے ہی۔

آتا تو مجھے بہت کچھ ہے طارق۔

وہ مستعمل کر چلتی ہوئی ڈریسنگ ٹیبل تک پہنچی، اور جھک کر پہلی دروازے سوئی دھاگہ لگا
اور اپنی معنی خیز بات درمیان میں چھوڑ دی۔ اس نے اپنی چھوٹھو کی سیٹھ جندی کو سراہا۔
"ہر چھوڑنے سے قبل وہ اسے ایک ایک چیز کے پارے میں بتا کر گئی تھیں۔ سوئی
دھاگہ اس کے سامنے چلی دوڑ گئی اور وہ کہہ کر یہ ایک عجیبی ضروری چیز ہے۔ اس نے دل کی
دل میں سانس کا شکر یہ لیا کیا۔"

اگر سوئی دھاگہ اس وقت نہ ملتا تو خدا معلوم صورت حال کیا ہوتی۔ ہر روز فتح مند ہے
مگر عرق حمد فاروقی سے بچہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اس نے سوئی میں دھاگہ ڈال کر اس کے مردیکہ چلی آئی۔
کیا بیٹا ہے

(کیا کیا سیوگی) بھی یہ سن لگا ہے۔
سن کہاں ہے

کھیں سے۔ یہ کام خواتین کے ہوتے ہیں۔ وہ تو جیسے رنگ
مجھے اس گھر میں، نے ہوئے چند دن ہوئے ہیں۔ دریک کی جان میں کر رہی۔
مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔

میں مل لگاں بندہ ہوں۔ اپنی بیوی سے اس قسم کے کام کرتے ہوئے بڑی روحانی
خوشی محسوس ہوتی ہے۔ وہ اسے شگوار ہاتھ۔

آپ دوسری ٹرٹ جاکھ لیں۔

میرے پاس صرف یہی چنگ ٹرٹ ہے۔ وہ جھلکا۔

دریہ کے ہاتھ پاؤں پھولی گئے۔ وہ دروازے میں تلاش کرنے لگی۔ اب اسے رونا آ رہا
تھا۔ بے شکل بن ملا۔ اس نے شکر ادا کیا اور اس کے پاس چلی آئی۔

ہیے۔ بن لگاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں قطرے ٹپک پڑے۔ وہ انجان سا بن
گیا۔ بن لگا تو وہ نیچے فرقان کو حوا دینے چلا گیا۔

وہیں آپا تو وہ یہ قون پر کھسی سے بات کر رہی تھی۔

سے دیکھ کر وہ ہاتھ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

آپ کا فون ہے۔ کوئی مس کرتا ہیں۔ اس نے بغور عرق کی شکل دیکھی۔

وہ تیزی سے اس کی جانب آیا اور بیسوار اس کے ہاتھ سے لے لیا۔
پلو۔

نی بول رہا ہوں۔

دوسری طرف ستارہ تھی۔ انہی کی گھبرائی ہوئی۔ دروازے میں کہہ رہی تھی۔

حارث صاحب فیروزہ نے بہت ساری خوب آور گولیاں کھادی ہیں۔ ابھی ابھی انہیں
ہوش آیا تھا۔ آپ کا نام لے کر جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ پلیز فوراً آ جائیے۔

حارث نے کلینک کا پتا پوچھ کر رہی سیو رکھنا ک سے رکھ دیا تھا، اور بہت تیزی سے باہر کی

بہت بڑھاتا۔

اور خوبصورت مردوں کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں۔

پھر تم میں ایسی کیفیات ہے کہ میں نے تم پر سکون، اور آرام وہ زندگی کو تم پر قربان کر دیا ہے۔ میری سبھی بات یہ بات نہیں آتی۔

مگر میں یہ بات سمجھنا چاہتی ہوں۔

وہ بیڑ پر درخت راق کی تصویر سے ہائیں کر رہی تھی۔ اسی دم فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے

ہاتھ بڑھا کر۔ بیور 'ٹھاپا'۔ دوسری جانب حلقہ۔

وہ اُنکے کریشنگی۔

جی بول رہا ہوں۔

مٹی کو: سپہ نے فون کر دیا ہے ٹھیک ہے میں ڈاک فون کر دیتی ہوں اللہ سے

ع ر ق نے فون رکھ دیا تھا، وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ع ر ق کہاں ہے اور کس ہے

وہ چھل کر نڈا کو روٹک کر بنے گی تھی۔

وے کیلنگ پہنچ کر کافی دیر انتظار کرنا پڑا تھا کہ فیروزہ گے کمرے میں ڈکسترز کا روالی

میں مصروف تھے۔ اس سب سے وقت مل گیا تھا کہ وہ درپہ کو فون کر سکے۔

وہ فون کر کے نہایت اضطرابی کیفیت میں ٹیبل کمرستارہ کے نیلے وے کا نقطہ رکھ رہا تھا۔

یا نیک! اس یہ خوف لڑکی کی زندگی بچا جائے۔ نام تو لے دیا ہے میرے۔ خدا معلوم کہیں

دو یہ دھک سے کھڑی رہ کی تھی۔ وہ اسے کچھ بتائے بغیر باہر نکل گیا تھا۔ وہاں بھی

فوجا آئے تو وہ کہیں کہیں گی۔ شدید کوفت، درخت، اوزیت کے عالم میں وہ سر ہٹا کر بیٹھ گئی تھی۔

سار، گھر بھی نہیں، بیٹھیں کو رہا تھا۔ نیچے موڑوں کا شور تھا۔ اور اندر وہ خاموش تھیں۔

کیا یہ مستقبل ہے

یہی اس کا مقدر ہے

نہیں۔ نہیں۔ آئی ایم ٹی ایفٹ کو ٹیڈ ہٹ۔ نوو ڈاٹ۔ ہٹ۔ آئی شڈ ٹو قیس

ٹ۔ وہ خور سے گویا ہوتی۔

(۱۰) فسور وک کرانھ کھڑی ہوئی: دریا بس تبدیل کر کے دریا بن گیا۔

کرنے لگی

اچانک سائینڈس رومی طارق کی تصویر پر اس کی نظر پڑی۔ اب آپ تنہا تو نہیں ہیں۔

طریق چھریہ نہا کھویر لیا سکی۔ مہمانوں کے دیم اور اس سینیٹی کے پڑھنے کی میں اسے خیال نہیں

آیا کفاروں جاکے ہوئے اس کا اور طریقہ ناملائمہ نہ ہو کہ لڑائی بطور غصہ دے کر لیں تھا۔ جو

انہوں نے جو بصورت فریم میں کھینچے تھے۔

دیر کے وادیوں میں کھول کر رکھ کر (مقالہ) کے لیے دیر پر کھجایا۔

مردان بہت کم ایسے آئے ہیں۔

کہاں بچسوا گئے۔ وہ پوری طرح روح کی گہرائیوں سے دعا کو تھا۔

اس وقت اسے اپنے مہربان و مہر دے گھر والے یاد آ رہے تھے جن کے مہر وہ اس طرح وقت گزار تھا کہ سے پناہ نہیں تھا کہ امتحان کسے کہتے ہیں

مسائل کیا ہوتے ہیں، زندگی کا یہ موڑ کس قدر احصا نہیں ہے، یہی وہ ستارہ تھی۔

ابھی چلتے ہیں طارق صاحب، درس بتا رہی تھی کہ بوٹی آ رہا ہے۔

اوه گاڑ۔ ستارہ ایک گہری سانس لے کر نزدیک پڑے اسٹول پر ڈھکی۔

اگر میری ٹینک ہوتی اور میں گھر نہ پہنچ پاتی، یہ کیا کیا تم نے روز۔ وہ خود کھائی میں

مصروف ہو گئی۔

آپ کی روز سے کہاں ملاقات ہوئی تھی طارق صاحب۔ وہ ایک دم طارق کی طرف

متوجہ ہوئی۔

لہری میں۔

اوه۔ کوئی بات ہوگی تھی آپ سے اس نے سر اٹھا کر طارق کو دیکھا۔

ہاں تو۔ اس نے خود سے بھی ڈر کر جیسے نہیں تو کہا تھا۔

واقعی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ یہ آپ کی دوسری ملاقات تو تھی روز سے۔

ایک مرتبہ گیت ٹوکید میں ملے تھے اور ب لہری میں۔ وہ خود ہی بولی۔

وہ تھمتھ کرنے کی چوریشن میں نہیں تھا۔ ورنہ خسر رہتا دیتا کہ یہ دوسری نہیں بلکہ چوتھی

ملاقات تھی۔ وہ پریشانی کے عام تیل چپ کھڑا رہا۔

یہ سوچ کر کہ جب اس کی بہن ہی نہیں بتا یا تو وہ کیوں۔

تو یہ میری جان ہی نکل گئی تھی۔ ٹینک گاڑ۔ ویسے طارق صاحب۔

جی وہ حجب ہوا۔

میرے سے یہ بات باعث حیرانی ہے کہ آپ کا نام لے کر وہ کیوں بڑبڑا رہی ہے۔

مجھے تو ذرا کشر مارنے کہا کہ آپ کے کوئی جاننے والے طارق صاحب ہیں ان کو یاد دیں۔

مریض دان کا نام بار بار ملے رہی ہیں۔

طارق چورس بٹنچپ کھڑا تھا۔

پتا نہیں۔ روز سے یہ حماقت کیوں کی

طارق صاحب کا نوڈل دور میں ترس مودار ہوئی۔

جی۔ وہ تھری سے اس کے قریب آ گیا۔

آپ آئیے۔

ستارہ تھری سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

طارق ہچکچا کر رنگ چمپا۔

مس حنا۔ پلیز۔ تیرا نہ منایئے گا۔ وائٹ بات کراؤں۔

ستارہ نے باجور میں کاچیرہ دیکھا۔ مور مسکرا دی۔

جائے۔ آپ کوئی بات نہیں۔ لا وہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میں داخل ہوں۔

میرے مسٹر طارق۔ میں نے حاضر و کثر کو بھی طلب کیا۔

یو۔ رگی مسٹر طارق۔ یہ سچ گئی ہیں۔ دیئے یہ خود کشی کا کیس ہے۔ ان سے مل کر آپ میرے پاس تشریف۔ بیٹے گا۔ ایک ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔

یہ ہوش میں ہیں طارق نے فیروزہ کی جانب اشارہ کیا۔

جی۔ ایٹنی سلپنگ ڈوز دیا ہے۔ کھس ہوش میں ہیں۔ کیونکہ ان کا پچان بھی دیکھا کرنا ہے۔ سیکٹر میرے آفس میں دیکھ کر رہا ہے۔ ڈاکٹر کا خوش خلاق انداز طارق کو قدرے سرد مہمکوں ہوا۔

ڈاکٹر کے باہر جاتے ہی اس نے خود پر کنٹرول کیا۔ اس کے ہاتھ صاف ہیں تو بھر خوف چھٹی دہائی کے عہد خیال کے ساتھ فیروزہ کے بیل کے نزدیک آکھڑا ہوا۔

میں آپ سے زیادہ طویل بات نہیں کرنا چاہتا۔ صرف اتنا چاہ رہا ہوں۔ میرا قصور فیروزہ نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور ایک ٹکڑے دیکھ گئی۔

میں نے اپنا قصور چھپا ہے وہ نظر میں نہ آکر توڑا سا تلخ ہوا۔

یہ کیا طریقہ ہے، کسی کی جھجی بھلی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کا۔ وہ اس کی خاموشی سے بیزار ہوا۔

فیروزہ نے اس کے کوٹ کا کونہ تختی سے پکڑ لیا۔ کی فطرت اس کی آنکھوں سے دھمکی

ہائیں اڑکھ کر نیچے میں جذبہ ہو گئے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے طارق کا کوٹ کناروں سے پکڑ لیا، اور پوری قوت سے کھینچا جس کے نتیجے میں طارق کو ٹھکانا ہی نہیں بیٹھنے بھی پڑا۔

فیروزہ نے کوٹ کے کونے چھوڑ کر کوٹ کا کارٹھام لیا۔ اس کے سب بھڑ بھڑا رہے تھے۔ گویا آنسوؤں کے طوفان میں الفاظ قابو میں ہی نہیں آ رہے تھے۔

یہی تو میں چاہ رہی ہوں۔ یہ کیا طریقہ ہے۔ کسی کی جھجی بھلی زندگی کو ڈسٹرب کرنے کا۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

طارق نے اس کے ہاتھوں سے اپنا کارٹھام ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ میرا آپ سے کیا تعلق ہے۔ میں کیوں آپ کی زندگی ڈسٹرب کرنے لگا۔ ناچا راس نے کہا۔

آہ۔ اکثر وہ لوگ ہماری زندگی ڈسٹرب کر جاتے ہیں جن کی آمد ہوا کے جھونکے کی مانند ہوتی ہے۔ وہ کرب سے بولی۔

کس نے حق دیا ہے آپ کو کہ اس قدر غرور سے پیش آئیں۔ جن کے منہ پر پیہی کی کچڑ لی ہوئی ہے آپ مزید کچڑ نہ پڑا چھالیں۔

وہ طارق کا گریبان تختی سے پکڑے جھٹکے دے رہی تھی۔ اور تیقناش رو رہی تھی۔ خدا نخواستہ۔ مجھے قطعی اس قسم کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اور مجھے کیا ضرورت ہے کہ

میں غیر متعلق معاملات میں ناگہان ڈاؤن۔ وہ ذی صاف گونا گونا میں کبھی بیٹھتا

ہائے۔ یہ تہذیبی سادگی طاری احمد یا تو تم واقعی سادہ ہو یا نہایت ہی ہوشیار۔ تمہارے چند الفاظ مجھ اس حالت تک پہنچ گئے۔ اور تم۔

میرے الفاظ۔ وہ شدید حیرانی کے عالم میں سوچنے لگا کہ وہ کیا کہہ بیٹھا ہے۔ وہ فیروزہ کے ہاتھوں سے

پانا کارٹریڈز کو کرنا چاہتا تھا۔ جس کے سبب فیروزہ کے دو دھیاں ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اور وہ غیر سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اس نے کیا کہہ پایا ہے۔ وہ سابق ملاقات کو ذہن میں دہرا رہا تھا۔ وردہ مکالمے بھی جھاس کے اور فیروزہ کے مابین ہوئے تھے۔

محاسن وہ حساس الفاظ یاد گئے۔ بلاشبہ ان سے کی طرح مطالب اخذ کیا سکتا تھا۔ اس نے چوری سے فیروزہ کو دیکھا۔ پھر چونک کر اپنے اور اس کے ہاتھوں کے ملاپ کو محسوس کیا اور اپنے ہاتھ خود دیکھ بٹایا۔ مگر یوں بدستور اس کے ہاتھ مین دیے رکھا۔ وہ واقعی شرمسار تھا۔

میں بہت شرمندہ ہوں۔ میرا مطلب قطعی یہ نہیں تھا۔ آہ کاش ایک لفظ کا ایک ہی مطلب ہو کرتا۔ یا ہم لمبے کے معاملے میں اپنے محاسن نہ ہوتے۔ فیروزہ نے چہرہ موڑ کر اٹک پیس۔

میں آپ سے کچھ کہتا ہوں۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ نہ میں کسی کو گالی دے سکتا

ہوں۔ میں اللہ کے فضل سے بہت تلکھے ہوئے، حول سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس قسم کی حرکات میرا سوانح نہیں ہیں۔

طارق احمد ہم تو خود دوسرے پاؤں تک بذات خود گام ہیں۔ ہمیں کیا کوئی گالی ملے گی۔ وہ عجب سے مسکرائی۔

میرا مطلب یہ تھا کہ بعض کام سخت محنت طلب ہوتے ہیں۔ اور بعض کام بہت آسان، بہت ہلکے چھلکے ہوتے ہیں۔ یعنی روٹین تلمیذ ہوتے ہیں۔ طارق نے مزید وضاحت کی۔ فیروزہ نے اس کا کارچھوڑ دیا۔

وہ آپ نے تو ہمیں مارا تو کیا طارق احمد اس نے آنکھیں موند لیں۔ اور آپ نے ہمیں مار دیا ہے۔ طارق نے ہر جت کہا۔ اور اٹھ کر کرسی پر آ بیٹھا۔

یعنی۔ وہ خیر ان ہونٹی۔ انمول اس کی نظروں سے خارج تھا۔ کل میرا اور آپ کا فوٹو گراف اخبار کی زینت بنے گا۔ کہ اسپیکر صاحب ڈی کنٹرول کے آفس میں تشریف رکھتے ہیں۔

پھر آپ کی کتنی جگہ ہنسائی ہوگی کہ طارق احمد کال گرل فیروزہ کے۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں دوسری طرف چہرہ موڑ لیا۔

شاید یہ امر آپ کے لیے باعث راحت ہو اور شاید آپ دوسروں کو خوش نام نہیں دیکھ سکتیں۔

طریقہ کی صورت حال کی نزاکت کا دراک ہو تو اس کی انڈی صاف کوئی عود کرتی۔

(یہ کہاں کی انسیت ہے کہ جاتھے بھٹے شریف آوی کو کانوں پر گھسٹ لیا جائے)

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔

”پہلی تقدیر کا نظام سارے معاشرے سے لیا جاتا ہے۔ وہ اندھ کفر ہو۔

یعنی ہر نیک نام کو نیک نام دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس نے اپنے متورم پونے ہاتھوں سے

دپائے۔

وہام فیروزہ میں اعلم تھا۔ آپ خود چل کر میرے پاس آئیں۔ آپ نے اپنی حقیقت

گوئی گزرتی۔

آپ کی خواہش ہے کہ لوگ آپ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ اس کے برخلاف نہ

سمجھیں۔ جب لوگ اس کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو۔۔۔ اس نے جملہ دھوڑا

چھوڑ دیا۔

وہام فیروزہ میں اعلم تھا۔ آپ خود چل کر میرے پاس آئیں۔ آپ نے اپنی حقیقت

گوئی گزرتی۔

آپ کی خواہش ہے کہ لوگ آپ کی حقیقت سے واقف ہوں۔ اس کے برخلاف نہ

سمجھیں۔ جب لوگ اس کے مطابق طرز عمل اختیار کرتے ہیں تو۔ اس نے جملہ دھوڑا چھوڑ

دیا۔

تو میں خود کشی کر لیتی ہوں۔ اس نے بدستور اٹھ بیویوں سے آنکھوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔
اس کی آواز میں مذہر کا اثر محسوس ہوتا تھا۔

طریقہ احمدی کی تو میرا مسئلہ ہے۔ یہی تو وہ گروہ ہے جو کسی سے نہیں کھل سکی۔

آئیے۔ میں آپ کو خود بتا دوں کہ کوئی بھی میرا مدد سمجھ نہیں پایا۔

طریقہ نے بھی ہوئی نظروں سے اس کے حسین مکرز و چہرے کو دیکھا۔

اس کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک خاموشی

کا عالم رہا۔

طریقہ دروازہ بند سے بند کر لیجئے۔ پلیز۔ اس نے آنکھیں کھول کر طریقہ کو دیکھا۔

طریقہ ایک لمحوں کے نہیں بدھا۔ وہ ابھن میں تھا۔

ڈر کیوں رہے ہیں۔ میں آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ آپ مرد ہیں میں ایک کمزور عورت

ہوں ابھی۔ چھپا رہی نہیں ہے میرے پاس۔ وہ دلی شکست سے بولی۔

آپ سے اتنی دیر بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

کسی کے پاس کی ہمت نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ بھڑک سی گئی۔ آپ فکر

نہ کریں طریقہ احمدی آپ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ خواہ یہ پورے پاکستان کے آئی جی اکٹھے کر

لیں۔ وہ اس سے کہہ آپ نے کوئی حرم نہیں کیا ہے۔

آپ نے مجرم بنانے میں کوئی کسر چھوڑی تو نہیں۔ اس نے فیروزہ کا کہنا مان کر یعنی

دروازہ بند کر کے آہستگی سے کھڑا

میں نے ہوش کے عالم میں آپ کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ رک گئی۔ اور گرمی گرمی سانسیں لینے لگی۔

”آپ کچھ بتانا پڑ رہی تھیں۔“

فیروزہ نے اشارے سے پانی مانگا۔

طارق نے ایک عجیب قسم کی عیسوی عیسوی کرتے ہوئے پانی کا گلاس اٹھایا۔

فیروزہ نے ہنسنے لگا کہ اس کے دل ذرا سی اونچی ہوئی۔

طارق کو ہنسنے پڑا۔ بلکہ اسے شانور سے تھا مگر وہ گلاس بھی مت سے لگا کر پڑا۔ فیروزہ کا سر ادا عصبانی نگاہ میں درہم درہم ہوتا تھا۔ وہ مٹی کی طرح اس کے مضبوط بازو پر ڈھسے گی۔

”میں بیٹھ کر سن لیں طارق احمد آپ فاصلے پر بیٹھے ہیں۔ مجھے زیادہ قوت سے بولنا پڑ رہا ہے۔ پلیز آپ مجھے اس وقت، کیونکہ ٹریٹ کریں۔ یہ ذہن سے جھٹک دیں کہ میں ایک لڑکی ہوں کہ آج میں آپ کی بات کا جواب ضرور دوں گی۔“

وہ رک کر سانس درست کرتے لگی۔ طارق نے آہستگی سے اسے دوبارہ لٹا دیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ کسی عورت کے اس قدر قریب ہو تھا۔ اس کے پاؤں جو کہ شادی شدہ تھا۔

فیروزہ کی ہنک اس کے سینوں میں سرایت کر گئی تھی۔ وہ اس کی بات بلکہ اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا۔

طارق احمد آپ نے سوال کیا ہے کہ میں خود ہی تو چاہتی ہوں کہ لوگ میری اصلیت سے واقف ہوں۔ اور جب لوگ میری اصلیت یا دوستاتے ہیں تو برا بھی مانتی ہوں یا دیکھی ہوتی ہوں۔

طارق احمد اس نے آنکھیں موند کر طارق کو پکارا۔

”جی ہاں رہا ہوں میں۔“

میں بڑی اصلیت، اس لیے تو نہیں بتاتی کہ لوگ مجھے طعنوں کے تیروں سے بیوقوف قرار دیں۔ بلکہ میں تو جانتی ہوں کہ خوبصورت دل میری روح کو پہچان کر میرے ناکردہ گناہ معاف کر دیں۔ مجھے میری اصلیت کے ساتھ قبول کر لیں۔ میری روح سے واقف ہو کر میری قدر کریں۔

طارق

جی۔

دوسرا گناہ اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ پہلے گناہ معاف نہیں کرتے۔ اس کی آواز بھونک گئی۔ شاید وہ بولے۔

شاید نہیں یقیناً۔ یقین کریں میرے تجربات کے کاغذات سے پاؤں لہجہ بات ہیں۔

”آپ جانتے ہیں طارق کہ میرا پہلا گناہ کیا تھا۔“

طارق نے ہنسنے لگا۔

میرا پہلا گناہ یہ ہے کہ مجھے اپنے باپ کا تاپا نہیں مطلوب۔ یہ میرے سارے گناہوں کی بنیاد ہے۔ بس اس سے زیادہ میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ وہ خاموش ہو گئی۔

طارق کے حق آشنا قلب پر فیروزہ کے ایک ایک حرف کی بہت رقم ہوئی تھی۔ اس نے فیروزہ کی سمت دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور خوبصورت پلکیں مڑ رہی تھیں۔ میرانی اسٹل ستوں ناک سرخ ہو رہی تھی اور سب مڑ رہے تھے۔ اس کا چہانہ حسن عاری نے اس کے پہلو میں بیٹھ کر محسوس کیا۔

جانتا ہوں پتے نیک نام معاشرے کو۔ گندمی پر بھی جواہی آئے تو معاشرے کو وہ حسین لگتی ہے۔ تم تو ایک قیامت ہو میڈم فیروزہ۔ تمہارے تاریک پس منظر کا ہونا بہت کافی تھا۔ کون بخشا تمہیں۔ وہ حقیقت کا تجزیہ کرتا ہوا اندھ کھڑا ہوا۔

طارق احمد

لقد بہتر جانتا ہے۔ میں نے آپ کی ہمدردی حاصل کرتے کے لیے یہ سب کچھ نہیں سنائے۔ مجھے آپ سے کوئی مطلب نہیں ہے کوئی لالچ وغرض نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ اسے سارے آدم زادوں میں مجھے آپ ہی انسان دکھائی دے۔ میں نے آپ کو کسی بھی لمحے کمزور نہیں پایا۔ میں آپ کی اس عظمت اور نیک طبیعت کی عزت کرتی ہوں۔ بلکہ وہ رکی۔ بلکہ پرستش کرتی ہوں۔ کسی خوش نصیب ماں کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں آپ۔

طارق کا رونا رونا چائے کیوں کھڑا ہو گیا۔ اس کا سر جھک گیا۔

میں بہت کم طرف بہت چھوٹا انسان ہوں۔ ان تمام خطبات کا حقد نہیں ہوں۔ وہ شرمندہ خواجہ۔

اور مجھے یقین ہو کہ آپ ہی وہ واحد انسان ہیں جو میرا راج سن کر کبھی بھی مجھے گالی نہیں دیں گے۔ دین بھی چاہیں گے تو دے نہیں سکیں گے۔ مجھے آپ کی مٹی کی خوشبو بتا رہی تھی۔ مگر اس دن بھرتی میں۔ اس دن میرا انسانوں پر بے مکمل یقین اٹھ گیا اور میں نے موت کو گلے لگانے کی کوشش کی۔ وہ ٹپ ہو گئی۔

میڈم فیروزہ وہ ڈاکٹر۔ مس حنا۔ اسپیکر۔ وہ کب سے انتظار کر رہے ہوں گے۔ اسے ایک دم یاد آیا۔

مجھے درمیان میں ہوش آیا تھا تو انہوں نے میرا ریٹین بیان دیکھا کیا تھا۔ یہ میرے ملازم کی بیوقوفی تھی۔ اس نے پائیس، ٹیشن فون کر دیا تھا۔ اب وہ نصیب مجھے سے بات کرنا چاہتا ہے۔ بات کیا کرے گا۔

ابھی آپ کے سامنے ٹیپ صاف کرے گا۔ اور جاتے وقت ہو سکتا ہے گھبراہٹ میں مجھے سیلوٹ بھی کرتا جائے۔ وہ ہنس ہوئی۔

کیڈ اسپیکر نہیں ہے۔ دوپہا ہی بھی اس کے ہمراہ ہیں۔ ممکن ہے کہ دو سیلوٹ آپ کے حصے میں بھی آجائیں۔ کیونکہ گھبراہٹ میں یادداشت قائم نہیں رہتی۔ اور انسان بیوقوف کام کر جاتا ہے۔

آپ فکر نہ کریں طارق احمد میرے جیتے جی آپ کے ساتھ کبھی کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ ہم کہیں سے ہاتھ نہیں کریں گے۔ کسی نے مداخلت نہیں کی۔ اس کا مطلب ہے ستارہ نے معاملہ ختم کیا ہے۔

ستارہ طارق متعجب ہوا۔

حنا۔ اس کا فانی نام ہے۔ فیروزہ نے۔ وضاحت کی۔ بہت پیار ہے ہم دونوں میں۔

طارق احمد

کی۔

فکر ختم ہوئی

یہ وضاحت پہلے کیوں نہ کر دی۔ وہ سادگی سے مسکرایا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ صرف مسکرا دی۔

اس قدر اثر و سحر کی، لک ہیں۔ پھر بھی تڑو رہتی ہیں وہ گفتگو سے مسکرایا۔

یہ کچھ کے پیارے نہیں ہیں طارق احمد اس کی آواز کمزور ہو گئی۔

طارق نے ریست و جا پر نظر دوڑائی۔ رات کے اچانک سے اٹھ رہے تھے۔

میں آپ کو روکوں گی نہیں بلکہ بہت مامعریں دیا کروں گی۔ طارق احمد میرے در آپ کے درمیان یقین کا تعلق ہے۔ مجھے آپ سے کسی کمزوری کی توقع نہیں۔ اور آپ کو مجھ سے کوئی

غرض نہیں۔ اس وقت ہم بہت فیر ہیں۔ اس لیے میرا دل چاہ رہا ہے آپ سے بہت ساری باتیں کروں۔ مگر۔ چلے کیوں ڈوڑیا ہے یہاں لگتا ہے آئینہ دو دن تک چاگتی رہوں گی۔

دھنس دی۔ نہان ہونے کے ناتے طارق نے اطمینان محسوس کیا۔

میں شرمندہ ہوں کہ میری ذلت سے آپ کو اس قدر تکلیف پہنچی۔

چلیں، یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کس قدر کمزور ہیں (آرم دہ) زندگی ہے آپ کی۔ اس پر ٹیوٹ ہاتھ میں بھی

آپ کی حکمرانی ہے۔ وہ مسکرا ہوا۔ کسی نے ڈسٹرب نہیں کیا۔

فیروزہ جو آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ اسی حالت میں مسکرا دی۔

اب میں آپ کی کسی بات سے غصہ مطلب خد نہیں کروں گی۔

شکریہ ادا کرے درمیان کوئی آئینہ تو نہیں ہے نا۔ وہ پھر پلٹا۔

قطع نہیں۔ اس کی آنکھیں پدستور بند تھیں۔ شاید وہ اس طرح سکون محسوس کر رہی تھی۔

طارق با آواز آواز کے سامنے کا نظر پر موجو تھی۔ اس کی ہدایت کے مطابق وہ ڈاکٹر خانہ

کے دفین کی سمت بڑھا تھا۔

دریہ ایک دم بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ کمرہ مرکزی ٹوب میں جھلکا رہا تھا۔ دروازہ پنے

کھین کا منظر تھا۔ اس نے کلاک کی سمت نظر کی ڈھائی جا چکے تھے۔ وہ ایک دم بیڈ سے نیچے اتر

آئی۔ دلی بری طرح اٹھک اٹھک کر رہا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ تمام گھر چھان مارا۔ قہقہہ ہوا۔ کہاں وہ گئے۔ کہاں چلے گئے وہ پریشانی کے عالم میں بیڑ بڑائی۔ پھر وہاں پہنچے کمرے میں پہلی آئی۔ اور انٹرکام پر پیچھے فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ غالباً بہت گہری نیند میں تھا کہ کافی دیر بعد اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

پلو ایہ میں اس کی نیند سے بھال آ رہی تھی۔

پلو فرقان بھائی۔ آپ کو رات بچھتا کر گئے ہیں وہ وحشت زدہ سی تھی۔

رات بچھتا کہاں ہے وہ اس کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

یہی تو پوچھ رہی ہوں۔ وہ روٹا ہوا لہجہ میں کہتی تھی۔

اس وقت رات کے ڈھائی بج رہے ہیں یہ بھی غصہ خیز تھا۔ مجھے تو وہ یہ کہہ کر گیا تھا

کہ اپنے کسی دوست کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ حیران پریشان سا کہہ رہا تھا۔

میں نے اس کے دوستوں کو تو آپ جانتے ہوں گے

تقریباً وہ یوں۔

پلیز ریگ کر کے دیکھیں۔ میرا بہت برا حال ہے۔ وہ رونے لگی تھی۔

اور میں بھی حوصلہ کریں، کبھی کبھار ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ اس نے تسلی دی۔

وریہ نے فوراً ہی میکس فون کھڑکا دیا۔ ریسیور کو جہاں نے ڈھپا۔

میں نے رات تو نہیں ہیں۔ آپ کی طرف دو بجے انتہا پریشان تھی۔

ہائیں۔ تو جہاں کی نیند بھی فوراً گئی۔ یہاں۔ طارق۔ مگر کیوں۔ وہ سوچا نہیں۔
ہائیں کہیں کچھ گئے۔ وہ رو پڑی۔

تم ہی تو بتا رہی تھیں کہ اسے بہت ضروری کام سے اپنے دوست کے ہاں جانا پڑ گیا وہ حیران ہو گئیں۔

اور پھر اس نے فون بھی تو کیا تھا۔ مجھے کہ میں زمر سے ٹیکسٹ کر لوں۔ وہ مزید گویا ہوئیں۔

رات کے ڈھائی بج چکے ہیں۔ ابھی تک نہیں آئے۔ سڑھے سات بجے کے گئے ہوئے ہیں۔

وہ بری طرح رو دی۔ فون تو انہوں نے مجھے بھی کیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔

چھا اچھا؟ میں۔ تم روڈ نہیں میں آ رہی ہوں۔ تمہارے سہیل کے ساتھ۔ حوصلہ رکھو۔ انہوں نے فوراً ریسیور رکھ دیا۔ وہ یہ کہہ کر ڈھپا دی۔

پھر اس نے دوبارہ انٹرکام استعمال کیا۔

کچھ بتا چلا فرقات بھائی وہ بے قرار سی سے بولیں۔

معلوم نہیں کہاں رہ گیا۔ کہیں سے بھی پتا نہیں چلا۔ وہ فکر مند بننے میں لگا۔

فہمندیہ ریسیور رکھ کر چہرہ ہاتھوں میں چھپ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ تھوڑی دیر

بعد کمرے میں عجیب چمک چمک شروع ہو چکی تھی۔ نور جہاں احسان صاحبہ، فخریہ، ثویبہ،
فرقان اور دوسرے دوست کمرے میں جگہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔

اپنا بیڈی کارڈ تو وہ جیب میں ہی رکھتا ہو گا۔ احسان صاحب نے بیڈی کی سمت دیکھا۔ جس
نے یہ جھمکن کر کر ازار اور شروع کر دیا تھا۔

پتا نہیں چلا۔ میں نے اس طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ بولی اور اٹھ کر ہاتھ روم چلی گئی۔
دشوکمرے آئی اور جانے نہ بچھا کر دے بچہ سے پر بچہ سے ہونے لگے۔

اس کے تاپا جان کے ہاں بھی فون کیا اور جہاں نے بیڈی سے پوچھا جو سہام پھر چکی تھی۔
نہیں۔ ظہیر یہ، ابھی کرتی ہوں نمبر مجھے یاد ہے۔ وہ تیری سے جانے نماز سے اٹھ کر
فون تک آئی۔ کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔

کیا کہتے ہیں نور جہاں بچکن ہوئیں۔
وہاں بھی نہیں ہیں۔ تاپا جان تالی جان کے ساتھ رہے ہیں۔

اس نے ریسورگر ٹیل پر رکھ دیا۔ اور پھر جانے نماز پڑھا کر بیٹھ گئی۔ طارق کے دوست
اباس میں بات چیت کر رہے تھے، فرقان، احسان صاحب کے ساتھ مصروف تھا۔
اسی دم گاڑی آ کر رکی۔ فرقان اپنی گاڑی کی آواز پہچان گیا۔

ٹھیک گاڑی آ گیا۔ خدا کرے خیریت ہو۔ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ نیچے چلا گیا۔
طارق کا ماتھا تو جب تکی ٹھک گیا تھا جب اس نے دور سے پورے گھر کی۔ نہیں آتے

دیکھی تھیں۔ اور گھر کے باہر کی گاڑیاں، اور مونس۔ بگلیں کھڑی دیکھی تھیں۔
مروادینا، فرقان سے گاڑی سے اترتا دیکھ کر جھڑک پڑا۔

کیا ہو گیا تھی وہ قدرے حیران ہوا۔
ابھی تو ہو گا، چلو راپور۔ وہ اس کا بازو تھام کر آہ پڑا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی طارق چکر کر رہ گیا۔ یہاں وہاں۔ انسان کی، انسان۔
اس پر مستزاد دیر کی حالت زار جو چارہ منڈھے جانے نماز پر بچہ سے میں تھی۔

بھی، یہ کیا حرکت ہے احسان صاحب، بیڈی جھٹ پر قابو نہ رکھ سکے۔
اسلام علیکم۔ اس نے احسان صاحب کی بات نظر انداز کر کے حاضرین پر سلامتی بھیجی۔
کہاں تھے بیٹے نور جہاں جیتابی سے آگے بڑھیں۔

تاکر تو گیا تھا۔ کہہ میں اپنے دوست کے ہاں جا رہا ہوں۔ اس نے کڑے تیوروں سے
دور یہ کہو دیکھا جو کھڑی جانے نماز تہہ کر رہی تھی۔

مگر تمہارے تمام دوستوں کے ہاں تو فون کیا تھا۔ یہ دیکھو سب آئے بیٹھے ہیں۔ انہوں
نے اس کے لائیو کی سمت اشارہ کیا۔ جو سلیپنگ سٹوں میں بیٹوں طارق کو کھ جانے والی
نظروں سے ٹکھو رہے تھے۔

ان کی بھی دوز لکھو دی۔ اس کا دل چاہا کہ پناہ عیثیٰ ڈالے۔
بھی تو تاپا جان دوز لگا کر آ رہے ہوں گے۔ آپنی نے دروازہ کھولا کیا ہے۔ فون نے بل

کر کہا۔

اور میرے خدا، وہ ایک کرسی پر ڈھلے گیا۔ کرسی تو فون نہیں کہ وہ در سے مخاطب ہوا۔

ان بھنے لوگوں کو گر چلین کی سیٹ نہ تھی۔ تو وہ پروپ سے لپٹ کر بھی آ جاتین گے۔
دارے کو فٹ کے اس کا نہ حال تھا۔

طریق بھائی جب تھی وہ یہ بھی گئی تھی تو آپ درمیان میں آپنی کونون تو کر دیتے۔ ٹوبیہ کو اپنی نیند خراب ہو جانے کا طلال ہو رہا تھا۔

اور کیا بھی۔ یہ تو سخت غیر ذمہ داری ہے۔ احسان صاحب نے، پتے دو ٹوک، غدار میں

طریق کی روح تک نلک گئی۔

میرا دوست سخت بیمار ہے۔ بڑی نازک صورت حال تھی۔ وحیان نہیں رہا۔ احسان صاحب اس کے سر پر نہیں اس کے، مومن بھی تھے۔ آخر مومن سے وفات کرنا پڑی۔

کون ہے یا رہیں تو ہوتا ہے۔ اس کا ایک کو لیک گویا ہو۔
بھی، تم تو مجھے خا سے آ دی ہو۔ کیوں بچاؤں کو بچاؤ اور پریشاں کیا۔ وہ فرقان کی طرف

مڑا۔

بھ بھی بہت پریشان تھیں۔ احوال مجھے فون کر کے معلوم تو کرنا ہی چاہیے تھا۔ دیا تو

نہیں تھا۔ بس تمہارے عشق میں گلے گلے پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ مقرر ہو گئے۔ سیدھے یہاں آ کر گرے۔ فرقان آجنگی سے اس کے قریب آ کر شربت سے گویا ہو۔ اب وہ اس صورت حال سے ملنے نہ روز ہو رہا تھا۔

بچے جب کہیں جاتے ہیں تو اس جگہ کی معلومات گھر میں دے کر جاتے ہیں۔ نور جہاں اس کے قریب کر گیا ہوئیں۔ میری حالت تو بگڑنے لگی تھی۔ ایک تو تم نہیں۔ اس پروری کی حالت۔

طریق نے در یہ کی سمت نظر میں آ گئیں۔ وہ اس کی سمت ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھنا پ کر اس نے اپنی ہینکلی چلکیں گرا دیں۔

اور تو کوئی نہیں رویا۔ وہ جہد سائیکل۔ احسان صاحب ہا تھروم میں جا چکے تھے۔

دے کہا۔ رہ گیا بچہ۔ اسی خیر کرنا۔ اب باپ سے دور پڑا ہے۔ اس کی اس تو ویسے ہی

اس کے غیر مقرر رہتی ہے۔ اسے اللہ نہ کرے کچھ تو گیا تو اسے السلام علیکم ہو بھی۔ آپ بھی آ گئی ہیں۔ اسے بھیا جیسے ہی آپ کے بھائی نے مجھے جگا کر بتایا۔ تو میری تو جان ہی نکل گئی۔ اسے میں تو یہی بولکھائی کہ ایک پاؤں میں پٹی چپل ڈالی اور دوسرے میں اُن کی۔ اسے تین تاج۔ بچ۔ ہائیں۔۔۔

تائی جان کی زبان کو بریک لگ گئے۔ وہ ہونٹ ہی ہو کر طریق کو دیکھ رہی تھیں۔
اسلام علیکم اس نے بہت مؤدب انداز میں تائی کو بتایا کہ سلام کیا۔

جیتے رہو مگر آٹھ گھنٹے کا راق میرا تاج جسم سوال بن کر اس کے قریب پہنچے۔
 طبعیت خراب تھی۔ میں اس کے پاس ہاسٹل میں قفلہ فکر در پریشانی کی وجہ سے گھر رہنا
 بھول گیا۔ دور پھر یہ سب

ہو گیا۔ وہ بھاری سب کی طرف دیکھ کر گویا ہو۔
 آپ کے دوست تو اس وقت یہاں بیٹھے ہیں۔ فوزیہ نے اس کے کوٹنگز اور دوستوں کی
 سمت دیکھ کر کہا۔

دوستوں کے مسئلے میں راضی کارڈ نہیں بننا کہ فہرست میں رد و بدل دشوار ہو۔ فرقان نے
 طارق کی سہک بھال کرنے میں حق دوستی ہو گیا۔ فوزیہ سے گھور کر رہ گئی۔

اے تہا رے تاجا جان نے جب مجھے بتایا۔ دیر یہ فون پر رد رہی تھی۔ میرے تو ہاتھ
 ٹھنڈے پڑ گئے۔

بیٹے، تیندہ وہ بیان رکھنا، ماشا اللہ اب گھر والے ہو۔ چمڑے چمڑے لگ گئیں۔ پنی ذمہ
 داری کو سمجھو۔ تاجی جان نے اسے سمجھایا۔

احسان صاحب نے جب طارق کی تاجی کو نصیحت کا سلسلہ شروع کرتے دیکھا تو پنا
 پروگرام موقوف کر دیا۔

چلو بھی بیگم، وہ اپنی بیگم سے بولے۔ فوزیہ تو یہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اچھا سمجھی۔ اس کے کوٹنگز بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔
 پاؤں بہت شرمندہ ہوں۔ طارق کو ایک ایک سے معذرت کرنا چاہی۔
 ہم تو خیر قسمیں معاف کر دیں گے۔ یہ بھی معاف کر دیں تو بات ہے۔ رورو کر بھاری
 دھجی ہو گئیں۔

یہ بھی ذرا دھیان سے۔ بھاری رزورول کا، لک ہے۔ اس کے ایک کو لیک شرف نے
 شرارت سے دیر یہ کو مخاطب کیا۔ دیر یہ جینپ کر مسکرا دی۔

اچھا سمجھی، طارق میرا اس کے تاجا جان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

آپ رہ جائیے مار گچھے جائیے گا۔ اس نے خلا قا اپنے تاجا کو روکا۔

اس بیٹے صبح چمڑے جائیے گا۔ اس نے خلا قا اپنے تاجا کو روکا۔

اس بیٹے صبح بھی ہوئی سمجھو۔ تاجی جان نے، پنی چادر لیٹی۔

چھائیے آئینہ خیال رکھنا۔ وہ بھی رخصت ہونے والے قافلے میں شامل ہو گئیں۔

طارق نے ان سب کو چھوڑنے نیچے چلا گیا۔

وہیں گیا تو دیر یہ گلابی ناک پیسے پنے پاؤں میں برش کر رہی تھی۔ طارق کو اندر آتے

دیکھا۔ تو تھوڑا سا دل رزوا کہہ معلوم، اب کیا کہے گا۔

طارق نے مرکزی ٹوب بند کر کے ٹائٹ بلب جلا دیا۔ پھر اس کے نزدیک آ کر فرش

سجھ میں گویا ہو۔

کی ضرورت تھی یہ راز مد کرنے کی آخر کیا جانا چاہتا ہے تم نے

میں میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا ضرورت تھی یہ راز مد کرنے کی وہ شلگ کر رہ گئی۔ (اس سہم کو مہری سوچی ہوئی آنکھیں تک نظر نہیں اٹھیں)

فوت تم ہی نے ٹیڈ کیا تھا۔ میں اپنی جہنی میں گیا تھا۔ مجھے کال کیا گیا تھا۔ پھر اس کے باوجود وہ تمہارے اندر کا احساس جرم ہے۔ جو ایک دم دواں پاشہ کر دیتا ہے۔ تمہیں اور کچھ نہیں۔ وہ مجھ۔

میری مجبوری ہے کہ میں آپ کے حق میں یہ بھی نہیں کر سکتی کہ آپ بھی کسی کو چاہیں۔ اور اس احساس جرم کے ذریعے سے، شاید ہوں۔ وہ تجھی سے کہہ کر بیڈ پر دراز ہو گئی۔

حق کی میں تو یہ بھی نہیں پوچھ رہی کہ تھمس حاکون ہیں اس کے لہجے میں لگا رہے تھے۔ اور یہ کہ کیا یہی وہ خست بہار دوست ہیں جن کی وجہ سے۔۔۔ اس نے بات اور موری چھوڑ دی۔

بالفرض بحال، گریبی دوست ہیں تو پھر کیا کروں گی

وہ ہاتھ روم میں لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ اور درمیان کے سینے پر سانپ بونٹے لگے۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

اس کی ساقیں بڑھتی ہوئیں۔ اور اٹھ کر وہ اضطرابی انداز میں شیلے لگی۔ وہ لباس تبدیل کر کے آیا۔ تو اسے ہلکا دیکھ کر ٹھٹھک سا گیا۔

کیا پچھتاہی ہو کہ کہیں آدمی سے شادی کی ہے وہ اپنی مخصوص عادت کے مطابق سونے سے پہلے پاؤں میں برش چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

دریہ کچھ نہیں بولی۔ اب وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس پتھر کے سامنے۔ عرق نے سنگھری کی مہراج کو چھو کر آنکھوں پر بازو رکھ کر حوے سے سو گیا۔

شاید وہ آدھ گھنٹہ بھی نہیں سویا ہوگا۔ کہ عجیب سی کیفیت میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ ایک انسان۔۔۔

دوسرے انسان کو اپنے وجود کی تمام قوت بھجی کر کے شدت سے سوچ رہا ہو یا محسوس کر رہا ہو تو کہ کی شدت کی ہیریں دوسرے فریق کو ضرور متاثر کرتی ہیں۔

وہ کچھ لے جاگ گیا تھا۔ دریہ بیڈ پر نہیں تھی۔ کمرے میں بھی نہیں تھی۔

اس نے دیکھا وہیں طرف یا تھ روم کا دروازہ کھل ہوا تھا۔ اور دریہ کی وہی وہی سسکیں ابھر رہی تھیں۔

ہاتھ روم میں کس تاریکی تھی۔ اس کے دل کی عجیب سی کیفیت ہوئی۔ بہر حال انسان تھا۔

وہ دریہ کو جانے نماز پر مسجد میں سر رکھے دیکھ کر عی کچھ نرم سا ہو گیا تھا۔ کاجھی مٹی کا پودا تھا۔

جھجھور خستوں کا پھل قند زیہ وہ سبز یا وہ کتنا سنگدل بنا۔

ان دن کے حاضر رویوں کا اٹھارہ تباہی فیصد تھا بلی کھڑے ہوئے فریق کے رویے پر ہوتا ہے۔

وہ بیڈ سے نیچے اتر آیا۔ اور آگے بڑھ کر ہاتھ روم کا دروازہ کھینچا۔ دریہ کی سسکیاں رک گئیں۔ طارق نے ہاتھ روم کی لائٹ جلا دی۔ دریہ دیوار سے کھلی آنکھیں پونچھ رہی تھی بلکہ طارق کو ہاتھ روم میں دیکھ کر شینگی تھی۔ دریہ کا چہرہ آٹا نکھیں رادو کر سرخ ہو رہی تھیں۔

سوئی کیوں نہیں بھئی۔ کیوں پریشان کر رہی ہو۔ صبح مجھے آفس بھی جانا ہے۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت کی نفی کرتے ہوئے بظاہر بھدیا۔

کیا کہہ دیا ہے میں نے تمہیں جو فسوزں کے دریہ بہا دیے ہیں۔ وہ اسی خشک انداز میں بولا۔

یہ مس حنا کون ہیں وہ نیکیوں کے بیج میں غرائی۔

طارق، اپنی بیساختہ مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا۔ بہت ہی فطری رد عمل تھا اس کا۔

ایک ایکٹریس ہے۔ لڑکی ہے۔ وہ مسکراہٹ نہی کر پورا۔

کیا کر رہے تھے آپ اس کے پاس رات کیڑھائی بیچے تک

طارق نے ایک گہری سانس لی۔

کیا اپنی سیدھی باتیں سوچیں، چلو، رام کرو۔ حد نہ کر دی ہے۔ چلو ابھی۔

دریہ ٹیس سے مس نہ ہوئی۔ آٹھ پھر دس روٹ پر لڑھکنے لگے۔

(ستم گری بھی دراز شکر باری بھی۔ کہاں پھنس گیا یہ، اسی) وہ آگے بڑھا۔

اپنی اٹا کی قوت کو زیر کرنے کی اذیت، عثمانی جو بہر حال خمیر کی خفش سے زیادہ نہیں ہوتی۔

چپے وائیم ہا زو کے گھیرے میں لے کر آتے بھٹی سے بولے۔

جب اس قدر چھوٹا نہان ہوا تو کیوں اپنی جان پر ظلم کرنے کا پروگرام بنایا

آپ نہیں تھے، ایسے ساس نے نیکیاں بھر دیں۔

بہ ہو گیا ہوں ایسا وہ آتے بھٹی سے پوچھ رہا تھا۔

مجھے یقین نہیں تھا۔ اس نے سسکیاں سا دیا کیں۔

طارق احمد کے قلب پر یہ حمد بخندنی پھوار بن کر آؤ۔

دریہ۔۔۔ ہر چند کہ تم نے میری زندگی کو مشکلات کی راہوں پر ڈال دیا۔ حتی کہ میرے

وقار کو اپنی آرزو کی قیمت بنایا۔ مگر یہ درکن درکن کی رو سے جو غریبہ مجھ پر عاید ہوتا ہے میں، اعلم

نہیں۔ اور میں تمہارا حق کسی دور کے کھاتے میں ڈال کر نہیں آؤں گا۔ اگر زندگی میں کبھی یہا

قدم آکھانے کی حافیت لگی۔ تو پہلے تمہیں تمہارا حق دوں گا۔ پھر۔۔۔ وہ رک گیا۔

اگرچہ دریا ج بھی اسی حالت میں تھی جس حالت میں اپنے باپ کی چھت کے نیچے تھی۔ مگر وہ بچی نہیں تھی۔ اس کی بات سمجھ گئی۔ دل و دماغ میں اطمینان کی لہریں سرایت کرنے لگیں۔ دریا ایک دم ہلکی ہلکی ہو گئی۔

بھلا کیوں کرتی، دیتے نہیں۔ کون ہو گا تم جیسا طارق احمد۔ تم میرے حق کی حمایت سمجھتے رہو۔ چاہے ضرور۔ مجھے تمہارا نام تمہاری نسبت بہت ہے۔ اس نے جذباتی انداز میں سوچا۔
طارق اسے بڑے تک لے آیا۔ وہ بہت نرمی سے اسے سونے کو کہا۔ اور خود دوسری طرف آ کر اپنی سابقہ حالت میں دروازہ ہو گیا۔ انسان پور تھا۔ شاید ملتقم بھی پور تھا۔ فاصلے پر قرار رکھے۔

یہ تو خواجہ کی بی بی لگاتی ہے تمہارے ابا جان نے۔ شادی بھی ہو گئی۔ دو لڑکے بھی۔ اب ایک اور دعوت کر۔ بچی میں ہو کہ دن کے بہت سے دوست تک حلالی کا رمان پالے بیٹھے ہیں۔
ابا جان کی خوشی ہے یہ غمہ ساس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔

ہاں۔ بچی تو سوچ کر پچ ہو رہی پھر یہ بھی کہ اس بہانے چند دن کے لیے وہ دونوں بھی کر رہی تھیں۔ جاؤ گے۔ میں تو دریا کو ساتھ ہی رہی تھی۔ طارق کو چھٹی نہیں مل رہی تھی۔ شادی کے شروع دن ہیں اب کیا ایک کو ادھر کرتی اور ایک کو ادھر۔

انہوں نے ابا جان کا کہنا جس کی ترپائی کر رہی تھیں۔ ایک طرف رکھ۔ اور ٹیک تار کر اس پر ہی رکھ دی۔

دیکھا بھابھی جان۔ انسانی جذبات کا کتنا خیال رکھتی ہیں ابا جان۔ فاروق نے شرارت گتے کہا۔

چھا اب تم اپنی زبان بند رکھو۔ مجھے بتاؤ کہ مہمانوں کی لہرست بتائی یا نہیں۔ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ ابا جان اس نے قطعی انکار کیا۔
کیا مطلب انہوں نے فاروق کو گھوڑا۔

بچی گزشتہ دن بند رکھو اور مہمانوں کے نام بھی پڑھ کر سن ڈال۔ زبان بند رکھو تو کیا کان سے بولیں۔ وہ نہایت اچاری سے پوچھ رہا تھا۔

زبان پکڑنے کی تو تمہاری عادت ہے۔ اسے میں ہادی۔ ہاں بتاؤ اب کس کس کا نام لکھ چکے ہو۔

فاروق نے کاپی سے نام پڑھنا شروع کیے۔

چھوٹے بھائی کو بھی مطلع کر دیا ہے یا حسیب نے سچ میں ٹوکا۔
اے ہاں۔ کبھی گھر کے چھوٹی کنویرے رو جائیں۔ سچ تو حسیب نے بڑے موقع پر بات کی ہے۔ ابا جان نے ہنس کر بڑے پیار سے حسیب کو دیکھا۔

میں تو ہمیشہ ہی موقع سے بات کرتا ہوں۔ آپ لوگ ہی چھوٹے دنوں کے ہیں۔ دو دو ٹکس دیتے۔ وہ منہ بنا کر بول۔

چھا اب تم آتسو پوچھو اور پچ کر کے خاندان اور دیہ بڑھانے والے رہنماؤں کے نام

سنو۔ فاروق نے جیب سے رو مال نکال کر اس کی سمت بڑھا دیا۔

بھئی فاروق تم مت ستایا کرو حسیب کو۔ سبھہ کچن سے برآمد ہو کر دیور کی حمایت میں بولیں۔

بھئی صاحبہ زندہ باو۔ حسیب نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ آپ لوگوں کی آمریت کے خلاف تو کبھی ماں جان نے بھی بھری ہاتھ نہیں کی۔

ہاں۔ بھائی صاحب سے گاڑی چلانے کی اجازت دو انہیں تپ جائیں۔ فاروق نے اور سٹلگا پیا۔

ارے بھئی جا بر سلطان کے سامنے کلر حق کہنا تو جہاد ہے۔ جب بھی حق کی بات ہوگی۔ ہم تمہاری ہمیں جیت کریں گے۔ میرے نے نفس کر لیتین دو پیا۔

کیا ہو رہا ہے بھی اور محتاج بھی پنے کمرے سے نکل آئے۔ آپ کو جا بر سلطان کہا جا رہا ہے۔ فاروق نے فوراً بی جھوٹا کر دیا۔ کر جے ہوئے کہا۔

بڑی دلہن۔ اس طرح کرتے ہیں یہ میرا دماغ خراب۔ بات کیا تھی اور کہاں بچھا دی۔ ہاں تو جتاؤ۔ کس کس کا نام لکھ لیا ہے۔

کس مسئلے میں چارٹن پیش ہو رہے ہیں اور محتاج نے رہا ہے۔ سو دریافت کیا۔ جی جرم کے مسئلے میں جو آپ بھی کر چکے ہیں۔ رہا ہے نہیں۔

عابدہ جنگم نے شہرست سے ہنسی ہو کو محبت سے دیکھا۔

اللہ نہ کرے کہ یہ خوش بختی جرم ہو۔ ماشا اللہ گھر آیا ہوئے ہیں۔ اللہ راقی دنیا کلمہ قائم رکھے۔

لیکن یہ زمین کی لیز ناوے سال کے لیے ہوتی ہے۔ حسیب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

ناوے سال کے بعد دوبارہ بھی ہو سکتی ہے۔ فاروق نے اظہار دی۔

مگر فاروق بھائی اس وقت تو زمین کے ریٹ آہالوں سے باتیں کر رہے ہوں گے۔ حسیب نے عجیب طرح کی فکر مندی کا اظہار کیا۔

خاہر ہے۔ زمین خود تو آسمان سے باتیں کرنے سے رہی۔ کیا کہیں گے لوگ، شرم نہیں آتی آسمان سے باتیں کر رہا ہے۔

فاروق نے حسیب کو بھیڑا۔

دیکھیں، اس جات سمجھ بیچے فاروق بھائی کو۔ حسیب نہ مان کر بولا۔

ارے میرے اللہ بجال ہے جو کوئی کام ان کے غل غپاڑے کے بغیر ہو جائے۔ اس جان نے اپنا سر جیٹ لیا۔

اس جان میر غل توں ہو کر پورا ہو چکا ہے۔ ہائے میں گید پچا رہ غپاڑہ۔ فاروق نے ایک سرو آہ کھینچی۔

دیکھ رہے ہو اور محتاج یکہ کھٹنے سے میٹھا ہوا ہے۔ یہ مہی نوں کی لہرست بتانے۔ چار نام نہیں لکھے گئے۔

اب بھی سب کو تو یاد آنا نہیں ہے۔ چند خاص خاص لوگ ہوں گے۔ تمہارے، یا جان کے دوست اور تم لوگوں کے ملنے والے جنہیں ہم نے ہمارے کر نہیں رکھے تھے۔

وہ۔ ارمغان اب سمجھے۔

چھوڑیں۔ اس جان یہ کیا آپ آئے دن مہمانوں کی فہرست بتاتی رہتی ہیں۔ حبیب بیڑی سے گویا ہوں۔ وہ فطرتاً بھڑکھڑ سے دور رہ گئے، انسانی کینز انہم کی کوئی شے نہ۔ ہائیں کیا مطلب ہے عہدہ تنگم نے تعجب سے، رولے بننے کی صورت دیکھی۔

ان محترم کا مطلب یہ ہے اس جان کہ جس تک چپک جسم کی دعوتیں ہوتی چاہئیں۔ یعنی کھانا پکو کر مسجد میں طمان کر دیا جائے۔ لوگ آتے جائیں کھاتے جائیں۔ فاروق نے وضاحت کی۔
یہ دعوت ہوئی یا لشکرِ خضر نے دریا فت کیا۔ دونوں ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھیں۔

میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ حبیب جھڑپا۔ آخر دعوتوں کی بھی حد ہوتی ہے۔ میرے پیپر ہونے والے ہیں لے کے۔ ہاں نہیں تو وہ تنگ رہا تھا۔

ارے تو کیا میں تم سے دیکھیں دم کرنے کو کہوں گی

ارے یا تم فکر نہ کرو۔ ارمغان نے اس کی پشت تھپتھپائی۔ کوئی جھپٹ پریشان نہیں کرے گا۔ ہم خود کریں گے سب کام۔ تم آرام سے استغزی کرو۔

حبیب کو ارمغان کے دوسرے سے گلیب سی تعویذ کا احساس ہو۔

ارمغان بیٹے

جی اس جان

وہ کیا کہتے ہیں۔ فاروق کو تم ہی فون کر کے پوچھ لو۔ وہ اب تک آسکتا ہے تاکہ پھر دعوت کا دن مقرر کیا جائے۔

بہتر ماں جان بھی معلوم کیے لیتا ہوں۔ ارمغان فون کی سمت بڑھے۔

تم لکھو، ادب نام۔ ایک گھنٹے سے بیٹھے ہیں کام ایک دھیمے کانٹیں کیا۔ دیکھ لو۔ عہدہ بیگم، بیویوں سے مخاطب ہو گئیں۔

راج۔ کتنا دل لگتا ہے ان کی نوک جھونک میں۔ ریچہ ہنسیں۔

اس جان گوشت میں کیا ویس خد کو کدوم پیا۔

بھگت۔ فاروق نے ہات آچکی۔

ارے فاروق۔ نقد کے واسطے کام کر لے بیٹے۔ عہدہ تنگم نے سرخام لیا۔

نامتوں میں لکھ چکا ہوں۔ آپ نیچے مار۔ اس نے تنیدگی سے نام پڑھنا شروع کئے۔

چا۔

جھپٹا کی جان۔ انہوں نے بشر کی سمت دیکھتے ہوئے محبت کی معرہ محسوس کی۔

اگر عمر بھائی ورگڑ یا نہیں آتے تو می کوئی پلا لیں۔ وہ دن کے سامنے آکھڑ ہو۔

چا

جی۔ ان کا دل عجیب انداز سے دھڑکا۔

پتا کیا بھی کھو گئی ہیں۔

(ہاں۔ وہ میرے ماضی میں کھو گئی ہیں) شاید وہ تاکہ کر چپ ہو گئے۔

”پتا نہیں دھونڈیے تاں وہ معر ہو۔“

اگر اس کا چرس پھر زین سے باہر کر گیا ان کے منہ سے پسینہ نکل گیا۔

تو کوئی بات نہیں۔ اس مرحلہ میں شرین سے نہیں تروں گا۔ مگر سے سوری کہہ دوں گا۔

بشرا جہانی معصومیت سے بولا۔

وہ بت علی شاہ نے سے کھینچ کر پٹی خوش میں سمیٹ لیا۔ ان کی آنکھوں میں پانی تر

آیا۔ (کاش میرا قلب اعلیٰ واعلیٰ کی تیز سے نا آشنا ہوتا۔ تمہارے دل کی طرح)

میں قدر معصوم ہوتی میرے بیٹے، تاہم، دل کہاں سے۔ اور وہ خود کالی کے اندر میں

کہہ رہے تھے۔

کیا دل بھی کہیں سے رہتے ہیں بشری معصومیت کو جبرئی نے چارچہ نہ لگا دیے۔

ہاں۔ دل عرش کی بندوں پر رہتے ہیں۔ درہم میں سے، کفرانوں کی رسائی وہاں تک

نہیں ہے۔

پتا میاں صاحب بتا رہے تھے عرش تو اللہ تعالیٰ کا تخت ہے۔

(اور تخت بخت سے ملتے ہیں) تمہیں یاد رہا بیٹے وہ جبرن ہوئے۔

مجھے میاں صاحب کی ہر بات یاد ہے۔ اس نے وثوق سے کہا۔

پتا میاں صاحب کبھی پتا نہیں کرتے ہیں۔

وہ آسانی باتیں کرتے ہیں۔ وہ پسینہ بولے۔

پتا کیا آسانی باتیں بھی ہوتی ہیں وہ ابھرا۔

ہاں بیٹے جن لوگوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ ان کا راستہ صراطِ مستقیم کروتا ہے اور انہیں

خود سے انحرافوں کو روکتا ہے۔ پھر وہ ایسی باتیں کرتے ہیں حکیمانہ اور محبت آمیز۔

وہ جیسے خود کالی کے عادی ہو رہے تھے۔ اور یہی آسانی باتیں ہوتی ہیں۔

پتا

جی۔

پتا کیا میاں صاحب نے اللہ میاں کو دیکھا ہے وہ بہت مدبرانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

جو خود کو پہچان لیتا ہے وہ اللہ کو پہچان لیتا ہے۔ اللہ کو دیکھنا یہی ہے بیٹے

اور خود کو کیسے پہچانتے ہیں اس کے ذہن میں نیا سوال ابھرا۔

قرآن پناں دے کر۔ دوسروں کے کام۔ کر۔ دکھوں میں صبر کر کے۔ دشمن کو معاف کر کے۔

تو پھر آپ بھی کو معاف کر دیں۔ بشر نے پاپ کی بات کافی۔

وہ بت علی شاہ کے ذہن و جسم کو زور کا جھٹکا لگا۔

لوگوں نے بولنا کہ بشری شکل دیکھی۔

کیا مطلب

آپ مجی سے ناراض ہیں ناں

گوں کہتا ہے وہ ایک دم گھبرا گئے۔

میں نے آپ کی آواز سنی تھی۔ آپ مجی کو ڈنٹ رہے تھے۔ جب کوئی ناراض ہوتا ہے

پھر ہی ڈنٹا ہے۔ بشر نے ظلف بھار دیا

ورایت علی شاہ نے ایک گہری سانس لی۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا جو میرے بچے کا

دشمن ہے۔ وہ میرا بھی بدترین دشمن ہے۔ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔ میں قلم نہیں کر رہا

ہوں۔ اللہ نے مجھے قصاص کا حق دیا ہے۔ وہ جیسے خود سے جہر ڈالنا ہوئے۔

قصاص۔ عضو کے بدلے عضو۔ دل کے بدلے دل۔ عزت کے بدلے عزت۔ اور جان

کے بدلے جان۔ وہ خود کو مطمئن کر رہے تھے۔

کیا آپ میوں صاحب جیسے نہیں رہیں گے بشر گویا ہوا۔

ورایت علی شاہ نے تھک کر اس کا منہ چوم لیا۔ (کئی کی ڈر خیر کا فرق ہے شاید)

کہاں سے سیکھ لی ہیں تم نے ماتی بڑی بری باتیں

شاہ میوں صاحب سے۔ بشر نے جانا جو بوب دینا۔ رکی ہے۔

ورایت علی شاہ نے بیک بار پھر اس کا منہ چوم لیا۔ خدا کرے میرا بیٹا بہت بڑا انسان

بنے۔ اور ہاں۔ وہ صبح تسکرا رکی عاید آئی کافور آیا تھا۔ کیا کہہ رہی تھیں انہیں یکدم یاد آیا۔

کچھ نہیں۔ پوچھ رہی تھیں کہ میں کیسا ہوں آپ کیسے ہیں

پچھا محاسبہ کچھ یاد آیا اور ان کی انگلیوں سے پھسل کر ان کے مقابل بیٹھ گیا۔

ایک بات بتاؤ پڑ پڑا میں کیجیے۔ آپ عائد آئی کوڈ نہیں گئے تو نہیں

نہیں۔۔۔ بیت علی کو عجیب سا خدشہ لاحق ہوا۔ کیا بات ہے

عائد آئی کہہ رہی تھیں۔ آپ نے مجی کو کال دیا ہے گھر سے۔ میں نے کہا کال نہیں

ہے۔ بلکہ خود روپ کر کے آئے ہیں۔ ٹھیک کہا ناں پچا

ورایت علی شاہ دم بخود سے خاموش بیٹھ رہے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ بشر سب جانتا

ہے۔ پتہ طور پر تو انہوں نے نہایت مازو رکی سے کام کیا تھا۔

عائد آئی نے مجھے منع کیا تھا کہ آپ کو نہ بتاؤں ورنہ آپ ان سے ناراض ہو جائیں

گے۔ ویسے پچا عائد آئی مجھے بتاتیں تو بڑی ہی۔ وہ تو میں بددعا تھا ناں اس لیے بتا دیا۔ بشر نے

نہایت ذہانت سے پچھو مجی کا دفاع کیا۔

ہوں۔ وراثت علی شاہ گہری سوچ میں غم تھا۔

پچا

جی شیا

آپ ناراض تو نہیں ہیں بشر وراثت علی شاہ کی گہری خاموشی سے گھبرا گیا۔

نہیں میری جان۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ نبیوں نے شفقت سے بیٹے کو دیکھا۔

چچا چھٹیں میں صاحب کے لئے آئیں۔ مگر بھی بزدلی ہے نا۔ ہم میاں صاحب کو اپنے بیڈروم میں سنا نہیں گئے۔ ہمارے بیڈروم میں تو اسے سی ہے نا۔ میاں صاحب کو مگر لگتی ہوگی۔

بہت خیال ہے تمہیں میاں صاحب کا وہ شفقت سے مسکرائے۔

نکچہ سیہ۔ یہ آپ میاں صاحب کو کب تک گئے وہ پوچھ رہا تھا۔ ابھی چلتے ہیں وہ جانے کیا سوچ کر ایک دم تیار ہو گئے۔

ابھی۔ بشر مارے خوشی کے کھڑا ہو گیا۔

محمود کو داکو۔۔۔ انہوں نے ملازم کو دیا۔

بشر تھری سے باہر بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر میں محمود کے ہمراہ داخل ہوا۔

دیکھو محمود ہم کہیں جا رہے ہیں۔ بظلم سے کہنا کہ بہت چھاسا کھا نا پکائے۔ کیونکہ میاں صاحب کے گھر میں بظلم نہیں ہے۔ بشر نے حکم صادر کیا۔ وہ بت علی شاہ مسکرا دیے۔

جاؤ بیٹا تم لیاں تہذیب کرو۔ میں ابھی تیار ہوتا ہوں۔

دوڑ کے۔ یہ بشر خوشی سے اچھلتا کودتا باہر بھاگ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں باپ بیٹے۔ وہلنٹ اکورڈ میں طواست سے ہندوستان سے ملے کر رہے

تھے۔

پاپا میں میاں صاحب سے کہوں گا۔ وہ بندہ میاں سے کہیں کہ عمر بھائی اور گڑیا کو گھر بھیج

دے۔ ٹھیک ہے نا چچا

بالکل ٹھیک ہے۔ غم کی ایک بہران کے اتھوان کو رگیدتی ہوئی گزری۔

چچا کیا عمر بھائی کھانا کھاتے ہوں گے۔

ہاں میرے بیٹے اللہ سب کا مدد ہے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

بشر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے غیندے جھومنا شروع کر دیا۔

بیٹے آپ پیچھے جا کر سیٹ جا کہیں۔ انہوں نے حدیث کی۔

چچا جب میاں صاحب کا گھر آئے تو آپ مجھے اٹھا بیٹھے گا۔ اس نے شہادت کی انگلی اٹھا

کر تلقین کی۔ میں ان کو فوراً دیکھنا چاہتا ہوں۔

او کے بیٹا۔

چچا آپ کو نیند تو کس آ رہی، اسے معاف آپ کا خیال آیا۔

نہیں۔ انہوں نے مختصر جواب دیا۔

چچا۔ جب میں بڑا ہوا جاؤں گا ناں تو گاڑی ڈرائیو کیا کروں گا۔ پھر آپ بیک سیٹ پر جا

کر سوجایا کھجیے گا۔

او کے۔

او کے میری جان۔ انہیں اپنے معصوم بیٹے پر ٹوٹ کر پیا۔ آگیا۔ انہوں نے اس کی پشت

تھپتھپائی۔ وہ پیچھے جا کر سو گیا۔

وہ شام چار بجے کے بعد روانہ ہوئے تھے۔ اور تقریبات گیارہ بجے کے قریب کوٹھ پتھے۔

انہوں نے میاں صاحب کے کچھ مکان کے قریب گاڑی روکی تو بیٹی شاکستے بھولتے ہوئے آ موجود ہوئے۔ من و اذانوں سے شر جاگ گیا۔

چپا کیا میاں صاحب کا گھر آ گیا
آگیا بیٹے۔

اسی دم میاں صاحب رانٹین کی ٹوبہ صحتے ہوئے اپنے برآمدے میں ٹھہر آئے۔

گوٹن مہربان ہے ان کی کمزور و زامری۔

میں ہوں آپ کا خادم، وریعت علی شاہ، السلام علیکم۔

وعلیکم السلام۔ اللہ کی رحمتیں ہوں تم پر۔ ان کی آواز میں خوشی کی لہریں تھیں۔

بشر جلدی سے دروازہ کھولی گریا ہر لکلا۔

السلام علیکم میاں صاحب وہ بے تکلفی سے ان سے پرٹ گیا۔

میاں صاحب نے "نشین زمین پر رکھ دو۔ خوش بخت روح کو میرا مہمان گیا ہے۔ اے

میرے اللہ میں حیرت و شکر کی تر و کروں، وعلیکم السلام۔ اے فی امید، وعلیکم السلام۔ وہ بیٹھ گئے

بشر کو سیتے سے لگا لیا۔

میاں صاحب میں آپ کو تناسل یاد کر رہا تھا۔ میں نے چپا سے کہا، چپا مجھے آپ کے

پاس لے آئے۔

ٹیری مہربانی ہے میرے دوست اور میرے باپ کی بھی۔ وہ گویا ہوئے۔

وریعت علی شاہ نے ایک بڑا سا بیک گاڑی سے نکال کر گاڑی رک کی۔ میاں صاحب

نہیں اُٹھ گئے۔ ایک چارپائی کمرے میں بھیجی ہوئی تھی۔ اور زمین پر یک بہت پرانی

اور بوسیدہ چٹائی تھی۔ نزدیک ہی دو بیک برتن پانی سے مگرے ہوئے رکھے تھے۔ میاں

صاحب نے ٹھہر بھگانے کے لیے اپنے سٹار رکھے تھے۔ جس کی وجہ سے کمرے میں دھواں بھرا

ہو رہا تھا۔

وریعت علی چارپائی پر بیٹھو۔ میاں صاحب نے چٹائی پر بیٹھے ہوئے وریعت علی شاہ کو

ٹوکا۔

میں ٹھیک ہوں۔ میاں صاحب

وریعت علی شاہ نے پیساختہ من کے ہاتھ تھام لیے۔ میاں صاحب آپ کی محبت کافی

ہے۔ مجھے شرمندہ نہ کریں۔

چپا آپ میاں صاحب کا کہنا دیے۔ آپ ہی تو کہتے ہیں۔ بڑوں کو کہنا، نانا چاہیے۔

میں آپ کا کہنا، نانا ہوں۔ آپ میاں صاحب کا کہنا، دیے۔ بشر نے عجائی محصوم انداز

میں چپا کو ٹوکا۔

میاں صاحب نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ کتنے خوش نصیب ہو۔ وریعت علی شاہ کتنا

خوبصورت تھو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ نیکی بن کر اس کے دل و دماغ پر نقش ہو جاؤ۔ یہ تمہارا
 احسان مند ہوگا۔ کیسا آئینہ جیسا دماغ ہے۔ ماشا اللہ ایک پارچہ کہہ دیتے ہو ماسی کے ذہن پر
 مستقل عکس بن جاتا ہے۔ انہوں نے بشر کا چہرہ ہاتھوں کے پیلے میں لے لیا۔ اس کی پیشانی
 چمکی۔

ماشانا اللہ۔ مگر یاد رہے میرے دو تجھے میری آنکھوں سے دور ہو کر میرے دل و دماغ کا
 ناسور بن چکے
 ہیں۔ اوریت علی شاہ کی "تکلیفیں بھیک گئیں۔"

مجھے تمہارا دکھ فقط ہے۔ اوریت علی شاہ میں مایوس نہیں ہوں۔ من معصوموں پر پیدائش
 اللہ کا ہے وہ پہلے اس کا خیال ہوئے۔ اور بعد میں تمہاری خوشی۔ اللہ ان کا حفظ و ناصر ہو۔
 مایوسی کفر ہے۔

میں مرد ہاتھار میں صاحب زندہ ہونے آیا ہوں۔ آپ کی باتیں مجھے حوصلہ مند بنا دیتی
 ہیں۔ میرے کرتے و کردار کی عمارت کو سہارا دیتی ہیں۔

میں اللہ کا شکر ہر روز گویں میں بھی ادا نہیں کر سکتا۔ میرا صاحب، ایک سمت بڑھے۔
 کھانا تو نہیں کھا پاؤں گا تم نے

کھانا میں ساتھ رہا ہوں۔ بشر کو شام کی چائے کے ساتھ کچھ کھلا پادیا تھا۔ پھر یہ سو گیا
 تھا۔

یہ شرمندہ کرنے کا کون سا غناز ہے۔ اوریت علی
 خداوند کرے میں نے یہ سب اس خیال سے کیا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔
 تکلیف کیسی اوریت علی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔

پھر بھی میں صاحب طبیعت گو را نہیں کرتی کہ آپ کو تکلیف دی جائے۔ میں آپ کا ہوں
 میں صاحب یہ گھر میرا ہی ہے۔ یہ نگہات ہمارے درمیان فاصلے پیدا کر دیں گے۔
 میں کھانا نہ ہوں اور بہت اچھا سوپ بھی۔ اور خاص شہد بھی۔ آپ مجھے جگہ بتا دیجیے
 جہاں میں کھانا گرم کر سکوں۔ پھر ہم مل کر کھا لیں گے۔

تمہاری خوشی و۔ اوریت علی۔ وگرنہ میری نیت یہ ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔ میں کھانا
 کھا چکا ہوں۔

مگر اور کھانا تو جانے نماز پر قیادہ دیر نہیں بیٹھ سکوں گا۔ صبح ناشتے میں تمہارا ساتھ دوں
 گا۔ انشاء اللہ۔۔۔ و میں تمہارا کھانا گرم کروں۔

مجھے شرمندہ نہ کیجیے۔ وہ جگہ بتا دیجیے میں خود گرم کروں گا۔ اوریت علی شاہ شرمندہ سے
 ہوئے۔

آؤ میرے ساتھ۔ وہ آئیں لے کر برآمدے میں چلے آئے۔ اور اس کوٹے کی سمت
 چلے۔

اس طرف چاہا ہے۔ لکڑیاں اور گائے بھی ہیں۔ اپنے کرتے سے، چمک نکال کر ان کی

سمت بڑھائی۔ بیٹی کے تہل کا میسر رکھا ہے۔ سے روشن کرلو۔

وریت علی شاہ کے ذہن پر ایک ضرب سی گئی۔ (روشن گفتا اندھیرا لگا تم میں)

عشاء کی نماز پڑھا کر میں تو در قاضی پر اپنی کنیا میں چلا جاتا ہوں۔ آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے چلا نہیں جاتا۔ ورنہ فخر تکہ میں رہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں گٹھ والے آدمی رات کو پانی لگانے آتے ہیں۔ تو چاہل چال سی ہو جاتی ہے۔ کتے بھونکتے ہیں۔ جانور روتے ہیں۔ یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ مزہ نہیں، تانہ عصاب بالکل کمزور ہو چکے ہیں۔ تانہ بڑھاپے کی آخری منزل ہے۔

دوالی میسر صاحب آپ نے

ہال لے رہا ہوں۔ پانی سے نقصان ہوتا ہے۔ آج کل تنگ سے مرز پڑھتا ہوں۔

خدا آپ کو صحت دے۔ میں صاحب ہم خود غرجوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے۔

خوش رہو۔ میں صاحب مسکرائے۔

میں اندر بشر سے باتیں کرتا ہوں۔ تم کھانا گرم کرو۔ برتن اندر رکھیں۔ دو دو پا رہا اندر کی گنت بڑھ گئے۔

میں بہت خوش ہوں میرے گھر میں بشر پاپا ہے۔ وہ کہتے ہوئے چاہے تھے۔

وریت علی شاہ نے چوبیسے میں کانٹے لگانے شروع کر دیے۔ بڑی مشکل سے آگ

جلائی۔ دیر تک شنگ کا ٹوٹا سے چر چر کی آوازوں کے ساتھ ٹٹنے والے شعروں کو بھور

دیکھتے رہے۔ آگ ڈر دھیمی پڑی تو انہوں نے کھانا گرم

کرنا شروع کیا۔

دو جانے سکتے غرمے بعد اپنے ہاتھ سے کام کر رہے تھے۔ وہ بھی اتنی مشکلات سے گزر کر معانہوں نے گھوڑے کی ناپوس کی سوزنی۔

یہی جانا کہ دیہاتی کوئی گھر کولونا ہوگا۔

اس لیے گردن موڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

اس چھوٹے سے برآمدے، ورنگی کی درمیان کوئی آڑ نہیں تھی۔ ایک ستون پر اس برآمدے کی چھت پر قائم تھی۔ ہائیں کونے میں ایک دیوار کی آڑ بنا کر پارچی خانہ بنایا ہوا تھا۔ وہ اسی آڑ میں تھے۔

گھوڑے کی ناپوس کی آواز میں صاحب کے دروازے کے نزدیک آ کر بند ہو گئی۔

نئی بخش یہی گھر ہے نامیوں صاحب کا

ہال سنا نہیں یہی گھر ہے۔

ویسے میں ایک بار آچکا ہوں۔ یہ غلام محمد کی آڑ تھی۔ جس کو وریت علی شاہ بھکوں میں پہچان سکتے تھے۔

اچھا سنا نہیں پرکوں نئی بخش کا بچہ سنا تھا۔

ایک بہت مصروفی کام سے غلام محمد کی آڑ اس پار دھیمی تھی۔

وایت علی شاہ نے برتن چھوٹے سے اتار دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

نئی مجلس یہ غم کے نیچے سفید موٹو کھڑی ہے۔ یہ موٹر تو مجھے شاہ صاحب کی دکھائی پڑتی ہے۔ غلام محمد کی گاڑی میں ایک عجیب سا خوف و شمع تھا۔

پر غلام محمد۔ شاہ سائیں کا دھر کیا کام نئی مجلس حیران ہوا۔

غلام محمد جدی سے سناٹے پر سو رہا اور تانگوہ پس موڑ و۔ خدا کے لیے جلدی کرو۔

وایت علی شاہ آڑے نکل کر آئے تھے ورنہ انہوں نے یہ سوئی آواز بھی سن لی تھی۔

پھر انہوں نے سپاہ چار میں لپٹی روٹن کو تانگے کے پچھلے حصے میں بڑی جگت کے ساتھ

سوار ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔

وایت علی شاہ کا خون کھول کر چھلے شرپاؤں سے آٹنے کو بیتاب ہونے لگا۔

یہ ان کا سب سے بڑا انتہا، چارٹار، سیدھا سا دھاما لازم، ان کی زندگی کے اہم ترین

دور میں یوں بدلے گا۔ جس کی ذلت پر ایک وہ نہیں بلکہ کئی احسانات کا بوجھ ہے۔ صرف ان

فل کے نہیں بلکہ ان کے باپ بھی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی غلام محمد۔

کہیں اس سارے کھیل میں غلام محمد کا تو کوئی کردار نہیں ورنہ کون سی طرح راقوں کو کسی

کی خاطر خوار ہوتا پھرتا ہے شک کا ناگن ان کے ذہن میں کیا کلیڈا پن کا سکون و قرار دے

مرے سے لٹ گیا۔

نئی تو یہی چاہ رہا تھا کہ اسی وقت گاڑی میں بیٹھیں اور چھپا کریں اور چڑے کے ہشر

سے سن کا چھڑا، اور جھڑا لیس کسی بھوک کہاں کی پیاس وہ تمام اشیاء اٹھا کر خدا کمرے میں لے گئے مگر چپکے کو بھی جی نہ پایا۔

تسعا ہلکی قسم کی غذا منسوب نے اپنے ہاتھوں سے بشر کو کھائی۔ اس دور میں صاحب نواہل و شیخ میں مصروف ہے۔

چاہے آپ بھی تو کھائے ناں۔

مجھے بھوک نہیں ہے بیٹے۔ انہوں نے بمشکل خود پر قابو پا کر کہا۔ وگرنہ سن کی حالت تو یہ ہو رہی تھی کہ ہر شے کو آگ لگا کر بھسم کر دینے کو جی چاہنے لگا تھا۔

دھوکا۔

ایک بد نظریت فعل کا بد ہیئت نام۔

عہد وفا داری میں ہو یا محبت میں۔ تجاری میں ہو خود بخاری میں۔

انسانی اعصاب پر پیوٹیشن کی مانند چٹ جاتا ہے۔

جس کے بعد انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا وجود کائنات سے کٹ گیا ہو۔ وہ

خود کو تانہ و محسوس کرتا ہے اور اتنا کہہ کہ سے پوری دنیا فریب کا جال نظر آئے لگتی ہے۔

وایت علی شاہ خود پر ظلم نہ کرو۔ کچھ کھا لو۔ اتنی دیر تک سوز چلائی۔ ٹھکن اور بھوک بڑھال

نکروے گی تمہیں۔

میں صاحب سلام پھیر کر ان کی جانب متوجہ تھے۔

مجھے خواہش نہیں ہے میرا صاحب وہ مشکل گویا ہوئے۔

بعض اوقات ایک ہی انسان کی ذات میں خواہش تقسیم ہو جاتی ہے۔ پیسے کی خواہش، دل کی خواہش، دماغ کی خواہش۔ وراثت علی شاہ۔ انسان زیادہ دیر منقسم رہے تو سنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سمجھو اور کفرانِ نعمت نہ کرو۔

وراثت علی شاہ نے چونک کر میرا صاحب کی شکل دیکھی۔

اگلی۔۔ بہتر۔۔ انہوں نے کھانا طوع کر رہا تھا نا شروع کر دو۔

ہم انسان اندر سے، ستنے منقسم ہیں وراثت علی شاہ۔ ہماری جنگیں وہاں رہتی ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اپنی ذات کے پاتال میں اترنے کو تیار نہیں۔ جسے اپنی ہی خبر نہیں وہ دوسرے کے بارے میں وثوق سے بات کیسے کر لیتا ہے تعجب ہے۔ اپنے آپ کو تقسیم ہونے سے بچاتے رہو، وراثت علی شاہ۔ سر دھو نہ لو گے تو طے گا۔ مال کا نقصان، جان کا نقصان، عزیز پیارے کا نقصان۔ یہ کوئی نقصان نہیں۔ اصل نقصان تو اپنی ذات کا تقسیم ہے۔ نکلے۔ بدامراہ کسی خواہش نہ عیاں کرنا تک پہنچنے کی تک ویر۔

ہماری سچ کی پریشانی ہماری چھپی غفلت کی چٹلی کھاتی ہے۔

ہم رات آج کا پھٹا اور ہم رے ماضی کی کسی خود فریبی کا اعلان ہے۔

جی کہہ میرا صاحب آپ نے۔ وراثت علی شاہ نے یہی ذات کہا۔

مگر میرا صاحب۔

کہو ذات علی۔

ذات کی تقسیم یوں بھی تو ہوتی ہے کہ ایک انسان ایک وقت اپنی کسی ضروری خواہش کی تکمیل، حقوق العباد اور سارے منہجی میں تقسیم ہوتا ہے۔

یہ ذات کی تقسیم نہیں۔ زنجیر ذات کی کڑیاں ہیں۔ ان میں تسلسل ہے۔ قوت اور تکاؤ ہے۔ آگہی ہے۔ اپنی ذات کے ہونے کا احساس ہے۔ اپنی موجودگی کا پتا ہے۔ ذات کی تقسیم۔ کچھ اس طرح ہوتی ہے۔ اور جو سراسر حیرتیب ہوتی ہے۔

مجھے کن لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ ان کی ہر سست میرے پاس نہیں۔ اپنے دشمن سے مجھے بدل لینا ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا شعور نہیں کہ اس کو دشمن بنانے میں میرا کیا کردار ہے۔ میری غفلت ورا بھی کا کتنا حصہ ہے۔ اور یہ کہ بدل لینے کے بعد میرا نقصان پورا ہو رہا ہے یا نہیں۔

مگر نقصان پورا ہو رہا ہے تو کتنا۔

انعام کی آگ ہم رے آج کو بڑپ کر لیتی ہے۔ ہم کتنے ہی قرآن نے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ایک زمانہ ہم میں ظہور جاتا ہے اور اس زمانے میں ہم۔

ہماری قیمتی قوت تقسیم و تقسیم کے مرحلوں سے گزر رہی رہتی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے کام مرکز تک تقسیم ہو جاتا ہے اور سائنس۔ اور ذات کو پتا تک نہیں چلتا۔ یہ خواہش وہی سے فائدہ تقسیم ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی پانی پر نقش بنانے کی کوشش کرے اور پھر

کچھ بھی حاصل نہ آئے۔

ہم اللہ و مذہب کا شعور اس لیے نہیں رکھتے کہ ہم نے اپنی فکری قوت کو جو اصل میں قوت حیات ہے۔ بترتیب تقسیم کر رکھا ہے۔ اس بترتیب تقسیم کے ساتھ کوئی بھی انسان خود کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب انسان خود کو نہیں پہچانے گا اسے اللہ کی پہچان ہوگی نہ مذہب کے فلسفے کا اور ان کا

وقت میں تسلسل کا نظام ہے تو ٹھیک ہے ورنہ بترتیبی۔۔۔ سے حرف غلط کی طرح مٹا دے گی۔ تقسیم اور تسلسل کے فرق کو جان لو ورنہ بیت علی شاہ۔

میرا صاحب

ہو۔

شدیدہ نظام کے جذبے کے تحت اور دشمنی کی وجہ سے بھی تو انسان اپنی تمام تر قوت کو ایک نکتے پر مرکوز کر لیتا ہے جس اور بتکار کی کیا وضاحت ہے۔

ورنہ بیت علی شاہ نے کھانے کے برتن ڈھانپ دیے تھے اور بشر کو اپنے بازو۔۔۔ میں سمیٹ لیا تھا۔

میرا صاحب نے ان کے ذہنی پہچان کو ختم کر کے ایک دوزخ سے انہیں نکالا تھا مگر شاید ابھی کچھ لگا رہے سلگ رہے تھے اس کا مظہر ان کا کد شوق امداد میں پوچھا گیا سوال تھا۔ پانی پیو ورنہ بیت علی۔ میرا صاحب نے ایک صاف گھڑے گلاس میں انہیں پانی دیا۔

جو کہ اللہ میرا صاحب ورنہ بیت علی شاہ نے کہا۔

الحمد للہ رب العالمین۔ ہر طرح کی تعریف اللہ کے لیے۔ جو میرا جمال ہے۔ جو شے جتنی بڑا جمال ہوتی ہے اس میں اتنی ہی جاہلیت ہوتی ہے۔ اللہ کا جاہلیت یوں محسوس کرو کہ وہ مکمل جمال ہے۔ ہر عیب و نقص سے پاک صاحب جمال جلال و کمال۔ ہم اصل میں ارتکاز کے معنی ہی سے ناواقف ہیں ورنہ بیت علی۔ اگر ہم ایک سیکنڈ کے لیے بھی کسی نکتے پر مرکوز ہو جائیں تو شعور پر چھائے یہ دھوئیں کے بدلہ ہلکا میں چمٹ جائیں۔ کسی سمت زیادہ توجہ کر لیتے ہیں کسی سمت کم۔۔۔ جب زیادہ توجہ کرتے ہیں تو اسے ارتکاز کا نام دیتے ہیں۔

جب کہ ہر گھڑی وہی حال ہے کہ ہماری سمجھت کسی آواز کی سمت، نظر کسی اشارے یا منظر کی طرف اور ذہن ماضی کی گہرے میں اٹکا ہوا۔ اس پر مستزاد خواہش کی خصوصیت میں متعصب۔ اگر تم بدل لینا چاہتے ہو کسی سے زیادہ تر اس جانب سوچتے ہو۔ سے ارتکاز نہیں کہتے۔ سمجھا زیادہ توجہ کہتے ہیں۔

یعنی ایک ایسے نکتے پر تمام اپنی قوت حیات زیادہ خرچ کر رہے ہو۔ باقی سمت بگلی بگلی۔ ورنہ سب داخلی کے سبب ہو رہا ہے۔ یعنی اپنے آپ سے داخلی کے سبب۔ ہماری ساری پریشانیوں جو غیبا دی اور بڑی ہوتی ہیں ہماری داخلی کی کوکھ میں جلتی ہیں۔ انصاف تو یہ ہے کہ پہلے اپنے آپ کو چھان چھانک لیا جائے۔ بعد میں دوسرے کو چھاننے کی کوشش کی جائے۔

نجات فرما دیا۔ ویرایت علی شاہ نے ایک گہری سانس لی۔

ویرایت علی۔ بشر سو چکا ہے۔ دیکھو یہ پلنگ باہر لے چلو۔ ویرایت علی میری آج کی میزبانی تمہاری شمع نازک کی زرائش ہی کی۔

آپ کیوں مجھے شرمندہ کر رہے ہیں میاں صاحب۔ یہ میری خوشنیتی ہے کہ میں آپ کے قریب ہوں۔ ویرایت علی شاہ شرمندہ سے نظر آئے۔

یہ تمہاری سعادت مند کی وفطرت کی خوبی ہے۔ اگر اس حادثے سے پہلے بھی تم یہی علی شمع کے مالک تھے تو میرے یقین ہے تمہاری زرائش لمبی نہیں ہوگی۔ انشاء اللہ۔

یہ تمہارے ماں باپ کی کوئی نیکی ہے کہ حتی دوست نے تمہارے دینی تواریف نہیں پکارا۔ دوست بڑی زرائش ہوتی ہے ویرایت علی شاہ اللہ بھی دے کر زراتا ہے، درکھی لے کر۔ میاں صاحب آہستگی سے گویا ہوئے۔

ویرایت علی شاہ پلنگ اٹھا کر باہر لے گئے۔ میاں صاحب نے ایک چادر دبی اور ایک صاف شہر اٹکیر بستر کرنے کے بعد، نمبوں نے چرائی پر سوئے ہوئے بشر کو آہستگی سے اٹھا کر باہر پلنگ پر لٹا دیا۔ پھر وضو کر کے بتائے میں عشاء کی نماز ادا کرنے لگے۔

میاں صاحب ہزری شمع لے کر وہیں آ بیٹھے۔ یک نظر اٹھا کر ویرایت علی شاہ کو بغور دیکھا۔ ٹخنوں سے اونچی شلوار، سر پر سفید جانی کی ٹوپی۔ دھیرے دھیرے ہلے سب۔ میاں صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

جب مجھے اتنے جھمکے لگ رہے ہو تو لگے کو کتنے اچھے لگے رہے ہو گے۔ تمہارا سہما کہ اور لگاؤ اس وقت قابل دید ہے۔ اللہ تم پر مہربان ہو۔

نماز سے فارغ ہو کر درمیان صاحب کو مصروف دیکھ کر وہ اپنے پلنگ کی سمت بڑھے۔ ویرایت علی شاہ ایک بات کہیں۔

ارشاد میں صاحب۔

تم ہمارے بچے ہو۔ وہ محبت سے مسکرائے۔

ویرایت علی شاہ کے لبوں پر شکرنا میز مسکراہٹ پھیل گئی۔

گر میاں صاحب آپ نہ ہوتے تو آج تو روشن کاکیا حشر ہوتا۔

میں زندگی کے نہ جانے کتنے سنگ میل لڑھکا کر کس انجام نے مقام پر جا کھڑا ہوتا۔

میرا جو دشمنوں کی زد میں تھا۔ آپ نے پھوسا پر ڈالا۔

تم مقدس کی کتلی دھنی ہو رہی تھی۔

لیکن میں تمہیں معاف نہیں کر سکتا۔ یہ بھی ملے ہے۔

نمبوں نے بشر کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا اور اس کی پیشانی سے بال مچھلتے ہوئے کچھ سوچتے لگے۔

پہلے تو دریا اس کے ہنسنے کے بعد ہی اٹھتی تھی لیکن آج کل اس پر نیارنگ چڑھا ہوا تھا۔ وہ اس سے پہلے بیدار ہوتی تھی۔ نیچے جا کر پودوں کو پانی دیتی تھی۔ جب وہ مسجد سے

وائس آقا تو وہ مہر کی توفیق روشنی میں جانے نماز پر بھی مٹی مٹی اس سے مخاطب ہوئے بغیر وہ سیدھا
ذیے چڑھنے لگتا۔

یہ تبصری۔ کیا مہر توجہ کے لیے۔ کاش تم بغرض عبادت کرو۔ مجھے فرموش کر کے۔
میں کی تو ہوں تمہارے پاس۔ کیوں دھڑکنے لے دھڑکنے میں پرویسے ہیں۔ شاخ کی طرح
توڑ کر پنے دل کے تئیں دان میں تو دیے بیٹھی ہو۔ رکھ تو جو رہا ہوں۔ اب کیوں مجھے۔ وہ
انتہائی آرزو کی سے سوچتا تھا۔

ان کے ہاتھ گفتگو میں ضرورت کے تحت ہی ہوتی تھی۔ وہ تو اس کی موجودگی میں اس
کے چہرے کی سمت بھی نہیں دیکھتا تھا اور نہ اس کو یہ یاد رہتا تھا کہ وہ کس رنگ کے کپڑے پہنے
ہوئے تھی۔

ہر صورت جمہوری تئیں ہوئی ہے شاطرن کی۔ میں جنہیں محاف نہیں کر سکتا۔ یہ سوچ اس
کے اندر رخن ہو چکی تھی۔ آج کل تو ویسے بھی اس کی مصروفیت بہت بڑھ چکی تھیں۔ فی وی پر
پوری سہ ماہی کا ایک پروگرام ملا ہوا تھا۔

بھروسہ کو قلم شوز یوز میں ریکارڈنگ یا ریسرسل۔ پھر اپنی پسندیدہ جاب۔
جس روز دست کو دیر تک ہار رہنے کا سلسلہ ہوتا وہ ایک چنٹ پر اسٹوڈیو کا نام غلو کا نمبر،
متعلقہ ٹریکس پر موسیقہ رکھ کر فون نمبر لکھ کر اس کی جھنڈی پر رکھ دیتا۔

اگر لب بھی غیر جنس ہو تو علاج ہو۔ دیکھنا ہی ہوتا کبھی بھی۔ مگر نہیں در یہ۔ تم کبھی بھول

کر بھی اسٹوڈیو کی سمت نہ آنا۔ کربھی تم یہ بھی یہ کچھ کیا تو یاد رکھنا۔
وہ خاموش ہو گیا۔

اور یوں بھی میں کون تمہارے حقوق چورے کر رہا ہوں۔ جنہیں میرا بچھا کرنے، مہر
مصروفیت میں دلچسپی لینے سے تو کچھ ملے گا نہیں۔ خود ہی کہو کیا ملے گا
یہ جسے اس نے جیسی مہر جب چنٹ کے ساتھ اس کی مہارت کو خفیل کیے تھے۔
تھے جرم ہوا رقی۔ اس کے منہ سے ویسا خند ماہرے دکھ کے نکل گیا تھا۔

لیکن تم سے کم۔ وہ سہا کی سے منکر ہوا تھا۔
آج بھی اس کی ریکارڈنگ تھی۔ مگر دورات کے ایک بے تک فارغ ہو گیا تھا۔ یہ اتفاق
تھا۔ وہ شکر کرتا گھر میں داخل ہوا کہ کل جمعہ ہے مہر سے آرام کرے گا۔
مگر اندر نظر ڈالتے ہی ٹھٹھک گیا۔

کانی سا دمی، اور کالے پتھروں کا زیور پہننے پر رکھے ایک ایک پر موم حق روشن کر
رہی تھی۔ آہستگی سے بیٹھی۔ اور اس کے نزدیک آکھڑی ہوئی۔

سا لکھ مہارک ہو۔ وہ حتی المقدور کوشش کرتی تھی کہ وہ اس کے سامنے صرف اردو
بولے۔ یہی ملاقات سے آج تک وہ اس کی ایک ایک بات یاد رکھے ہوئے تھی۔

طارق نے چونک کر پی رست اچ پر نظر دوڑائی۔ قی۔۔۔
شکر ہے۔ اس نے بیٹا انداز میں شکر یہ ادا کیا۔ در یہ مہر ایک گلاس میں اسکوئیش

تھوڑے گھنٹے میں۔

حاضر نے اس کی پشت دیکھی۔ جس پر ایک پاشت سے بھی کم چوڑی پنی کی وحال تھی اور انتہائی گہرے گلابی رنگ کے اور پیچھے سے۔

Abstract

— 3 —

تمہارا کیا خیال ہے جو خواتین برائے نام قسم کا لباس پہنتی ہیں ان کی سہانیکا کوئی انگ ہوتی ہے۔ وہیں چاہئے تو۔۔۔ زمانہ توت کس، استقامت و حیا کی لیتا جا رہا ہے۔

اُف یہ بیمار کو کس کا جھوم جوتیشن کے نام پر پرانی وقفاشی کے وہ مظاہرے کرتے ہیں۔
مصعبہ جتوں اور محنت سے جان پڑ، کہ فریب میں رہتے، لے یہ کھل، انکار، ست، اور خود، وہی طور
پر دیکھو یہ لوگ۔

اگر ایک عورت خوبصورت جسم کی مالک ہے یا خوبصورت جسم کی مالک ہے تو وہ آخر سے وہ کوئی لینا پاتی ہے۔ وہ حاصل کر کے مل گیا جاتا ہے۔

کم، دکم میں پٹی بیوی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ اس طرح سرعام میری امانت میں خیانت کرے۔ جس کے وجود کو میں نے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اس سے دوسرے لوگ۔ تم خوشی مجھے دیتی تو یہ کہہ سکتی ہو۔ وہ نزدیکی بڑی گریہ پر بیٹھ گیا۔

یہ میری ناکامیوں کا سول ہے۔ میرے وقار کا مسئلہ۔ میں کسی سے متاثر نہیں ہوتا۔ درجہ تعلیم

جیسی تو ہیں میٹر عادت کا، لگ ہو۔ لہاں بد وقتا راندھ رہاں ملک پہتا کر دورید۔
یہ میر ذاتی معاملہ ہے۔ اس کے نازک مزاج پر یہ ہنر بھاری بھاری گزری۔

تم مجھے اپنی ذہنیات کے کانٹوں میں کھینچ چکی ہو۔

گویا آپ تسلیم کرتے ہیں کہ میں آپ کی ذات کا حصہ ہوں۔ ورنہ یہ کمال عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

مجبوری ہے۔ وہ آٹھ کھڑ ہوا۔

اس کی تین محفیں مجھ سے تھیں۔

یہ نظم مجھے "راؤ لے لگا۔ میں اس کے گھر کے زنداں میں ایک دن مری ہوئی پائی جاؤں گی۔"

آہ۔۔۔ پتھر۔۔۔ تھجے نہ ان کو کھینے آتے ہیں اور ٹیڑھ۔۔۔

دن بھر کی محنت کا یہ ثمر ہے۔

اسی لئے ولایت میں کرم الدار کا گریبان کھل گیا۔ آج وہ اسے نہیں چھوڑے گی۔ پوچھ کر رہے گی۔ کسی پر سر ہٹانے کا یہی نتیجہ ہے۔ تو تو محبت سے بھی نہیں کھلتا۔ میری نارینہ ریزہ تیرے قدموں میں جھکی ہے خود پسند خود غرض انسان۔

علامہ رقا ایک دم شیشا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر اس نے، اپنی صورتِ نظریں دوڑائیں۔

پھر فلسفہ ہمارے کو فتنہ کنہ ہرید ہو گیا۔ اس پر مستزاد گریبان تلک آگئی تھی۔

آہستگی سے گریبان پر رکھے اس کے ہاتھوں پہاڑ پہنچے رکھے اور اس کی سمت دیکھ کر
مسکرایا۔

کیا چاہتی ہو اس وقت مجھ سے۔

دور دور یہ اس بچے پر جیسے زخمہ و دفن ہوگی۔ اس کی ننھی نظریں نہ اٹھ سکیں۔ اس نے

آہستگی سے اپنے ہاتھ طارق کے ہاتھوں سے آزاد کرنے۔ اتنی توہین۔۔۔ ایک
ذمت۔۔۔ ایک رسوائی۔۔۔ اس قدر بے بسی۔

اس کے نسوانی وقار کی طارق نے کھڑے کھڑے عجیب سا بکھیر دی تھیں۔

وہ جیسے قریب لہرگ ہو رہی تھی۔ جاتے جاتے دبا رہ گئی۔

طارق۔۔۔ مت آزاد و میرے حوصلے۔ شدید محبت کا دوسرا رخ شدید نفرت ہوتا ہے۔

یہاں سوساں کی پانی نہ، تنگ سکوے۔

وہ تیز تیز شخص کے دوران کبھی بے حد خطرناک لگی۔

تھیں ڈس جا چکا ہے ڈریہ تنگم خود ہو تو میرے گھر میں۔ وہ پاؤں بٹھا ہوا ڈریہ تنگ

روم کی سمت بڑھا تھا۔ ہونہ یک تو چوری اس پر سینہ زوری۔

وریہ نے، اپنے زور و است لوج لوج کر ڈریہ تنگ نیکل پنا چھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ہی

دھواں دھار دھار شروع کر دی۔

بے حس، بے غرض، وہ بیڑا رہتی تھی۔

کتنے اہتمام سے، کتنی چاہ سے وہ اس کی سائگہ منا رہی تھی کہ شاید اس پتھر میں دراڑ پڑ
جائے۔

کوئی تو ایسی وہ ہوگی کہ وہ یہاں کا دل چھین لے گی۔

کوئی تو، قہر یہ ہوگا کہ وہ یہاں مٹائے گی۔

کوئی تو بات ایسی ہوگی کہ یہاں سے، تنگ لگائے گا۔ لیکن۔۔۔

ایک بڑا سا سوال یہ نشان ہر بار اس کا منہ چڑھا تھا۔

طارق نے کمرے میں آکر اسے روتے دھوتے دیکھا تو نظریں پڑی۔

بعد میں کہ بچے سے آکر رو لیتا۔ تیار کی کرلی کی مٹاؤ کی فرقان تو بھی سے

سو گیا ہے کہ تنگ ہمیں لے کر میری پورٹ جائے گا۔

نہیں جارہی میں کہ بچی در بچی۔ وہ تنگ کر بوی۔

تہا دی خوشی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ مگر ذرا آہستہ۔۔۔ نازک سٹک چھٹ سکتا ہے۔ وہ

سے مزید سلگا گیا۔

میں پاگل ہو جاؤں گی طارق۔۔۔ وہ پھر بولتی۔

یہ عشقی، اطلاعات تمہیں کہاں سے ملتی ہیں کیا ساتویں آسمان سے ہات، نس پر ماہ

قائم ہے یک دل جلائے واں مسکراؤ اس کے لبوں پر قہقہے تھی۔

اللہ کرے میں مر رہی جاؤں۔ وہ پاؤں چٹختی ہاتھ روم کی سمت چلی۔

میں آئین بھی نہیں کہہ سکتا۔ تم نہاؤں جاؤ گی۔ وہ مصیبت سے بڑی۔

جیسے بہت پرہیز میرے ذرا نہنے کی۔ آئین میں نہیں، غم آئین نہیں۔ وہ جل کر پڑی۔

بہت بہتر۔ وہ پھر بڑی سادگی سے بول، جیسے انتہائی تابعدار ہو۔

وہ یہ تیری کی تیری سے اس کے پاس آئی، دور سے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

آپ پاگل کر دیں گے مجھے طرقتی۔ پاگل کر دیں گے۔

جب تمہیں میرے ارادوں سے آگاہی ہوگی تھی تو یہ رسک کیوں لیا۔ وہ مسکرایا۔ بڑی

کاٹ دلا مسکراہٹ تھی۔

میں آپ کو تاشقی نہیں سمجھتی تھی۔ وہ اس سے دور ہٹ گئی۔ وہ اس کے چوڑے چکلے

دجو کے آگے خاص سی کھڑی تھی۔ گھنی موٹھوں تلے مسکراتے سب اس کے اندر لاؤ دھکا رہے

تھے۔

آپ کیا چاہتے ہیں طرقتی۔ وہ بخٹی سے پوچھ رہی تھی۔

میرے تو تمام، تھیں رات تم سب کر چکی ہو۔ میرا پ بٹا اب کوئی سستی نہیں رکھنا۔ وہ اس

گے مانتے سے ہٹ گیا۔

یہ چھوٹے موٹے، تھیں رات میری تسکین نہیں کر سکتے۔ وہ وقت جب میرے بھائی

تھیار کی ضرورت تھی نکل گیا ہے۔ اب مجھے کتنے ہی تھیں دل جائیں۔ میرے نزدیک کوئی

امیت نہیں رکھتے۔ تم مجھے بے تھیں رات سمجھو۔ وہ ایک کتاب لے کر ہیل پر در زبوں آیا۔

آف ہے اختیار می ہے تو مختاری کیا ہوگی اور یہ تمہارے کرب سے ہونٹ کاٹنے۔

تم پانی کاٹنے والے قاصد کا شکار کی طرح ہو جو اپنے علاوہ کسی اور کا کھیت میرا ب

نہیں ہوئے تو جا۔

کس کا پانی کاٹا ہے میں نے، کس کھیت کو پیا سا رکھا ہے۔ بتائیے مجھے۔

بر سوال کا جواب تمہارے پاس ہے۔ تم انارزنی وریہ توقف، واکامہ ہو اس نے سائیز

سے۔ کھراٹھا کر سگریٹ سلگائی۔

آپ میری اسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ سمجھے آپ۔ وہ پھنکاری۔

وہ تمہارے پاس دوسرے فٹ نوٹ کی توہین کرنے کا ٹھیکہ ہے غالب۔

میں کبھی تو کون سے اس قدر اناؤں نہیں ہوتی کس قسم کے موقع آئیں۔ بند کریں یہ

الزام تراشی۔

آج حساس توہین تمہیں ہوئی گیا ہے تو موقع ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ سنو وہ یہ بیگم۔

تمہاری والدہ محترمہ کے بعد نکاح کے دن تمہارے دور اوازے پر آتے ہوئے میں

اپنے بھائی بٹی لاس کے سامنے جس حساس توہین و احساس بچاؤ کی سے گزرا تھا تو تم اس

کچھ سنگ بھی نہیں ہوتا تھا لم لڑکی۔

میر آپ کے بھائی کے ساتھ کوئی کھٹ منت نہیں تھا وہ خوش بچے میں گویا ہوئی۔

میرے ساتھ تھا طرقتی نے کتاب سینے پر رکھ کر اسے بغور دیکھا۔

یہ کیا تماشا ہے طارق نے کڑے تیور کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔

میں نہیں کوشت میں جھلا کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے آپ سے زیادہ ان سے تعلق کی فکر ہے۔

وہ چیخ کر بولی۔

دور مڑی۔

طارق نے اس کی سیاہ ساڑھی کا آٹھل قدم کر کھینچا۔ وہ پٹ پڑی۔ ساڑھی کا پورا آٹھل زمین پر آہرا۔ وہ ایک قیمت بن کر مڑی تھی۔ مختصر سے جاکڑ سے اس کا جم جم کرتا وجود شعا میں پھٹنے لگا۔ اس کے وجود کا ہر ہر حصہ اس کے زیر استحقاق تھا مگر اس نے نظریہ دی جیسے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو۔

بہت سیست دان ہو۔ مگر بات نہیں بنے گی۔ اس نے کتاب اٹھا کر سامنے کر دی۔

آپ بات بنانے والے لکون بات تو اللہ کی رضا سے بنتی ہے۔ وہ کٹنگی سے کہہ کر مڑی۔

چلو گناہ کے سامنے سے گزر کر کسی سہمی تمہیں یقین کی دوست تو ملی۔

میں آپ کی طرح نہایت مسلمان نہیں ہوں۔ وہ طنزیہ مسکراتی۔

مجھے تمہاری گالی سے ہاتھ لکھ کر نہیں ہوا۔ ہماری نیوٹ کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔

وریہ خاموشی سے ہاتھ روم میں چلی گئی۔ وہیں سٹی تو لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ اور ہال

گیسے تھے۔ غالباً طارق کے بھڑکانے ہوئے۔ وہ کوٹھنڈ کرنے کی کوشش کی تھی۔

کافی دیر باور میں رہی چلتی رہی۔ پھر طارق کے برابر سے نکلیے گا کر قائم پر ڈال اور

سیٹ مگی۔

آج یہاں میرے پاس کیوں نہیں۔۔۔ وہ اسے کئی بھر گرجا رہا تھا۔

(میرے پاس۔۔۔ ہونہ) مرضی میری۔ میں یہاں نہ سکون ہوں۔ اس کی آواز بھر

گئی۔ (تمہارے پاس سو کر بھی زمین آسمان کے فاصلے پر ستور ہیں۔ کیا فائدہ)

گویا تو رہا لیکن ہوگی جو وہ چڑا رہا تھا۔

جو چاہیں سمجھ لیں۔ اس کا دل بھڑا ہوا

تم میری منکوحہ ہو۔ اس قسم کے چھوٹے مولے حقوق تمہیں حاصل ہیں۔ یہاں کی ہر

شے تمہاری ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا ہے۔ ہاں جیسے تمہاری خوشی۔ وہ بڑی سادگی سے بولی۔

قائمن پر سو گیا استر پر دو توں ہی تمہارے ہیں۔

وریہ نے اس کی طرف پشت کر دی۔ وہ آہستگی سے رخساروں پر بیٹھے آنسو پونچھ رہی

تھی۔

ہونہ۔ ہر چیز تمہاری ہے۔ سر پر رکھ کرنا چاہتی چیز اس کو۔

معا۔ یہ تو آیا صبح جلد بیدار ہوتا ہے۔ اٹھ کر لارم سیٹ کیا۔۔۔ ٹھٹ ٹھٹ کی آواز نکلیں

موند لیں۔ مشکل سے ڈھائی گھنٹے ہی مل پائے تھے نیند کے۔

نیند کے سبب کچھ آنسوؤں کے سبب نکلیں گھل کر ہی نہیں دے رہی تھیں۔

طارق پھر سو رہا تھا۔

دور سے نے پہلے نیچے فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ ٹھہر چکا تھا حب و دو نام میں اٹھا کر طارق کے نزدیک آئی اور درم لگا کر اس کے کان کے پاس رکھ دیا۔ اور خود اپنے کپڑے وارڈروب سے نکال کر ہاتھ روم چلی گئی۔

واپس آئی تو طارق اٹھ چکا تھا۔ اس نے توجہ دیے بغیر جائے نماز پہنچ کر نماز شروع کر دی۔ نور کے تڑکے جب وہ پلین میں سوار ہوئے اس وقت تک دونوں کے مابین کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

دور سے تم راتے میگزین دیکھتی رہتی اور وہ تم ملکی وغیر ملکی اخبارات۔

کراچی ایئر پورٹ پر پہنچ کر دور سے کو ایک خوشگوار تہیہ کا احساس ہوا کہ اس کی بچھو خود یہ نفس نہیں اس کے استقبال کو موجود تھیں۔ ان کے بازو دودھ کی رو بہ تھا۔ ران کے سینے سے جا لگی اور اس قدر چھوٹ چھوٹ کر رہی کہ تم سو جود فر دجو اس باخیز نظر آنے لگے۔

لگتا ہے یہ بھی کی یاداشت کھو گئی ہے۔ یہ بھی مل ہے یہ دیکھتی نہیں۔ یا دیکھیے وہ وقت جب چھو لے بھائی سہرا لگا کر۔

سہرا نہیں یا مدح تھا چھو لے بھائی نے۔ حسیب نے آہ کی۔

اچھا ہاں۔ جب چھو لے بھائی گلے میں ہار ڈال کر پہلی قسط میں آپ کو قبول کرنے اور دوسری قسط میں لینے گئے تھے۔

اور آپ قصر نور جہاں سے رخصت ہو کر وحدت کا واپس آ گئی تھیں۔ اور۔

سب جی شمس پڑے۔ طارق کی جان میں جان آئی۔ دور سے بہت بری طرح روئی تھی۔ اسے تو اپنی گردن خطرے میں محسوس ہوئی تھی۔

سب شمس وہ تھے مگر وہ یہی طرح تھی۔ عابدہ بیگم نے اس کا متورم چہرہ ہاتھ میں لے کر اس کی پیشانی چوئی۔

کیا بات ہے بیٹی۔ طبیعت خراب ہے دشتوں کی۔ وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں۔ دشمن تو بیگم ٹھانے بہت مطمئن کھڑے ہیں۔ مجھے تو یہ بھی ہی کی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ فاروق نے شرم سے طارق کی سمت دیکھ کر کہا۔

جہاز کچھ سیٹ ہو گیا۔ نام تو بہت دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔ پہلی بار طارق کی دلہن کرچی آ رہی تھی آخر۔ مجھے اپنی بیٹی کا استقبال خود کرنا پڑے تھا کہ نہیں۔ وہ مسکرا کر دور سے کہہ رہی تھیں۔

شکر یہ بچھو اسے یہی جواب سوجھا۔

مزاج تو جیسے ہیں ذریعہ انکل برابر تشویش تھی۔

بس بچھو ایسے ہی ٹینشن سا ہے۔ طبیعت گری گری رہتی ہے اور سر میں تو سخت درد رہے لگا ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔

چیک اپ کر یا تھا۔ انہوں نے پڑتال شروع کی۔

نہیں۔ یونہی معمولی سا تور دہکتا ہے۔

کھینچو

دے ہاں۔ ماشا اللہ۔ چاند چڑھا رہے ہیں۔ اہاں جان سنگلیں۔ ایک ڈھول
تھپہ رہے باپ کے سر بھی رکھوں گی تاکہ دونوں باپ بیٹے کی فنکاری سے دال روٹی کا آسرا جو
باہاں سے بھی نہ کی نارنگی بدستور تھی جن کی وجہ سے طارق کو گیت وغیرہ ریکارڈ
کرنے کی اجازت ملی تھی۔ بڑے طنز سے انہوں نے فنکاری کا ذکر کیا تھا۔

دے بچے۔ تیرا دل بہت بدل چکا ہے۔ آج تو اس باپ پر ناراض ہے کہ تجھے کراچی
گھر بویا۔ گھر پریشان کیا۔ طارق۔ بیٹے۔ اللہ کی رحمت اور برکت میرے گھر میں
ہمیشہ رہی ہے۔ یہ اس کا حسان ہے۔ میں نے ہمیشہ درمیانی رہا تھا۔ یہی ہے۔ جس میں سکون
ہوتا ہے۔ پیسہ کم نظروں کا دماغ خراب کرتا ہے بیٹے۔

آئی۔۔۔ طارق مسکرت کھڑا رہ گیا۔ اس کا ہر گمان دل۔ یہ تو بہت دن کا ساٹھ ہوتا ہے
وہ تو یہی سے منہ پونچھتا تھیری سے عہدہ بیگم کے قریب آیا۔

کیا ہو گیا ہے اہاں جان۔ اپنی اداؤں کی عادتیں اس گھر میں میری ہر خواہش کی تکمیل ہوتی
ہے جیسا پہننا چاہا پہنا جیسا کھانا چاہا کھایا۔ جتنے انگلیں گئے۔ وہ بھائی میاں کی رقم تھی۔ یہ
بھائی صاحب کی باہاں کی مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ تفریق ہمارے گھر کا مزاج
نہیں۔

میں ترسا ہوا بنا۔ سودہ نہیں تھا اس جان جو اتنی جلدی کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا

طارق سے معرکہ کرنے کا نیا عزم۔ یا حوصلہ اور فی اہمیت اس نے نکلی، انفرادیت اندر دوڑتی
موس کی۔

تم مجھے جتنا اپنی نظر اور مقام سے گرا رہے ہو۔ مجھے پیسے سے زیادہ زہر مانتا رہے ہو۔
چکنا چور نہ کر دیا۔ طارق احمد فاروقی تو میرا نام بھی دے رہے ہیں۔

ایک تو میری کچھ میں یہ دو مہینے بعد کی ولیمہ پارٹی۔ نہیں آئی۔ طارق نے خاصے
ناراض اظہار میں کہا تھا۔

وہ اپنے سابقہ انداز میں جو اس گھر میں وجود رکھتا تھا مصروف و لگن تھا۔ کاندھوں پر
تویر لے کر آئے۔ اس کے ہاتھ واش بکس کے سامنے کھڑے ہوئے۔

حد کردی ہے طارق۔ اس قدر زور دھاؤں رکھنا ہو چکا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔ دے یہ تو
بہانا تھا تمہیں بنانے کا۔ تمام رشتے اور انتظار میں ہیں دعوتیں کرنا چاہتے ہیں۔ کس قدر
پیار کرتے ہیں تمہارے۔ اور تیرے حراج کی نہیں مانتے۔ آنکھ دھجھل پہاڑ دھجھل۔ اسے کیا سب
کچھ بھول بھال گیا۔۔۔

عہدہ بیگم نے پان کی تیار کا سلسلہ رک کر، سے تقریباً ڈیڑھ
میرا مطلب ہے، اہاں جان قسمل سے آجاتے اس طرح گرتے چڑتے نہ آتے۔ بہت
کام پھینچا ہوا تھا۔

اہاں جان چھوٹے بھائی مصروف ٹھکانا رہن چکے ہیں۔ بہت بڑے فنکار۔ فاروق نے

عابدہ جنگم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

اے میں تو ایسے کہہ رہی تھی۔ جانتی ہوں اپنے بچے کو۔ دیوتی ہوئی رہتی ہوں تجھے سوچ
سوچ کر۔ یہی دھیان رہتا ہے کہ کوئی بہت شہو اور تجھے جو سمجھوں۔

ہر کسی کی تمنا ہے کہ طارق کی دُکھ کو اپنے گھر مہمان کریں۔

کیا اور ہا ہے یہاں غم دور یہ کوئیے ہوئے زینے اترتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

عدالت لگی ہوئی ہے۔ آپ بھی تجائیے۔ غاروق لے کر سی اٹھا کر ہر تارے کے ستون
کے ساتھ رکھی تاکہ مزید ٹھس جائے۔

چھوٹی بھابی۔ وہ دریا سے مخاطب ہو۔ آپ کی گوشتی مطلوب ہے۔ دریا نے حیرانی
سے پہلے طارق کو پھر سانس کو دیکھا۔

چھوٹے بھائی کہہ رہے ہیں۔ جب تک آپ نہیں ملیں، آپ کو لینا چاہیے تھے،
نسانہ کا حریص ہے چھوٹے بھائی کا کیا قصور؟ آپ مل گئیں تو کہہ رہے ہیں جنت میں جا کر
خور لیں گے۔

کیا مطلب۔۔۔ وہ اتنی کچھ نہیں سمجھی۔

کہہ رہے ہیں کہ آج کل بہت ٹیک ہو گئے ہیں۔ کوئی ریکارڈنگ وغیرہ نہیں کرتے۔ کیا
جنگم کہہ رہے ہیں۔

اے غاروق۔ بی جھوٹے گندی نہیں ہو گئے ہونگے نہیں۔

پتا نہیں۔ ان کا آفس ٹائم کیا ہے یہ کب آف ہوتے ہیں۔ کب ریکارڈنگ یا ریسرسل
ہوتی ہے۔ سچ پچھو مجھے کوئی علم نہیں۔ تب قسم لے لیں۔ جب دل چاہتا ہے چلے جاتے ہیں
جب دل چاہتا ہے آ جاتے ہیں۔ ذریعہ نے قرض چکا یا۔

طارق نے سینے میں ذریعہ کو بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

ہائیم یہ کیا بات ہوئی۔ گھر میں ورہے کون دوسر جیو۔ تمہیں نہیں بتاتا تو کیا دیو بروں کو
بتاتا ہے۔ اور تم کیا کرتی رہتی ہو دن بھر ماں کے گھر چل جاتی ہو گی انہوں نے خود ہی اندازہ
لگایا۔

نہیں پچھو۔ شادی کے بعد سے اب تک میں ہی کے ہاں صرف تین بار گئی ہوں وہ بھی
ان کے ساتھ۔ اس لئے طارق کی صحت دیکھا۔

ہاں بیٹی گھر، کچھ جھوڑا بھی مت زمانے بھر کی چیزیں ہیں۔ وقت بہت خراب ہے۔
تو تم نے شکایت کی ہوتی، بیٹی، اس سے دس بار پوچھتیں تمہارا حق ہے۔ بیوی کو کم از کم
اپنے شوہر کی وفات کا رتو معلوم ہونا چاہیے۔ کوئی اور ہی اس سے پوچھ بیٹھے تو وہ کیا جواب
دے۔ یہ باتیں تو بہت دور یوں کی ہیں۔ ختم کیوں نہیں پوچھتیں، اگر یہ تمہیں کچھ کہے تو کیا ہم مر
گئے ہیں خبر لینے والے

تساہنا تھا کہ دریا نے، پنا چہ وہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور نڈی طرح رو دی۔

ہائیں۔۔ ہائیں۔ عابدہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ طارق بری طرح پکڑ کر رہ گیا۔ عابدہ بیگم نے دروے کو گتے بڑھ کر بیٹھنے سے لگا لیا۔

کیا بات ہے بی۔ طارق نے تم سے کچھ کہا۔۔۔ جھگڑا ہوا ہے تم دونوں میں۔۔۔ فاروق
اور نعمت لگ حیرت و پریشان اسے دیکھ رہے تھے۔

دور کے آنسو تھم کر نہیں رہے تھے۔ وہ عہدہ بیگم کے چنے سے بچوں کی زندگی ہوئی تھی۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَى

جی اے ایف جی ایم۔ وہ بڑے بڑے ہو گیا۔

یہ کیوں رو رہی ہے۔ کیا کہا ہے تم نے۔ ان کے بچے میں انتہائی غلطی تھی۔

کون کی قسم کھا کر۔ میں تو ان سے کہنے والی ہوں کہ تم بھی نہیں کہتا اور کیا کہو گا۔ وہ بے بسی کے انداز میں گویا ہوا۔

کہتے وہی باتیں کیوں نہیں کہتے۔ نغمہ نے س کی بات پکڑی۔

عراق نے چونکہ کربلا و ج کو دیکھا۔ نہ بے پختہ۔

اپنے ہی وقت نہیں ملتا۔

اے ہاشم اللہ گھرانوں کے حضور، پڑا ہے۔ دیر کا نمبر ہی نہیں آتا وہ نظریہ پولیس۔

ضرورت کوئی پست ہے۔ کوئی خواہواہ اس طرح نہیں روتا کہ تم تانا طارقی کیا کہ ہے تم نے

اسے دو مہینے پہلے کیا ہو رہی تھی بچی اور بے دیکھو دیکھ رہی ہو بڑی بہن اس کا چہرہ وہ مہینے کی جیانتا کا چہرہ کبھی ایسا ہوا کہ بچوں کی طرح کھلا رہتا تھا۔

اے جانِ سب کو میرا اٹھنا نہیں تو دریہ سے خود پوچھ لیں۔ میں نے پورے گھر کا اھتار
 نہیں دے رکھا ہے۔ چونکہ میں ان کے ہاتھ پر رکھتا ہوں۔ بیمار ہوں تو ڈکٹر کو فون تک کر
 دیتا ہوں۔ گیلنا دریہ۔ اسی نے دریہ سے پوچھا۔ اور اس کے بچے کی سرسٹا کی صرف اور
 صرف دریہ نے، پٹی ریڑھ کی ہڈی میں اترتی محسوس کی۔

در یہ کچھ نہیں ہوں۔ طارق میرا چا سلگ تھا۔

بہر حال، مگر کوئی بات ہوئی بھی ہے تو تمہیں اس کا دل بہونا چاہیے اب غسل کر کے
اسے کہیں گریہ کرانے لے جاؤ۔

ہاں جان۔۔۔ میں لے جاؤں۔۔۔ حسینب قے درو ہو کر صورت حال کی فراست سمجھے
بغیر ٹی خدمات پیش کیوں۔۔۔

اے ہاں۔ تم کہیں کے چنوں کے سرورار۔ نئی ٹانگہ ضرور اڑا کر دو۔ وہ چل کر بولیں۔

فان روح اور تمدن کی شائستگی و حسن و برکتیں رقی بھی پائی ہو سکتی ہیں۔ پر قابو نہ پاس کا متحد

ستارہ کے قلمساز نے ہر ہفت روزہ اسلام آباد میں قلم کے لیڈ کو ریفرسٹ دیا تھا۔ فیروزہ کو
 زندہ رہتے ہوئے بھی لیڈ کے شکار کا مصداق بننا پڑا تھا۔

یہی کی حوصلہ سورت مناظر سے عطف اندوز ہوتے ہوئے طاری فیروزہ کو دیکھ کر پتلا شہ

چونکہ پڑا میرا اس وقت میل جانی کا کارڈ لیکن جس میں سیدھے چھپے وہ بہت مہتر نظر آ رہی تھی۔ یہ خوبصورت سوگس اور شوڑا سے بے حد ناپاں کر رہے تھے۔

کانوں میں مہرون گیتوں کے سیاہ آویزے لٹکے ہوئے رہے تھے۔ اور ہاتھ میں سیاہ پارتی دیر پر سن تھا۔ ہنسی مسکرتی سب سے ملکہ سینگ کرتی وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ طارق کی ٹیبل پر ظلم کا ہیرو اور موسیقار علی جان بیٹھے تھے۔

وہ ان کے نزدیک آ کر نہ کی۔ اور انتہائی جنسیت اور پُر تکلف انداز میں تینوں کو بلوگیا۔ ستارہ نے قریب آ کر تعارف کرایا۔ علی جان صاحب اور طارق صاحب سے تو تم پہلے جانی مل چکی ہو۔

ہاں شاید۔ اس نے عجیب بیگانگی سے کہا۔ ستارہ نے تعجب سے فیروزہ کو دیکھا۔ پھر نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔

اور یہ ہمارے ہیرو۔ رانیل آفتاب۔

ہماری ایک قسمت کہاں کا آپ کے ہیرو۔ رانیل آفتاب نے شرارت سے ذرا مٹی بات لگی جس پر ایک قہقہہ پڑا۔

فیروزہ بھی دلکشی سے مسکرائی۔

اور رانیل صاحب یہ میری سسڑ۔ فیروزہ۔

ایڈریا بیگم۔ وہ مسکرایا۔

اکول۔ ستارہ نے برجستہ کہا۔ جس پر ایک مزید چھ قہقہہ پڑا۔ بہت ہوشیار ہیں میڈم ستارہ علی جان صاحب مسکرائے۔

بس جی۔ آپ بزرگوں کی صحبت فیض رسا کا اثر ہے۔ وہ کھلکھلادی۔ چوتھا حصہ:

صفحہ 301 سے خیر تک

یہ بزرگ کہہ رہی ہیں میڈم۔ رانیل آفتاب نے علی جان صاحب کو جھینر۔ میں تسلیم کرتا ہوں۔ وہ شوق انداز میں مسکرا دیے۔

فیروزہ مسکرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اس نے طارق کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ اور طارق نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا بلکہ یک طرح سے اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔

فیروزہ ان کے برابر ہوئی ٹیبل پر آ بیٹھی تھی۔ جس پر وہ حضرات پہلے سے برہنہ تھے۔ تیسرا فیروزہ کے بیٹھنے کے بعد آیا۔

فلت زکر رانیل آفتاب کو لے گئے۔ علی جان صاحب اپنے کسی دیرینہ دوست کو دیکھ کر اٹھ کر اس کے قریب جا رہے تھے۔ جب طارق کے کانوں میں برسرے مردانہ آواز آئی۔

پہچانا نہیں میڈم ہرون۔

گر پانفرنس بحال نہیں۔ تو۔ یہ فیروزہ کا جواب تھا۔

تو میں پہچان کرانے دیتا ہوں۔ نعویٰ کو حال کہتے ہیں۔ جو آپ کی تلاش میں یورپ اور مشرق وسطیٰ تک کی خاک چھان چکا ہے۔

اور نہیں۔ فیروزہ نے ہنس کر یہ یعنی سے کہا۔
ہائی سوئیر۔ وہ مسکریا۔

مگر میں کہیں روپوش تو نہیں تھی اور نہ ہوں۔ وہ حیرانی سے بولی۔

مگر کبھی ڈیوٹی پر نظر نہیں آئیں۔ اونچی چیز ہو۔ ہائے خیال کا ہر کپ ہو سکتا ہے یورپ کے کسی مندر یا پاست کے کسی شیخ۔

نوسٹیپ پلیز۔ ایک لفظ بھی مزید نہیں۔ فیروزہ نے اسے روکا۔

کیا مطلب۔ مخاطب حیران ہوا۔

مطلب یہ کہ میں اب۔۔۔ ہر قسم کے کسی چڑے کو بھی دوست نہیں بناتی۔ کیرئیر اور فرمٹ ناؤ۔

تمہاری رہنمائی کی محنت کی محنت سے مسکرایا۔

لینگوئج پلیز۔ تمہارا پاس بھی مجھ سے جہازت لے کر تم کہتا تھا۔ وہ تاراجی سے گویا ہوئی۔

کیا شادی وادی کرن ہے۔ سوال ہوا۔

یہ میری پرائیویٹ لائف سے متعلق ہے، جس کو موضوع بنانا پسند نہیں کروں گی۔

یہ تو تم سرسرخسار سے کی جہازت کر رہی ہو۔
نشانہ ہی کا شکر یہ۔ وہ سر دہچکے میں بولی۔

بہر حال، پاس وہ سٹ نیکل پر بیٹھے ہیں، اور آپ اسے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔
ان سے کہو کوئی ضروری بات ہے تو میری نیکل پر، کر کر لیں۔

جاؤ یا رہا اس کی کوئی بھیج دو۔ وہ دونوں جووری جووری سے خاموش بیٹھے تھے ان میں سے ایک بڑا تھوڑی دیر میں ایک خوب مشہور ڈیل ڈول کا شخص فیروزہ کی نیکل کی سمت آتا دکھائی دیا۔ جو سیاہ و فرسٹ میں ہوں تک سک سا درست تھا۔

ہیلو دام۔ اس نے نہایت گرم جوشی سے ہاتھ بڑھایا۔

ہیلو۔ فیروزہ نے اپنا دستا چڑھا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہیں دیا بلکہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے نہایت مہذبانہ انداز میں گویا ہوئی۔

نیک یورپیٹ پلیز۔

تھینک۔ وہ اٹھ گیا اور چلائی سے بیٹھ گیا۔

کیسے ہیں آپ شہت علی جفاوری صاحب فیروزہ کا عذر اچھا لگتا ہے۔

آپ نے دیکھنے کی چاہ تو کی ہوتی کہ کیسے ہیں ہم۔ ان کی رگ رگ میں جیسے عاشق بہہ رہی تھی۔

ایسے میڈم آپ نے ہمیں عرفیت دی۔ جفاوری بابا۔ ہا۔

شکریہ۔ وہ دھرمپری سے ہوئی۔

آپ کی دی ہوئی ہر چیز سرتانکھوں پر۔۔۔ بابا۔۔۔ بابا۔

سرتانکھوں پر۔۔۔ آپ کا پالہ اور۔۔۔ نکھیں چھوٹی ہیں، کہیں ٹھہریں گی ہماری دی ہوئی بڑی چیزیں۔۔۔

فیروزہ نے استہزائیہ لہجے میں مذاق کیا۔

ہو۔۔۔ ہو۔۔۔ ہم آپ کے سٹنس آف ہوم کے تو ہم قائل ہیں۔۔۔ بابا۔۔۔ ہو۔۔۔

کیسے یاد کیا۔۔۔ فیروزہ نے ٹیبل پر کھینچا لٹکا کر تھک گئی۔

باد سے کرتے ہیں جسے بھولے ہوں۔ آپ کو کچھ کر تو خود کو بھول جاتے ہیں۔ کس دنیا

میں ٹھہریں۔

اسی دنیا میں۔۔۔ وہ دکھائی دے ہوئی۔

اس بار سرسبز سنو لینڈ میں گزرنے کا۔۔۔ وہ ہے۔ سوچا پٹنگی طالع دے دوں۔

کیا خیال ہے پھر۔۔۔ جفاوری پوچھ رہا تھا۔

اچھا خیال ہے۔ یہاں کی گرمی تو اچھے بھلے نسوں کو دھرم میں بدل دیتی ہے۔ آپ ضرور

جائیے آپ کی صحت پر خوشگوار اثر ہوگا۔

مگر آپ کا ساتھ ہونا شرط ہے۔۔۔ وہ مسکرایا۔

میرا خیال ہے۔۔۔ سہاول نے آپ کو مہری کی ہوئی باتیں پہنچا دی ہوں گی۔

آپ کیسے لگ کر کرتی ہیں ہم۔ ہر چیز آپ کی مرضی کے مطابق ہوگی۔ یہ آپ کا سیر ہے

ہم۔۔۔ دونوں ہاتھوں سے ہمیں، بڑھاپا آرام سے گزرنے کا وہ عجیب سیودگی سے ہنسنا

یہ کبھی کوئی ہے کہ بڑھاپا بھی۔۔۔ نرم دیکھے گا۔۔۔ وہ ہنسنے لگے۔۔۔ پچھلے میں پوچھ رہی تھی۔

خدا نہ کرے۔۔۔ یہ آپ کی دلکشی سدا بہار رہے۔ حقیقت تو بہر حال حقیقت ہے۔۔۔ وہ

چاہتی تھی سے گویا ہوا۔

آپ اتنی دیر سے میرا دماغ کھانے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ آپ کے چہچہے نے سب

کچھ آپ کو بتایا ہے۔ فیروزہ کی قوت برداشت شاید جو سب دے کی تھی۔ ایک دم اسٹ کی۔

آہستہ آہستہ روز۔۔۔ آہستہ۔۔۔ آپ مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ یہ بتانا ضروری نہیں۔ سر

میرن کا مرحلہ تو کچھ دن بعد ہوگا۔ پرسوں میرے غریب خانے پر کاک ٹیل ہے۔ یہ میر

انویٹیشن ہے۔ لیو لی کچھ۔ اس نے وہ لٹل لفافہ اس کے سامنے رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے

لہجے میں وہ مشکل کا تاثر واضح تھا۔

فیروزہ نے لفافے کی سمت دیکھا بھی نہیں۔

طریق بظاہر دوسری سمت دیکھ رہا تھا لیکن اس کی پوری توجہ فیروزہ اور جفاوری کی طرف

تھی۔۔۔ اسے اس شخص کی ذہنی اور دماغی پختگی کا احساس رہا تھا مگر وہ پُپ تھا۔ کہ قطعی غیر متعلق

تھا۔

جفاوری اٹھ کر چلا گیا ساتھ ہی اس کے دونوں حواری بھی۔۔۔

طریق نے پس پشت فیروزہ کی سمت دیکھا اور وہ بھی اسی سمت دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی

جانب دیکھتا تھا کہ اپنی آنکھوں میں زمانے بھر کی اجنبیت سمجھ کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

دیر یہ تو گزرتی تھی میں ٹھہر کر تھی۔ نہ جان کا بھی، صبر تھا۔ دیکھ کر یہ بھی سسرال میں رہنا چاہ رہی تھی۔ وہ شکر مناتا، ہو آیا تھا۔

یہاں آتے ہی اس کے پے در پے مصروفیات شروع ہو گئیں۔ کی گیتوں کی ریکارڈنگ، عید کے بعد کے متواتر کرشمیں پروگرام، نئی محفلیں پھر اس کا اپنا پروجیکٹ۔ ایک تاقبیا شروع ہو چکی تھی۔ ایک گھنٹہ وہ علی جان صاحب

کے پاس کافی عرصے سے گزار رہا تھا۔ شروع اور انگوں پر عمل عبور حاصل کرنے کے لیے مسلسل ریاضت نے اس کی آواز کو بڑا نکھر بخشن دیا تھا۔

مرادانہ وجاہت، رچاؤ، تمیز تاس کی آوار کی انفرادیت تھی۔ علی جان صاحب کا کہنا تھا کہ اب اس کی آواز میں حقیقی سوز بھی پیدا ہو گیا ہے۔

یہ سن کر اس کے رویں رویں میں آج دی تھی۔ میرے درد غم جمع کیے تھے تو دیون کیا تھا۔ اور اس کی محرومیاں اور خوابوں کی شکست اسے بام شہرت پر لے آئی تھی۔ تخی مصروفیات کے ہوتے ہوئے دیر کی غیر حاضری اس کے لیے سکون بخش تھی۔

آخر آرٹس کونسل نمبر 1 میں اہل بیانیے پر موسیقی کا پروگرام تھا جو تمام رات جاری رہنا تھا۔

اس کے لیے ہر طرح سے زیر دست تیاری کی تھی۔ وہ اپنے خاص دوستوں کو بھی

خصوصیت سے مدعو کیا تھا۔ یہ وہ فرسٹ و شو میں بیوں کا رتیں سرخ گلاب کی لہجہ کھلی اٹکانے جب وہ آؤں کے دروہ تو دیکھنے کی چیز لگ رہا تھا۔ نفیس سا کمر، مسائل تازہ شیو کی نیا، ہنوں میں چمکتا چہرہ۔ چنگی جلد کے مضبوط ہاتھ۔ پائیں ہاتھ میں کھائی وکٹی ہوئی قیمتی رستہ و ریح ہر نظر میں پسندیدگی تھی۔ اس پر ستم و حاتی اس کی خود اعتمادی اور سان استغنا جو اسے مزید متاثر کن بنا رہی تھی۔

اس نے پہلے اپنی نشاء کی اعلم تم میری ہوتی اور اس کے بعد بعد فرما۔ نیش احمد فراد کی غزل شروع کی۔۔

چمے تھے یا رب بڑے زعم میں ہوا کی طرح
پہٹ کے دیکھ تو بیٹھے ہیں نقش پا کی طرح
جب اس نے یہ شعر گایا کہ۔

مجھے وفا کی طلب ہے مگر ہر اک سے نہیں۔
کوئی ملے گھر اس پار ہے وفا کی طرح۔

تو تالیوں بجایا کر دو دی گئی۔ تالیوں کی وجہ سے وقفہ کچھ لمبا ہو گیا۔ اس نے تالیوں حاضریں پر تفصیلی نظر ڈالی۔ تو لکھا شاچنک پڑا۔ سامنے فیروزہ یہ شور، رسوٹ دوپٹے میں، اپنی مخصوص جھاوٹ و چھب کے ساتھ مسکرت تھی۔

اس نے نظر کاڑا۔ بدل ڈالا۔ اور اٹھا شعر شروع کیا۔

وہ جیسی تھا تو کیوں مجھ سے پھر کرا نہیں

گزر گیا کسی دیرینہ آشنا کی طرح

اس نے بالکل غیر روی طور پر فیروزہ کو دیکھا تھا۔ وہ بھی سی کو دیکھ رہی تھی مگر لگا ہوں
میں پہچان کا کوئی عکس نہیں تھا۔ ہنوز جیتا شری نظر تھیں۔

دو غریبیں اور دو گیت اس نے معاہدے کے مطابق سنائے تھے ایک مقبول فلمی گیت بعد
از ایک مٹا یا تبدیل ٹیٹے شوچ کر لے گیا تھا۔

فرقان کو ملے شدہ پروگرام کے مطابق باہر اس کا منتظر ہونا چاہیے تھا۔

ملے ہو گیا تھا کہ وہ پتا سنگم پر فارم کر کے فوراً ہی ہال سے باہر آ جائے گا۔ اور فرقان
گاڑی کے پاس پہلے سے موجود تھا۔

شو بھی جاری تھا، سی وجہ سے ناہکا سی گاڑیاں سرکتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ فرقان ڈی
جے سائٹس کال پھر دین۔ سی ڈی کر چکا اب یہاں لاہور تک میں اس کا رفیق تھا۔ بے
حد سچی اور غلطی یہی دوست جس پر پتی ذات کی طرح اعتماد کیا جاتا ہے۔

اس کی محدود قسم کی مصروفیت تھیں۔ آفس سے آف ہونے کے بعد عمو، گھر پر ہی ہوتا
تھا۔ اس وجہ سے ناریق منظر سی سے باہر اپنی مصروفیات نہ لیتا تھا۔

شاید اسے شو بزنس پس لگ رہا تھا اور ابھی اندر ہی ہے۔ یہ سوچ کر وہ گاڑی سے نکل لگا کر

دھر آدھر

دیکھنے لگا۔

بھلی دروازے سے فیروزہ برآمد ہوئی تو اس نے چہرہ موڑ لیا تاکہ نظر نہ ملے اور دونوں
کسی کھٹائی سے محفوظ رہیں۔

اس نے فیروزہ کے پرس کے گھٹنے اور بند ہونے کی آواز بھی اس کی ٹیک کی کھٹ کھٹ
کے دوران سنی غالباً اس نے کار کی چابیاں نکالی تھیں۔

طارق نے بدستور چہرہ موڑے کھڑا تھا۔ خاصی خاموشی رہی تو طارق سیدھا ہوا۔ ایک دم
چونک پڑا ایک بھاری مردانہ خشک آواز اس کی سماعت سے نکل رہی تھی۔

شو نہیں۔

اس سے پہلے کہ طارق صورت حال سمجھتا گاڑی زن سے اڑی تھی۔

پلک جھپکتے میں اس نے فیروزہ کو گاڑی کی بیک سیٹ پر تقریباً گرتے اور ایک مرد کو اس
کے ساتھ ہی بیٹھتے دیکھا اور دروازہ بند ہونے سے قبل گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

اس نے تھوکی تیزی سے اپنی جینس نکالیں۔ چابیاں اس کے پاس نہیں تھیں اور فرقان کا
دورو در پناہ تھا۔ وہ کار بھی نظروں سے دھمک ہو گئی تھی۔

وہ تیزی سے اندر گیا اور ستارہ کا نمبر ڈائل کیا۔

فلوہ مس حنا ہیں؟ نہیں؟ کس اسٹوڈیو میں۔ ایونٹو۔ فلوہ نمبر۔ ٹھیک ہے۔ اس نے

دوبارہ نمبر ڈالیا۔

بول۔ دیکھو بولے۔ میڈم حنا کو کہو حق کا فون ہے۔ اس نے تیزی سے کہا چند منٹ
 انتظار رکھنا چاہئے۔
 بول میں طارق احمد فاروقی بول رہا ہوں۔ ایک منٹ میری بات سُنیں۔ کیا آپ کسی
 شہرت علی کو جانتی ہیں؟۔

ٹھیک ہے۔ غور سے میری بات سُنئے۔ چند دن قبل آپ کو یاد ہو گا وہ، ماما باؤ میں بھی
 آپ سے ملا تھا۔ ٹی۔ ٹی۔ ابھی بھی اُمرائش کے سامنے وہ سوگ فیروزہ کو اُحوال کر کے لے
 گئے ہیں آپ کو مگر ن کا تاپہ عظم ہے تو فورہ ہاتھ کیجئے۔

ہا۔ ہا۔ میں بالکل درست کہہ رہا ہوں۔ ہرگز میرا نام نہیں ہے۔ آپ یقین
 کیجئے۔۔

اس نے ستارہ کو یقین دے دیا جسے یقین آ کر نہیں دے رہا تھا۔
 وہ انتہائی پریشانی میں جا رہا تھا تو فریادیں اس کا نکلتی تھیں۔

کہاں غائب ہو گئے تھے یا۔؟ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔
 کہیں نہیں، اندر تھا۔ کافی دیر میں نے تمہارا انتظار کیا۔ تم نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ وہ
 جو ہا اس کا قصور نکال کر بول۔ ذہن پریشانی کے چال میں چھنسا ہوا تھا۔ اسے وہ کہہ کر فیروزہ کا
 خیال آ رہا تھا۔

گھر آ کر بھی اس سے نہ تو کوئی کام ہو ورنہ فیصلہ ہی آئی۔

ورایت علی شاہ رات کو تو تھکن، اور میاں صاحب کی باتوں کے سبب سو گئے تھے۔ لیکن صبح
 اٹھ کر انہیں نئے سرے سے، حساس و غائبی کی باتیں آ گئیں۔
 بشر کو میاں صاحب کے پاس چھوڑ کر اور یہ کہہ کر بھی دو گھنٹے میں واپس آ جائیں گے۔
 وہ اپنے گوشہ رونا ہو گئے۔

تمام راستے وہ پروگرام ترتیب دیتے رہے کی کہیں گوشہ پہنچ کر کیا کرنا ہے۔ کس طرح
 پیش آنا ہے۔ انتہائی تیز ذہن و شوکت کے بعد جب وہ اپنے گھر کے چھانک پر پہنچے، دروازہ دروازے
 ہاتھ دیا تو تمام محمہ ہاتھ کا چٹا ہوا آیا تھا۔ ورایت علی شاہ کو دیکھ کر اس کا رنگ غیر متغیر ہو گیا تھا۔
 اس نے بہت غور سے ورایت علی شاہ کی گانہ کی کو دیکھا تھا۔
 سلام شاہ سائیں۔ وہ عجزی سے بول۔

و علیکم سلام۔ انہوں نے خشک انداز میں جواب دیا اور کارک کرنے لگے۔
 سامان نہیں ہے سائیں مولیٰ کے اندر۔؟ وہ بچپن کے انداز میں پوچھ رہا تھا۔
 نہیں۔ نہیں نے سرد انداز میں مختصر جواب دیا۔ اندر بڑھ گئے غلام محمد ن کے پیچھے
 پیچھے چلا آیا بڑے کمرے میں پہنچ کر وہ رک گئے۔

پانی چاؤ وغلام محمد۔ وہ بھاری بھر کم مسہری پر بیٹھ گئے۔
 ابھی۔۔۔ یا سائیں۔ غلام محمد کرتا پڑتا ہر نکل گیا۔ ورایت علی شاہ خود کو پرسکون بنانے کی
 کوشش کر رہے تھے۔

تقریاً دیر بعد غلام محمد اہتمام سے پائی دیا۔

مٹکے کا پانی ہے سائیں۔ زیادہ ٹھنڈ نہیں ہوا بھی۔ دھوپ نہیں چڑھی ناس ابھی سائیں۔

گرمی بڑھنے کی تھا پانی ٹھنڈا۔

چھا۔ چھا۔ جیسا بھی ہے۔ لاؤں نہیں لے ناگواری کے تہذیب میں اس کی بات کافی۔

سائیں کما کی فصل کے بارے میں کیا سوچ۔ شوگر مل والے آپ سے سنا چاہتے ہیں۔

کوئی شوگر مل اس پاس تو ہے نہیں۔ بڑی دور کے لوگ ہیں۔ سائیں نواب شاہ میں تو شوگر مل

لگانے کا پرمٹ نہیں ملا۔ پابندی ہے ابھی۔ حکومت سے بات چیت چل رہی ہے۔۔۔ میر

خیال ہے کہ اس کے بجائے گندم ہی۔

غلام محمد۔ روشن کو بجا کر دوسرا نہیں لے اس کی بات کافی۔

مالکن کو سائیں۔ غلام محمد نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

مالکن نہیں وہ تمہاری والدہ کے بندے کتنی مرتبہ بتاؤں؟ اوہ برہمنی سے بولے۔

غلام محمد کو تو رزہ چڑھ گیا۔ جلدی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد روشن غلام کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی۔

اس نے سفید کھدڑی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس طرح کے اس کا چہرہ تقریباً چھپا ہوا تھا۔

وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔ اور غلام محمد ہاتھ بانڈ کر۔

رست تم کہاں تھے غلام محمد۔؟ تاکہ آوارہ تھی اور ہوا خشک تھا۔

سائیں غلام محمد کی نائیں بے جا تھوکتیں۔

ابھی میں رست کو سائیں۔ یہاں وہ۔ غلام محمد بری طرح گزریا گیا۔

غلام محمد۔ وہ بہت ہی شاہد کزور سے وہاں۔ رنگہ حراوی سے مجھے نفرت ہے۔ وہ

غلام محمد کی طرف بڑھے۔

روشن تیزی سے دونوں کے بیچ آگئی۔

شاہ صاحب خدا کے لیے میری بیچ سے اس چادر غریب انسان پر قلم نہ کریں۔

ہوں۔ تو تمہیں بھی قلم کے معنی پتہ چل گئے۔ ایک طرف ہنوتم سے تو بعد میں منوں گا۔

غلام محمد کوں مجھے کم عمری کی راہوں پر تھکیت لے ہو۔ کیا پتہ احسانات گونا گونا شروع

کروں۔

آپ ہمارے مٹھی باپ ہیں سائیں۔ آپ کے واسطے جان بھی حاضر۔ آپ ابھی میرے

کے حکم کرو۔

بند کرو۔ چپ بولی۔ حکم۔ ہونہ۔ تمہارے ذمے ایک کام کیا تھا۔ وہی تم سے نہ ہو سکا تم

جس کی چاکری چاہو قول کرو۔ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ منہوں نے بہت قوت کے

ساتھ اپنے دیرینہ ملازم کو برخواستگی کا حکم سنایا۔

آپ اس کے ساتھ یہ قلم نہیں کر سکتے شاہ صاحب۔ قصور جتنے ہیں، میرے ہیں۔ روشن

نے توبہ کر لیا۔

یہ تو تم نے بالکل درست کہا، فنکار عورت۔ قصور تو تمام ہی تمہارے ہیں۔ یہ بھی تمہاری
فنکاری کا نقطہٴ عروج ہے کہ تم نے میرے ایک جاٹا ملازم کو جانے کس طرح خرید لیا۔

شاہہ سائیں۔ آپ میرا چہرہ کھینچ کر میرے کو یہ تنگی کاغذ دو۔

غلام محمد ہنس کر پور۔ غلام محمد راج بھی آپ کا جاٹا رہے۔ جو یو قسم اٹھا لیں۔

خدا کا خوف کرو غلام محمد۔ اس بڑے پے میں جھوٹی قسمیں کھاؤ گے۔؟ انہوں نے غلام
محمد کو ناراضگی سے دیکھا۔

آپ کا تہہ رٹونا ہے۔ آپ کا دکھ میری روزگاری کے دکھ سے بڑا ہے۔ میں سمجھتا
ہوں۔

اس کا کوئی قصور نہیں ہے شاہ صاحب۔ یہ سید صاحب فریب آدمی۔ اپنی انسانیت کے
ہاتھوں جھبھ رہے۔ آپ میری کھال تار دیں یا جیل میں ڈال دیں یا پھانسی کے تختے پر

پہنچا دیں۔ میں چرانتھی سرائے کے لیے تیار ہوں میرا خمیر ایک بلے مجھے سکون لینے نہیں دیتا۔ مجھے
نہیں پاؤ گے، رام وہ نیند کیا ہوتی ہے۔ ہر شب قی مز، میرا علاج ہے۔ آپ اپنی ہر سوچ کی انتہا

مجھ پر نہ لیں یہی میری نجات کا راستہ ہے۔ س کی آواز بھر گئی۔

ورہیت علی شاہ۔ ہم سادھے کھڑے رہ گئے۔

تم خمیر کے ٹپ چوس کی زد میں ہو روٹن تو یہ روحانی سر بہت خوب ہے۔ وہ نظرت سے

بولے۔

میں صاحب کے پاس رات کیوں گئی تھیں۔؟

غلام محمد متوجش نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ روٹن چپ کھڑی رہ گئی۔

مجھے تمہارا کر کے مجھی کوٹ کی نظروں میں گرنا چاہتی ہو۔؟ تمہارے سر اسر گرہوت سے
جارت ہے۔ وہ حقارت سے گویا ہوئے۔

خدا نہ کرے۔ آپ کا دل بد نے میں میرا پورا ہا تھا ہے۔ میں جلتے نگاہوں پر بھی کھڑی
ہو کر آپ کا اعتبار حاصل نہیں کر سکتی۔ آپ ہر طرح کا شک کرنے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن یہ

سر اسر رام ہے۔ مجھ میں اتنی سکت کہاں کی مزید۔

میں صاحب۔ میری دوا بن کر کس گھر میں آئے تھے۔ مجھے سن کی ایک نگاہ نے خرید
لیا۔ میں انہیں سلام کرنے گئی تھی۔ یہ بھول گئی تھی کہ میری سر، تو یہ ہے کی مجھے ہر طرح کی بے

سکونی حاصل ہو۔

آئندہ یہاں نہیں ہوگا۔ آپ اس فریب، اور سادہ انسان کو معاف کر دیں۔ اور میری سزا

میں جو چاہیں۔ اضافہ کر دیں۔ آپ کا اللہ کا واسطہ۔

ورہیت علی شاہ نے رخ موڑ لیا۔

تھوڑے تو وقف کے بعد، ہشتنگی سے گویا ہوئے۔

اگر یہ تمہارا نیا ذرا ہے روٹن۔ تو جان رکھو یہ آخری ڈراما ہوگا۔ تنہا کی کروہ تیزی سے

باہر نکل گئے۔

طارق کو فیروزہ کی جانب سے قدرتی طور پر تشویش تو تھی مگر یہ جان کر اور زیادہ پریشانی ہوئی کہ میڈم حتیٰ بھی اسے ہر ہنگاموں اور فلم سازوں کو کسی قسم کی اطلاع دیے بغیر غائب ہیں۔ ان کی رہائش گاہ پر تار پڑا تھا اور ملازمین کو درخروں میں تھے۔ جو سب کے سب با علم تھے کہ ان کی مالکن کہاں ہے۔

اس پر مستزاد دیر بھی واپس آگئی تھی۔ اس وجہ سے وہ دیر تک آفس میں بیٹھا تھا اور پورے اسٹہاک سے اپنا کام کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفتر کے مین کرچی کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

ایک نئی تبدیلی بہت سے شروع ہوئی تھی کہ ہفتے میں دو مرتبہ ان جان نے فون کیا تھا اور طارق کی مصروفیت کے بارے میں پوچھ گچھ کی تھی اور دوسرا خاص خیال کرنے کی پر زورتا کید کی تھی، مگر چھ سے دیر یہ پردہ وہ کبھی تو بہت آ رہا تھا۔

مگر مصحفی چپ ہو رہا تھا آج آفس میں کام تو یاد نہیں تھا تو سسرل کی سست چل دیا۔ تاکہ ٹویہ

وزیر سے گپ شپ کر کے وقت پاس کر لے کر ٹیج نکل دیکارڈنگ وغیرہ بھی موقوف تھی۔

ایک باغییر انسان کی طرح اس نے نکاح سے قبل ہی ٹویہ کی معصومیت کو جلی سوچ کی آلودگی سے کبھی میلہ ہونے نہ دیا تھا۔ درختوں کو ہر وقت سنبھال لیا تھا۔

وقت کے حساب سے آپ آپ کو سیٹ کر زنگی کے نئے تقاضوں سے گلے مل رہا تھا۔ کھانا کھا کر جب وہ اپنے گھر کی سمت روانہ ہوا تو رات کے گونج چکے تھے۔

ایک عجیب سے دکھ درد پریشانی کے علم میں جب وہ زمینے طے کر کے اوپر پہنچا تو جبری طرے چونک پڑا۔

دیکھو بیٹے۔ یہ غیا دی سات سر ہیں جن سے لینے ماراگ تیار ہوئے ہیں۔ جو گیت ابھی میں نے اٹھایا تھا یہ وہیک میں ہے۔ کھڑ اس کا کھس ویک میں ہے اور اتر میں وہ اور کا کھٹیکا دے کر یک تپان پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

جی میں سمجھ گئی۔ کچھ چیزیں تو میں نے پہلے ہی آپ سے سیکھ رکھی ہیں۔ درہ کی آواز ابھری۔

ہاں تو شروع کرو۔ من درہن میں۔ صورتی توری۔ آگ لگائے ہے۔

اوسا ہوں۔ یوسا نہیں۔ پھر کہو۔ آگ لگائے ہے۔ علی جان صاحب نے درہ کو نوکا تھا۔

اور طارق نے شدت جذب سے یوسا ہونٹ کا ناٹھا کی خون پھٹک پڑا تھا۔

پھر اس نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی اور ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔

نیچے نیچے کار پٹ پر درہ گھاپی کپڑوں میں ملبوس گھنٹوں کے تل علی جان صاحب کے

مقابلے پہنچی ہوئی تھی۔ بال کھٹے ہوئے تھے اور چہرے کا حاطہ کیے ہوئے تھے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے جھکا ہوا چہرہ اٹھانے کو۔ جانے صرف نظریں اٹھا کر سامنے

دیکھ۔ طارق کی لگاؤں نکلواؤ کی طرح اس کے وجود میں آئیں۔

ابسا علیکم۔ علی صاحب طارق نے موڈ بدل کر ملی جان صاحب کو سلام کیا۔ علی جان صاحب ایک دم اچھے کھڑے ہوئے۔

ارے میرا یہ۔ انہوں نے تپاک سے طارق کو سینے سے لگایا۔ کب سے تمہارا منظر ہوں اور تم ہو کہ۔ کیسے ہو پادشہ؟

وہائیں ہیں آپ کی۔ اس کے لبوں سے چٹکی سی مسکراہٹ بھری۔

ہم صرف وہاں کے ساتھ نہیں دے کیا سکتے ہیں۔ ہماری عمر بھی تمہیں لگ جائے۔ کل گیلانی صاحب کی آفس میں باتیں ہو رہی تھیں۔ بہت تعریفیں ہوئیں تمہاری۔ کہہ رہے تھے ایسا تک سب سے درست لو جو ان ہے جیسے، رڈ پر بنو یا گیا ہو۔ تمہاری تو رہیں، جوتی ہیں۔ میرا خون ہمارا بڑھتا ہے۔ وہ محبت سے بولے۔

بڑی کرم نوازی ہے آپ کی۔ وہ آخروار۔

مس حنا کہہ رہی تھیں۔ بہت جلد باز نکلے طارق احمد فاروقی۔ اتنی جلدی شادی رچا بیٹھے۔ کتنے دوس کو توڑا ہے، کتنے لوگوں کو یوں کیا ہے۔ علی جان صاحب قہقہہ لگا کر ہنسے۔

اچھا۔ مجھے تو اپنی ہیبت کا اندر رہ نہیں تھا۔ وہ مسکرایا۔ ویسے مسلمان ہونے کے ناطے خاصی گنجائش ہے ابھی میرے پاس۔ وہ دانی کی گرہ ڈھکی کرتے ہوئے مسکرایا۔

خاتونِ اول کے بعد خاتونِ دوم نے، چہارم بھی۔

ارے۔۔۔ اس معاملے میں ہم دونوں بیٹی کا ساتھ دیں گے۔ تمہیں اس ظلم کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔ وہوریہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بہت شفقت سے گویا ہوئے۔

علی جان صاحب آج کل کی لڑکیوں کی شادی خاصا پریم بن چکی ہے۔ اگر خاتونِ اول خراغہ نہ کرے تو بہت سا

ثواب سمیٹ سکتی ہے۔ اس کے لہجے میں جانے کیا تھا۔ وریہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔

اب مزید اصداغات کی گنجائش نہیں ہے اس حشرے میں طارق۔ تم میری بیٹی کو ڈرو نہیں۔ وہ طارق کی بات کو محض شرارت سمجھ کر حلف اٹھو رہا ہو ہے تھے۔

ارے بھئی۔ علی صاحب کی تواضع بھی کی۔۔۔ یہ۔۔۔ وہ وریہ سے مخاطب ہوا۔

بھئی ہماری بیٹی نے ہمیں سیر کر رکھا ہے۔ بہت مہمان نواز ہے۔ برسوں سے مہمان نوازی کا حلف اٹھا رہے ہیں اچھا بھئی اجازت؟

کیوں ہمارے ساتھ بیٹھنے میں، اعتراض ہے۔ اس نے کوٹ اتار کر کرسی کی پشت پر ڈالا اور علی جان صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

ارے بھئی، تمہارے ساتھ بیٹھنا تو حسین سعادت ہے۔ وہ ہنسے۔ بھئی مجھے شاہ نور جانا ہے۔ وہکا ڈانگ ہے راستہ ایک باجے۔ وقت پر پہنچنا بہت ضروری ہے۔ تم جاؤ میڈم، میڈم

جی۔ اچھا بھئی پھر میں گے۔ خدا حافظ۔ وہ اپنی گاڑی کی چابیاں نکال کر باہر نکل گئے۔

طارق ان کے پیچھے نکل گیا غاربان کو نیچے پورچ تک خدا حافظ کہنے گیا تھا۔ وریہ کیکن کی

طرف بڑھ گئی۔

واپس آیا تو دریا بہا دریا میں مل گئی۔ کھانا، کس لک

نہیں۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

کیوں؟ میں نے مٹن چائپ بنائی ہے خاص طور پر۔

ممت بنایا کرو مجھے یو قوف۔ وہ جیسے برس پڑا، دریا بہک کر پیچھے ہٹ گئی۔

کیا کھانا کھا کر تے ہیں؟ وہ پھر ممت کر کے ہوئی۔

کھانے چارہ ہوں۔ چائیر کوئی اعتراض۔؟ وہ خرا کر پلٹ۔

اگر ہو جی تو فائدہ۔؟ وہ سگ کر ہوئی، دریا بہک کر میں چلی گئی۔

طریقے نے اٹھ جا کر کوٹ اٹھا کر بازو پڑا، پھر نر کا مہ کی سمت آیا۔ جن پیش کیا۔

فرقان۔ یا رہ۔ کہیں پر دگر مہ تو نہیں ہے۔؟

خوب میں جنت کا پروگرام ہے، عجیب لوگ ہیں۔ شادی کی ڈیٹ تک نہیں دے رہے۔

کچھ وقت حرون کے ساتھ ہی۔ نر کا مہ پر فرقان کا شکوہ ابھرا۔

چھا چھا میں نیچے رہا ہوں۔ گاڑی کی چابی چاہیے۔

پکارا رنگ ہے؟ فرقان نے پوچھا۔

نہیں یا رہ۔ اس کام ہے۔ وہ دہرا۔

کوئی پھر تیار ہو کر ہاتھس کو نہیں پہنچی گی۔ اس کی شریہ و ڈراہری۔

خدا نہ کرے۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے ہارٹل گیا۔

دیکھتے ہوں تمہاری خود پسندی کی منہ کیا ہے؟ دریا نے راہا دریا سے گزرتے طریق کو

کھا جانے والی نظروں سے دیکھ کر خود سے خطاب کیا تھا۔

مٹی دیکھتے گا۔ میں ان لوگوں کو جان سے مار دوں گا۔ عمر کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔

میری زندگی۔ فیروزہ نے، سے بازو میں بھریا۔ سارے دکھ بھول گئی، اپنے شیر جیسے

بیٹے کا غصہ دیکھ کر۔ وہ کھلکھل گئی۔

میں میرا نہیں ہوں مٹی ڈونٹ پلیسی۔ عمر نے فیروزہ کی ہنسی کا سخت ہر منایا۔

فیروزہ اپنے بیٹے خستہ قہقہے پر قابو نہ پا سکی۔

میں ان کی باتیں بھی تو دوں گا، دو دونوں ہاتھ بھی۔ عمر اس کی آغوش میں بکھر پڑا۔

بالکل ہی مٹو لیتے بنا کر مارو گے؟ ستارہ نے حصار لیا۔

آپ دیکھ بیچے گا۔ نئی۔ وہ مارے جیبات کے جیسے اٹل رہا تھا۔

بالا۔ ہیرا اینا ہے جری۔ اس میں شک کیا ہے؟ فیروزہ نے س کی پیشانی سے ہل سیٹھ۔

مٹی اس نے چہرہ اٹھا کر فیروزہ کو دیکھا۔

مٹی کی جان۔ فیروزہ نے اس کا منہ چوم لیا۔

وہ لوگ کہا۔ رہتے ہیں؟ وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

نہیں۔ اللہ کی زمین پر۔ وہ سکرانی۔

آپ مھمان کا ایڈریس دیجیے ذرا۔ وہ بڑے جذبات سے بولے۔

اللہ کی شان۔۔ ستارہ کو گدگدایا ہونے لگیں۔ بھی رونا چھوٹا قہار سے اس دنگ نیلے سے خوف آنے لگا ہے۔ وہ ہنسی۔

باشا، اللہ نظر لگاؤ گی کیا۔۔؟

آپ سنی کیوں نہیں ہیں؟ کیا کہہ رہا ہوں میں آپ سے؟ وہ جھجھکیا۔

میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔ ہاتھوں پاؤں کے نشان اپنے وجود پر دکھاؤں گی۔ مگر صبر کرو میری جان۔ بھی تم بہت چھوٹے ہو۔ فیروزہ بیار سے بولی۔

چھوٹے بھی، مار سکتے ہیں۔ اس نے گویا انکشاف کیا۔

ہاں اور کیا۔ تم ایسے جفا داری کے سنے تو کرو۔ پھر دیکھا ہمارا عمر پیسے اسلول رکھے گا پھر اسلول پر بیڑی اور ایک دسے گا جہر کر۔ ستارہ دنگا شہنشاہ بن رہی تھی۔

آئی جوک نہیں کریں۔ آپ میرا ندی ڈار ہی ہیں؟ کی ایم مین۔۔۔ فورٹ سیون انجمن کی بلڈ۔ آئی ایم اسرونگ عمر علی شاہ اللہ راہینڈ۔؟

اسے کہتے ہیں خون کا اثر۔ ایم کے درخت میں آم لگتے ہیں اور گلاب کے پودے میں گلاب۔

فیروزہ نے تقاضا سے عمر کو دیکھ کر ستارہ سے کہا۔

مٹی۔ جب آپ سب لے کر جاتی ہیں تو میں نا تو میں بہت سو رو (مقل کرنا ہوں اور

میں رونا چاہتا ہوں مگر میں رونا نہیں ہوں، اس لیے کہ آپ اتنی ہیں بہاؤ مرد بدل لیتے ہیں رونا کی بجائے ہیں۔

ہائے یہ قہار تاجدار بیٹا۔ ستارہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

تم میرے بیٹے کج نظر لگا کر چھڑو گی۔ فیروزہ نے کہا۔

مجھے بھی لگتا ہے۔ عمر نے ناراضی سے کہا۔ دونوں بیٹا خفا میں پڑیں۔

پوری دنیا بھی حیران مول نہیں میری جان۔ تجھے میرے دکھ پر دکھ ہوتا ہے۔ کتنا بڑا مھمن ہے تو میر۔ فیروزہ نے جھک کر پھر اس کا منہ چوم لیا۔

میں چند روز میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ پھر اہل محل کر اس چند قسم کے سینے ہالین مین سے بدل لیں گے۔ تم فکر مند نہ ہو میں ڈسٹرب ہو جاتی ہوں۔ فیروزہ نے سے سینے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

تم کہہ رہے تھے کہ میں کچھ چیزیں چاہوں۔؟ فیروزہ نے گفتگو کا رخ موڑا۔

جی۔۔۔

سب جاکر خوب کو دو سو رو دے گا۔ اس نے محبت سے اس کے بال سنوڑے۔ فارگا ڈسک مٹی۔۔۔ عمر کو ایک دم جیسے کچھ یاد آ گیا۔

آپ خوب کو مری نہ بھیجا کریں۔ وہ جھجھکیا۔

کیوں بیٹا۔؟ وہ حیران ہوئی۔

ہے جو گا۔

مجھے اپنے رواج پروان چڑھانے والوں۔ مجھے یہ زندگی پہلی اور آخری بار ملی ہے۔

یونہی کسی روز جان سے چلی جائے گی۔ ہاں ہی جان کو روک لگا کر عمر بھر کے کلیں۔

بڑھیا نے اپنا نقش پاندن کھول کر پان بتائی شروع کر دیا۔

جفا داری تیرا بچپن نہیں چھوڑے گا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ بڑھیا نے تندریشہ ہر

کیا۔

چھوڑ دیا۔ موت سے بے ہاتھ کسی کے نہیں مچے۔ میں اس کی موجودگی میں جان بھی

دے سکتی ہوں۔

کروا کر تو بیٹھی ہے حشر اپنا چلتی موڑ سے چھانک مارنا کوئی کھیل ہے۔ حیر تو ہو چکا

ہے، داغ خرب۔

بہی سمجھو۔ اس نے بازو اکھوں پر رکھ لیا۔

اس کو سمجھنا بے کار ہے اس۔ کیوں سکتی ہو۔ ستارہ نے قہر کو تار کیا۔

تو کسی کو خوش کرنا نہیں چاہتی۔ کوئی تجھے پنا نہیں سکتا۔ کیسے زندہ رہے گی، اپنے نفس کو

مار کر۔ بڑھیا نے ایک اور دوپے سے نشانہ لپ۔

تمہارے ہندوستان میں، راج بھی عورت اپنے مرد کے ساتھ تھی ہو جاتی ہے ہاں۔ نفس

کٹتی بھی کرتی ہے اور روح سے بھی پیچھا چھڑا لیتی ہے۔

تجھے کوئی نہیں پنائے کافر و زہر تو کتنی گرگا ہے جس میں لوگ ہاتھ دھونا چاہتے ہیں۔

مگر یقین کرو، ماں میں پر سکون ہوں۔

یہ جفا داری۔

موت ہو، مجھے، کسی جفا داری کسی دُور سے کسی فشر سے، خدا نہیں ہیں یہ لوگ۔ ایک

بہاؤ نفس اور غریبہ روح کے مالک ہوں۔

تم فکر نہ کرو، میں تمہارا علاج تمہاری مرضی کے مطابق کر دوں گی۔ نیو یارک ہی میں

مگر مجھے اپنے جسم و روح پر پنا حق استعمال کرنے دو۔

ب کب کب ہے تمہارا پاؤں ستارہ نے، کتنا کہ بات کا رخ موڑ۔

چھاپے۔ پل بھر سکتی ہوں۔ اس نے اپنے پاؤں پر نظر ڈالا۔

تاری۔

ہوں۔

ذرا مال تولے چل مجھے۔ دیکھو، موت تیار ہو کر آگئے ہیں یا۔

طبیعیات ٹھیک نہیں ہے حیر۔ موت سے مال پہننا کوئی گھڑی کی بات ہے بڑھیا نے

نوکا۔

ٹھگ آگئی ہوں میں یہاں قیدیوں کی طرح رہتے رہتے۔ بہت بار ہو رہی ہوں۔

ہاں اہاں۔ ذرا اس کا جی بھی میسر نہ گا۔ ملاطون سے کچھ زیادہ ہی ہو رہی ہے۔ ستارہ ہنسی۔

خواب کو ساتھ لے جاؤ۔

میں نہیں لگا رہی یہ دم چھو۔ فیروزہ نے بیڑی سے کہا۔ بڑھیا چپ ہو گئی۔

کچھ رقم رکھ لو ستارہ۔ میرے لاکر سے۔ اس نے چابی نکال کر ستارہ کی جانب پھینکی۔
کتنی۔

چائیس ہزار لے لو۔ ہو مکتا ہے رقم، بیڈوئس دینا پڑ جائے۔ وہ اسٹک تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پیرش اٹھا کر بال بٹالے لگی۔

تو کیا کل تک۔ ڈوگی۔ بڑھیا پھر پوچھ بیٹھی۔

ہم مری کے مال جا رہے ہیں مار۔۔۔ ہوو کے مال پر نہیں۔

موثرہ احتیاط سے چلانا ستارہ

اچھا مار۔

وہی ہو، جس کا قد شہ تھا یعنی شام خاصی آخر آتی تھی۔ ستارہ پارلر سے ابھی تک برآمد نہیں ہوئی تھی۔ فیروزہ بیسوسات کے آرڈر تک کرا کر روزمرہ کی ضروریات کی بجلی پھٹکی چیزیں خریدنے میں لگن تھی۔

ایک ہاتھ میں پیکٹ اور دوسرے میں چھڑی تھا سے جب وہ پٹی ماہر کی سمت بڑھی تو ایک نو عمر لڑکا حیرت سے سائیکل چلا تا اس کے سامنے سے زن سے گزرا۔ وہ ایک دم چھل کر پیچھے ہٹی۔ ہاتھ میں موجود چند پیکٹ اور بلیو فریم کے کن گلاسز ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر

جا گرے۔

اس نے سنبھل کر پھر چمک کر چیزیں اٹھانا چاہیں تو مضبوط مردانہ خوبصورت ہاتھ اس سے پیسے پیکٹوں کی جانب جوڑے ایک مخصوص مہلک فیروزہ کیلکھوں سے ٹکرائی۔ اس نے نئی طریت چونک کر سر اٹھایا اور سپید می ہو گئی۔

یہ بیچے۔ عمارت نے پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھمائے۔

شکر یہ۔ وہ اجنبیت سے بولی۔

مارق نے سن گا ماری کی سمت تاسف سے دیکھا۔ یہ تو نوٹ گیا فیسوس۔

چھل، آ نکھیں تو سامت ہیں۔ وہ جتاڑ بکے میں گویا ہوئی۔

کوئی اللہ درنا یا۔ وہ بہت لطیف انداز میں مسکرایا۔

اللہ اللہ۔ دونوں۔ وہ بات کاٹ کر تھری سے بولی۔

ٹھیک تو ہیں آپ۔ مارق نے اس کی چھڑی پر نظر ڈال کر بالآخر پوچھ ہی لیا۔

میں تو اسوں سے بہت گھر مند رہا آج تک۔

کس دن سے وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہ رہی تھی مگر چونک کر پوچھنے پر مجبور ہوئی۔

جس دن آپ کو سرخ نو لونا کام۔

فیروزہ نے پتی، ابھی ہوئی آنکھیں اس کی سمت مرکوز کیں۔

جس دن آپ اعتراف آئیں کونسل میں میرے گیت سننے آئی تھیں۔

وہ ایک مکمل کنسٹ تھا، محض آپ کے گیت۔

اوس میں خاصی خوش فہمی کا اظہار ہو گیا تھا کیونکہ میری ہر فکر شخص کے لیے اور بعد میں آپ باہر انگلیں تھیں۔ اس نے فیروزہ کی ہمت مائی۔

اس کے بعد کیا ہوا۔ آپ خیریت سے تو رہیں تار۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

یہ را بگر رہے مسٹر فاروقی۔ میری آنکھوں سے لبو گرنے لگے گا۔

وہ بھرتی ہوئی آؤ زمیں کہہ کر اپنی سمت بڑھ گئی۔

فاروقی ٹھونٹیل سے اسے چھڑی کے سہارے آگے بڑھتا دیکھ رہا تھا۔

وہ میرا صاحب کو ساتھ لے آئے تھے۔

گھر میں مجھ سے رونق اتر آئی تھی عاید بھی اپنے بچوں کے ساتھ بھائی کے ہاں رہنے آ گئی تھیں۔ سوچ تو وہ کافی دنوں سے رہی تھیں کہ بھائی کے ہاں جا کر ان کے گھر کی جھڑ پوچھ کر آئیں چونکہ خود بھی گھرواری میں پھنسی تھیں، موقع عمل کر نہیں دیا تھا۔

بچڑوں کو دھوپ لگانے کا کام، سردیوں کے کپڑوں کو ڈرائی کلین کرانے کا کام، عافوں اور کپڑوں کی صفائی کا کام، انجن میں استعمال ہونے والے برتنوں کی دیکھ بھال، اکونگ ریج کی صفائی، ٹیکسٹس کی صفائی، سٹرائی، ملازم تو سر سے بڑا اتارتے ہیں، ان سے بھی کام لینے والا کوئی ہونا چاہیے یہی خیال انہیں بھائی کے گھر میں معروف کرنے کا عجب بنا تھا۔

صبح کو اٹھ کر شروع ہوئیں تو سانس نہ بیٹیں۔

میں صاحب پورج سے۔ ت اور ان سے پورج تک کا مارچ کرتے ہوئے بغور نہیں دیکھ کرتے۔

ورایت ملی شاہ تمہاری بہن بہت قہر مند ہیں، اللہ اس کی عمر میں برکت دے۔ ایک روز کھانے کے دوران انہوں نے محبت سے کہا تھا۔

جی میاں صاحب یہ میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ انہوں نے کہا تھا۔

ان کے دم سے میرا میکہ آباد ہے میاں صاحب! بھنے نے محبت سے یہی کی کو سوچ کر گہر اس وقت بھی وہ انجن میں ملازمین کو ڈانٹ ڈپٹ کر رہی تھیں۔

ذرا چینیٹری کا حال دیکھو زمین پر کس قدر چال بکھرے ہوئے ہیں۔ پیناز کے چھلکے ٹھیکہ کنسٹروں کے ڈھلک تک بند کرنے کی تم لوگوں کو فرصت نہیں۔ حد ہے۔

فریج دیکھو پنا پڑا ہے میٹروں پر اپنی چیزیں اب بھی اس میں موجود ہیں ڈیپ فریزر دیکھو کو دیکھو تو اس کا حال بد۔ ایک ٹریفک تو قابو، بیس سال میرے چڑی ہے۔ ٹکڑا کر خور ہو گئی ہے۔

کوٹنگ ریج پر کچے نشان پڑ گئے ہیں جنہیں معلوم ہے کتنا قیمتی ہے کسی اور گھر میں یہ حرکت کی ہوتی تو بالکل ہال بار کرتی۔ عجب ہمت ہوئی ہے۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی ٹائٹس تو دروازے میں میاں صاحب کو کھڑے ہونے پہا کچھ جھینپ سی گئیں۔

ٹٹی۔ ذرا آرام سے۔ کیوں اس قدر ناراض ہو رہی ہو۔

گھر اٹار رکھا ہے میں صاحب ن لوگوں نے کام کرنے کو دل نہیں چاہتا صفت کی
تخو اہیں چاہتے ہیں۔

وہی آدھ گھنٹے سے فرصت نہیں ہے۔ بھائی جان سے کہا ہے کہ رک لگا چاہی کریں وہ
علاقہ کر جاتے ہیں کہ

برسوں پہلے تک خوار ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ سر پہلے سے رہے ہیں کہیں اور مل سکتے ہیں
یہ شاہد۔

یہ بہت خطا حرکت ہے یہی۔ مہربانی کا جواب مودے مہربانی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔
قرآن نہیں پڑھا تم نے لہذا خود سوال کر رہا ہے۔ حل جزو در حسان لا حسان۔ کیا احسان کا بدلہ
سوئے احسان کے کچھ اور ہو سکتا ہے۔

یاد رکھو خائن قابل مذمت ہے۔ یاد رکھو جو عیث میں ڈر ہے وہ ہمیشہ ہیٹ میں نہیں رہتا
اور جو جیب میں رکھا ہے وہ ہمیشہ جیب میں نہیں رہ سکتا۔ سانپ گزر جاتا ہے لکیر بہ جاتی ہے،
عمل بظاہر تمام ہو جاتا ہے مگر روح پر نشان رہ جاتا ہے۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ یہ جواب
ہے ان جیسے لوگوں کی مہربانی کا۔ چلو بی بی سے معافی، انگو اور اللہ سے استغفار کرو۔ انیسویں نے
خاتمہ یہ کہنا۔

ہم بے ایمانی نہیں ہیں جی۔ ہم نے آج تک بغیر پوچھے اس گھر سے کوئی چیز نہیں لی۔
ایک نوکر کھکھکیا۔

نا سمجھ اپنے فرائض سے غفلت سب سے بڑی بیماریاتی ہے۔ بہت بڑی چوری ہو رہی
ہے۔ وہ مارا اسکی سے گویا ہوئے اور ہناصا لگاتے ہوئے باہر کی جانب نکل گئے۔

شام کی چائے پر عائد کوئٹہ پارانہوں نے، مختصر کیا۔
گھر کے لیے کچھ ضروری چیزیں لینے بازو لگی ہے۔ روایت علی شاہ نے بتایا۔
ہاموں جان گی بشر کا لایا نغرام نیر کے ہاں دینے گئی ہیں۔ عائد کی بیٹی نے روایت علی
شاہ کو اطلاع بہم پہنچائی۔

ہاں بیٹے۔ مجھے یاد آ گیا۔
تم نے لیکن پر بہت بار قال دیا ہے روایت علی شاہ۔
میں میرا صاحب وہ اپنی خوشی سے۔

تمہیں خوش اور تپ سکون دیکھنے کی آرزو تین دو اپنی ذات کو ترہان گاہ تک لے جا سکتی
ہے۔ لیکن، اپنے بھائیوں کے لیے چہاہ حساس ہوتی ہیں ملاہت علی شاہ۔ وہ اپنی محبت سے مجبور
ہے۔ مگر تھک تو سکتی ہے۔

میں تو اسے بہت منع کرتا ہوں میرا صاحب یقین کریں۔

تمہاری ممانعت کی قوت اس کی محبت سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ اپنی محبت کے ہاتھوں بے
اختیار رہے۔ تمہاری وجہ سے وہ اپنے گھر میں بھی نکلیں ہے۔ لکھی میں ہے۔ حالانکہ اس کا
دلی بہت اچھا ہے۔ اس کے گھر میں اللہ کی برکت ہے اسے تو سکون ہونا چاہیے۔

میں جتنی سے متعجب کروں گا میرا صاحب و دلایت علی شاہ کو کبھی نہ بھلا۔

یہ غضب نہ کرنا۔ وہ ڈر جائے گی دلایت علی شاہ۔ تم دونوں ہمیشہ کے لیے دی طور پر ڈر ہو جاؤ گے۔ تمہارے گھر میں اس کی یا پناہیت اور تصرف علی اس کا مان ہے۔

پھر کیا کروں دلایت علی شاہ پیوستہ کہ بیٹھے۔

جو اس گھر کی مالکین ہے اسے معاف کرو۔

دلایت علی شاہ دم بخود میرا صاحب کو دیکھتے رہ گئے۔

ناممکن۔ ہر صورت ناممکن۔ میرا صاحب معاف اللہ۔ میں بغیر نہیں ہوں۔ چوٹ کھا کر

پتھر نہیں بخم سکنا۔ وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

تغیر انسانیت کا نمونہ بن کر آتا ہے دلایت علی شاہ کے عن صرتر کبھی وہی ہوئے ہیں جو

آدم کے لیے مختص ہیں۔ وہ رہنما بن کر آتا ہے دلایت علی شاہ و وہ واحد و مطلق کی انتہا

یہ کہ اللہ کی وحدانیت کا قیام کرنے والا اس کے رسول کو صرف رسول ہی نہ سمجھے بلکہ اس کے

بندہ ہونے کا بھی اقرار کرے۔

محض لیس کشی ہی بغیر نہیں ہوتی اور بغیر صرف لیس کشی نہیں ہوتی یہ حجاب کی

باتیں ہیں اللہ اور اس کے مخصوص بندوں کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ میں تم انہیں اپنی سوچ

کی گرفت میں نہیں لے سکتے۔

مگر یہ خط سوچ اپنے ذہن سے نکال دو اور ہمیشہ کے لیے یاد کرو کہ بغیر نہیں ہے اللہ کا بندہ

ہے پھر غم نہیں۔

تم نے تو ایک لمحے میں سب کچھ اکارت کر دیا۔ پھر کھا کر چوٹ سب کو ایک جیسی لگتی ہے۔

خون بہتے وقت رگ جہاں سب کی ایک طرح کھینچی محسوس ہوتی ہے۔ رستے میں بچے

کاٹنے سب کے پاؤں میں چھو کر ایک سی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اللہ

اسے ہر طاقت کی طاقت سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو اس کی نظر سے گر جائیں انہیں طاقت نہیں

درا نہنگی ملتی ہے۔ یہ جو راستے الہامی قوت ہر طاقت کی آزمائش ہیں۔ یہاں الہامی میدان

کی کسوٹی نصیب ہے۔ دلایت علی شاہ۔

روٹی پانی کی طرح مذہب کو بھی کھینچتے پھر رہے ہیں۔ الہامی رستہ میراں بھر رہی ہیں۔

الہامی رستہ میں خالی اور رہی ہیں۔

بجائے شاد و غم میراں صاحب مگر۔ میراں صاحب دلایت علی شاہ ہچکچا کر چپ ہو گئے۔

کہا دلایت علی شاہ وہ مصیبت سے نظریں نہ کا کر مل سکر ہوئے۔

چھوٹا نام ہے بڑی بات کہنے جا رہا ہوں۔ دلایت علی شاہ گویا ہوئے۔

میراں صاحب۔ آپ دور کے امتحان سے نہیں گزرے۔ آپ اس گم میں نہیں چلے

جس میں ہر لمحہ جلا رہا ہوں۔ ان کی آواز بھینگ گئی۔ وہ سر قہم کر کر رہی پڑی ہوئے۔

دلایت علی شاہ ایک خیال پارہاں میں آتا ہے۔

یہی کہ تم نے آج تک ہمارے ہاؤس میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ کہ ہم کون ہیں۔
 ہمارا تعلق کہاں سے ہے۔ ہماری اولاد کہاں ہے۔ ہمارا گھر اتنا مستان کیوں ہے میاں
 صاحب نے پرستہ آواز میں کہا۔

وریت علی شاہ نے چونک کر میاں صاحب کی شکل دیکھی۔
 واقعی۔۔۔ انہوں نے یہ جاننے کی تو کبھی کوشش ہی کی جبکہ میاں صاحب سے کئی بار مل
 چکے تھے۔

یہ میری کوتاہی ہے میاں صاحب۔ آپ اپنے ہاؤس میں کچھ فرمائیے۔ یہ تو بڑی اہم
 بات آپ نے یاد دلائی۔ وریت علی شاہ نے بھینکی کا مظاہرہ کیا۔

وریت علی جس آگ میں تم کچھ عرصے سے جل رہے ہو اس آگ میں یہ بیس
 سال سے جل رہا ہوں مگر رضی بہ رضا ہوں۔ میرے رہبر کی دعا ہے۔ میرے، ملک کا دیا ہوا
 حوصلہ۔۔۔ وگرنہ میں کیا، اور میری سادہ کیا۔ ان کی کیا آواز پست ہوگی۔

میاں صاحب۔۔۔ وریت علی شاہ سشور سے ان کی صورت دیکھنے لگے۔
 ہاں۔۔۔ وریت علی۔۔۔ تم ایک دم اپنے حکمرانوں سے مل سکو گے جس سے تم اپنے وطن
 میں رہتے ہو مجھے دکھو۔۔۔ میرا نظروں کے سامنے میرے جسم کے حصے چھین رہے گئے۔ وہ پھر
 یقین کے اس راستے پر الوداع کیا کہ اب میری آنکھیں نہیں کبھی نہ دیکھ سکیں گی۔

میاں صاحب۔۔۔ وریت علی شاہ دم خود سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ان کا جگر قطرہ قطرہ

پھسلنے لگا تھا

ہاں۔۔۔ وریت علی یہ آسمان میرے سر پر ٹوٹا ہے۔ یقین کرو وہ آرزو کی سے ملوے ہوئے

یہ کیونکر ہو، میاں صاحب۔۔۔ کیسے۔۔۔ وریت علی شاہ نے بیقرار رہی کا ظہار کیا۔
 یہی میں آج تک سوچ رہا ہوں۔ شاید میرے رب نے میرے یقین کی آزمائش کرنا
 چاہی تھی۔ میاں صاحب اپنی چھری سے زمین کریدنے لگے۔

میاں صاحب مجھے اپنے ہاؤس میں تفصیل سے بتائیے۔ میری حالت غیر ہو رہی ہے۔
 وریت علی شاہ نے ان کے گھٹنے چبوائے۔

میاں صاحب نے اپنی سفید پٹلیں اٹھا کر اچھیں دیکھا۔
 تم نے وہی ہوئی چنگاری کو ہاؤس دی ہے وریت علی شاہ۔ میں پھر بکھرنے لگا ہوں۔
 مجھے دعا کرنے دو کہ میرا رب مجھے پھر حصد سے میں پھر اپنے آپ کو سمیٹ سوں۔

میں بہت تنہا ہوں رہا ہوں۔ وریت علی شاہ اپنی بیقرار رہی بھپکے۔
 میاں صاحب نے گھاس پر بیٹھے ہوئے وریت علی شاہ کو بغور دیکھا۔ وہ اپنے گھٹنوں پر
 رکھے ہوئے وریت علی شاہ کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

رات کو چھت پر چھین گئے پھر میں تفصیل سے اپنے متحالی و تقاطع تمہیں بتاؤں گا۔
 وریت علی شاہ نے درختوں پر چھلکی دھوپ کو دیکھا اور اندازہ کیا کہ رات کتنی دیر بعد

ہوئی۔

دونوں قبل در یہ نے عجب سے بچھ میں اسے بتایا تھا کہ ایک لمبی ٹوبہ کے رشتے کے یہ
بے انتہی منہر ہے۔ وروہ لوگ جو کوہ قاعدہ رشتہ، لگتے، رہے ہیں۔ ممی نے آپ کو دیا ہے،
لڑکا بھی آئے گا۔

ممی کہہ رہی تھیں آپ کا وہاں ہونا بہت ضروری ہے۔ سخت تاکید ہے۔

اس نے نس کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بہت دتا ضرور کہا تھا کہ فوز یہ میں کیا برائی ہے
موقع ہاتھ لگے تو یہ سوال آپ ن سے کر بیچے گا۔ اس نے سپاٹ بچھ میں کہا تھا۔

پھر، صوبہ جان نے بھی دوسرے جوان کر کے یاد دہانی کر لی تھی کہ اسے بحال میں وہاں
موجود ہونا چاہیے۔ وہ صبح سے لیکر ور کے کھیل میں الجھ ہوا تھا۔ وروہ کو تو صبح ڈیڑھ بج کر لے
گیا تھا۔ وروہ پر کوہ سو گیا تھا۔ سب اٹھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وہ بچے اندر سے قلعی
ماتعلق ماہور ہوا تھا۔ جد جالے لگیں۔

ذریعہ اس کے کپڑے تیار کر کے سے مطلع کر کی تھی مگر اس نے در یہ کے تیار کر دینے تکلف
لباس کو نظر انداز کر کے سفید کرتے پاس کا انتخاب کیا۔ جس وقت وہ بہت دل لگا کر بھا
کر پر بس گھر پر تھا فون کی کھنٹی بج اٹھی۔

اس نے ریسیور اٹھایا تو عجب سی سرخوشی کا احساس ہوا۔ دوسری طرف عابدہ بیگم تھیں۔

السلام علیکم ابا جان وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔

علیکم السلام۔ اللہ بنا کر کم کرے۔ کیسا ہے میرا بیٹا؟ وہاں سنا ہے۔ بچھ میں غاصب تھیں۔
بالکل ٹھیک۔ اس نے مسکرا کر کہا مگر ایسا لگا جیسے بالکل ٹھیک کی صدا اس کے کان و جو دہش
پر زشت بن کر گونج رہی ہو۔

کیا کر رہے تھے آج تو جمعہ ہے۔ خوب آرام ہو رہا ہوگا ان کی پر شفقت آواز ابھری۔
بس تھوڑا سا آرام اور زیادہ کام۔ یہ پر وچیکٹ مکمل ہو جائے تو کچھ اطمینان ہوگا۔
ور جو تم بنا گھر بنائے گا پر اگر کام بنا رہے تھے عابدہ بیگم کو معاذ دیا۔

آپ دعا کرتی رہیے انشاء اللہ وہ تو بچے گا۔ اس پر وچیکٹ کے بعد میں دوسری سیکش
جو اسن کر لے گا ارادہ رکھتا ہوں۔

سوانا بند رہے۔ یہاں میری خدمات کا معاوضہ میری مرضی کے مطابق ہوگا اور ممکن ہے چند
سال مجھے آسٹریلیا، امریکہ میں گزارنا پڑیں۔ اس نے اس کو تفصیل بتائی۔

دل تو تیری دوری پر بہت کڑھتا ہے مگر پھر تیرے خواب، تیری خوشی۔ عابدہ بیگم نے
ٹھنڈی سانس بھری۔

کچھ پانے کے لیے تنگ دو تو کرنا ہی پڑتی ہے اس جان، وروہ دیکھے تان یہ تو میرے
اپنے ساتھ نہ پاتی ہے کہ دنیا کو تعمیرات کے شاہکار دیتا ہوں، وروہ سوانا جو داڑو کے مکان
میں۔ ہوں میں۔ پنے ہنر کی انتہا اپنے گھر پر کرنا چاہتا ہوں، اس جان۔

ماشا اللہ خدا، تمہارے خواب سچ کرے۔ میرا بیٹا کامیابوں کے گنے جہان دیکھے۔ عابدہ

طارق نے سر اٹھا کر نیز کی سمت دیکھا تک نہیں در سیدھا ڈر تنگ روم میں چلا گیا۔
 ماموں جان اسے دیکھ کر کھٹکڑے ہوئے۔ اس نے سب کو مخاطب کر کے السلام علیکم کہا۔
 "وہ آؤ۔ طارق بھی خاصے پیٹ ہو گئے۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہوئے یہ میرا بونہار
 بیٹا۔ طارق احمد فاروقی۔ میرا سگا بھانجا ہے۔ بیٹا ہے۔ دبا دبا ہے۔ انہوں نے طارق کو شاتھوں
 سے تھام کر بڑی ہنایت سے تعارف کر دیا۔ مہمانوں کے سامنے احسان علی بچے جا رہے تھے
 جس کی وجہ سے طارق نے مہمانوں کا بغور جائزہ لیا۔ جو کنویرین ٹھہرق کے حال نظر آ رہے
 تھے۔

"آپ کو کوئی ڈی پروکھا ہے۔ وہ کیا پروگما تھا مہمانوں میں سے ایک لڑکی نے اپنے
 ذہن پر زور دیتے ہوئے مخاطب کیا۔

کبھی کبھی شوق کر لیتا ہوں۔ وہ مسکرایا۔

ارے بھی بہت بڑا سنگر ہے ہاں، چنا۔ مگر صرف شوق۔ پیٹھے کے اعتبار سے آرکیٹیکٹ
 انجینیر ہے۔ اور اس میدان میں بھی نمبروں۔ نور جہاں نے تعارف کا سلسلہ آگے سر کیا۔

ماشا اللہ مہمانوں میں سے ایک خاتون بولیں۔

بھئی آپ سے تو آپ کے سوال والے بہت ہی پھر لیں ہیں۔ ہمارے بھائی جان
 کی بھی دل گلنے دیں گے یا وہی مخاطب لڑکی ایک بار پھر شرارت سے گویا ہوئی۔

میں پیشگوئی کی مصاحبت نہیں رکھتا۔ وہ برجستہ بولیں۔ اس ذہنی بات پر کچھ قہقہے خاصے

بند تھے۔

طارق ان لوگوں سے خاصا کھل مل گیا تھا۔ اس لیے کہ اس نے احسان علی اینڈ فیملی
 کے عزائم کا بھانپ لیا تھا۔

ویسے اسے پوری فیملی میں نوجوان امیدواری کچھ متوازن نظر آیا تھا۔ اس نے ثوبیہ کے
 اہلپن اور سادگی کو اس کے مقابل کیا تو وہ مناسب دکھائی دیا تھا۔ سے متعلقین جو چلا تھا اگر
 یہ شخص، تا متوازن نہ بھی ہوتا تو احسان علی انہیں، پوس نہیں کرتے کہ ثوبیہ کے ہونے والے
 سنسرن کے تے شرکت دار تھا اور اپروچ میں ہمارے جس سے بہت آگے تھے۔

اس نے یہ بھی نوٹ کیا کہ نور جہاں مماتی صرف شوہر کی طرف سے مجبور ہیں، ان کی
 حرکات و سکنات اس بات کی مظہر تھیں کہ انہیں اپنے شوہر کی حلد بازی پر تشویش ہے۔

اور دوسرے قریبی تعلق دار بھی رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں
 طارق کو گھیرے بیٹھے تھے لڑکیاں خاصی بڑے جوش نظر آ رہی تھیں۔

ایسا وہ زورور کیا ہاتھ تھا مے ہال میں داخل ہوئی کسی ٹک پانچا مے کرتے اور مرغ
 کا دانی کے دوپٹے میں بسوس دور یہ جیسے اس کے ساتھ زبردستی کھینچی چلی آ رہی تھی۔

یہ دیکھتہا، میاں سخت خطرے میں ہے۔ ہر سمت بیخار ہے۔ سارے رہا ہے دھپان
 رکھ کر زور نے سے صوفے پر طارق کے پیسوں جیسے آویزا۔ در یہ مشکل سنبل۔ طارق
 کے رنوپر اس نے ہاتھ رکھ کر خود کو متوازن کیا تھا۔

اس پر نہ چون و تو مردوں کو کیا مار گشت ہاتھ آ گیا تھا، دشور و غوغا شروع ہوا کہ کان پڑی
آواز سنائی نہ دی۔ اس پر مسٹر ڈوبیہ کو بھی وہیں کھینچ گئے۔ سرخ رخساروں کے ساتھ آج اس
کی چھب بھی نہ رہی تھی۔ نہبتائی گھبراہلی دور بولکھائی ہوئی بہت دلچسپ لگ رہی تھی۔

درے دریم ٹوپی کو یہاں کیوں لے آئیں۔ می دیکھیں گی تو ناراض ہوں گی۔

طارق نے چونکہ کروریہ کی سمت دیکھا تو سنانے میں رہ گیا۔ ڈریہ کھینکیوں سے طارق
کو دیکھ رہی تھی۔ طارق نے نزدیک اس کا کیا انداز بہت حیران کن تھا۔
وہ اسے محض وہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے یہ جانچنے کے لیے آدریہ کی حرکت اتفاق تھی یا سوچا سمجھا طرز عمل۔ ایک نظر
ٹوپی پر ڈالی۔ اور نہبتائی مقبوضہ پہچان گیا۔

کوئی ضرورت نہیں ٹوپی کو غدر جانے کی۔ جب سب لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔
ٹوپی۔

جی طارق بھائی۔ وہ مسکرا کر اس کے نزدیک چلی آئی۔

”وہ یہاں بیٹھو۔ اس نے نزدیک کرشی کی سمت اشارہ کیا۔ میں دیکھتا ہوں کون تمہیں جھگ
کرتا ہے۔

ٹوپی نے اپنی مخصوص المیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل کی۔ دریہ کے چرے پر
کی رنگ آئے گزر گئے۔

طارق کی روح اذسر لولو دکھائی ہوئی۔

کیا واقعی دیر ہے۔

یہ جانتا ہے

کہ

جو بات میں نے خود سے بھی نہیں کی تھی تپاری اس تک رسائی تھی۔

ادریہ بگھا اس سے بھی بڑا ہے کہ مجھے رشتوں سے احترام سے عاری سمجھا جائے۔

وہ بات جو میں نے خود سے بھی نہیں کی تھی۔

میں نے بہت آرام سے نکل دی تھی کہ رشتوں کی تدبیل ضعیف گورمان نہیں کر سکتا۔ مجھے غیر
فطری تعلق کسی صورت گوارا ہو سکتا۔

یہ گھائی پڑوں میں بیوس پچاس چالی دو سال کی مالک لڑکی عفت و عصمت کا غرور۔ اس
وقت اسی رشتے کے تحت مجھ سے قریب اور متعلق ہے جس رشتے سے قدرت نے ہمیں باندا
ہے۔

یہ میرے حقیقی، سوں کی بیٹی میری بیوی کی بہن، ہر لحاظ سے میرے لیے قابل احترام، اور
دلیق توجہ۔ کیا مجھ سے اس قسم کی ”لوگوں کی توقع دکھائی ہو رہی ہے۔

تمہارے جرم تو، ورنہ وہ گھانا کتابت ہو رہا ہے۔

کیا تم مجھ پر یگانگی نہیں۔

خواہ وہ تو سب کے برابر ہوتے ہیں۔۔۔ پھر

تجربہ دہی خود غرضی ہے کنار ہے دریہ۔۔۔ میں تمہارا حشر کروں گا۔

دریہ کی معنی خیز اور حیرت انگیز نظر نے طارق کے اندر تیش فشاں متحرک کر دیا تھا۔

انسان غیر موافق حالت سے گزر رہا ہو تو یوں بھی خیر معمولی حساس ہو جاتا ہے۔ اس

نے اپنے تمام حواس کی قوت کے نقطہ درنگاز پر دریہ کی شکی نظر محسوس کی تھی۔

اور۔۔۔

وہ سوڈ جو اس نے بڑی مشکل سے درست کیا تھا۔ پھر بگڑ گیا تھا۔

زخم کے کھر خد تو بچ دیے جائیں تو۔

زخم جیسی تکلیف از سر لومحسوس ہونے لگتی ہے۔

وہ خود پر قابو پانے کے خیال سے زخم کھر سے باہر چلا آیا۔ دس پندرہ منٹ میں ٹبل کر

سکریٹ کے دھوئیں میں تفکرات، ڈرائے کی کوشش کرنے کی۔

جب دوبارہ کھر میں داخل ہوا تو کھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

فوزیہ نے ایک دم پوچھا تھا۔

کہاں چلے گئے تھے طارق بھائی۔۔۔

جب جانے والے آچکے ہوں تو یہ سوال خود بخود سمجھی سا ہو جاتا ہے۔ وہ ہنسی سی

مسکراہٹ سے گویا ہوا۔

آپ سے نہیں جیت سکتے ہم۔۔۔ یعنی معد بھائی آپ کا تحفہ کر رہے ہیں۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر گئے بڑھکی۔

کھانے کے بعد پھر محفل جمی۔

دریہ۔۔۔ رے بھی شادی کی سالگرہ پر طارق کو کوئی تحفہ دینے کا ارادہ نہیں ہے۔

تحفہ۔۔۔ دریکانی سرو کر رہی تھی اپنی ایک آنٹی کو وار پر چوکی۔

ہاں بھئی۔۔۔ اسے ایسٹو گنٹ۔ اس کی آڈو منٹس آنٹی نے تھم لگایا۔

موضوع بہت دلچسپ تھا۔ تم خود تین متوجہ ہو گئی تھیں۔ وہ یہ کچھ جھینپ سی گی۔

چھوڑیں آنٹی۔ ٹاپک چٹان کریں۔ وہ دھیمے سے ہنس کر بولی۔ یہ بہت بڑا موضوع

ہے۔

درے کیوں۔۔۔ دوسرا غراب ہے۔ یور کیوں ہونے لگا۔

بھئی دریہ میری بہن، وہ ہے اس کا پیار سا لکھی دیکھتے کی بہت شہرہ تمنا ہے۔ نور جہاں

نے محبت آمیز خورہائش کا ہر کی۔

خیر بھی تو شادی ہوئے کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ہو جائے یہ خود بٹل بھی پوری ہاں

بس۔۔۔ یہ تمہارے۔۔۔ میری وہی کو لکھ ایک پیار سا بیٹا دے۔

مکی آپ بھی ایسا سوچتی ہیں۔۔۔ دریہ نے تعجب سے اس کو دیکھا۔

بیٹا ہو بیٹی یا فریق پڑتا ہے۔

بھی تیری مٹی تے بیٹے کی خواہش میں تین لڑکیاں پیدا کیں۔ چنگی مرچہ دسک نہیں لیا۔
اب یہ سوچتی ہے کہ جینی ہی ایک جنا پیدا کر لے۔

اس کی مٹی کی ایک بے تکلف دوست اپنے مخصوص پیپاک انداز میں ہنس کر گویا ہو گئی۔
کچھ سلسلہ شروع ہو دڑی۔ انہوں نے کھوجا۔

ارے نہیں آئی۔ اس کے سینے میں آنچ کی محسوس ہوئی۔ کھوکھلی ہنسی ہنس کر نکال دیا۔

ویسے ڈری۔ ڈارنگ۔ غفاری سے نہ بیٹھ جانا۔ چپک اپ ضرور کر لینا۔ تاکہ قتل
رہے۔ بھسے پانچ برس بعد پچہ پید کر لے۔ اس کی شادی شدہ دوست نے مشورہ دیا۔

طریقہ دو تین افراد کے ساتھ وہیں نزدیک سینہ کافی پی رہا تھا۔ ورنہ خواتین کی باتیں
سننے ہوئے سوچ رہا تھا۔

خواتین خواہ کسی طبقے سے تعلق رکھتی ہوں۔ سوچ کے محور ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔

دوبارہ کے ذہن میں ایک انتہائی کاٹ ورجیاں بھلی کی۔ نند کو نند

آئی۔ وہ ذرا ہندو، واڑ سے گویا ہوئی۔ میری ڈاکٹر کہتی ہے میں ایک آئیڈیل میٹھی لڑکی
ہوں۔ ہر طرح سے پرفیکٹ۔

ابہت۔ طاری۔ اس نے بات دھوری چھوڑ کر طاری کے تمام حسابات ہل میں صاف
کر دیے تھے۔

اور طاری۔ اس کے پاؤں سے جیسے زمین کھینچی گئی تھی۔ مرد، کٹر غیر متوجہ تھے مگر

خواتین کی مکمل توجہ اس موضوع پر تھی۔

کچھ بار اس نے انتہائی ذہانت کی انتہا محسوس کی۔ ایک لمحے کو تو جیسے خود ہی گت کر رہ گیا۔

اس کی شریالوں میں کھوتے خون نے طوفان، شہادیا تھا۔ وہ اب وہاں ٹھہرنا نہیں چاہ رہا تھا۔
اس نے کافی کانگ رکھ کر سرسبزیاں وہاں کم سے رخصت کی اجازت چاہی، اور بہت کام اکٹھا

ہوئے کیا عذر کیا۔

دوبارہ نے ٹیبل پر رکھ رکھی تھی۔

چلو۔ طاری نے مرد آواز میں دے متوجہ کیا۔

دوبارہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

کہاں۔ وہ طاری کا چہرہ دیکھ کر کچھ ڈری۔

جہاں سے آئی تھیں صبح۔ اسی جہنم میں۔ اس نے پھر ہونٹ واسنوں تلے دیا۔

کل۔ جاؤں گی۔ بھی تو دیکھیے نا۔ یہاں۔

سیدھی طرح چل کر گاڑی میں بیٹھو۔ اہر کر گاڑی کی طرف پٹ گیا۔

میں دوبارہ کو لے جا رہا ہوں۔ اُسے بھی ضروری کام ہے۔ چھانڈو، حافظہ۔

وہ خاص خاص لوگوں کو خدا حافظہ کہہ کر باہر آیا تو دوبارہ گاڑی کے دروازے سے نیک
لگائے کھڑی پور پور سٹگ رہی تھی۔

تینے میٹروں کی رفاقت نے اسے طاری کی سمجھا اچھی خاصی دے دی تھی۔ ایک لفظ نہیں

چمکنے لگی۔ طارق گاڑی نمودار ہوا۔

جس نے ناک کھوڑا تو خاموشی سے بیٹھ گیا۔

طارق نے چابی پھسا کر سگریٹ سٹاک کی کڑکیوں کے خشکے پیچھے کیے۔ دو تیس منٹ لے کر راکھ بھاڑی پھر

سگریٹ بیخونوں میں ڈبا کر بہت خطرناک حد تک تیزی سے گاڑی میں مڑک پر ڈال دی۔

دوبیہ ایک لفظ نہیں بولی۔ اور نہ ہی گردن موڑ کر طارق کو دیکھا۔

کار کی رفتار نہتائی تیز تھی۔ دوبیہ کے بال بڑھ اسی تیزی سے اُڑ رہے تھے۔ بائول کو مسیحا بننے کے لیے جب وہ ہاتھوں کو حرکت دیتی تو دونوں ہاتھوں میں پڑے طوائف چوڑیاں اور ٹنگن ٹنگن ٹھٹھے اور کار کے اندر چاند سناٹا چند لمحوں کے لیے ٹوٹ جاتا۔

گھر کے گیٹ پر گاڑی کی تو دوبیہ فوراً ہی اتر گئی اور ٹین پیش کیا۔

شب خرابی کے لبا کس میں بیوس فرقان نے گیٹ کھولا۔

اکلی آئی ہیں ماس بخبا کے کو کہاں چھوڑ دیا۔ وہ اسے تنہا دیکھ کر شرارت سے گویا ہوا۔

دوبیہ نے پیچھے شاہدہ کی طرف فرقان نے نظر ڈالی۔ وہ۔۔ کیسی رلی تقریب۔۔ اس نے گیٹ کے دونوں پٹ واکر کرتے ہوئے پوچھا۔

دوبیہ کا دل بھر بھرا رہا تھا وہ بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ چپ چاپ ٹپنے

سوری پارہ۔ خاصی دیر ہو گئی۔ تم ڈسٹرب تو ہوئے ہوں گے۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں گھر تو بنے گا جب بنے گا۔ گاڑی ہی لے لوں۔ شیراز یا سوزو کی کی پھولی گاڑی۔ تمہیں بھی بہت، بھگن ہوتی ہوگی۔ طارق کار کا دروازہ بند کرتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں ہوا۔

طاہر ہے تم کار میرے اوپر سے جو گزرتے ہو۔ بھگن تو ہوگی۔ فرقان بردہان کر لیا۔ حد کرتے ہو یا دوستی کے بیچان معصوم یا توں کوں تے ہو۔ تم دوستی کے ناتے مجھ پر حق رکھتے ہو تو میری ہر چیز پر بھی تمہارا اختیار ہے۔ اس نے طارق کی کمر میں ہاتھ ڈال کر شکوہ بھی کیا۔ اور محبت بھی نکال برکی۔

ایسی باتیں اس وقت کرتے ہیں جب دور ہونا چاہتے ہیں۔ میرے یقین کرو۔ میں تمہارے عشق میں ذلی تو ازل کھنچ چکا ہوں۔ جہاں کی خاطر میلوں پیدل چل سکتا ہوں۔ مگر تمہیں بے کار نہیں کر سکتا۔

کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں۔ شاہدی کے بعد کہیں تبدیلی کے پراسس سے تو نہیں گزر رہے۔ اس نے طارق کی سیاہ چھوڑائی آنکھوں میں جھانک کر استفسار کیا۔ طارق مسکرا ہوا۔

ایسے ہی خیال آگیا تھا کہیں تمہیں تکلیف نہ ہوتی ہو۔ وہ چابی اس کو ہاتھ دے کر ہوا۔ چھا۔۔ شب بخیر۔ صبح جلدی تیار ہو جاتا۔ دیر دیکھی تو پریشانی ہوگی، کام بہت پھیل ہوا۔

ہے۔ وہ تاکید کرتے ہوئے نہ بے چارے لگا۔

اپنے کمرے میں پہنچا تو در یہ موجود نہیں تھی غالباً بس بیڈ میں کر رہی تھی۔

طارق پر شقی سوچیں اور جد بات ایک مرتبہ پھر شدت سے تمل آ رہے ہوئے۔

سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ساری عورتیں جی۔ نکلیں اس کے وجود سے چپکائے بیٹھی

ہوں۔ در یہ کے لیے زخم اور اس کے لیے ملامت کے نگارے برسرِ رقی ہوں۔ شدید احساس

تذلیل کے ساتھ اس نے سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکال کر سائفل ٹیبل پر رکھا۔ پھر دست و پا

سے کلائی آ رہی۔

اسی دم با تھڑوم کا دروازہ کھل کر در یہ ہلٹ ناکئی میں باہر آئی۔

طارق سائفل کے کنارے کھڑا ایک ذرا کھسی سے تھوڑا سا تھکا

دور یہ باہر گریڈ بیڈ میں مقید کر کے خاموشی سے ایک میگزین اٹھا کر بیڈ پر دراز ہو گئی۔

طارق نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کیا ورنہ اس سے ٹھنڈی پانی نکال کر پورا گلاس ایک سانس میں

پی گیا۔ اور دروازے سے گلاس نکل پر گویا۔

کیا تمہیں احساس ہے در یہ کہ تم اپنے گھر سے مجھے کس آگ میں گھیر کر رکھتی ہو۔ وہ

آہستگی سے مگر

چلتے ہوئے کچھ میں گویا ہوا۔

خدا معلوم کتنی تمہاری آگ سے جلتے رہتے ہیں۔ وہ چٹکاری۔

تم نے مجھے۔ وہ اس کے قریب آ پڑا۔ وہ یہ کھڑکھٹائی۔

تم نے مجھے دیوسوں لوگوں کی موجودگی میں ذلیل کر کے اس بات کا ثبوت فرما دیا ہے کہ

میرا تھوڑے سا تھوڑا بھکی سلوک ہے جائز ہے۔

تم اتنی بیٹھا ہو۔ اس قدر حیا سے عاری۔ میں نے تمہیں آج تک اپنے حق کے تحت

استعمال نہیں کیا۔ در تھوڑی زبان اس قدر بیباک ہے۔

وہ جو میری آئیڈیل لڑکی تھی در یہ گروہ میرے پاس بچہ کی ماں بھی بن جاتی تب بھی

اس کی حیا تھیل ہوتی۔ گویا تم میرے آئیڈیل سے کالے کوئی دور ہو۔

کیا تمہیں احساس ہے عورت میں مگر حجاب نہ ہو تو وہ محض ایک کاغذ کا پھول ہے۔

یہ ٹکڑوں لوگوں کی موجودگی میں اس بات کا علان کرتی ہو۔

اب! خاموش ہو جائیے مسٹر طارق احمد۔

جانشین جس، حوالے سے آپ کا تعلق ہے وہ اب اسی قسم کی لڑکی۔ آئیڈیل بنائی جاسکتی ہیں

جو آپ جیسے بہرہ ور ہیں کا ہر قسم بنی جان پر چھینیں اور اپنے حق کے لیے آواز بلند کر سکیں۔ وہ

طارق کو گھور رہے ہوئے مزید گویا ہوئی۔

میں نے ایک بچہ بات کا ظہار کیا ہے۔ کوئی مرد تنہا مضبوط نہیں ہو سکتا کہ ایک بند

گھر میں۔ یہ اس بات کی گھٹی دلیل ہے۔ کہ۔۔۔ وہ دہری۔

طارق کا تھوڑا پوری قوت سے در یہ کے رخسار پر چائے کا تھما س کے لو کی کھون نے اس کا

وجود ہوا کروکھ دیا تھا۔

دور یہ اپنے رخسار پر ہاتھ رکھے ششدر طارق کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

یہ گالی میری قوت برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ دور یہ۔ وہ اس نچر سید کر کے قطعی نادم نہیں تھا۔ اس نے گرتے کے جن کھول کر دیں کرتا اُتار دیا۔ میں تہہ راہہ شکر کوس گا دور یہ کہ تم میرے سائے سے بھی پناہ مانگو گی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جن و پا دیا۔ اس سے قبل کہ دور یہ کچھ بگھٹی کمرہ تاریک کا منظر پیش کرنے لگا تھا۔

اس کے مضبوط ہاتھ کے نیچے دور یہ کے سب بجز بجز کر رہ گئے تھے۔

ہر نسبت بہر حال انسان ہوتا ہے۔

عزت نفس بڑی نفس کی ہوتی ہے۔

اور پھر وہ تو مسلسل بل صراط کے ستر سے گزر رہا تھا۔ اس پر تو فحش سودا ہو گیا تھا۔ وہ قتل گھر تک کے جذبات کو پہنچ گیا تھا۔

بہت سارے نگاروں پر چھینٹے ڈال کر جب اس نے سونے کی کوشش کی تو درمیان کی مسلسل گریہ زاری اور ہچکچاہٹوں نے اسے سونے نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ درمیان کی ٹوب آٹ کی۔

محترمہ دور یہ بیگم تم کچھ جھگڑتی ہو میں بے اختیار ہوں۔ تم موسیقی کے رموز و اسرار ضرور سیکھو۔ برا جائزت سہی۔ مگر جس روز تم میری دور میرے اس باپ کی اجازت کے بغیر اپنی گلوکاری کا مظاہرہ کرنے پر تمہیں تو یاد رکھا۔ میدان ہے تم مجھے سب پہنچ نہیں کرو گی۔

(ہائے ایک وقت میں گن گن باتوں کے بدلے لیتا ہے۔ کینہ پرور راہہ اشک پونچھ دیتی تھی۔ طارق ایک کتاب لٹھا کر ٹکیہ پانچنی کی طرف رکھ کر غم و راز ہو گیا۔ دور یہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور دست بند کر دی۔

میں خود بھی سونا چاہتا ہوں۔ ویسے کنار و نادر و حنا ابھی باقی ہے

ہات نہیں کریں۔ آپ مجھ سے۔ وہ بھونک شیرلی کی طرح غرائی تھی۔

طارق نہ چاہے گیوں مسکرا دیا۔

اس کا پروجیکٹ تکمیل کے مراحل میں پہنچ چکا تھا۔ دور سکون کی کیفیت اس پر طاری ہو

چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے قلموں اور کمرشل شوڈ کے معاہدے بھی شروع کر دیے تھے۔

گھر کی نقد مقرر رہتی تھی۔ دور یہ نے اس سے بات چیت قطعی بند کر رکھی تھی۔ اس پر اس کے اس شہن سلوک کا خاص اثر نہیں ہو تھا۔

ہلکا آج کل تو وہ اپنے اندر ایک عجیب سا سکون محسوس کرتا تھا۔ پنا آپ منور نے کا لگ مزہ ہے۔ دور یہ کی اتنی اتنی صورت اس کے روحانی سکون کا ذریعہ بنی جا رہی تھی۔

شاہد اسٹوڈیو وہ دور۔ میرے لیے آیا تھا۔ صرف علی جان صاحب سے علیک سلایک کرنے۔ میرے ہرسل اس کی ایوینٹوں میں تھی۔ دونوں اسٹوڈیوز میں معمولی سا تو فائدہ ہے۔

وہ علی جان صاحب سے بات چیت کر کے فوراً ہی باہر آ گیا تھا۔ شاہد نور کے سبز زار پر مس حنا (شاہد) ایک لائٹ میں کی بیگم کی تیاریوں کی تفصیل بڑی ہمدردی سے سن رہی تھی۔

طارق کو دیکھ کر ستارہ غور لپک کر آگے بڑھی تھی۔

ٹھیک۔ مسٹر طارق

السلام علیکم وعلیٰ اہلہ وسلم۔ وہ مسکریا اور ساتھ ہی سوالات اس کے ذہن میں ریٹنے لگے۔ بخاری والے حادثے کو گرچہ کئی ماہ ہو چکے تھے مگر اس کے حافظے سے تو نہیں ہو تھا۔

کیسی ڈیر آپ۔۔

ویری فائن۔۔

اور۔۔ وہ ایک دم زک گیا۔

فیروزہ بھی ٹھیک ہے۔ ستارہ نے بات آنکلی۔ طارق کو اس کا سائل نیا سا لگا۔ لبرٹی نہیں جا رہے۔ آج کل آپ وہاں بوتیک میں بیٹھتی ہے ناں۔

اچھا۔ چھا۔ میں چلنا چھوٹ۔ ذرا ایور نیو جانا ہے۔ وہ جیسے بات ختم کرتے ہوئے بولا۔

ایور نیو جا رہے ہیں

جی۔۔

ریکارڈنگ ہے

نہیں ریہیرل ہے۔ ایک کورس ہے۔ خاصے لوگ تنہا میں ہوں گے۔ اس نے قدم گے بڑھایا۔

مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ کیا پوجے تک میرا انتظار کر سکیں گے۔

طارق نے ستارہ کے چہرے پر نظریں دوڑائیں۔

کیا بہت ضروری۔۔

بہت ہی ضروری۔ وہ دست کاٹ کر بولی۔

ٹھیک ہے۔ فلور تمہاری پر مجھے دو تین شاٹ دینا ہیں۔ ویر ہو جائے تو پتہ نہیں آجائے گا۔ میں شکر گزار ہوں گی۔

طارق کا دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ اسے ستارہ کے انداز میں غیر معمولی پن محسوس ہوا تھا۔

ریہیرل سے تو وہ سزا دے تھے۔ ٹھیکے تک فارغ ہو گیا تھا۔ آئے دن اسٹوڈیوز میں آنے جانے سے خاصے لوگ شناساؤں میں شامل ہو چکے تھے۔ بور ہونے کا سول ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ ایک فلور سے دوسرے فلور فلور سے سیرہ زار تک لوگوں سے ملتا رہا۔

بقول بی جان صاحب کے وہ ستارہ کو البیگز کا حامل گلوکار تھا۔ جہاں جاتا تھا چھا جاتا تھا۔

اسٹوڈیوز کے معمولی ورکرز سے لے کر ہدایت کار تک اس کی پُرکھ شخصیت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

ہونے لوبج اس نے ایک فلسفہ ڈسک آفس جانگفر قات کو فون کر کے بتا دیا کہ اسے خاصی

دین ہو سکتی ہے اور وہ ایور نیو میں آجے۔

وہ پس آتا تو ستارہ اس کی شکل تھی۔

شہری ہیں۔ شہرہائے

لیکن دعوتِ دلیہ میں، نوکشت کرنے کا اختیار صرف میرے پاس تھا۔ وہ حیرت بھرا کر
تمہیں سے مستغایا۔

خیر! یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے۔ مجھے تو سچ سچ یہ بتا دیجئے۔ آپ فیروزہ سے کتنی بار ملے
ہیں۔ یہ حکم نہیں ہے۔ انتہا ہے دراصل اور بھی۔ وہ گناہیں جھکا کر بولی۔

مگر دس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ طارق ابھڑ گیا تھا۔
وہ بھی آپ کو بتا دوں گی۔ پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔ وہ نصر ہوئی۔
کئی مرتبہ ملاقات ہوئی ہے۔ مجھے صحیح سے یاد نہیں ہے۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔
تھا قایا۔ وہ زک کی۔

محض تھا قا۔ میرے لیے تو اتفاقاً ہی ہو کر قی تھی۔ ان کے پرگرام بہر حال، نئی کو
معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں عالمِ شیبہ نہیں جانتا۔ اس کی بھین بڑھی جا رہی تھی۔
کیا آپ نے اپنی شادی کی خیر فیروزہ کو خود نائی تھی ستارہ نے استفسار کیا۔

میرے دوران کے درمیان اس موضوع پر کبھی بات نہیں ہوئی۔ میرے خیال میں
ہمارے درمیان اس جسم کا کوئی تعلق بھی نہیں ہے کہ میں نہ تو اپنی ذات سے متعلق اطلاعات
فراہم کروں۔ تب وہ مسکرایا۔

کیا سچ سچ آپ کا اس سے کوئی کشش نہیں ہو۔ وہ ابھڑ کر بولی۔

یہاں تو شہید گری ہے مسٹر فاروقی۔ ایسا کرتے ہیں قاسم صاحب کے آفس چال کر بیٹھتے
ہیں۔ قاسم صاحب معصوف ہیں۔ وہاں پرائیویسی بھی ہے۔ اور سبھی بھی۔ وہ دل آویز
انداز میں ہنسی۔

طارق تفکرات میں گہرا اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔

ستارہ نے اطمینان سے بیٹھ کر کولڈڈرنک کا آم مزہ دیا۔

جی۔ ارشاد فرمائیے وہ کیا ضروری بات ہے طارق نے اضطرابی انداز میں پہلو دیا۔

آپ کی فیروزہ سے دوستی کب ہوئی تھی ستارہ نے طارق کو چونکا سا دیا۔

وہ میری محض شناسا ہیں دوست نہیں ہیں۔ وہ خود بھی مجھے دوست تسلیم نہیں کرتیں۔

اچھا ستارہ کے بچے میں استعجاب تھا۔

گیلہ وہ آپ کی سسر سے ملی ہیں۔

نہیں۔ طارق پر پھر خرات کا پہاڑ ٹوٹا۔

اچھا بتائیے آپ نے ہمیں اپنی شادی کی اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔ ستارہ نے یک دم

جھینٹا ہوا۔

ایسے ہی۔ ظلم اور بی ادبی سے متعلق چند ہی لوگ میں نے نوکشت کیے تھے۔ تقریباً اعلیٰ

پائے پر نہیں ہوئی تھی۔ سے یہی جواب تو بھلا۔

مسٹر احسان جی کی صاحبزادی کی شادی اور محمد دینا نے پر۔ وہاں ہمارے ہستار و مشہور

سوال کی پیدائش نہیں ہوتا۔ وہ اپنے مخصوص پرچار انداز (جس کو لوگ غرور سے بھی تعبیر کر سکتے تھے) میں بورے۔

چھا کیا آپ آخری مرتبہ مال روڈ سڑکی میں ملے تھے۔
جی۔۔ غالباً ان کے پاؤں میں تکلیف تھی، ان دنوں۔ اس نے ذہن پر زور دیا ہے ہونے بتایا۔

اس کے پاؤں میں تکلیف اس لیے تھی، اے لی (لریکچر ہو تھا۔
اچھا۔

جی۔ آپ نے مجھے جس رات اس کے انگو کی اطلاع دی تھی اس رات اس نے چلتی کار سے چھانگ مارنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ ستارہ نے ہم خیر دی۔
اوہ۔ طارق نے مسلمانہ انداز اختیار کیا۔

جی۔ نگہ سے خود بھی اس واقعے کے بعد کے واقعات سے خصوصاً وہ چپکلی تھی مگر احتیاطی طور پر۔

جی۔ نگہ اس روز میں بھی اس کے ساتھ تھی مگر میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ مجھے خاصا تعجب ہے۔ وہ مسکرائی۔

وہ ملاقات شاید ایک منٹ سے زائد نہ تھی۔ ان کے ٹیکس گر گئے تھے۔ میں نے تمہارے دیے تھے۔

میں۔۔۔

میں وہ مطمئن انداز میں مسکرایا۔

اب اس کی کیفیت تبدیل ہو رہی تھی۔ چارپوں کے ساتھ کھیلنے ہوئے وہ پاؤں پھینک کر اطمینان سے ستارہ کے مقابل بیٹھا تھا، اور بغور ستارہ کا چہرہ منظر کی ورکھ، خد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی سوچیں ہوئی، نظریں ستارہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

آپ اس طرح صبر جائزہ لینے میں حق بجانب ہیں۔ وہ مسکراہٹیں۔
میں سوچ رہا ہوں آخر کب تک یہ صحافیانہ انتقام لیتی رہیں گی۔ آخر آپ اصل بات کیوں نہیں کر رہیں

اصل بات کا، نگہ، دراصل ان کی سوالات کے جوابات پر تھا۔ وہ بولی۔
تھا۔ کیا مطلب سوالات، جواب نامہ ختم۔ طارق منبھل کر بیٹھ گیا۔

آپ بالکل وہی نکلے جو میری، ویرہ زورہ کی سوچ کے مطابق تھے۔
دراصل۔۔۔ ہم ہیں ہی خوش، میدہ اور بے وقوف۔

وہ بار بار دھوکے کھا چکی ہے مگر آپ سے اس نے دھوکہ نہیں جیتا۔ پانی دکھایا ہے جس میں آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

طارق صاحب ہم جس، حمل کے پروردہ ہیں وہ تو آپ کو بتائی چکی ہے۔ مگر کسی کو آپ جتنا بدوا بھی نہیں ہونا چاہیے۔

میں جتنی باتیں کہیں۔ میں انتہائی معمولی اور بڑے درجے کا انسان ہوں۔ بچا نہیں
آپ لوگ کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔

آپ بہت اچھے ہیں بچا۔ مگر مجھے بس ان سوالات کے ذریعے یہ سمجھ لگانا تھا کہ اس کا
ذاتی توازن بگاڑنے میں آپ کا کیا کردار ہے۔ مگر مجھے ان سوالات کے ذریعے یہ سمجھ لگانا تھا
کہ اس کا ذاتی توازن بگاڑنے میں آپ کا کیا کردار ہے۔ مگر آپ کو تو اس کی دعا لگی ہوئی ہے۔
کسی طرح گرفتاری میں نہیں آتے۔ وہ جیکبسی ایسی نہیں کرنا تھ کھڑی ہوئی۔

مگر میں آپ کو اس طرح جانے نہیں دوں گا جب تک یہ معلوم نہ کریں کہ اس قلم
واقعے میں سوائے مجھے کوئی دوسرا شخص ہے۔

ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ اپنے بیساختہ قلم پر قابو نہ پا سکی تھی۔

سوئی۔ اس نے بہت مشکل پٹا لپی پر قابو پایا۔

میں آپ کو اس طرح انہی میں ڈال کر نہیں جاؤں گی۔ میں تو بڑا بیک افٹ کے لیے
کھڑی ہوئی ہوں۔

طارق بھرپور دیرینہ تجسس نظروں سے اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

ستارہ بیک لے کر دوپارہ اس کے مقابل بیٹھ گئی۔

اس نے بیک کھول کر ایک مہلکی جلد والی ڈائری نکال کر ایک طرف دکھ دیا۔ یہ

بچے۔ چوری کا گناہ کیا ہے مگر میں اور میری والدہ اس کی طرف سے بہت پریشان ہیں۔ یقیناً

کوئی۔ اس نے اسے لے کر لے لیا۔

آپ اسے پڑھیں اور اس کی حماقت آمیز سوچوں پر جی چاہے تو ہنسیں۔ چاہے تو ماتم

کیجیے۔ مگر اتنی درخواست ہے کہ اسے پڑھ کر اسے زندگی کا راستہ دکھانے کے لیے ایک بار ضرور آئیے۔

مجھے یقین ہے اور اس ڈائری کو پڑھنے کے بعد آپ کو بھی یقین ہو جائے گا کہ اس دنیا

میں صرف آپ اور صرف آپ اسے سمجھ سکتے ہیں۔ زندگی کے راستوں پر موڑ سکتے ہیں۔

اتنا یقین ذاتی چیلوں طارق احمد فاروقی۔ آپ کے کردار پر کوئی حرف نہیں آئے گا کہ

ہمیں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے کہ ایک بار آپ اسے سمجھا دیں۔ وہ آپ ک بات پر

آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کا مرحلہ طے کر رہی ہے۔

آپ سے سوال کرنے کا یہ مقصد تھا کہ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ اس سے یہ کیا کچھ

کر سکتے ہیں اور ہمیں آپ پر بھروسہ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔

اس ڈائری میں بھی آپ سرسری طور پر ہیں۔ مگر مجھے شک تھا۔

یعنی۔ طارق نے سوائے نظروں ٹھائیں۔

بیک نہیں ہے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ یاد رکھیے گا یہ ڈائری آپ کو تنہا نہیں بلکہ انا سوائے رہی ہوں۔

بہتر۔ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

ستارہ ہر نکل گئی۔ وہ وہیں کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اس کی تجسس نظریں ڈال رہی تھیں اس نے ڈائری اسٹاپ پٹ کرنا شروع کی تو چند ماہ قبل کی تاریخ نکل آئی۔ لکھا تھا ستارہ انصاف تو بہت کر رہی ہے۔ ایک دل بہتا ہے جلی چلوں۔ ایک کہتا ہے کہ پھر خود کو سنبھالنے میں مہینے لگ جائیں گے۔ ستارہ بتا رہی تھی وہ ضرور ملے گی۔ مگر پھر آ کر کار۔ وہ چلے گا تو میر دل مسے گا۔ دیکھے گا تو جان پہچنے لگے گی۔ مسکرائے گا تو۔ تو میں مر جاؤں گی۔

الف۔ عارف نے رز کر ڈال کر دی۔ اس غضب کی جذباتیت۔ اسے اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی۔ وہ دھکے کھڑا ہوا تھا۔ یہ میری تقدیر میں کس قسم کے اسحق ہیں۔ پتا نہیں وہ کون سوگ ہوتے ہیں جو ایسے حالت سے عطف اندوز ہوتے ہیں۔ میرے وجود میں تو اس انکشاف سے خون کی جگہ موت و زلزلے لگی ہے۔ وہ گاڑی کی سست بڑھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے مار اتر میں فیروزہ سے ملاقات کا منظر متحرک تھا۔ جہاں وہ اس سے جنیت، دریا گئی کی انتہا پر تھی۔

دریہ نے یہ طریقہ بتایا تھا کہ نا، کر سامنے رکھو جی تھی خود وہ کھائے پانے کھائے۔ جب وہ بتا تو دیکھ لیا اس بدل کر بیٹ جاتا تو ہوا زخو سمجھا آ جاتی کہ کھا کر آ ہے۔

رات، اگر چہ کافی ہو چکی تھی، اور وہ نیند سے بے حال بھی تھی مگر انتظار بھی مجبوری تھی۔ وہ کافی دیر سے بالٹی میں کھڑی تھی۔ جب وہ پتا تو فوراً اپنے بیڈ روم میں آ گئی تھی۔ ابھی وہ دروازے

کی میں تھی کہ وہ اس کے نزدیک سے گزر کر اٹھ بڑھ گیا۔

منگریٹ بھگت اور خوشیو دور پات کی مہک (جو وہ کبھی کبھار رشوق کھایا کرتا تھا) یہ تمام خوشیو بات گوہ دریا کی ایک ایک حس بد رکشیں۔ اس نے اپنی مفروضات کو ذرا سا سکوا کر اس کی سمت دیکھا۔

تھکا تھکا۔۔۔ اور پچھلا۔۔۔ کچھ ہوا۔۔۔ قدم کہیں نظر نہیں۔

دریا سے پناہ ہم گئی۔۔۔ دو پارہ بنو رو دیکھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سیاہی جلدی ڈال دی، اپنے نیچے کے نیچے ڈال دی۔ پھر ایک دم ڈم مار چنگ کر مڑ کر رہ گیا۔

دووں کی نظریں ایک ٹھکے کو ملیں۔ اس نے پات چباتے منہ چلاتے بظاہر، پروائی سے نظروں کا رخ بدل لیا تھا۔ مگر دریہ کی تمام حیات اس کی ایک ایک بات میں غیر معمولی پن محسوس کر رہی تھیں۔

یہ سیکورٹی گارڈ کی طرح مسلح کیوں ہو جاتی ہے جب دیر سے آیا ہوں تو لٹا ہر ہے کھانا کھا کر بیٹا ہوں گا۔ وہ شاید پرائیویسی کی قلت پر بیساختہ جھگڑا گیا تھا۔ آخر کبھی مہلا۔

محبت ہالا خردکھتی ہے۔

وصل ہو یا جبر۔

یہ کتاوں سے بدتر ست ہے۔ ہر طرح سے۔ یوں بھی اور یوں بھی۔ دریہ کے ذہن میں

فلسفیانہ فکر پیدا ہوئی اس کے بعد طاقت ور ہونے اور اثر و رسوخ کی مالک ہونے کا احساس
 زندہ تھا۔ اس لیے وہ بظاہر محکوم ہو کر اسے جیتنے کی فکر میں رہتی تھی۔

اس لیے کہ ناخوشہ قسمت وہی ظاہر کرنا چاہتا ہے جو وہ ہوتا نہیں ہے۔
 وہ چپ چاپ پست گئی۔

طارق کا ذہن بری طرح تقسیم تھا۔ اس لیے اس کا ہر کام بے ترتیب سا تھا۔ کپڑے، ٹھاکر
 غسل خانے کے برادے سے ہاتھ روم میں گھس گیا۔ بھی شرٹ ہی اتاری تھی۔ تو م تو یہ کو
 دیکھ کر مزاج اور سنگ گیا ہاتھ روم میں ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ حسب پسند تو یہ نظریں نہ تھپ۔ بھلا
 کچھ چچی گرائی۔

باہر آیا تو در یہ بیڈرٹ کی سلوٹیں درست کر رہی تھی۔

وہ ایک دم ششک گیا۔ (اس نے تکیہ بھی اٹھایا ہوگا)

اس نے تکیے کے نیچے سے ڈائری نکالی اور سائڈ ٹیبل کی ایک درز میں ڈال کر ورائز
 لاک کر دی۔ پھر در یہ کی سمت دیکھے بغیر ورائز روٹ کی سمت بڑھ گیا۔ پوری ورائز روٹ بھونچ
 ڈالی تو در یہ سے برداشت نہ ہو سکا جو بکھرے پال، در بغیر ٹیبل والے طارق کو تھیرکی دیکھ رہی
 تھی۔

کیا پ ہے وہ اس کے برابر، کھڑی ہوئی۔

تو یہ کہاں سے گئے ہیں۔ عجیب مصیبت ہے۔ وہ بڑبڑایا۔

اول تو تکیے تو یہ ہاتھ روم میں لٹکانے کی کوئی ٹیکہ ہی نہیں ہے۔
 یہ بیچے۔ در یہ نے اس کی بات کاٹ کر تو یہ اس کے سامنے کیا۔

میں نے اپنی سیدھے منہ ہاں کے ساتھ سر گزری ہے۔ اس لیے مجھ سے یہ کوئی خیال
 برداشت نہیں ہوتی۔ وہ جتنا کروہا رہا ہاتھ روم میں چلا گیا۔

در یہ کو آج اس کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ تو مسلسل یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بہت
 پریشان ہے۔ مگر کیوں

میں اس گھمندی سے کیسے معلوم کروں کہ اسے کیا پریشانی ہے وہ اس کے عشق میں؟ رام
 وہ دنیا تیاک کر کا تھور کے ہاتھ پر تل گئی۔

اس کا جبر۔

مستندو

سنگ دی در محمد کی حقیقت تھی۔

مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ مجھے اس کے سوا کچھ نہیں نہ جھتا۔

عشق کا ایک مقام یہ بھی ہے کہ

رہنما رہنما کر کے ہیر قناتی لذات کے مقام سے گزر کر خود ہی کو رہنما سمجھنے لگتی ہے۔

دوسری ذات کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔

جہاں عاشق کو اپنے وجود کی ہیئت کا احساس نہیں رہتا۔ معشوق کا خیال اس طرح حواس

پر مسلط ہوتا ہے کہ پانا و حیان لئی نہیں رہتا۔

خداوند کرے میرا دشمن بھی بھی اس رستے پر آئے۔

ذریعے جیسے انگارہ مٹی میں دبا کر دیا کی۔

تھیں کیا دیکھ ہے۔

کیا پریشانی ہے۔۔

کیوں بکھر ہوا ہے۔ بکھیرنے والے۔

کیوں ٹوٹا ہوا ہے۔ توڑنے والے۔

وہ بڑی چیز پر جیسے گر پڑی۔ کیوں کر معلوم کروں۔۔

اس پر سے اس کی بڑے سر حرکتیں۔ پتا نہیں کیا چیز بچتا ہمارا ہے۔

حالانکہ یہ اس قدر غور ہے کہ اس قسم کی حرکتیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔ دیر نے

سوچا۔

براؤن شب خوبی کے لباس میں دو تویسے سے سر ٹٹک کرتا ہر ٹکڑا تو دیر کو متھکرتا تھا۔

میں وینزی چر پر بھولتا دیکھ کر ڈراٹھک گیا۔ مگر کچھ ہوا نہیں۔ رام سے پال بنائے۔

کچھ کاغذات اٹھائے۔ اور در زکھول کر وہی کان ڈری لگا کی۔ پھر پٹ کر ڈریہ کو

دیکھا۔

میں ڈر ٹک روم میں کام کر رہا ہوں۔ تم روم سے سوکتی ہو۔

(کو پانچ خود خود صلح کی تھی۔)

اس بھروسہ تیرے کا شکریہ۔ نہ مالک سب ہی کام ہوں گے۔ ہوتیری سے ہر شکل

کیا۔

ڈر ٹک روم میں آ کر وہ صوفے پر سر ہانے کشتن رکھ کر دراز ہو گیا۔

بسم اللہ کر کے ڈائری کھولی۔

22 دسمبر۔

نفاق۔۔ سراسر اتفاق۔۔ مری روڈ پر اس کا سنا۔ کھلے گریبان، بکھرے پاؤں کے

ساتھ وہ اپنی کار کے کچن سے نبرہ لڑتا تھا۔

آ سے دیکھ کر میرا دل اس زور سے دھڑکا کہ پورے وجود میں جیسے زلزلہ آ گیا تھا۔

اُس سے باتیں کر کے مجھ پر نشہ چھا جاتا ہے۔

اے مغرور کھولنے والے۔۔ میرے روم روم سے نکلنے والی ہر دیا حیرت نام۔

25 دسمبر

آج ملک بھر میں عام تعطیل ہے۔ جھٹی کے دن عالم فرصت میں سوچوں کی بیکار غیر

معموں ہوتی ہے جس کا وجود عشق کی آگ میں محسوس رہا ہوا ہے تو خند میں بھی یک تصور سے

فرصت نہیں ہوتی۔

کل ہی تو وہ مجھ سے ملا ہے۔ آگ پھر سلگ کر بھڑکی ہے۔
 کچھ ٹکٹن تیری یاد کے پاتی ہیں ابھی تک۔
 دل بہتر دوسرا کسی ویراں تو نہیں ہے۔

22 دسمبر

آؤ ہم ان سندھو مندھو تیروں سے پیار کریں
 اُجسے اُجسے دھوکے کھائے یک زما بیت گیا۔

بے سال کی ڈائری میں یہ گزشتہ دسمبر کے صفحات تھے۔ طارق کشاف کے بگلوں کی
 زد میں تھا۔ اس نے ڈائری کے صفحات پورے اسٹینٹ کرنا شروع کر دیے۔
 ایک جگہ لکھا تھا۔

جس طرح اندھیرے میں روشنی کا پتہ چلتا ہے۔ اسی طرح۔ آہدہ پتھر تیرے مقابل
 آکر مجھے اپنی ہر وقتی کا احساس ہونے لگتا ہے۔

طارق نے پھر ستر تیب انداز میں صفحات اسٹینٹ کیے۔
 ایک صفحے پر لکھا تھا۔

دہار میں کسرٹ کے ہارے میں اشتہار دیکھا تھا۔ ورت طارق احمد فاروقی تمہارا نام بھی۔
 تمہارا نام۔۔ ایک ہی تو نام ہے اب ساری دنیا میں چمکتا دمکتا۔ تمہارے کردار کی طرح
 خوبصورت مین بڑی چھب سے تمہارے مقابل جا کر بیٹھی تھی۔

گھر سے میرے خادروں نے نکال تیرے مقابل تو ہر وقت ہی ہاٹھی۔

دے میرے قاتل۔ کیوں پور پور سنو کر ہمیں جیتے جی مارنے آتا ہے۔

اس دن وہ لے جاوٹے کی وجہ سے میری پوری ناگہ میں درد کی لمبیں اٹھتی رہتی ہیں مگر
 یہ درد اس سے زیادہ ہیں جو میرے دل میں ہوتا ہے۔

طارق نے ڈائری بند کر دی۔ اس نے اب اپنی آنکھوں سے ڈائری میں اپنا نام پڑھ لیا
 تھا۔ اس کے پورے وجود میں کرب کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

وہ ڈائری رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کھڑکی کے پردے ہٹا کر جھانکا۔ سارا عالم خاموش تھا۔ جو خواب۔

آہستہ سے چلے ہوا ڈرائیگ روم سے باہر آ۔ سدا بہار گی کا پنا منظر دیکھنا تھا۔ وہ کچھ میں
 چلا آیا۔ وہ دروازہ کھولا تھا۔

صاف شہر، سینے سے بچا ہوا بچن۔ جو دریا کے حوض کی نفاست کا آئینہ دار تھا۔ جو
 لڑکیوں کا بظاہر سیدھا منظر نہیں۔ آتی ہر طرح کی صلاحیت تو ان میں بھی ہوتی ہے۔ وقت بہت بڑا
 دستہ ہے۔ اس نے سوچا۔

اس نے فریج کھول کر پانی کو بوتل نکال دیکھا اس میں پانی اُٹھ رہا۔ اور ایک ساکس میں
 خالی کر دیا۔ جیسے میلوں پیدل چل کر آیا ہو۔ بوتل واپس فریج میں رکھ کر وہ وہیں کھڑا ہو کر
 سوچنے لگا۔

میں نے بہت سی نظروں کو نظر انداز کیا ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے۔

میں وہ سب اتنی ہی جذباتی نہیں۔۔۔

وہ سب اپنے ہی دکھوں سے گزری ہوں گی۔

لیکن اس میں میرا تصور۔۔۔ میں نے کبھی کسی کو خوشی فہمی میں جلا نہیں کیا۔ اور میں تنہا
خودصورت بھی نہیں ہوں۔۔۔

بس ذرا سنیق سے رہنے کی عادت ہے۔ دنیا میں ایک سے بڑا کمر ایک حسین مرد موجود
ہیں۔ پھر فیروزہ تو دنیا مگھوی ہوئی ہے۔ میں سے چاکر بنا دوں گا کہ مین بہت ہی مڈل آ دی
ہوں۔ پتے خوابوں کو ترچا دیتے ہیں۔ ایک خود غرض و کز آ دی۔

ایک لڑکی جو میری بیوی بن چکی ہے دن رات میرے مقام کی چکی میں میری چھت تلے
پستی رہتی ہے۔ میں ایک بہت ہی تہ انسان ہوں۔ تم میرے دل ہر سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بھیجی ہے۔۔۔ اور میں تمہیں یہی بتاؤں گا۔

دو چکن کا دروازہ آہستگی سے بند کر کے واپس ڈرائیونگ روم میں چلا آیا۔ اور صوفے پر
ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دو بارہ ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا۔ مگر ایک جگہ اس کی نظر ٹھہر گئی۔

کیسے ایک لفظ میں بیان کروں

دل کو کس بات نے ادا اس کیا

ستارہ نے کس قدر کھٹکھٹ کر مجھے لٹڑ لٹڑ جلا دیا۔ آہ۔ مگر اس بھاری کو کیا خبر۔۔۔ بلکہ سوائے

میرے کس کو خبر ہے کہ میں ہوا ہاتھ میں تھامنے کے خوب دھکتی ہوں۔

وہ کبھی رقی تھی۔ طارق کی مسس۔

مجھے صحت کا دھوکہ کبھی ہوا۔ طارق کی مسز۔ آف کیا واقعی۔۔۔ ہائے وہ خوش نصیب
لڑکی۔ جس کے لیے ان مشہور آنکھوں میں پیرا ملتا ہوگا۔ میرا دل چاہ رہا ہے میں اس سے
ملوں۔۔۔ سے گلے لگا کر پیار کروں۔ اسے چھو کر دیکھوں۔۔۔ اور کہوں تجھے تو اس پارس نے مونا بنا
دیا ہوگا۔

اور یہ بھی کہوں کہ یہ جو انسان کی صورت چلتی پھرتی آگ ہے۔ اس نے تجھے خاکستر
نہیں کیا بھی تک۔۔۔

مجھے تو کوئی کہے (خواب ہی میں) کہ وہ تجھے چھوئے گا تو۔۔۔ تو۔۔۔ میں تو سن کر ہی
خاک ہو جاؤں۔

مگر۔۔۔ یہ میں نے کیا سنا۔ طارق کی شریک حیات۔۔۔ وہ میرے قہر۔

طارق نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پھر ڈائری بند کر دی۔

میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کس قدر بڑے اعتماد پر تکلف، جنسی ناز و انداز کی، ایک لڑکی
اس قدر آگے جا چکی ہے۔

اس نے سہرا تھیں میں تمام لیں۔

کہاں سے اٹھانے ہیں یہ کان ناگن۔۔۔

دریہ کی آواز پاس تے چونک کر سر اٹھایا۔

وہ گلابی ناکئی میں باؤں کی پوتی طائے ایک چائسک کی گڑیا محسوس ہو رہی تھی۔

یہ تم کیا میرا دوستی بھرتی ہو۔ آدم بوا آدم بوا کرتی ہوئی ساس کی نس نس میں زبردوزی لگا۔

آپ تو صرف پریشان کرنے والوں کی فہرست میں نام لکھا کر آئے تھے مگر آج خود پریشان ہیں۔ میں کیونکر سو سکتی ہوں۔ وہ آگے بڑھا آئی۔

حالانکہ تم، چھٹی طرح جانتی ہو مجھے پر یہ عشوے وغزے قطعی بے اثر ہیں۔ وہ تنگی سے کہہ کر ٹھکڑا ہوا۔

چھٹی طرح جانتی ہوں۔ خود پسندی اور خود پرستی کے خلاف میں لپٹے ہوئے ایک مفرد انسان ہیں۔ اور ضد میں الٹی چال چلتے میں بھی عیسوی نہیں کرتے۔ وہ جیسے سٹاکا کر لیں۔

اتنی رات کو میرا دماغ غریب کرنے کا موقع ضائع کرنے سے واقعی تھکا ہوا ہوتا ہوا جاتا۔ وہ طنز یہ کہہ کر آگے بڑھا۔

میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ اس کا ناگن کو کہاں سے اٹھا کر لائے ہیں کہ رات کاں گروہی ہے۔

آخر اس میں ہے کیا۔ یہ میری ذاتیات میں مدد ملتی ہے۔ میں جنہیں اس قسم کا اختیار کبھی نہ دوں گا۔ سمجھیں۔

وہ بھڑک اٹھا۔

خوب سمجھ کی۔ مگر میں آپ کی ذاتیات میں شامل ہوں۔ وہ لڑکی۔

ہونہ۔ مذہبوتی۔ اس نے تنگی سے سر جھٹکا۔

بہر حال۔ وہ ہنسنے لگی۔

طارق نے اس کا چہرہ آگ برساتی نظروں سے دیکھا۔

اس کی آنکھیں متورم اور ہنست سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں۔

سامنے سے ہٹو۔

پہلے بتائیے کہ کس پریشان ہیں۔

وہ تو اس دن سے ہی پریشان ہوں جس دن سے تم۔

اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے تمام کر ایک طرف کرنا چاہا۔ تو یوں جھکا جیسے کرنٹ لگا

ہو۔ اس نے نگے باز دوس کو ہاتھ لگاتے ہی یوں محسوس ہوا تھا جیسے نگارے چھوئے ہوں۔

دوہری طرح بخار میں پھنک رہی تھی۔

وہ ایک دم ترم پڑ گیا۔

دوا۔

کس کس مرض کی۔ وہ ہنسی۔

دوینے۔ درپ۔ یہ نظم ہے مجھ پر۔۔۔ سراسر۔۔۔ وہ غصہ ناک ہوا۔

جب تک ٹکٹ نہ کھنکھ کر آپ پر جان نہیں دے اور گی اس وقت تک آپ کو میرے یقین
 بھی تو نہیں آئے گا وہ ایک طرف بیٹ گی۔

یہ سراسر پاگل پن اور خود کشی ہے۔ وہ کچن کی سمت بڑھا۔ وہاں فرنیچ سے ایک ٹیبلٹ
 نکالی۔ اس سے پانی لیا اور بیڈروم میں چلا آیا۔ یہ ڈائری بلیٹس میں دبی ہوئی تھی۔

ذریعہ قاتلین پر کیے رکھ کر پٹ کی تھی۔

یہ۔

کیا ہے۔

دوا ہے۔

ارے۔ یہ کام آپ کب سے کرنے لگے وہ استہزیائے ہنسی۔

مگر چہ تھرا ر خون، اخوت، ناحق تو نہیں ہوگا مگر میں اپنی عادت سے مجبور ہوں۔ بچپن میں
 چٹھے سے کٹ کر گرنے والی چیزوں کی اس تک ہٹا دیا کرتا تھا۔ وہ تھک کر گھاس رکھتے ہوئے
 کہہ رہا تھا۔

اُف۔۔ کس قدر دم دل ہیں آپ۔ ذریعہ طنز یہ مسکراؤں۔ پھر بڑے عجیب انداز میں گویا
 ہوئی۔ طارق ایک روز آپ گھر میں داخل ہوں اور میں چٹھے سے لگی ہوئی پٹی جاؤں۔۔۔ تو
 آپ میری اپنے ہاتھوں سے بنا سکیں گے۔ ذریعہ کی ہنسی عجیب کی تھی۔

طارق اندر ہی اندر کانپ مارتا تھا۔ کچھ عرصہ ہوا اس نے خیاب میں ایک مضمون پڑھا تھا جو

ہندوستان میں جیڑ کے سیکے سے متعلق تھا۔ اس مضمون کے ساتھ تین، بیسوں کی تصویر بھی تھی
 جنہوں نے چٹھے سے لٹک کر خود کشی کر لی تھی۔ چٹھے سے بندھے تین پھندے، اور ان تین
 پھندوں میں پھنسنے تین چہرے۔ کس قدر خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ ہارے ڈکھ کے وہ تمام دن
 چپ چاپ سا رہا تھا۔ کتنی مرتبہ ارجا باریاں کر وہ تصویر دیکھی تھی۔

کتنی بار دل چاہا تھا۔۔۔ اس کے اس انجام کے ذمہ دار افراد کو ایک ساتھ بٹھارے کے ذمے
 ڈال دے اس نے دریا چہرہ بنو دیکھا جو ایک خوبصورت ستوں ناک سے آراستہ تھا۔

اس قسم کے باتوں سے آخر تہہ را مقصد کیا ہے وہ جھٹکوں کے بل مجبور بیٹھتے ہوئے ہوا
 اور ٹیبلٹ اس کی سمت بڑھائی۔

ارے ہم تو بڑے مقصد سے لوگ ہیں۔ وہ افسردگی سے ہنسی۔ اور ٹیبلٹ اٹھا کر منہ میں
 ڈالی اور پانی سے بھر، گھاس اٹھا کر لپوں سے لگا لیا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بیڈ پر سو جاؤ۔ ضد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ میں اٹھا کر بھی۔
 دو ٹکٹ اٹھاؤں میں کہہ کر مڑ گیا۔

مگر تمہیں میرے نزدیک آرام کرتے کوخت یا خوف و وحشت محسوس ہوتی ہے تو میں
 ذرا لٹک روم میں پائیکس قالین پر بھی سو سکتا ہوں۔

مجھے احساس ہے اب تم میرے قریب آنے سے پہلے ایک ہزار مرتبہ تو ضرور سوچیں گی۔
 مجھے یقین ہے اب تم وہ گائی بھی نہیں دہرائیں گی۔ لیکن میں تمہیں اس وقت تک وہ گان

اورے اتنی صبح صبح خوشخبری ملی ہے۔ میرے تو حواس ٹھکانے نہیں۔ بس میں آ رہی ہوں۔
ہاں اور محنت کے ساتھ ہی آ رہی ہوں۔ بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے اب تو سب ہی پہلے کو نکلیں ہوں
گے۔

ہانا۔۔۔ ہاں پیار کی کیوں نہیں ہوگی دل والی، اس کی اور وہ ہے۔ وہ سرخوشی کیفیت میں
بولیں۔

میری بیٹی تو ٹھیک ہے تارا اچھا اچھا۔ آ رہے ہیں ہم۔ مہربانے رہیں اور رکھ دیا۔

اے جان تو ایسے خوش ہو رہی ہیں جیسے خود پیدا ہوئی ہوں۔ حسیب نے اپنی دانست میں
بڑی گھمبیر بات کی تھی۔

اے تو اور کیا تو تو اپنی پیدائش پر میوں اچھل کر ناپا تھا۔ تو بھلا اس لڑکے کی باتیں
ہیں۔ انہوں نے اس کی بیوقوفی کا ماتم کرتے ہوئے اور محنت کو تلاش کیا۔

وہ شاہد چلے گئے کہ ہے تھے۔

تعلیم ہاں رگڑتے ہوئے باہر آئے تو جدہ رنگم نے ان کی پیشانی چوم کر مبارکباد دے کر
دعا کہیں دیں۔

خوش بخت بیٹی ہوئی ہے۔ اللہ کا کرم ہو اس گھر پر بھی اور تم پر بھی۔ اے ایسی خوشیاں تو
نصیب سے ملتی ہیں۔ خدا میرے بچوں کی خوشیوں کو قائم دائم رکھے۔

نور بیٹی۔ تم بھی چلی۔ دو کچھ کچھ چلی۔

جادوہ شیم کا یہ صدف تھا وہ اپنی گفتگو، الفاظ کے پختہ آواز سے افسانہ کے درمیان ایک بنانیت کا
رشتہ پیدا کر دیتی تھیں اور افسانہ کا ایک دوسرے سے اُلٹیست خود بخود محسوس کرنے لگتے تھے۔

آپ جو آئے پہلے۔ میں رعیت کے لیے سوپ و خیرہ ملاں گی اور گھر کے دوسرے کام
بھی منت چاہیں گے۔

گھر میں تو ابھی چائیں گا۔ عثمان نے اپنی خوشی اور بھائی کا اظہار کیا۔

جب ہمارے گھر میں حسیب صاحب تشریف لائے اس وقت میں چند روز سال کا تھا
قالہ ایک نو عمر لڑکا۔۔۔

چھوٹے بچے کو گود میں اٹھاتے ہوئے پتا نہیں کیوں شرماتا تھا۔ اب اتنے دنوں سے
شوق پروان چڑھ رہے ہیں اور عثمان نے کہیں میں آ کر غرض معنی خیز انداز میں دیکھا تو وہ گلابی
سی ہو گئیں۔

چلو چھوٹے بچے کی رہید کو تو ہاتھ خیال۔ یا۔ وہ مسکرائے۔

کیوں میری شرمٹ بلوانا چاہتے ہیں۔ وہ فاروق اور حسیب کہیں کہیں ہیں۔ ان کے
کان میں کچھ پڑ گیا تو۔ ناگ میں تنکا چلا دیں گے۔ لغز گھر اکرا کر دھر دھر دیکھتے ہوئے بولیں۔
عثمان مسکرا کر کہہ چکے ہیں ہاں ہر چلے گئے۔

اے جان چھوٹے بچے کی کوفت کروں سچ بہت خوش ہوں گے۔

ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔ ابھی تو وہ گھر پر ہی ہوگا۔ جاؤ حسیب تم اوپر سے اپنے لپ جان کو

اے طارق جلدی سے نمبر ملاؤ۔ طارق کو کہیں گے کہ ایک دو دن کی چھٹی لے کر
جائیں۔ خوشی کریں گے۔ وہ دونوں ہوں گے تو درجی مڑ آئے گا۔ طارق کا پاؤں اس گھر کو
چھوئے گا اور جیسے یہاں ایک ایک چیز میں جان پڑ جائے گی۔ نغمہ بہت خوشی سے کہہ رہی
تھیں۔

یہ وہ۔ یعنی ان کی غیر موجودگی میں ہم بغیر جان کے ہی پھر کرتے ہیں۔ حسیب نے
خفت مانتا۔

کم از کم تمہارے حق میں تو وہ واقعی مسکاتے ہیں۔ فاروق نے مزید چھینز۔ حال گزشتہ کے
سویرڈ پل، دور دل سے اُترتی ٹاپیاں، سب خودی کے رنگ اڑے لہاؤ سے۔ خرقہ تہا سے
ہی۔

دیکھئے، ہاں جانا سمجھ بیچے فاروق بھائی کو۔ حسیب کے تو جیسے بھڑکی چٹ گئیں۔ اور ب
چھوئے بھائی آئیں تو آپ کہہ دیجئے گا مجھے نہیں ضرورت ان چیزوں کی۔

تم کیا منت مان کر پُپ کا روزہ رکھو گے خود ہی کہہ دینا۔ اس نے مزید سلگایا۔
اے کیا ہے لڑکے۔ تو تو کسی دن آپس میں لڑو کر ہی رہے گا۔ میرے منہ میں خاک۔
وہ بھی سکی کو اپنی حزن استعول کرنے کو نہیں کہتا۔ میں ہی اٹھا۔ کھتی ہوں۔ چاروں بعد تو ہر
اچھی بھلی چیز وہ روی کر کے پھینک دیتا ہے۔ اتنی قیمتی چیزیں وہ پھرتی کی بی۔ گھر اس میں تو

بھائی بھینس ایک دوسرے کے پیچھے استعمال کر رہے ہیں۔

ابن مجھے نہیں پتا۔ حسیب کا موڈ بدستور خراب رہا۔

وہ تو جان کر تجھے چھینز کرتا ہے۔ یہ بھی پیار کا انداز ہے۔ عابدہ بیگم نے چکارا۔

کس قدر تو بن آمیز پیار ہے۔ وہ۔ اگر میں بھی، سی طرح کا پیار کرنے لگا تو آپ
کب تک کی بد تمیزی کر رہا ہے۔

اُدھر فاروق نمبر ملا چکا تھا۔

اسلام علیکم چھوٹی بھابی۔

چھوئے بھائی سورہے ہیں۔ وہ صاحب کیا تغیر مانہ ہے۔ فاروق نے حیرانی کا اظہار
کیا۔

کیا کہہ رہے تھے دل نہیں چاہ رہا آفس جانے کو۔ کیا گھر میں ویگ نکل آئی ہے۔

بالکل ہی سر پھرا ہے۔ یعنی حس مقصد کے لیے فون کیا اس کا ذکر ہی نہیں۔ دھڑک مجھے

وہ۔ فہم ہونے پر سید اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

میں تمہاری پھوپھو بول رہی ہوں۔

وعلیکم السلام۔ اے بس تمہیں خوشخبری سنائے کو فون کیا ہے۔ رمضان کے ہاں بیٹی ہوئی

ہے۔

جنتی رہو۔

اور یہ طارق ناوقت کیوں سوتا رہا ہے

چاہے سوچا تھا رات بھر کیا تو الیاں گائی تھیں۔ مٹی تم اس کے شب و روز کا دھیان رکھا کرو۔ اس طرح بھر تیب زندگی صحت بردار کر دیتی ہے۔ اٹھا کا سے۔

وعلیکم السلام۔ خوش رہو۔

اٹھ گئے۔ طارق نے ریسور سے کان آریب کر کے بچکنی سے پوچھا۔

پچھ رہو۔ عابدہ بیگم نے طارق کو دیکھا۔

ارے جیسے نہیں کہہ رہی۔ یہ طارق کھڑا ہوا کان کھ رہا ہے۔ وہ پھر فون پر متوجہ تھیں۔

طبیعت تو اپنے آپ ہی خراب ہوگی جب طارق اصولوں کی خلاف ورزی کرو گے۔

مہلی مر جب خلاف ورزی ہوئی ہے تو دوسری بار بھی ہو سکتی ہے۔

اسے قہر۔ کہیں اچھا دیا۔ ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔ بھینگی ہوئی ہے تمہارے

ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ عابدہ بیگم اپنے پیساختہ قہر پر قابو نہ رکھ سکیں۔ اس انداز سے وہ بہت کم

بھاگتی تھیں۔

کیا کہہ رہے ہیں طارق لکھ مسکرا کر ماس کے قریب جا پہنچیں۔

کہہ رہا ہے بچا تو میں بنا ہوں، باپ کو بتا ہے۔ مائیں نے، ہاتھ میں چڑھا رکھا

تایا۔ پھر مزید گویا ہوئیں۔

اسے تو کیا ڈر ہے نہ اسے بتا نہیں ہوگا رے ارمان کے ہاں اور کس کے ہاں۔ تجھے

اپنا اصول پا ہے سے فرحت ہو تو کچھ پتا چلے۔ اس بھٹے خوشی کروں گی۔ ایک دور واز کے لیے آ جاؤ دوڑو۔ ہاں۔ ہاں میں کب کہہ رہی ہوں مگر کوشش پوری کرو گے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

درستان سے بات کر لو۔ اس نہیں چل رہا کہ پانی بن کر اس میں پھنک جائیں۔ دن کے

یہ بھی کچھ کر۔ روزہ منہری ہو رہی ہے۔ کب تک تھکا دینا کر رکھو گے تم باپ بیٹے۔ وہ ریسور

طارق کو دیتی ہوئی بولیں۔

چھو لے بھائی۔ آتے ہوئے سیر بھر۔ میرا مطلب ہے، ایک کلو بٹول لیتے آئیے گا۔ کئی

مہلوں سے بولے کی بھین نہیں پکا اٹھا رہے ہاں۔

رے کس قدر رال بچتی ہے اس لڑکے کی، جن باتوں کا دھیان مجھے رکھنا چاہیے نہ گایہ

رکھتا ہے۔ عابدہ بیگم مسکرا کر بہو سے گویا ہوئیں۔

دراصل بے کاری میں بھوک زیادہ لگتی ہے۔ انسان کا ذہن خود بخود کھلے پینے کی

چیزوں کی طرف لگا رہتا ہے۔ طارق بھائی کا تصور نہیں ہے۔ حسیب نے حساب جیو کیا۔

چھو لے بھائی یہ حسیب کہہ رہا ہے وہ جو آپ نے ریڈ ڈائس کی کلفٹن سے شرٹ ڈال دی

ناں مگر پھٹ نہ گئی ہو تو پھر رے کے بے لینے آئیے گا۔ اور ایک عدد قصوری چھل۔ اس نے

شرارت سے حسیب کو آنکھ مار دی۔

ورہے یہ نازکی سے جو تے منگوو۔ عابدہ بیگم نے کچھ تہہ شدہ کپڑے ہاسٹ میں

لگاتے ہوئے حبیب کی طرف سے بدلہ لیا۔ سب نے بیساختہ قبور لگایا۔

کاش، ایسا ہو۔ ایک ان کی انارکلی ہو اور وہ بھی ہاتھ میں زعفر بھی شامل ہو گئی۔

دیکھیں یہ بھی۔ تیندوہ آپ میرے نکلت پر انگشت لڑیں گی۔ یہ بہت غلط بات ہے۔

دیکھو اس لڑکے کو فون بند نہیں کر رہا۔ روپے کو آگ لگانے کا طریقہ کوئی اس سے

نیکھے۔ کچھ ہنر دل میں اور کچھ فون میں۔

فاروق نے اس قدر مصلوٹیں سنیں تو فوراً ہی جدا ہوا فقط کہہ کر فون رکھ دیا۔

کہہ رہا تھا بھائی صاحب کو آفس فون کر کے مبارکباد دوں گا۔ وہ سمجھ ہو گا کہ تم جا چکے

ہو اور پھر یہ فاروق اس کی ہلڑ بازی میں کیا خاک کچھ سوجھے۔

آفس میں تو اکثر اس کا فون آتا رہتا ہے۔ چھا ہوا فاروق کی بات ہو گئی۔ بھائی میرا کو

توکل شام بھی اس نے فون کیا تھا۔ بتا رہا ہے تھے اور سفین نے منسک کر گویا اس کو ٹی وی

دیکھنا ضرور۔ مجھے سر دہن مٹے دو۔ پھر چھوٹے بھائی کو روز فون کیا کروں گا۔ اس نے

منہ پر ہاتھ پھیر کر حبیب کو بتایا۔

پھر تو بن کا محکمہ قرض لے کر فون کاٹل دیا کرے گا۔ اور ایک ایجنسی کے نام مہلات

کر اوے گا۔ عثمان نے

مسکراتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا۔

کرنے دیا اگر میں اس جان سے فون۔ یہ طر فون کو بہت مس کرتا ہو گا۔ اور سفین نے

سفارش کی۔

اورے تو کوئی کام کی بھی بات ہو۔ بیگنی مشعل نے سب کو دیکھا ہو گئی۔

دیکھیں سب چیزیں تیار ہو گئیں تو گاڑی میں رکھو دو۔

کپڑے ٹھیک ہیں میرے۔ انہوں نے بہو سے رائے لی۔

اماں جان کوئی چھٹی سی ساڑھی ہاتھ لیں۔ پہلی مرچیدہ دوئی نئی ہیں۔ حبیب نے بڑی

خجندیگی سے اس کو مشورہ دیا۔

جب یہ دوں بنے گا تاں تو اس جان تو چودہ گھوڑوں کی تلمی میں پوتا پوتی وصول کرنے

جائے گا۔ فاروق کی زبان میں پھر کچھ بھی ہوئی۔

ان سب کے مشترک قریبے نے زیتے اترتے فالٹیں احمد کو از خود مسرور کر دیا تھا۔

وریت علی شاہ نے عار کیا۔ کہہ دیا تھا کہ وہ ان کا درمیان صاحب کا بستر چھت پر لگو

وہیں لہذا جب وہ میرا صاحب کو لے کر چھت پر پہنچے تو صاف ٹھکرے، بستر کے منتظر تھے۔

اور میرا صاحب کا حق بھی ان کے بستر کے نزدیک ہی رکھا تھا۔

وریت علی شاہ میری وہ ستان سننے سے پہلے میرا بچس قسم کا اپنا پتہ بلو۔ انہوں نے حق

کی نے ٹھا کر مسئلہ کام کا آقا کیا تھا۔

میر نام عبد اللہ ہے اور میرے باپ کا نام صبغت اللہ ہے میرے باؤا جداد کا تعلق ان

فروغ ہوتا ہے جنہیں ولین مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

میرا آچا و جدا میں سے، کٹر کا پیشہ سچا گری تھا اور محمد بن قاسم کے ہمراہ وہ برصغیر یعنی
 سندھ میں داخل ہوئے۔ اور اسی سرزمین پر رہنا پسند کیا۔ بعد میں تجارت و روزگار کی وجہ سے وہ
 ان علاقوں میں بس گئے جو موجودہ ہندوستان میں شامل ہیں۔

میں اپنے باپ کی و حد رینہ اور وہوں۔ انہوں نے میری تعلیم و تربیت پر غیر معمولی توجہ
 دی۔ وراں سہلے میں ہر کاوٹ کو دور کرنے کے لیے سخت محنت کی۔

میری برودہا میں ن کا تذکرہ موجود ہے مگر میں بنوہ مقرر نہیں ہوں۔ وہ چند ٹائیے کے لیے
 خاموش ہو گئے۔

وہیت علی شاہ انتہائی سہاک سے میرا صاحب کی داستان کا آغاز کر رہے تھے۔
 میں نے دہلی کے معروف تعلیمی ادارے سے، تہذیب کی ڈگری حاصل کی۔ مجھے یاد ہے میں صاحب
 علموں کے ایک گروپ کے ساتھ تحقیقی کام کے لیے تاشقند جانا چاہتا تھا اور ملی وسائل آڑے
 آ رہے تھے۔ تب میرے باپ نے نشانی کے طور پر رکھی ہوئی ایک نادر کو اور بیچ دی تھی جس کے
 دستے پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔

میں نے اس منع کیا تو انہوں نے کہا تھا۔

علم سے زیادہ قیمتی، دو دھاری کور کوئی نہیں ہوتی جو زخوہ انسان کا تحفظ کرتی ہے۔ کتا علم
 دوست تھا میرا باپ۔ وہ خود نکائی کے اندر نہیں گویا ہوئے تھے۔

پھر آپ گئے تاشقند۔ وہیت علی شاہ نے انجینی سے پوچھا۔

ہاں گیارہ آف تاشقند بخارا کے وہ تعلیمی مرکز۔ جو میرے اسلاف کی عکسوں اور لہ
 کی ان چہ بیباک عنایت کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ وہیت علی میں جب بھی ن مراکز کا تذکرہ
 کرتا ہوں غور کیجئے۔

وہیں پہنچ جاتا ہوں۔ وہ ر کے اور حق سے یک شکل لیا۔

وہاں میں نے جب یہ حدیث نقش بردیوار دیکھی جو خوبصورت عراب تلے نقش تھی کہ
 میری امت کے عا (تحقیق) علم حاصل کرنے کے شوقین اور س راہ میں سختیاں اٹھانے والے
 ہی اسرائیل کے نبیوں کے برابر ہوں گے تو میں زندگی میں پہلی مرتبہ تھی شاد ہو گیا تھا۔

دیکھو وہیت علی قدرت کس قدر فیاض ہے کس کس بہانے سے اپنی مخلوق پر کرم و توجہ
 کی بارش کما سنا لپا رہتی ہے۔

پھر مجھے گورمنٹ کی جانب سے مصر جانے کا بھی اتفاق ہوا جو معدا زہر میں میرے کئی
 مہال گزرے ہیں۔ وہ مدہیم ہی آواز میں جیسے خود ہی ہے ہمک مہ تھے۔

وہاں سے واپسی پر اللہ نے مجھے حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز کیا۔ مدینہ میں بھی
 میں نے انتہائی باکمال اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب جہ کیا ہے۔

میں صاحب کے سب مل رہے تھے اور وہیت علی شاہ حقیر کے عالم میں ایک تک انہیں
 دیکھ رہے تھے۔ سفید تر اشیدہ داڑھی واں انتہائی سادہ اور معصوم چہرہ۔ نحیف و نر و جسم۔ سفید

کرتا پائنتی سادہ وہ بھی بے حد کھسا ہوا۔

جس وقت میں تاشقند گیا دن نوں کیونست نقاب۔ نے والے نقابی بہت معروف تھے۔ اور مسلمانوں کے یہ علمی مراکز، دن دوں اپنی اصلی حالت میں موجود تھے۔ میں نے اپنی مصاحبت کی آخری جہ استعمال کرتے ہوئے وہاں تحقیقی کام کیا۔

یقین کر دوں۔ بیت علی مغرب کی تمام صدائوں کے غیروث گئے۔

سارا رعب جاتا رہا۔ یقین کے دریا میں شناور کی طرح تیر تھا۔ بہت سے پردے نظروں کے سامنے سے خود بخود ہٹ گئے۔

اللہ وحدہ لا شریک کی طاقت کے سامنے یہ سب طاقت کے پرہیزگار۔ مجھے دیوانوں کی وحشت ناک تجزیہ معلوم ہوئیں۔

اپنی اوقات پناہ کی درایت علی شاہ۔ وہ مسکرا کر کچھ سوچتے لگے۔

اور یہ انکشاف بھی ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے علم حاصل کرنے پر اس قدر زور کیوں دیا۔ سبزل پر وہی پہنچ سکتا ہے جسے رستے کے تمام آثار چھوڑ دیا۔ معلوم ہوں۔ خط پائوں رکھنے سے تو گڑھے میں گرنے کا دھڑکا ہوتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ واپس ہندوستان آ کر میں نے شادی کر دی۔ مسٹر وچا وڈیا سے جو ایک کروڑ پتی پارسی مسٹر بہرام وڈیا کی ساتویں نمبر کی بیٹی تھی۔

میرا صاحب و۔ بیت علی شاہ کو ایک اور جھٹکا لگا۔

واقعی (میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میرے جیسے انکس خوش گمان اس دنیا میں موجود

ہوں جو اپنی فراست و ذہانت کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اپنے اندازوں پر یقین کی حد تک بھروسہ کرتے ہیں اپنی مطلوبات پر ناز کرتے ہیں۔)

واقعی حیات صاحب کمال آدمی ہیں آپ۔ وہ بیساختہ کہاٹھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ نیک ہمسندہ گوشت میں رہنے والا بیسروہاں سا بوڑھا دنیا گھومے ہوئے ہے۔ یونانیوں، چینیوں، عربوں کی جڑوں تک کو کھنگال چکا ہے۔ واقعی یہی نشان ہے صحیح علم کی خود ستائی، خود آرائی سے بے نیاز خلقِ حق کو فیض پہنچانے کے لیے ہر دم تیار۔

چھامیاں صاحب پھر آپ نے شادی کر لی۔ و۔ بیت علی شاہ نے اشتیاق سے پوچھا۔ ہاں و۔ بیت علی شاہ۔ مسٹر وچا وڈیا سے ملاقات میری روسی میں ہوئی تھی۔ وہ بھی وہاں ایک

مقالہ لکھنے کے سلسلے میں پہنچی ہوئی تھی۔ بے حد حسین و جمیل لڑکی تھی اور ساتھ ہی بہت سنجیدہ اور ذہین۔

یہ صحت سمجھتا میں اس کے حسن پر مرعہ تھا۔ اس نے مجھ سے ایک سوال کا جواب دیا تھا۔ وہ کیا سوال تھا۔ و۔ بیت علی شاہ کے تجزیہ عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ اسلام کیا ہے آپ کی نظر میں۔

میں نے اسے جواب دیا تھا کہ اسلام کسی فرد و حد کی تعریفی، ور کسی انسان کی شخصیت کی پابندی کا ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ جس دن سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے اسلام کی شریعت ہو رہی ہے۔

اسلام یہ ہے کہ تمام طاقتوں، قدروں کا سرچشمہ صرف ایک ذات روح یعنی اللہ کو سمجھا جائے، اور اس بات کا دل سے اعتراف کیا جائے کہ کوئی اور شخص اس کی طاقت میں شراکت دار نہیں۔ قرآن میں اللہ خطاب کرتا ہے کہ انسان کی نادیدہ صورتیں میں بخشی ہے تو وہ بے اختیار اللہ سے مدد کا خود شکر ادا کرتا ہے، اور جب حضور سے نکل جاتی ہے تو پھر اللہ کا شکر بوجھتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر انسان کسی بھی طرح خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا تو عیسائی کی فہمائیں پر اس کے قلب سے خدا کا تصور کیوں بھڑکنے لگتا ہے۔ اس کے حساب سے جب خدا ہے ہی نہیں تو ایک واحد و طاقت کی حامل ذات کا تصور اس کے ذہن میں کیوں آتا ہے۔

ہر انسان کی ذات تصورات کی فیکٹری یا فائڈری قائم کر کے وہاں سے تصورات حاصل نہیں کرتی۔

بلکہ تصورات میں وہی چیزیں آتی ہیں جن سے اس کی روح متعارف ہے۔ روح کیونکہ امر ربی ہے ہمد، اس کا سب سے اولین تعارف اللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ انسان دنیا میں آ کر خدا تلاش کرتا ہے۔ واصل واضح رہنمائی تعارف اللہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ انسان دنیا میں آ کر خدا کی تلاش کرتا ہے۔ واصل واضح رہنمائی نہ ہونے کی صورت میں اس قدر بیچارہ مذہب پیدا کیے گئے۔ جن میں چند کے سوا سب محض اختراع تھے۔

لیکن ایک بات ان سب میں مشترک ہے وہ ہے طاقت کی حاکمیت۔ کسی نے دیوی دیوتاؤں سے طاقت منسوب کی، کسی نے بتوں سے اور کسی نے آگ سے۔

سے۔

اس پر وہ پوری زبردستی کر بولی تھی۔ آپ کو آگ کی طاقت پر شبہ ہے۔

میں نے جواب دیا تھا آگ بذات خود طاقت نہیں بلکہ طاقت کا معبود اظہار ہے۔ اس پر پانی غالب آ جاتا ہے اور وہ طاقت ہی نہیں جو مغلوب ہو جائے۔ وہ معبود ہی نہیں بنایا جا سکتا جس پر غلبے کا امکان باقی ہو۔

پھر میں صاحبِ درویشیت علی شاہ کا تجسس بڑھا رہا تھا۔

میں نے اسے یہ بھی کہا کہ کثیر انسان و اس کوٹا طر میں نہیں رہتے۔ ان کی کفایت ایک ضدی ناکھ، وراثتیں شیر خواں کی سی ہوتی ہے جس کو خوب بھی اپنی ضد کی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس کا ایک سبب خون ہے۔

درویشیت علی۔۔ جس درشت یا پودے کا جو بیج نکلتا ہے۔ وہ بیج نکلتا ہے کہ درشت یا پودے کا مکمل پروگرام ہوتا ہے۔ پھل، رنگت، ذائقہ، مزاج، اثرات، یہ سب چیزیں اس بیج کی چھوٹی سی دنیا میں موجود ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر تخلیق شدہ مذہب کے بعد اس کے پیروکار پیدا کیے جاتے ہیں۔ جو بغیر خود تحقیق کے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

یہی بات ہے تو ہم اسلام کو بھی اس میں شامل کر سکتے ہیں۔ وہ مجھے قائل کرنے کو جیسے بیتاب تھی۔ یہ سبائی مذہب صرف اسلام ہے۔ جتنے مذہب اور نئی اس دنیا میں آئے سب اسلام

ہی لے کر آئے۔ خدا نے وہد ہاشریک کو بلا شرکت غیر سے اس کائنات کا خالق و مالک
سب نے ستایا اور کاروں نے یہ نام خود ہی جو اصطلاح استعمال ہوتے ہیں۔

یہ تمام پیغمبروں کی شعوری حارت کے موافق تھیں۔ لے کر آئے یہ سب تعینات
اسلام ہی کی وضاحت تھیں۔

جسکی جماعت کے بچے کو عقلی کتب نہیں پڑھائی جاسکتیں اس کو وہی علم دیا جاتا ہے جو اس
کی عقل و شعور میں سرایت کر سکے۔

سیرت کی تصدیق والے تخیل میں دوسیرت قدم نہیں ڈی جاسکتی۔

اسلام تاریخی عمل سے گزرنے کے بعد آج موجودہ شکل میں موجود ہے۔ وہ مکمل کر دیا

گیا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ تمام کر دیا تھا۔

اب نہایت اس مقام پر آچکا تھا جب سادہ کی لگی بدعتی تعلیم سے بہت کر خود ریسرچ
ورک کر سکے۔

ریسرچ کے لیے یہاں چار آسانی کتب موجود ہیں سب سے بڑھ کر قرآن جو ان کی
طرف پست کر ہی نہیں دیکھا سے استدلال کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کی دلیل کھوکھی
ہے۔

پھر۔۔۔ وہ کیا بولیں۔۔۔ وریت علی شہانے اشتیاق کا بیباک مظاہرہ کیا۔
کچھ نہیں۔۔۔ تھوڑی سی صاحب نے دیکھی۔۔۔ وریت علی شہانے اشتیاق کا بیباک مظاہرہ کیا۔

اچھا۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔ وریت علی شہانے اشتیاق کا بیباک مظاہرہ کیا۔

اپنے اندر اٹھنے والے طوفانوں سے نہایت تباہی میں زیادہ بہتر نیر و آرزو ہو سکتا ہے۔

شاید اس لیے انہوں نے جواب دیا۔

اچھا میں صاحب بھرہ آپ سے کب میں۔

کی بارو ہیں مگر تعلیمی ملاقات ہندوستان و پس آ کر ہی ہوئی تھی۔

تا شہد میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غیر معمولی خاصہ کی حامل لڑکی ہے

مگر وہ مسلمان ہوتی تو میں اسے پہلی فرصت میں شادی کے لیے پیغام دیتا۔

پھر انہوں نے کیا کہا۔

میں صاحب نے نظر غما کرو، وریت علی شہانے کو دیکھا۔ مجھ سے مسکرائے۔

وریت علی۔۔۔ مخلص خدا سے رحمن۔۔۔ دو بیویوں کے امتحان سے گزرے ہو عورت کی

بہت سی ہواؤں کے راز دار ہو۔

میں نے اگر کسی وادی سے یہ جملہ کہا تھا تو ان میں کچھ دیکھا بولا۔ وگرنہ کہاں وہ ایک

کروڑ پتی کی بیٹی اور کہاں میں ایک دلیلیہ شو۔۔۔ کسی نے یہ جرات دی تھی تو یہ جرات ہوئی تھی۔

وریت علی شہانے مسکرا دیا۔ وہ بات کی تہ میں اتر گئے تھے۔

وریت علی شہانے۔۔۔ میں تو ایک انجمنی معمولی مسلمان ہوں اس نے نہ جانے مجھ میں کیا

دیکھ لیا تھا اس نے مجھ کو غلط لگا۔۔۔

آپ کہاں تھے اور دونوں کہاں تھیں۔ وراثت علی شاہ نے پوچھا
وہ بھی میں تھی اور میں وہی میں۔

انہوں نے آپ کو کیوں ڈھونڈنا چاہا۔

وہ اپنا گھریا رچھوڑنے پر تیار تھی۔ وہ مجھے اطلاع دینے کی تھی کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی
ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ قرآن میں ان لوگوں کو امن فی کہا ہے جو دنیاوی فائدے کے حصول
کے لیے اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اور عقیدے کا تعلق ہر امر و روئے سے ہے۔

میں کسی دین کاری کے رستے سے گزر کر پہنچا ہوں۔ وہ کاشف آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔
وراثت علی شاہ۔ جانتے ہوں اس نے مجھ سے کیا کہا۔

وہ کہے لگی۔ ساری دنیا میں آپ کو ڈھونڈتی پھر رہی ہوں کوئی توسیب ہوگا۔ یہ تو نہیں ہے
کہ آپ کے علاوہ مجھے کوئی مردی نہیں دیتا پھر میری بچی کیونٹی میں میرے میدانوں کی ایک
کے (quo) ہے لیکن میں آپ تلاش میں خاک چھان رہی ہوں۔

میں نے کہا تھا میرا نشانہ صرف شریک حیات حاصل کرنا تو نہیں ہے۔

وراثت علی شاہ وہ مجھ سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ وہ اپنے ماحول میں بہت تنہا
ہے۔ تمام تر آسائشیں ہوتے ہوئے۔

جن باتوں کے جوابات اسے مطلوب تھے وہ میں نے دے دیے ہیں۔ اس کا کہنا تھا وہ

کسی مذہبی دھارے سے بھی رنج و غم کر سکتی تھی۔ لیکن ہوا ایک ایسے مسلم جوان کو ڈھونڈ رہی تھی جو روٹو
ملوں یا گھٹس تریت یا فستق نہ ہو بلکہ اپنے عقیدے کی روح کو خود ہی سمجھتا ہو۔

وراثت علی۔۔۔ وہ بہت جینٹیل تھی۔ عام لڑکی نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا تمام ہی انسان
ایک لگے بندھے ماحول سے درجہ بدرجہ گزر کر وریک ہی خود ہشت کی تکمیل میں مصروف رہ کر
گزر جاتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتی کہ انسان اور حیوان محض فارمولے کے تضاد سے تخلیق ہوئے ہیں۔
پھر انسانوں کے بچے اور سینک بھی ہونا چاہیے تھے اسے عقل کا ہتھیار دے کر منقرض
کیوں بنایا گیا۔

اور انسان میں سے کھڑے عقل کی کرشمہ سازیاں دکھائی ہیں۔

یہ کرشمہ ساز انسان۔۔۔ اس کو پیدا کرنے والے کس قدر کرشمہ ساز ہوگا کہ بالآخر یہ کرشمہ
مہار انسان مر جاتا ہے۔

مگر اس عظیم انسان کو پیدا کرنے والا مسلسل زندہ ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ تخلیق کامل ہر
آن جاری ہے۔

واقعی میں صاحبہ۔ وہ واقعی منفرد اور جینٹیل تھیں۔ وراثت علی شاہ نے پراسا
اعتراف کیا۔

کاش کہ وہ سمجھتے وراثت علی شاہ۔ وہ بہت معصوم اور کم عمر تھی۔

لیکن دینیت علی۔۔ یہ سب مالک کی قدرتوں کا اظہار ہیں۔ جس کو اللہ اپنی کھوج میں لگا دیتا ہے وہ پوٹھی بیکل ہو جاتا ہے۔

کبھی سمندر تک شہر وہ خاموشی سے محل چھوڑ کر موتِ بدین چاتا ہے۔

کبھی ہر بیم و آرزو کی تمام لٹکاری اور اس سے موسوم عقائد کٹھن کر دیتا ہے۔

اور کبھی۔ میاں صاحب کی آواز بھر گئی۔

اور کبھی حرا میں چرغاں کرنے والے ایک ہی کے بیقراری سے معصوم بنادیتی ہے

جن سے قدرت نے خصوصی کام لینا ہوتا ہے۔

انہیں وہ ناکسیر مقبولیت اور تعارف دے دیتا ہے۔ منفرد صلاحیتوں کے ساتھ۔ لیکن

ایسے بیقراروں کی بھی کمی نہیں جنہیں وہ دن کی کانوں میں صحنن کر دیتا ہے اور وہ اپنے آس

پاس چر غاب کر کے خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں۔ ان ہی بیقراروں میں سے ایک وہ

تھی۔

میاں صاحب آپ شروع ہی سے ایسے مذہبی ہیں۔ وریٹ علی شاہ کے ذہن میں آپ

سوائل ابھرا۔

میاں صاحب ایک لحظہ خاموش کچھ سوچتے رہے پھر گویا ہوئے۔

وریٹ علی شاہ میری سمجھ میں آج تک یہ مذہبی وغیر مذہبی کی اصطلاح نہیں آئی۔ مذہبی کا

مطلب، اگر یہ ہے کہ ایک شخص اپنے مذہب کے مطابق حکامات پر عمل دلا کر ناظر رہا ہے تو

وہ درست کر رہا ہے اپنے حساب سے۔ کیونکہ کسی مذہب کے ماننے والے خاندان میں پیدا ہونے والا بچہ جب شعور کی منزل پر پہنچتا ہے تو اس پر مذہب پر عمل دلاؤ خود بخود فرض ہو جاتا ہے۔

اگر وہ مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزار رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اس مذہب کا

پیروکار ہے۔ غیر مذہبی سے گرائسٹن کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مذہب کے ماننے والوں کے

ہاں پیدا تو ہو گیا مگر

اس نے اپنی زندگی کو اس کی تعلیمات کے مطابق نہیں ڈھالا۔

تو اس کا مطلب ہے اسے ان تعلیمات سے دلچسپی نہیں ہے، اور دلچسپی نہ ہونے کی بہت

سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

لیکن ہم اس پر یہ حکم لگانے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں اس کی

زندگی کسی واضح ضابطے کی پابند نہیں۔

مذہبی کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنائی کر رہا ہے اور اس کا مذہب

ہے۔

غیر مذہبی کا مطلب ہے اس کی کوئی شناخت نہیں وہ دین ہے۔

عینی میں سماوی تعلیمات کے پیروکاروں کی وہ دہوں اس کے مطابق میرا من کہن

ہے تو یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں ورنہ دنیاوی عز و جاہ اس سے ملتی ہیں۔ جب میں

ایک واضح عقیدہ رکھتا ہوں تو مجھے اپنے اعمال سے ثبوت بھی تو پیش کرنا ہے نہ کہ بھی یہ ہے میرا مذہب۔

غیر مذہبی کا سیدھا سا وہ مطلب ہے کہ کوئی مذہب نہیں لہذا احسان ہے میں پیدا ہوئی مسلمان ہوں اس کے مطابق میری طرز زندگی رہتی ہے یہ میرا مذہب ہے اب تم جو چاہو نام دے دو۔

بھائی صاحب! یہ دوسری بات ہے کہ پچھلے عرصے میں کوئی راستہ نہ تھا۔

دوسری بات علی شاہ۔۔۔ ہندو لپکا، ٹھکانے مندر کی طرف بھاگا جا رہا ہے بھیج گا رہا ہے۔ عیسائی سوتے جاگتے یسوعؑ کو یاد رکھتے ہوئے ہیں۔ پارسی آتش کدے میں اپنے شعور کے مطابق عبادت میں مشغول ہے۔

مسلمان شایہ گانے کا گوشت کھانے اور عید پر شاہ خرپائی کرنے کے لیے مسلمان ہوا ہے۔ ہم بہت اندھ میرے میں ہیں دوسری علی شاہ۔ تم نے مذہبی غیر مذہبی کی بات کر کے۔ خیر چھوڑو۔۔ ہاں تو ہم کافی بات کر رہے تھے۔

آپ کہہ رہے تھے کہ مس وادی اپنے، محل میں غیر مطمئن تھیں۔

ہاں۔۔

میں اس کی کیفیت سمجھ گیا تھا، دوسری علی شاہ۔

اور یہ بھی کہ میں نے قابل ذکر لوگوں کو چھوڑ کر وہ میری سمت کیوں آئی ہے

دوسری علی شاہ! یہ کسی بھی مسلمان کے لیے عزت و افتخار کا باعث ہو سکتا ہے کہ اس کے واسطے سے کوئی دین فطرت کی طرف مائل ہو۔ میں اس کو یقین دہانی کی حالت میں دینی حالت میں چھوڑ کر اپنے ضمیر کا مجرم نہیں بن سکتا تھا۔

میں نے اپنے باپ سے بھی یہی کہا تھا۔

میں اس کی خواہش پر اس کے باپ سے ملا۔

جو مر گئے، اپنے انہام کو پہنچ گئے ان کے بارے میں رائے زنی سے احترا م کرنا چاہیے جس لوگ سمجھ کر اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ میرا کام تمام کرنے میں یک لحد دیر نہ کرتا میں نے سے سمجھنے کی کوشش کی کہ یہ شخص میری خواہش نہیں ہے بلکہ دوطرفہ معاملہ ہے وہ مگر کوئی جاننے کو تیار نہ تھا۔

اس نے ہنگامہ بندھے ہوئے اپنے دربان کی سمت اشارہ کر کے کہا تھا کہ میں حیثیت میں اس سے بھی کم ہوں۔۔۔ اور اس نے سوال کیا تھا۔

کہ۔۔ کیا کوئی شخص ہے گھر کے دربان سے بی بی یا بہن پند کرے گا۔

جب تک دربان سے بی بی نہیں پاتے جا سکتی۔۔۔ تو پھر میں تو اس کے دربان سے بھی کمتر نظر تھا۔

میں بی بی و مریم و بی بی آ گیا تھا۔

مگر ایک روز رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی تو یہ حیرت انگیز منظر دیکھا۔

باہر بڑی جگہ میں وہ میرے باپ کے کندھے سے ہاتھ لٹکانے والی تھی۔ کوئی رات وہ بارہ ایک گھنٹہ

تھا۔ رات علی شاہ مجھے یاد ہے۔ وہ بہت بڑی کان چادر میں لپیٹی ہوئی تھی اور چھوٹا سا سوٹ کیس اس کے نزدیک رکھا تھا۔

میری ماں گزر چکی تھی گھر میں مائے میرے اور میرے باپ کے اور کوئی نہیں تھا۔

میرے باپ نے کچھ دیر سوچا پھر مجھ سے کہا کہ وہ میری پوجہ کی کے ہاں سے چھوڑنے جا رہے ہیں وہاں گھر میں عورتیں ہیں اور شادی سے پہلے اس کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔

دلی کی جامع مسجد کے امام کے ہاتھ پر مگے دن اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس سے اگلے دن۔ شریعت و سنت کے مطابق میرا اس سے نکاح ہو گیا۔

میں بھی خوش تھا اور وہ بھی۔

مگر رات علی شاہ اس کے باپ اور اس کی کیونٹی نے ہمارا جینا محال کر دیا۔ اس شکست پر مسز بہرام واڈیا جیسے بڑی شیر ہو رہے تھے۔

رات علی۔ میں نے کبھی شاطر نہ چال کر اپنا بوسیدہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مجھے سیدھے سادے طریقے آتے ہیں۔ اس لیے مجھے دوسری شاطرانہ چالیں بھی سمجھ نہیں آتیں۔

دھونس، دھمکی، گھبراہٹ اور ستاؤ قسم کے ہر طریقے انہوں نے آزمائے۔ مگر وہ اللہ کی ہندی

اس کا صبر و استقلال دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ رات علی یہ وہ دور ہے جس میں قدرت نے واقعی میری تربیت کی۔ مجھے نصر دی۔ پہچان دی۔ مومن بن کا بہت شکر گزار ہوں۔ ماں کی آواز بھرا گئی تھی۔

میرے باپ نے اس کا سماں نام صبرہ رکھا تھا۔

میرے باپ کا کہنا تھا جو صبرہ ہوتے ہیں ان کے چروہ پر بھری نمبر لگی ہوتی ہے۔ اس

لڑکی کا چہرہ جو کہہ لے چاہے وہی نام دیا ہے۔

تین سال کے عرصے میں ہمارے ہاں تین اور دیں ہوئیں دو بیٹیاں اور ایک چن ممت

پوچھو۔ رات علی یہ تین سال کا عرصہ ہم نے کن کن آزمائشوں سے گزر کر پورا کیا۔

مگر رات علی شاہ بہرام واڈیا کو جین نہیں آ رہا تھا۔ اسلام دشمنی، بیٹی کی بے جا ست،

درمیانے درجے کے آدمی سے اس کی شادی، بھری ٹھٹھ سے ان کی بیٹی نے شادی کی جسے

انہوں نے اپنے دربان سے بھی کم نہ بتایا تھا۔

انہوں نے تمام تر صلاحیتوں کا رخ ہمارے گھر کی طرف موڑ دیا۔ میں کچھ نہیں سکا۔

اب تک انہوں نے اپنا رویہ بدل دیا۔ وہ ہم پر نہایت مہربانی کا مظہر ہوئے۔

وہ میرا چھوٹا سا گھر رات و سرت کا مرقع بن کر رہنے لگا۔

وہ میری خاموشی، بوسیدہ سی آنکھوں، واڈیا کی مسٹر بہرام واڈیا کی چٹکی دکتی پیکارا کی بددست

پھر چشمہ نظر آئے لگی۔

صاہرہ کی بہنیں اپنے پال بچہ سمیت، کلچر مارا، حوال معلوم کرنے آئے تھیں اور اس سال بھر چھوٹا اس کا نگہداشت بھی۔

صاہرہ کو ساتھ لے جاتے پھر چھوڑ جاتے۔ میں نے صاہرہ کو بتا دیا تھا کہ اس کے گھر والوں پر اس کے گھر کے دروازے کھلے ہیں۔

مگر ان کی دوست کا دروازہ بند ہے۔ مگر اس نے خاموشی سے کچھ لینے کی کوشش کی اور مجھے ہتھل چلی تو ہمارے درمیان کبھی قسم نہ ہونے والے فاصلے پیدا ہو جائیں گے۔

اس نیک بخت نے سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی کیا۔

بہرام واڈیا کو اس کے مسلمان ہونے پر بھی اب اعتراض نہیں رہا تھا۔ بلکہ صاہرہ نے بتایا

کہ وہ اپنے میکے میں شعائر اسلامی کے مطابق آزادی سے عبادت کرتی ہے اور اس پر کوئی

پابندی نہیں لگاتا۔

یقین کرو وراثت علی مجھے یہ سن کر کس درجہ خوش ہوئی تھی۔ اور میں نے مسرور وادی کی ہر

زیادتی کو معاف کر دیا تھا۔ وہ میری بیوی بچوں پر بہت مہربان ہو رہے تھے۔ میں مطمئن تھا۔

ایک روز صاہرہ نے مجھے بتایا کہ اس کی تین بڑی بہنیں گرمی کا موسم بہر گزارنے جا رہی

ہیں اور اسے بھی ساتھ لے جانا پڑتی ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے قبل ان کے ساتھ جاتی رہی۔

وراثت علی میرا دل تو ہرگز نہ چاہتا تھا کہ اسے سمجھوں۔ مگر وہ اتنی وفا شعار، عفت گزار

تھی کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ پھر میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنا بڑا نیک سا لڑکا اسام کے مطابق کرتی جا رہی تھی۔ مگر بہن، بھائی، ماں باپ یہ بھی زندہ تھیں ہیں وراثت علی میں انکار نہ کر سکا۔ میں اسے منع کر کے اس کا دل میلا نہیں کر سکتا تھا۔

پھر میرے بچے بھی بہت مسرور تھے۔ میا صاحب کی آواز بھر گئی۔

میرے بچے۔ آہ۔۔۔

میں صاہرہ کے ساتھ خود بھی گیا تھا۔ وراثت علی وہ بہت خوش اطوار وضع و رتھی میرے

بہر مصلی بچا کر میرے ساتھ تھوڑا بڑھتی تھی، اور میری رات چراغاں کرتی تھی۔ میرا دل مطمئن

ہے کہ وہ دنیا سے زیادہ اچھی جگہ موجود ہو بہت آرام میں ہے جو ہو سکیں اسے چھو کر گزارتی

ہیں وراثت علی ہمارے سے کچھ ختم کا فائدہ ہے۔

وہ بلیٹ اچھی جگہ ہے۔

میا صاحب چپ ہو گئے۔ وہ خود پر قابو پا رہے تھے۔

کیا وہ۔۔۔ میا صاحب وراثت علی شاہ جبکہ کرمال کسل نہ کر سکے۔

ہاں۔۔۔ وراثت علی۔۔۔ وہ کیونکہ موتی جیسی آہستہ تھی اور اس سو وہ دنیا میں اس موتی

کی چمک، اندر نہ آنے کا خدشہ تھا اس لیے دلتہ بیباں بنا لیا۔ وہ اس طرح بولے کہ ان کے لیے

کے خزانے وراثت علی شاہ کو ترپا دیا۔

میرا صاحب جب دیکھ گئے۔۔۔

وایت علی مسز وادیا کی تین بیویاں اسے یورپ لے گئیں مجھے تو دم کا بتایا تھا کہ پھر وہاں سے سوئٹزرلینڈ جائیں گے۔ اللہ بڑا مہتر جانتا ہے۔ صابرہ نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تھا۔

مگر میں نے محسوس کیا تھا کہ پروگرام اس کی بہنوں نے بنایا تھا مسز اور بیگم وادیا اس سے لگتے تھلک تھے۔ وراس کی بہنیں بیابا تھیں اپنے اپنے گھر کی تھیں۔

اور جوج پوچھو مجھے تو بہرم وادیا کی ایک پائی کا احسان منظور نہیں تھا۔ مگر اکتا بڑا تفرنگی وادیا۔ میں نے اسے نال دیا۔

وہ چلی گئی۔ یہ پورٹ پر میں نے اس کا آخری دیدار کیا۔ اور اپنے بچوں کا بھی۔

میری معصوم بچیاں گلابی فرا کوں میں تھلی کی طرح بھاگ دوڑ کر رہی تھیں۔ اور سفید بھامر کی چھت وادی پر ام میں بیٹھا میرا بیٹا۔۔۔ مصور۔۔۔ عابد مصور۔

اس دن میں نے ان سب کا آخری دیدار کیا تھا۔

آہ۔۔۔ وہ بھاموش ہو گئے۔

اور بات کی تہہ میں آخر کرو۔ وایت علی شاہ نے ایک عجیب سادہ کپے جو جو میں مرادیت کرتا محسوس کیا تھا۔

تو یہ تھیں ان کی چال۔ وایت علی شاہ۔ جس میں وہ سب بظاہر کامیاب ہوئے۔

بظاہر۔۔۔ وایت علی شاہ نے سویرے نظروں کے ان کے چہرے پر بھاپا۔

ہاں۔۔۔ بظاہر۔۔۔ یہاں میرے یقین، قوت، مزین رس، قول و فعل کی گزشتہ

تھی۔ راستے پہاڑ جتنے دکھوں کے راستے پر چل کر ہی تو میں نہان ہو ہوں۔ کوئی بھی چیز ہو وہ ہمیشہ تو کھنکی سیپ اس نہیں رہتی۔

نہ عورت، نہ دوست، نہ دور۔ نہ والدین۔۔۔ ورشتے دار۔۔۔

ہاں مگر ان کی نشانی کے طور پر دکھ رہ جاتے ہیں۔۔۔ دکھو۔ وایت علی شاہ جو ہمیں ہماری ذات سے جدا نہیں ہونے دیتے۔

یہ ہماری روح کے بند قفل کو کھولتے آتے ہیں۔

اللہ پر یقین رکھنے والے کی روح اس کے وجود سے مخاطب رہتی ہے۔ اسے حقیقت سمجھ کر زندہ رہنے پر مجبور کرتی ہے۔

مجھے میرے یقین کی قوت یہاں تک رہی ہے۔ میں اس ایک فعل کی تلاش میں ہوں وایت علی شاہ جو عبادت کی، شہر ٹھہرے۔ اتنے غیر موافق حادثات اور میری اتنی طویل زندگی میں اپنے محبوب کا شکر ادا کروں تو کیسے۔۔۔

وایت علی شاہ نے اس ویکر میرا استقامت کو رشک سے دیکھا۔

ایک مرتبہ سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری طاقت اور استقامت اس لیے ہے کہ یہ یقین میرے ہمراہ رہتا ہے۔ اللہ میرے ساتھ ہے میں اللہ کے بغیر کچھ نہیں ہوں۔

مجھے اس حدیث اور صاحب حدیث پر پیار آ جاتا ہے۔ سرمو بھی اس میں شک

نہیں۔۔۔ ہمارے حوصلے۔ ہمارے طاقت۔ ہمارے دماغ۔ ہمارے مضبوطی سب اللہ کی مدد سے ہے۔
 آؤ درایت علی انہم یکا لہ خاموش ہو کر اپنے رب کی پیادیں محض، رخصتوں کو سوجھیں۔ یہ بھی
 شکرگزاری اور فخر و نیرداری کی ایک صورت ہے۔

وہ خاموش ہو گئے۔

ورایت علی شاہ کا دل بھرا آیا۔

دنیاوی نقطہ نظر سے یہ محروم شخص۔۔۔ اور اس درجہ شکرگزاری۔ زندگی کی سانسیں ملے
 پر یقین کی قوت ملے، پر مہر کی طاقت ملے، پر نیکی کی توفیق ملے پر۔۔۔

چند تارے ایک گہری خاموشی دونوں کے درمیان حائل رہے۔

میرا صاحب۔۔۔ آپ کو کتنے عرصے بعد ان کی کوئی اطلاع ملے۔

شاہ پانچ سال بعد۔ وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

وہ کس ڈریجے سے۔

میں نے اپنی کائنات کے حصول کے لیے دیو نوں کی، غند خاک چھائی ہے، درایت علی
 شاہ پونے تین بج چکے ہیں۔ وہ صبح چمک کر مخاطب ہوئے نظریں کھائی کی گھڑی پر تھیں۔ وہ
 صاحب سمروت آسمان کے پہلے ستاروں سے اپنی تجلیوں کی زبان میں مخاطب ہے۔

آؤ۔۔۔ حاضری کا وقت ہو چلا ہے۔ باقی باتیں پھر۔۔۔

میرا صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

ورایت علی شاہ۔۔۔ کی سانس میں دکھ متحرک تھا۔

سورج کی ہروں میں گردش کر رہا تھا۔

پاؤں کے نیچے دکھ بچھا تھا۔

بصارت کے سامنے دکھ کے پردے تھے۔

سعادت کی تاروں میں دکھ کے پردے تھے۔

سعادت کی تاروں میں دکھ کے سرسراہٹ تھی۔

وہ ہنست دہائے میاں صاحب کے پچھلے آہستگی سے چل رہے تھے۔

جانے کتنے عرصے بعد میرا صاحب کے پہلو میں تہجد کے نور، فلاد، کرہ ہے تھے۔

پہلے مجھ سے میں ان کی آنکھ سے دو موتی ٹوٹ کر گرے تھے۔

ایک موتی میں صاحب کے دکھ کے سماں کا۔

ایک ان کی اپنی وحشت، تڑپ، تقدیر کا عنوان تھا۔

میں صاحب کی بات بھی دھوری تھی۔

مگر دکھ کے احساس کھس۔

ورایت علی شاہ نماز سے فارغ ہو کر پلنگ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ میرا صاحب اپنے

مخصوص دکانے اور مراقبے میں مصروف تھے، درایت علی شاہ بہت اطمینان سے ان کا نقطہ رکر

رہے تھے۔

میاں صاحب نے فارغ ہو کر چہرہ موز کران کی سمت دیکھا۔

خیندا آ رہی ہے تو سو جاؤ، مالک نے لاندگی کی سانسیں عطا کیں تو باقی باتیں پھر کر لیں گے۔

وایت علی شاہ نے انہیں غم مضم نظروں سے دیکھا۔

میاں صاحب، ایک خیندا سو دگی کی ہوتی ہے اور ایک مجبوری کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اب تو مجبوری کی خیندا ہو گئی ہے۔ سچ وہ بھی نہیں ہے۔ آپ پٹی کہیے۔ آپ تو واقعی تھک گئے ہوں گے۔ انہیں محاساس ہوا۔

کسی بوز شے کے لیے وہ دورانیہ آ سو دگی کی، نہ تھا ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے ماضی کا تذکرہ کرتا ہے۔ پانا گز مارا، نہ ہوتا ہے۔

وہ ہمہ سمسکرائے اور آہستگی سے اٹھ کر اپنے پٹنگ پر آ گئے۔ درگا کا دیکھنے سے پشت ہٹا کر تھپتھپ کے دونوں گوشہ کرت دینے لگے۔

میاں صاحب جوہ آپ سے پھر کیوں نڈل سکیں وہ آپ کی قانونی بیوی تھیں۔ کوئی مدافعت نہیں۔

وایت علی شاہ یہ محاشرہ اپنی روح سے ناواقف۔ کلیات کی جہاد سے لاعلم۔

نقد اور پہنچ کو عظمت کی معراج سمجھنے والے، محاشرہ ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میاں صاحب کا چہرہ خواہ کچھ ہو بخیر ایک محاسن ہی تو ہے جسے کسی محفوظ

جگہ پر نشانی بنا کر قفس نہیں کیا جاسکتا۔

صرف ایک احساس کی کہانی۔

مگر ہم سب، اسی جنون میں تو جتنا رہتے ہیں۔ جب جنونی ٹھہرے تو کون سا قانون۔ اور کیا قانون۔

اہم انسان تو قانون فطرت تک کو، نئے سے، نکال کر دیتے ہیں جس کی گواہی ہماری روح دیتی ہے۔ ہمارا ضمیر دیتا ہے۔ وہ محض میری بیوی نہیں تھی۔

وہ مسر بہر دم و داؤپا کی صاحب زادی بھی تھی۔ لیڈی میجر و جاوادی۔

جس کے دوست کدے پر، سسرانے کے بلوں کی دھمک پڑتی تھی۔

جس کو ملکہ برطانیہ سا لگرہ کی مبارکباد سمجھتی تھی۔

جس کے حشمت کدے پر برصغیر کی قسمت سے کھینچے، دوسرے کے پٹلی فٹ شے ہوتے تھے۔ وہ اس بڑے آدمی کی بیٹی تھی وایت علی۔

مسٹر بہر دم و داؤپا نے بذریعہ حسرتی بیسٹے گئے نائپ شدہ خط میں سب کچھ بتا دیا تھا کہ یہ سب ایک سازش تھی جس میں وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ سب ان کی بیٹی بھی اعظیا وہیں نہیں گئے گی۔ ورنہ یہ کہ میں بھول جاؤں کہ لیڈی میجر و داؤپا میری بیوی تھی۔ مزید برآں اس کے وطن سے پیدا ہونے والے بچے کسی طور مسلم نہیں ہو سکتے۔ وہ پادری مذہب ہی کے پیروکار ہوں گے۔ ورنہ یہ میر، یعنی مسٹر و داؤپا کا، انتقام ہے کہ ان کی بیٹی کو درغذا نہ میں، میں نے کوئی کسر نہیں

چھوڑی تھی۔

نفس۔۔۔ وایت علی شاہ نے آن کا دکھ پھر نبی دے محسوس کیا۔

وایت علی شاہ۔۔۔ اس موڑ پر میں نے وایت کی، نہت محسوس کی تھی۔ ایک مسماں کی

اور۔۔۔

ان کی آواز بھر گئی۔ وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے اس رات اپنے خفا سے دعا کی۔

والکس۔ میرا بیٹا جس نے میرے نسب کو چامی دکھنا ہے یا تو مجھے مل جائے یا پھر
مر جائے۔ مسلم لبو کے تانے پانے میں پرویا ہوا جسم مشرک۔۔۔ دو کو ختم دے میں کسی طرح بھی
گواہا نہیں کر سکتا۔

جاتے ہو، وایت علی شاہ۔۔۔ اللہ رنگ گلو سے بھی تریب ہے۔ کیوں کر میری بات سنتا۔

تو آپ کا بیٹا آپ سے مل گیا۔ وایت علی شاہ نے چٹائی سے پوچھا۔

وہ وار لقیام و پس چلا گیا۔ میں صاحب نے بہت بردہا رہی سے جسد مکمل کیا۔

اور۔۔۔ وایت علی شاہ کو عجیب سا ملال ہوا۔

مجھے کسی باپ کو بیٹے کے مرنے پر بھی خوشی ہو سکتی ہے۔ لیکن مجھے ہوئی تھی۔ میں نے

اس احسان پر بکھرہ شکر دیا تھا۔ میں نے مسرور دنیا کو خدا بھیجا تھا کہ آپ اپنی سی کرتے رہیں۔

میرے معاملات اللہ کے سپرد ہیں۔ اور تم نے۔۔۔ دیکھ بھی لیا ہے۔

آپ اپنا نسیم سے بھرو وہاں رو بھی نہیں ملے

اللہ کی مرضی و وایت علی شاہ۔ مگر وہ وفا میں مجھ سے جیت گئی۔ اس نے خود کو روگ لگایا

تھا۔

ایک روز مجھے بار ملا کہ وہ بر ملاقم شاز کے ایک کلینک میں زیر علاج ہے۔ اپنی چنگی بھی

پانگی کو سمیٹ کر ٹنگٹن پہنچا۔ یہ تار اس نے خود بچھوایا تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ وہ سخت

پیرے میں ہو کر تکی ہے اور یہ تار ایک نرس کے قریب بچھ رہی ہے۔

جب میں اس کے پاس پہنچا مشکلات کا ایک سمندر عبور کر کے تو اس کی آنکھیں بند تھیں

وایت علی شاہ۔ وہ ایک دم سو گئی لکڑی ہو رہی تھی اور سفید ٹھٹھے جیسی۔ اسے دماغ کا سرطان

ہو گیا تھا۔۔۔

آج تک حافظے میں بس اس کا وہی آخری دیدار محفوظ ہے۔ مسلسل کی گھنٹے بلکہ کی

دن فشی میں رہنے کے بعد وہ چلی گئی۔

ناعت۔۔۔ وایت علی شاہ نے سپیدہ عری کے آثار کو اپنی نظرت سے دیکھا۔

آپ کی رضیوں۔۔۔

مجھے آج تک ان کے پاس سے کچھ بات نہیں چلائی۔

اہم امتحان گاہ میں ہیں۔ دکھ سکھ فطرت کے ظہار ہیں۔ کیا جی کو آزار لگایئے۔ اللہ کی

مخلوق کو ہادی ضرورت ہے سانس میں رائیگاں تو نہیں جانی چاہئیں۔

آخرین ہے میں صاحب آپ پر وہ بیساخت کہ بیٹھے

پہل اسی کو ملتا ہے جو صبر کی نیت کرتا ہے۔ میں صاحب گویا ہوئے۔

اُسے معاف کرو ورنہ عیت علی شاہ وہ آہستگی سے گویا ہوئے۔

ورنہ عیت علی شاہ گویا شاہک لگا۔

کسمانچوں نے تھام لی برتاہ

دش جسے رزار کے قلعے میں بند کر کے تم نے پٹی وائی سانس بھی انتقام کے جوئے میں

لگا دی ہیں۔

یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ کسی طرح بھی۔ میں صاحب میں آپ جیسا دل کہاں

سے۔ اور۔ آپ جتنے حوصلے کدھر سے۔ دل۔

میں دور تم ایک سی خاک کے پٹے ہیں ورنہ عیت علی شاہ ایک ذرا سی سوچ کا فرق ہو۔ غصہ

ورگزر کا ذائقہ بھی چکھ کر دیکھو۔ اس عمل کے ذریعے نہات کہ قدر مستحضر ہو جاتا ہے پٹی نظر

میں۔ اس کی عین لذت ہے۔ میں صاحب کے کچھ میں مفردی حلاوت تھی۔

لیکن آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں انتقام لے رہا ہوں۔ آپ نے یہ کیوں نہیں

سوچا کہ میں نے اس کی ہمیش کے لیے چھٹی کر دی ہوگی۔ ورنہ عیت علی شاہ نے چونک کر بڑی

جا بختی نظروں سے میں صاحب کو دیکھا۔

جب ایک بات خبر ہے تو پھر حسن ظن کا فائدہ۔ ورنہ عیت علی شاہ وہ بولے۔

میں سمجھا نہیں۔ وہ واقعی میا صاحب کی بات نہیں سمجھے۔

وہ ساری بات جاگتی۔۔۔ ہے ورنہ عیت علی شاہ۔ دل ورمقدور بدنے کد ویر لگتی ہے

اس کا قلب بالکل بدل چکا ہے۔ اسے دونوں بچوں کے پاس میں علم نہیں ہے۔ اسے گونڈ

سے لے آؤ ورنہ عیت علی شاہ۔

ورنہ عیت علی شاہ کا گویا بھیجا لڑ گیا تھا۔ وہ مششور سے میں صاحب کو دیکھ رہے تھے۔

میں قسم کھانے کا عادی نہیں ہوں۔ محض تہہ رات شک رفع کرنے کے لیے حلف اٹھانے کو

تیار ہوں۔ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا وہ تو پتے منہ سے خود کو تہہ رنی نوکرانی بتاتی ہے ورنہ عیت

علی

ضمیر کی ملامت اور کوکھ کی۔ گ۔

میں صاحب۔۔۔ ورنہ عیت علی شاہ نے ٹھک کر ان کے گھٹنے چھو لیے۔ خدا کے لیے میں

صاحب۔ خدا کے لیے۔ ان کا مضبوط وجود عیت کی۔ اند میں صاحب کے سامنے نکھر گیا تھا

اور۔ نکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔

مجھے گناہگار نہ کیجیے میں صاحبیں اللہ کا بندہ ضرور ہوں مگر مظل و سائل ہیں۔ آپ

مجھے جنگل سے لکڑیاں کاٹنے کا حکم دے دیجیے۔ آپ بے زہر تاجال اپنے کو کہتے۔ سرتابی کروں

تو آپ کو ہر سزا کا اختیار ہوگا۔ گ۔

میں صاحب نے ٹھک کر اپنے ہاتھوں سے ن کا چہرہ تمام لیا۔ اور کمال محبت

سے ان کی پیشانی پر نمبر ثبت کی۔

ولایت علی شاہ۔ بخیر تو نہیں ہوں تبہ دے سینے کی عظیم و نیا عظیم تر قامت انھوں ہی ہے۔ گوش برآورد ہوں۔

نادان۔۔۔ کیسے اندازے قائم کیے ہیں میرے پارے میں۔ میرے بنے چمکی خبر ہے مجھے۔

ننگے سے پہاڑ اٹھانے کو کہہ رہا ہوں۔ مگر اسے اسراف کی معتبر یا دگاریوں بھی تو سوچ کر دیکھو۔

نمرود کی دہکائی آگ میں کودنے کا فیصلہ سال خودہ فاسلوں پر بھی محیط ہو سکتا تھا۔ یقین کے میدان کا راز میں گھڑی میں فیصلہ ہو گیا تھا۔

ولایت علی شاہ۔ چھانگ مارنے سے پہلے آگ ہوتی ہے اور چھانگ مارنے کے بعد گلزار۔

آؤ ولایت علی شاہ چھانگ مار آئیں۔ دیکھنا میں کزوں پھول مہک اٹھیں گے تہہ رے قلب میں۔

آپ میری اوقات میر مقام بھی تو دیکھیے میاں صاحب۔۔۔ ولایت علی شاہ چاری سے گویا ہوئے۔

خدا کی برگزیدہ دستیں را خود کو صوفہ بنا کر ہمیں متحیر کرے نہیں آئیں نہ حق نمودارہ رجندہ

خوشگئی سے ان کو ملتا تھا۔

وہ ہمارے جیسے کمزور و راجا لوگوں کے لیے مشعل بن کر آتی رہیں۔ ہمارے قلب کی بیوہ نگھوں کو روشنی دینے

رہیں۔ من سب کے کیے پر پانی نہیں پھیرو۔ کوزندگی کی کتاب کا نیا سبق پڑھو۔ صرف

چھانگ مارنے سے بعد کا کام تو بہت آسان ہے۔ اسی وہ مساجدوں کے اذان فجر بلند ہوئی۔

اللہ اکبر۔ میاں صاحب نے ولایت علی شاہ کی نعت چاہیائی۔ آؤ ولایت علی شاہ مسجد چلتے ہیں ساگلے مراحل اس کے بعد۔

ولایت علی شاہ۔ ہشتی سے گھنٹوں پر ہاتھ رکھ کر آٹھ کھڑے ہوئے۔ طارق نے نہ جانے کتنے کڑے مراحل طے کیے تھے تب اس دروازے پر آیا تھا۔

ستارہ نے اپر نہیں سے اسے دیکھا تھا۔ پہلے خوشی سے جھکی تھی پھر یک دم اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ آہستہ سے زمین طے کر کے اس کے قریب آئی بہت ہشتی۔ مگر گرم جوش سے

وٹ کپ۔ نہ مایہ گار۔ پہلے مجھے یہاں سے کھسک لینے دیں۔ پھر اس سے ملے گا۔ اور جو بھی

صورت حال ہو فون پر بتا دیجیے گا۔ سیاہ وینٹ، دوسرے شرت پر سیاہ اسکارف پیٹے وہ کہیں

جانے کی حالت میں تھی۔

پلیز۔۔۔ تعریف رکھیے۔ بہت اخلاق سے اس نے ڈرنے کا وہم میں نشست پیش کی۔

پھر دور کام کرتی ملازمہ کو واز دی۔

برکتے۔ گل سن۔ ملازمہ اس کے پاس چلی آئی۔

جی بی بی۔۔

وڈی بی بی نور تار آکھیں میں انار نور مل کر کی آں۔۔۔ منیا۔۔۔ اس نے طارق کی

سمت اشارہ کیا۔

چنگا جی۔۔۔ وہ سوہانہ انداز میں کہہ کر بیٹ گئی۔

میرا تو دم اٹھنے لگا ہے۔ طارق جبریہ مسکرایا۔

بی ٹی شل گریٹ فل ہو۔ اس نے بڑی منت سے طارق کو دیکھا۔

کوئی بات نہیں۔ وہ بڑے غلطی کا مظاہرہ کر کے مسکرایا تھا۔

مٹا دے اس کے سامنے سرخ کا رکال لے گئی۔

جاؤ بی بی وڈی بی بی سے کہہ دو۔۔۔ لیکن ٹھہرو۔ وہ ایک دم رک گیا۔ اور جیب سے

ایک گولڈن کارڈ نکال کر اس کی سمت بڑھا۔ یہ اندر پٹی پٹی بی کے وے ہو۔ ملازمہ وزیننگ

کارڈ لے کر چلی گئی۔

تھوڑی سی دیر بعد میں دوبارہ آسمان پر ہوئی۔

بی بی گھروں میں سے صاحبہ۔ (بی بی گھر میں نہیں ہے صاحب)

طارق کو حیرت کا ایک جھٹکا سا لگا۔

وہ خود کہہ ہی ہیں۔ وہ متحجب ہوا۔

آج جی۔۔۔ سن۔۔۔ نہیں جی۔ ملازمہ بری طرح گڑبڑ کی۔

تم مجھے ان کے کمرے تک لے چلو۔ وہ قطعی انداز میں گویا ہوا۔

تہانوں رب دادا سہلہ۔ ملازمہ خوف زدہ انداز میں ہاتھ جوڑ بیٹھی۔

کچھ نہیں ہوگا۔ یقین کرو۔ میں خود کچھ سوں گا۔ اس نے تسلی دی۔

بی بی ٹی پروہنے۔۔۔ میں تہانوں پہلے نہیں سی دیکھی۔ صاحبہ میں سے نہیں کر سکتی

آں۔۔۔ میں صاف کر دوں۔

وہ بری طرح سہم کر کہہ رہی تھی اور حیرت تھی کہ ایک بی بی کا رویہ اس شخص کے ساتھ کچھ

ادب و سہری کا کچھ طارق سوچ

میں بڑ گیا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سلاگائی پھر دوشین کش لے کر پتہ کھڑ ہوا۔

چلو میرے ساتھ۔

کھٹے صاحب۔۔۔ وہ گھٹپائی۔

بی بی کے کمرے تک ورنہ میں ن کا کرہ خود ڈھونڈ نکالوں گا۔ وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ

کر تھوڑی دیر انداز کی سمت بڑھا۔

وہ اس لذت آمیز دھڑکن سے خوب متعارف ہو چکی تھی۔
لکنتوں نے اسے چھو لیا تھا۔

لکنتی بار بار اس کو غیر ادبی طور پر جنتیوں سے لکنتی تھی مگر احساسات مخمد ہی رہے
تھے۔

یوں بھی ساری دنیا محبوب ہو نہیں سکتی۔ اتنے سارے لوگوں میں انسانوں کی بھیڑ میں
صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے جو دل کی عمارت میں بارود کا دھماکہ ثابت ہوتا ہے۔

لکنتی بار بار اس کے سامنے آتا تھا اور لکنتی بار بار وہ لذت آمیز دھڑکن اس کے سینے میں بیدار
ہوئی تھی۔

یہ دھڑکن ایک شخص کی، انفرادیت کی، سنگین پھر ٹیون ہو کر رہی ہے۔

وہ پھر سامنے آیا تھا۔

اس نے پھر دل تھا، تھا۔

معنا اس کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے قایت درجہ کی انجنیئریت سے طارق کو دیکھا۔
میاہ پیٹنٹ، اور لکنتی گلابی شرٹ میں ملبوس انگلیوں میں ٹکٹا سکرےٹ ہے وہ اس کے تاثرات
جانچ رہا تھا۔

وہ ایک جگہ کہ کر کمرے کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

میں نہیں ہوں۔ سنا نہیں، آپ نے۔۔۔ وہ زہر پھاڑ کر چلائی تھی۔

سارے روز گاؤں کے گھروں پہ گئے وہ صاحب۔ وہ دل برداشتہ کی اس کے پیچھے ہوئی۔
اور رہا ادبی کے کہ ایک سرے پر جا کر ٹھہر گئی۔ اوپر پتہ چار رہا تھا۔

اسے پوڈیاں (سٹرچیاں) چڑھ کے پہل دی کمرہ اسے۔ اتنا کہ کردہ تو چپٹ ہوئی اور
طارق زیت ملے کرنے لگا۔ سامنے ہی وہ زرد زو کھڑی تھی۔

طارق کو دیکھ کر جیسے بھونچکا سی رہ گئی تھی۔ سرخ گارڈن میں ملبوس وہ ننگے پاؤں نیلے
کاسٹ پر جھٹے بہت بیمار سی محسوس ہوئی۔

وہ جس کا تصور کیے بغیر وہ سو نہیں سکتی اس کے در پر پتہ چاقو اس نے کہا، بھیجا کہ وہ نہیں
ہے۔ اس نے یہاں کس کیا۔۔۔ وہ خود سے پا چھ رہی تھی۔

وہ جو اس کے حواسوں پر خوشبو کی طرح نکھر رہا تھا ہے۔

یونیک میں۔

دار نیوٹنگ کے دوران۔

سوتے جا گئے۔۔۔ ہتھتے روتے۔۔۔ اور ہر گھر ملاز، ویسے میں وہ اس کی بیات کا سبب بنی
تو بن چکا ہے۔

چھٹے ہفتے جب وہ کراچی میں طارق روڈ پر فلیکس میں میچنگ سینڈل دیکھ رہی تھی۔

تو ایک آدمی کی پشت دیکھ کر دم سدا دھ کر رہ گئی تھی۔ یہی نمک ہو تھا کہ وہ طارق ہے۔

محبوب کو دیکھ کر ایک عورت کا دل کس انداز میں دھڑکتا ہے۔

میں نہیں ہوں۔۔۔ میں نہیں ہوں۔۔۔ وہ چھوٹ چھوٹ کر رو دی۔ طارق آگے بڑھا۔
 غیر وزہ نے ایک دم اندر ہو کر دروازے کی چٹائی چڑھا دی تھی۔
 وہ دروازے سے لگی مسلسل رو رہی تھی۔

طارق نے پیسے تو دروازہ بجانا چاہا پھر کچھ سوچ کر راہ ترک کر دیا۔ دروازہ واپس نیچے چلا آیا۔

ملازمہ بداری میں کھڑی تھی۔ شاید چھینٹیں کس کس کی تھی۔
 گھبراؤ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہو۔۔۔ میں پھر آؤں گا۔۔۔

غیر۔۔۔ (پھر)۔۔۔ ملازمہ نے ہوتی ہی ہو کر طارق کو دیکھ تھا۔
 وہ آہستگی سے اوڑھ بڑھتی مسکرائی۔۔۔ ہوں۔۔۔ پھر۔۔۔

جب سے اس جہان کو ذریعہ کے سلسلے میں خوشخبری ملی تھی وہ نے کے لیے پرتول رہی
 تھیں حالانکہ یہ خبر ان تک براہ راست نہیں پہنچی تھی۔ طارق نے ارمغان کو کوفن پر ایک سی بات
 کا اندازہ کر لیا کہ وہ کیا تھا۔ ارمغان سے ہوتی ہوئی یہ خبر بید تک پہنچی تھی۔ وہ یہ کیسے ممکن
 تھا یہ عیسائیاں کو تو رہتا تھا۔

عابدہ بیگم تو گویا سننے کے ساتھ ہی غصے سے لگ گئے تھے۔ وہ یہ کونہوں نے غون پر تلی
 دے دی تھی کہ وہ تین ماہ قبل اپنی جائیں گی۔

اور اب وہ حسب وعدہ پہنچ چکی تھیں۔ طارق کے معمولات و مصروفیات دیکھ کر وہ تپ سی

کی تھیں۔ دوسری طرف دروازہ کو دیکھ کر ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ ہولے
 ہو لے گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف چہرے پر ایک عجیب سا سوز۔

حرکت میں دھیمپا ہن۔ بہت ساری باتوں کے جواب میں ایک دلفریب مسکراہٹ
 صرف اب جان چھوٹے چھوٹے کپڑے سینے میں مشغول ہوتیں تو وہ ان سے پوچھ پوچھ کر
 کوئی اچھی ڈس بتائے لگتی۔

آتے جاتے سے وہ سے کپڑوں پر بھی نظر ڈال لیتی تو عجیب دیکھ اور نکھ گئے لے جے
 احساسات اسے گھیر لیتے۔ داخلی دروازے کی سمت دیکھ کر ایک اُوک سی سینے میں اُٹھتی تھی سینے
 میں۔

شاید یہ ارمان و ارمان ہی ہی رہ جانے کہ وہ دن کے اُجالے میں گھر میں مسکرا کر قدم
 رکھے اور آنے والے دنوں کے خیال سے اتنا خوش ہو کہ بہانے بہانے سے اس سے لطیف سی
 شرمٹ کر جائے۔ حساسات میں دیر تک گدگدی ہوتی رہے۔

آہ پھوپھو۔۔۔ آپ تو نعمت ہیں ان دنوں میرے لیے۔ وہ سوچا کرتی۔
 تم سے عشق میرا جرم ہے طارق۔۔۔

زار نے ایک بار کہا تھا۔ شادی اس سے کرنا جو تمہیں چاہتا ہو۔ اس سے نہیں جسے تم
 چاہتی ہو۔

مجھے تو مگر چاہنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ سوائے اس کے ہر نظر میں میری تمنا تھی۔

اب میں سب سے توشا دی کرنے سے رہی تھی۔

اور پھر میں اپنی پسندیدہ شے سے دور رہنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی ہوں۔ مجھے ہر پسندیدہ شے اپنے پاس رکھنے اور اس پر تھکا رہا حاصل کرنے کا جوت ہے۔

یہ میرے پاس نہ ہوتا تو میں کب کی مرگی ہوتی۔

اب کم از کم یہ اطمینان تو ہے۔۔۔ کہ۔۔۔

ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حاصل تو کچھ اب بھی نہیں ہے سوائے اس کے کہ دنیا چاہتی ہے وہ طارق احمد فاروقی جیسے آرٹسٹک اور منفرد آدمی کی بیوی ہے۔

وہ آنکھیں پونچھ کر پھر اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

مگر وہ بدہنجم نے اس کی روٹی روٹی آنکھیں دیکھ لی تھیں۔

گھبرانے سے کچھ نہیں ہوتا بیٹی۔ ہر لڑکی کو آخر کار اس مرحلے سے گزرنا ہوتا ہے۔ اللہ سے اچھی امیدو تو تھا۔

گماتے ہیں۔

یہ خوشیاں تو اللہ کی مہربانی کا کمال ہوتی ہیں۔ شکر ادا کرنا چاہیے۔ تم بھی سے بنا چہرہ دیکھو۔ کس قدر روپ آ رہا ہے۔ نورجہاں اب بھی مجھ سے کہہ رہی تھیں۔ ماشا اللہ ورید کو دیکھو دیکھو کتنا نظر سیر نہیں ہو رہی۔ آپ اس کی نظر اتارتی رہیں۔

انشا اللہ بہت خوش بخت اور ادا ہوگی جس نے بھی سے کہہ رہے۔ جو کو منور کر کے رکھ دیا

ہے۔ ماشا اللہ ورید تو تھے۔ اللہ۔ وہ محبت و شفقت سے پورا آواز میں بولیں۔ سن الفاظ کے جانے چکے۔

طارق نے اندر قدم رکھا تھا۔ ورید کے بدلے بدلے ہوئے سراپے پر اس نے ایک عجیب بے نیاز نظروں سے اگل کر ماں کو سلام کیا تھا۔

بیٹے رہو۔ خدا کا شکر ہے میں بھی دن کی روشنی میں دیکھا۔ وہ خصوصیت سے دہرائی تھیں۔

میں تو بھول ہی گیا تھا۔ ابھی علی جان صاحب کا آفس فون آیا تھا۔ بدست میں بھی نہیں جاسکتا تھا ورید ابھی بھول گیا تھا۔ ابھی آنکھوں پر دو ہاتھ تھے۔ کہ آج شام شرکان میں عشاء کی ہے۔ وہ ورید سے مخاطب تھا۔

بہت زیاور اور صبر کیا ہے کہ تہہ راؤم چھاندر ساتھ ہو۔ اب تم فورا تیار ہی شروع کرو۔ آٹھ بجے تک وقت ہے میرے پاس۔ وہ انتہائی خشک انداز میں کہہ کر کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا۔

طارق کو اس بات کا بخوبی حساس تھا کہ بہت سے لوگ اس کی شریک حیات کو دیکھنے کے تہمتی ہیں۔

اس لیے اس نے بطور خاص ورید پر نظر ڈالی تھی اور کچھ مطمئن سا دکھائی دیا تھا۔ ماں جان نے آیات کا ورد کر کے اس پر دم کیا تھا۔

جب وہ سازشی اور پریش منیہ لڑکھینے تر رہی تھی تو طارق کو شاید اس کی حالت پر رحم

آگیا تھا۔

اُم ہنگی سے شانوں سے تمام کمرے سہا رہا تھا۔

(جب تہارے ہاتھ تہارے ہاتھ لگ جانے کی تو دوریہ پہنے ہوئے ورق کی طرح تہارے گھر کے کونوں میں نظر آئے گی) دوریہ نے طارق کے فضلِ نسی پر بجائے خوش ہونے کی آرزو کی سے سوچا تھا)

طارق محفل میں جا کر ایک دم سے جیسے بدل گیا تھا۔ خوش باش، مفکر، سہل، شوقِ شوق جسے اس کی زبان سے ہر جہت سے ادا ہو رہے تھے۔ پوری محفل پر چھا گیا تھا۔

دوریہ اُس کے اس رنگ سے واقف تھی۔

اے، احساس ہو وہ کتنا بدل چکا ہے۔ (یہ اس نے بدل دیا ہے)

ایک تو اُس سے ملاقات کرنے والوں کا۔ تنہا ہی سلسلہ تھا۔ دوریہ ایک سیٹ پر بیٹھ کر بنگارہ محفل سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

معاذہ چونک پڑی۔

ایک انتہائی لمبے، ذرا لڑکی طارق سے بہت شوقی کے ساتھ مخاطب تھی۔ دوریہ کو اس کی شکل دیکھیں ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

علی جان صاحب بتا رہے تھے آج تو مسٹر ایڈمز مزدوروں حاضر ہیں۔ آف آپ کی مسز سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ ملو بیٹے ناں۔

وہ لڑکی خاصی ہی تکلف تھی، اور طارق کا انداز بھی پرانے دوست جیسا تھا۔ دوریہ نے ہچکچاہٹ محسوس کی کہ طارق کی شوقی ایک دم غیورگی میں بدل گئی۔ ملاقاتی لڑکی نے اسے کچھ کہا تھا۔ جو اس نے سنا دیکھا تھا۔ جہاں بیوس ڈمی میں بڑی سادہ مگر حسین لڑکی موجود تھی۔ وہ دوریہ کے لیے قطعی اجنبی تھی۔ طارق اس سے تعلق نہ ہو کر، اپنی ملاقاتی کو لے کر دوریہ کی سمت چلا آیا۔

دوریہ۔۔ یہ ہماری فلم، انٹرنی کی نامور لڑکا رہ مس حنا ہیں۔ اور مس حنا یہ ہماری مسز۔ دوریہ۔۔

دوریہ اٹھ کھڑی ہوئی، اور پناہ دیاں گلابی تھیلی اور گونجیوں سے مزین ہاتھ اس کے سامنے بڑھا دیا۔ جسے ستارہ نے بڑی گرمجوشی سے تھام لیا۔

ستارہ نے دوریہ کے سر پرے پر ایک شوخ سی نظر ڈالی، اور خامے بولڈ انداز میں پوچھا۔ اور کیسی ہیں آپ۔۔

دوریہ اس کی شرارت کچھ گئی۔ تھوڑا سا جھینپ کر یوں ٹھیک ہوں۔

فارتوقی صاحب۔۔۔ بہت کیوٹ ہیں آپ کی مسز۔۔۔ نیکی۔ ستارہ نے سر ہلایا۔

شکریہ۔۔ اس نے غیر روی نگاہ دوریہ پر ڈال کر اپنا اخلاقی فرض نبھایا۔ اب اس کا ذہن محفل میں متقسم نہیں تھا صرف بیوس ڈمی میں بلوں اس سر پرے کی سمت مرکوز تھا جو پشت کیے ہوئے اس سے جنبش کے ناکام نگاہ رہے میں مصروف تھی۔

طارق نے جب بھی اسے کسی قریب میں دیکھا تھا انتہائی بھرپور انداز میں حمد لیتے
دیکھ تھا۔ بڑے ہر شکوہ انداز میں جان محفل بن کر شامل ہوتی تھی۔

آج صرف میوزم میں بیوی تھی۔ سادھی بالکل سادہ تھی اور آنکھیں بھی۔ صرف
ہونٹوں کا رنگ کچھ گہرا۔ اور چمک رہا تھا۔ ترشید ہال کھلے ہوئے تھے۔

طارق اس کے قریب پہنچا۔

السلام علیکم

وہ جھکی جھکی آنکھوں سے طارق کی پیٹ اور جوتے دیکھ کر چان چکی تھی کہ اس کے قریب
کوئی آیا ہے۔ جواب میں سے رخ کرنا پڑا۔ بلکہ آنکھ کھڑی ہوئی۔

وعلیکم السلام۔

کیسے مزاج ہیں آپ کے وہ بہت شائستہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ بالکل اس انداز میں
جیسے کسی بچے کو بہتاتے ہیں۔ اور ہر غیر ضروری حد تک ملائم کر لیتے ہیں۔

اچھے ہیں۔ وہ جیسے ہاؤس ٹو، سہ ہاؤس۔

بظاہر تو محسوس ہوتا ہے۔

یہ زندگی میں تبدیلی تو آتی رہتی ہے۔ بہت کچھ بدل چکا کرتا ہے۔ یہ کوئی قابل ذکرہ چیز
تو نہیں۔ وہ پچھلے انداز میں مسکرا کر گویا ہوتی تھی۔ اور رقی کی بات کاٹ دی تھی۔

لیکن مجھے تبدیلی نہیں ہر دو نظر آ رہی ہے۔ میں فیروزہ۔ وہ ہر دم خوش نے نہیں کیا اس

کا طوق میرے گلے میں نہ ڈال دیجیے گا۔

وہ اپنے مخصوص پیپاک انداز میں کہہ گیا۔ فیروزہ نے بری طرح گھبرا کر اس کی سمت
دیکھا تھا وہ خود بھی اس کا رد نہیں دیکھ رہا تھا۔ اور جیسے ایک دم خود کو سنبھال لیا۔

میں گئی نہیں۔

وہ میں اس روز سمجھنے لگا تو گیا تھا آپ نے تو اپنے نہ ہونے کی غلات کر دی۔

مثلاً آپ کیا سمجھا نا پتے ہیں مجھے۔ وہ ٹکس تو جیسے اس کے مقابل ہو گئی۔

پہلے تو آپ کی زیبائی پنا گناہ معلوم کرنا ہے۔ پھر اس کی روشنی میں کچھ سمجھنا ہے۔

میں فیروزہ۔ میری اور آپ کی تفصیلی ملاقات کلینک میں ہوئی تھی۔ ہوئی تھی نا۔

جی۔ وہ نظریں بٹھا کر بولی۔

وہاں میں نے چلتے وقت آپ سے پوچھا تھا کہ ہمارے درمیان کوئی آنیہ نہ تو نہیں
ہے۔ پوچھا تھا نا۔

جی۔ وہ آہستگی سے بولی۔

پھر آپ نے جواب میں کہا تھا۔ قطعی نہیں۔

پھر یہ سب کیا ہے۔ آپ کی نادانی کی عمر تو نہیں ہے۔

کیا کیا ہے میں نے کیا سمجھ بیٹھے ہیں آپ میں تو کس دن کے بعد آپ سے زخوئی بھی

نہیں۔ بلکہ آپ نے ملنے کی کوشش بھی کی تو نہیں ملی۔

لیکن آپ نے یہ شعوری کوشش کیوں کی اس نے تیزی سے فیروزہ کی بات کا مت کو پوچھا۔

میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ کسی مشکل میں گرفتار ہو جائیں۔ وہ چہرہ موزک ہو۔
مثلاً کس قسم کی مشکل۔ طارق نے حسن ظن برتا۔

مثلاً کوئی آلتا میڈیا، سکیڈل۔ آپ بہت شغاف ہیں طارق۔ خاموشی ہیں۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔

کیوں۔ وہ پھر انجالت ہوا۔

یہاں اخلاقی فرض بنتا ہے کہ وہ دیکھی اور مبہم مسکرائی۔

ہاں، اخلاقیات گرچہ کسی قابل تو نہیں ہیں۔ لیکن۔۔۔

جھوٹیں طارق صاحبہ۔ ہاں آپ کا کیا واسطہ۔ وہ بیک دم زنج ہو گئی تھی۔

آپ مرحلہ وار خود کشی کر رہی ہوں وہ بھی میرے نام پر تو یہ تو میرے ساتھ زیادتی ہوئی
نار۔ وہ صاف گولی سے بوڑا۔

فیروزہ کو جیسے کرنت لگا تھا۔

آپ کو یہ غلط فہمی ہوئی تو کیوں کر۔ وہ زبردستی خود پر قابو پاتی ہوئی پوچھ رہی تھی۔

آپ مجھے وقت دیں۔ میں آپ سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ افسانہ ہونے
کے ناتے۔ پھر میں آپ کو تمام جو بات بھی دوں گا۔

فیروزہ کے سینے میں عجیب پکڑ دھکن ہونے لگی تھی۔

(وہ بات خود بخود سے کہتے گھبراتی ہے اس تک پہنچی تو کیسے۔)

ٹھیک ہے آپ مجھے کبھی جمعے کو گھر پر مل لیں۔ وہ گہری سوچ سے نکل کر گویا ہوئی۔
دل۔ اب بھی بڑی بری دھک دھک کر رہا تھا۔

لیکن مجھے خدشہ ہے آپ کہیں پھر مجھے بڑھاپا خودی نہ کہہ دیں کہ میں نہیں ہوں۔
وہ وہ انداز میں جٹا کر مسکرایا۔

فیروزہ تلوار نہ اٹھا سکی۔

مجھے کبھی کبھی دورہ پڑتا ہے طارق صاحبہ۔ دراصل میں بیمار ملہوں۔ اس کی آواز زندہ
کی۔

واو صاحبہ۔ کیا خود کشی ہے۔ وہ فضا کا تاثر اپنی بشارت سے بدلتے کی کوشش
کہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آئیے میں آپ کو اپنی سسر سے ملاتا ہوں۔ جانے کس دل سے اُنے کہہ تھا۔ فیروزہ جیسے
ننگے پاؤں انگاروں پر چا کھڑی ہوئی۔

اس کی نظروں نے آہستہ آہستہ سفر کیا اور دیر کے چہرے پر پا کر تک گئیں۔ ذریعہ نے
جان لیا کہ اس کا تہ کرہ ہوا ہے۔ وہ اصرار میں متوجہ تھی۔

وہ خاصی تھکن محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ بہت دیر سے اس سے باتوں میں مشغول تھا۔ وہ

بھی اس طرح کہ بچے اس پاسبان سے ایک دم غافل ہو کر اس قدر غافل ہو گئے تھے کہ اس سے بات نہ کرتے تھے۔
 کہ بس سرگوشی سے کچھ اونچی آواز تھی۔ پھر اس کی باتوں پر فیروزہ کے چہرے کے بدلتے
 رنگ۔ وہ ایک دم ابھری گئی تھی۔

اب فیروزہ کو اپنی جانب دیکھنا پڑا تو بخت کی بن کر پناہ پر منٹو نے لگی تھی۔

یہ کون سے جس سے اس قدر پناہیت سے گفتگو ہو رہی ہے۔ وہ کڑھ رہی تھی۔

معاذہ سمجھ لیں۔ فیروزہ اور طارق اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

ذریعہ۔۔۔ ان سے ملو یہ کس جنا کی بہن ہیں فیروزہ۔۔۔ اور فیروزہ۔۔۔ یہ ذریعہ ہیں۔

ٹھیکہ نو میٹ ہو۔۔۔ مسز طارق۔۔۔ فیروزہ نے بہت اخلاق سے ہاتھ آگئے بڑھاپا۔

ذریعہ نے خاصی سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ کیا آپ

گاتی ہیں۔۔۔ وہ عجیب سرد سے انداز میں فیروزہ سے پوچھ رہی تھی۔

نہ میں نا جیتی تھی نہ گاتی ہوں۔ بہت سچی ہوں۔ اس نے خاصا بلند ہونہ لگایا تھا۔

اس جہت میں کہتے فوٹے تھے۔ طارق بچکیں سا ہو کر رہ گیا تھا۔

مجھے تو آپ سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ویسے بھی۔۔۔ یہ میرا سہم ہے جس۔ قریب آپ

کے کھڑے ہیں۔ ذریعہ نے بڑے کاٹ و درانداز میں بظاہر ہندقی سے کہا تھا۔

وہ بڑے گمان نہ کریں۔ یہ آپ کو بہت بہت مبارک ہوں۔ فیروزہ نے خوشدلی

سے جواب دیا تھا۔ اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

غالباً آپ کی طبیعت بھی نہیں ہے۔ فیروزہ نے دو بیجا چیز اس انداز و نگاہ کو کہا تھا۔
 ہوں۔ حالت تو آپ میری دیکھ رہی ہیں۔ وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرائی۔

یہ ہارنی سوسائٹی کی بڑی نر بھڑی ہے۔ اکثر شوہر اپنی بیویوں کو اس حالت تک پہنچا تو
 دیتے ہیں مگر خمیر نہیں کرتے۔ ذریعہ نے نہ جانے کیوں کہا دیا۔

مثلاً۔۔۔ طارق نے بہت مستحق خیر انداز میں ذریعہ کو دیکھ کر مثلاً کہا تھا۔

ویسے مسز طارق سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ آپ کے ساتھ۔۔۔

ذریعہ مسکرائی۔ ہوائی کچھ نہیں۔

وضاحت نہیں کی آپ نے فیروزہ تجھ سے تھی۔

پریکٹس جیڑے سے لے کر بچے کے گروں اپ ہونے تک بعض اوقات تو اجنبائی آگے

تک صرف۔ اس سے کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ ہر معاملے میں پھر وہی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی ہے۔

بعض مرد تو بالکل بھی ہاتھ نہیں بٹاتے۔ اسے اپنی مردانگی کی توہین سمجھتے ہیں۔ بس ایک تیار چیز

ان کو چاہیے ہوتی ہے۔ وہ ہنس۔

دراصل ہمارا معاشرے میں اس معاملے میں خمیر کرنے والی سائیں مہیا کر دی جاتی

ہیں۔ طارق نے جتا دیا۔

میں نے بھی اپنی ماں کے جو لے کر دی ہیں۔ وہ مسکرایا۔

گویا۔۔۔ بہت دور ہے ان کا آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر۔۔۔ فیروزہ نے دریاخت

کیا۔ وہ طارق سے مخاطبہ ہوئی تھی۔ دوریہ نے بڑے طنز سے مسکرا کر چہرہ موز لیا تھا۔

یہ تاملی پرچی اور جدید زمانے کی مصنوعی باتیں ہیں۔ عورت کی زندگی کا متعدد ہی فطرت نے یہ بتایا ہے۔ طارق نے بظاہر مسکرا کر کہا تھا۔

مگر وہ غور سے بہت بیچ و تاب کھا رہا تھا۔

دوریہ کی دنیا کی اور بچے سے متعلق کھلی گفتگو اسے انتہائی شوق گزر رہی تھی۔ لیکن مقام مجبوری یہ تھا کہ وہ فیروزہ کے سامنے یہ بات نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ پلہ جوی سے مجبورانہ رہا ہے۔

حالانکہ دوریہ کے کی جملوں پر اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ صحیح کرشمہ اپ کہہ دے۔ یوں بھی وہ کوئی نہ سکون و مارغ تو یہ نہیں دیکھتا تھا۔

وہ انہیں طرف فیروزہ تھی اور بائیں طرف دوریہ۔ کس قدر ٹائٹ پوزیشن میں قدر لیکن چہرے سے مہر چوڑا اور مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوریہ کی سمت سے چہرہ موز لیا۔ اب ناقابل برواشت صورت حال تھی۔

(ہونہار کیا بن رہی ہے میری سبب پشتوں پر احسان کر رہی ہے۔)

(اور اس عذاب میں بھی خود اپنی ہی وجہ سے ہے)

دوریہ کی کھلی گفتگو نے اسے وقتی طور پر بہت زیادہ ذہن پرکھ دیا تھا۔ پھر یہ تھا کہ فیروزہ کی وجہ سے وہ ان پر خود پاؤں اٹھا رہا تھا اس بنا پر وہ ورثہ حساس ہو رہا تھا۔

اور فیروزہ خود کو اس کے مقابل کیسے۔

اس کی مہکتی، پنے وجود میں اتارتے ہوئے۔ مسلسل متنازعہ سوچوں کے حصار میں تھی۔

کس قدر خاموش، کسواں کے قلب پر گور ہے تھے۔ وہ بڑے رشک و حسرت سے بار بار ذریعہ کو دیکھ رہی تھی۔

اس کا قردانہ چہرہ ہلکے ہلکے میک اپ سے چمکتا ہوا۔ مطمئن اور مغرور سا چہرہ۔ بیٹھنے، سناٹوں میں تحفہ و اور خود اعتمادی کا مالا جلاسا تاثر تھا۔ جیسے یہاں اس کا دربار لگا ہوا ہے۔ ہلکا ہے وہ انتہائی تنہا سی رستہ و بیچ پر نظر ڈال کر طارق کو ضرور کچھ لگتی تھی۔

فیروزہ کو اس کے چہرے گردن ہلکے پورے وجود پر طارق کی مسکراہٹ و احساسات کے پھول کھلے بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

یہ کب ایسی ہو گئی۔

سے تو تم نے نکھار دیا ہے طارق۔ اس نے طارق کے ہاتھوں کی سمت دیکھا۔ کھمرے کھمرے مضبوط چمکے رنگا بنی تصنیفوں والے ہاتھ جن کی پشت پر سیاہ روئیں نے عجب مردانہ وقار پیدا کر دیا تھا۔

اس کے ہاتھ دیکھ کر وہ جیسے شعوں میں گھر جاتی تھی۔

تہہ دی، کھنکھوں کی طرح تہہ رہے ہاتھ بھی جرم ہوں گے مگر ان کی جرحی کے سامنے تحت ٹھکرانے جا سکتے ہیں۔

یہ تھا جس سے جانور مرد۔۔۔ جانے کس کس کے حق کا آڑ رہا ہو گا۔ اس نے سوچا تھا۔
جیت تمہارا نصیب تھی اس کی نظریں پھر دور یہ کیست تھیں۔

کہا کہ میں کچھ آؤں اور دیکھتا ہوں کہ تم یہاں کاشورہ ملی دو گدھے

j

ایک دن سن سے محرومی بسا وقت سہارے چہاں سے محروم کر دیتی ہے میری بلا سے
اس چہاں کو، گنگے پاس میں پھول کھلیں۔

میرے کلیجے کو تو محض ایک سوچ اڑو جس کی زبان بن کر چلتی رہتی ہے کہ یہ میرا نہیں تھا۔
یہ میرا نہیں ہے۔ یہ میرا نہیں ہوگا۔

جب تک میں جان سے نہیں چلی جاؤں گی۔ اس۔۔۔ سوارہ کو یحییٰ نہیں آئے گا۔ سر
ہو جاتی ہے۔ چلو چلو۔۔۔ آئی کہیں سے بن کر ہمدرد۔۔۔ غدیوں میں ڈل دیا۔۔۔ اس کی
مصرط سے خود گزرے تو ہنسا۔

طریقِ حق دونوں کو چھوڑ کر آگے نئے دلائل تک جا پہنچا تھا اور فیروزہ کو خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے تمام تر عبادتِ کارِ رُخِ ستارہ کی سمت منتقل کر دیا تھا۔ یہ توقف کتنی ہے تہائی میں پاگل ہو جاؤں گی۔ ہونہم تہائی میں تو نہیں آتی، اسے دور سے ترس ترس کر دیکھ کر ضرور پاگل ہو جاؤں گی۔

شاید آپ کا طبیعت ٹھیک نہیں ہے، دوسرے کا غضب تھی۔
آرہ۔۔۔ ہاں۔۔۔ فیروزہ چونک پڑی۔

آباد۔۔۔ ہاں۔۔ فیروزہ چٹک پڑی۔

جی۔ جی۔ ہاں۔ میرا تو بالکل بھی موٹا نہیں تھا۔ یہ میری بہن سر ہو جاتی ہے کہ چیخنے لگے گی۔ طبیعت میں تھی۔

(آہستہ آہستہ تاریکی، ملتے نہ ملنے کے درمیان محض احساسِ ایک لطیف ترین احساس ہی کا تو فرق و فاصلہ ہے۔ لیکن زندگی کا باقی ماندہ سفر بھی تو اسی صورت گت سکتا ہے۔ جب یہ فیصلہ یہ فیصلہ ہو۔ نہ یہ ہو رہا ہے۔ نہ زندگی آگے بڑھ رہی ہے۔)

نہیں گنبد میں گونجتی ایک پازگشت بن کر رہ گئی ہے۔۔۔ میری زندگی۔۔۔

— — — — — 1

عشر - نماز

کلی چند نمائی

ایک نوک حقیقت سے خوش ہو گیا وہ کہیں۔

بہت محبت ہے، سے آپ سے اتب تک تو وہ آپ کا تاحیل رکھتی ہے۔ اور یہ نے سے
مکھو یا مکھو یا مکھو کر چھ بات کی تھی۔ فیروزہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

ف۔ یہ طرز کہاں ہے گئے۔ مذہب نے جیسے پور ہو کر دھڑاؤ پیدا کیا۔

(۱۰)۔۔۔ کہنے استحقاق سے اس کا تذکرہ کرتی ہے اور میں اسے سوچتے ہوئے کانپ جاتی ہوں۔ بالکل متاعی فرق ہے ہم میں جتنا زمین و آسمان میں) اور کیا مصروفیت ہیں آپ کی فیروزہ نے دریا کو مخاطب کیا تھا۔ ہاؤس ویلف ہونے کا شوق تھا۔ فیروزہ ہنس دی تھی۔

ہوں۔۔۔ مگر صرف طارق کی ہاؤس ویلف ہونے کا۔ دریا کے انداز میں شرارت تھی۔ فیروزہ ہنسنا تو درکنار مسکرا بھی نہ سکی۔ دریا سے معذرت کر کے یہ کہہ کر گھٹکی کر ڈال ایک دوست سے مل گئی۔

ستارہ اور فیروزہ ان سے پیسے چلی گئی تھیں۔ طارق نے پھر دوبارہ فیروزہ کو قہر طبع نہیں کیا تھا۔ ورنہ اب محفل کے مطابق دریا کو ساتھ یہ مختلف لوگوں سے ملنے جلنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

اس کے شانہ بشانہ چلتی ہوئی دریا اس کے اشارے کی مست متوجہ ہوئی مسکراتی ملتی جلتی۔ چند چھوٹے چھوٹے جھولے جھولے کا تالہ ہوتا۔ کچھ دیر بعد منظر بدل جاتا۔

فیروزہ کے حوصلوں کا اس کا ختم ہو چکا تھا۔ وہ زبا دہ دیر محفل میں نہیں بیٹھ سکی تھی۔ طارق کو خیر بھی نہیں ہوئی اور وہ دونوں چلی گئی تھیں۔

رخصت ہوتے ہوئے جب طارق نے حاضرین پر نظر ڈالی تو دریا نے بڑے انداز سے

کہا تھا۔
وہ چلی گئیں۔

کون سا نے گردن موڑ کر دریا کے چہرے کی سمت غور سے دیکھا تھا۔ جنہیں آپ تلاش کر رہے ہیں۔ محترمہ فیروزہ۔۔۔ محترمہ ستارہ۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ بٹا کر بظاہر بڑی لا پرواہی سے کہا تھا۔ طارق دوسری سمت سے بیٹھ چکا تھا۔ دریا سے دروازے کا کد کھولنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس لیے اس کے چہرے کا تاثرات ذریعہ دیکھ نہیں پائی۔

جب بیٹھ گئی تو طارق کو بغور دیکھا۔ اس کا چہرہ سپٹ تھا۔ یہ وہی مسکراتا ہوا جنہوں نے یکے یا رفیق کیا تھا تو آپ جا کر تین بجے پٹے تھے۔ اس کے لہجے میں کڑواہٹ تھی مگر طارق پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور اس نے دریا کے سوال کا جواب دیا۔

خاصی یورڈ رائیج کرنے کے بعد اس نے رفتار دہشی کر کے سگریٹ سلگائی۔ کئی کش لے کر دریا سے مخاطب ہو۔

مجھ پر اللہ کی خاص رحمت ہو گئی ہے۔ قوت برداشت میں اضافہ خود بخود ہو گیا ہے۔ انسانی خوش ہو تو وہ بہت سی ناگوار باتوں کا ٹوکس لے کر اپنی خوشی غارت کرنا نہیں چاہتا۔ میں آجکل بہت خوش ہوں۔ اس نے سگریٹ منہ میں دبا کر ایک سوڑ کاٹا۔

دور یہ کا دل دھڑک گیا۔ اس کا روم روم پکارا اس خوشی کا سبب میں ہوں۔
پوچھو کیوں۔۔۔

آف کس قدر نرمی اور اپنائیت سے ہمکنار تھا۔ وہ ایک دم سرخوشی کی کیفیت میں پوچھنے لگی۔

کیوں۔۔۔ انداز میں تھوڑی سی حیا تھی۔

سو تاجدارز میں میرا پائنت ہو گیا ہے۔ چنداں بعد میں سڈنی چلا جاؤں گا۔

دور یہ کے تھکنے کی رفتار راج کل ویسے بھی بدی ہوئی تھی۔ دل جیسے گڑھے میں پھنس گیا تھا۔ وردان کو دھچکا سا لگا تھا۔

آپ نے پیسے کیوں نہیں بتایا وہ بدقت گویا ہوئی۔

اب تو بتا دیا ہے۔ بلا کی بیوقوفی سے اس نے اسٹیرنگ کو حرکت دی۔

کب جا آئیں گے۔ دور یہ کے جیسے سارے کس بل نکلے ہوئے تھے۔

اپنے بچے سے مل کر۔

اس قدر غیر متوقع جواب آیا تھا کہ دور یہ ششکر کر رہ گئی۔ وگرنہ طارق نے تو کبھی اس موضوع پر اس سے کوئی بات ہی نہیں کی تھی۔

طارق کے اس جواب پر اس میں تھوڑی سی جان آئی تھی۔ کہ اب حوالے مضبوط ہو رہے ہیں۔ آؤ چنانچہ آسمان نہیں رہا۔

بہر حال اس کشاف سے اسے دھچکا پہنچا ہی تھا۔ پھر اس نے مزید کوئی بات نہیں کی۔
پس سے آئندہ کمال کرنا پتا میرا سائل جانچنے لگی تھی۔

دل کی داشت کو ہر ممکن چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ حالانکہ اس کا دل بھر
عمر آ رہا تھا۔ وہ جیسا جیج کر اس کے ظلم کی تنقید بیان کرنا چاہتی تھی۔ مگر وقت نامناسب تھا۔
دور یہ، احوال بھی۔۔۔

اس نے فیروزہ سے جلد رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر ہر بار پتہ چلا وہ سوات میں ہے۔ کبھی کبھار تاتاری میں ہے۔ کبھی بتایا گیا کہ کراچی
میں ہے۔ اسے سخت الجھنوں میں محسوس ہوئی تھی۔ غصہ بھی آیا تھا کہ بلا وجہ کن پریشانیوں میں
پھنس گیا ہے۔ ہزار بار لعنت بھیج کر بڑے سکون ہونے کی کوشش کی لیکن۔ جو فیروزہ کا سراپا
لگا ہوں میں گھومنا دل پر ایک بوجھ سا پڑ جاتا۔

دور یہ کا وقت قریب آ چلا تھا۔ وہ میٹر نی ہون جانے کی تیاریوں میں مصروف نظر آتی
تھی۔

ایک سہ پہر جب نور جہاں اور عابدہ بیگم دور یہ کو لے کر جاری تھیں، ساراہ کا فون آ گیا کہ
فیروزہ، ہو آ آئی ہے اور اس کی حالت پیسے سے زیادہ خراب ہے۔ وہ اور اہمائن کر کے چائے
اور اس کی بہن کو ایک پارہ زندگی کا راستہ دکھا جائے۔

ماں جاں تو کسی صورت سے منظر سے، جھل نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔ مگر وہ بہت

جلد اس سے مل کر بات ختم کر دینا چاہتا تھا۔

میں نے اس کے سرو کی پہلی بار پروا نہیں کی اور مخصوص انداز میں تیار ہو کر نکل گیا۔

ساتھ میں نے براؤن چہرے میں پیٹ کر فیروزہ کی ڈسری بھی لے لی تھی۔

اطلاع چھوٹے ہی اسے اندر دلو لیا تھا۔

آہستہ پھول وار گاؤں میں بال بکھرے سادہ چہرے کے ساتھ فیروزہ نے اس کا

استقبال کیا تھا۔

اسلام علیکم وہاں داخل ہو کر یوں تھا

ہم پر تو یہ سہاگتی بے کاری ہی ثابت ہوتی ہے۔ وہ پشیمانی مسکرہٹ سے گویا ہوئی تھی۔

مسلمان ہونے کے ناتے بہر حال مسامحہ کا جواب آپ پر بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وہ اس

کے مقابل چٹھ گیا تھا۔

میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ بڑا مان کر بولی تھی۔

مذہب کی عناوین سے کسے ہونے وال پر یہ بعد انتہائی تکلیف دہ اثر چھوڑ گیا تھا۔

یہاں پہلے کیوں گہرا وہ پوچھ رہا تھا۔

اس پہلے کہ جو کام میں کرتی رہی ہوں، وہ کسی مذہب کی غلطیت میں نہت نہیں ہو سکتا۔

لیکن معبود کا تصور تو آپ رکھتی ہوں گی۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

ہاں۔۔۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔ وہ بہت بے نیاز ہے۔ اس کی تہ و از نہد مگی۔

ماہوں گھر ہی نہیں موت بھی ہے۔ وہ آہستگی سے گویا ہوں۔

جب ایک حقیقت مجھے نظر آرہی ہے، میرے قلب پر نازل ہو رہی ہے تو میں واموں و

خوش امید یوں کے تخیل میں کیوں کرا لکھوں۔ بتائیے مجھے۔ وہ براہِ فروخت ہو کر بولی تھی۔

لیکن آنے والے نکل میں آپ کے یہ کیا ہے آپ کیسے جانتی ہیں وہ پوچھ رہا تھا۔

میرا آنے والا کل ہمیشہ سے گزرے ہوئے کل کا ہمشکل ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی بی بات

ہوتی ہے تو وہ میرے حق میں بری اور تکلیف دہ ہی ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں چمک گئیں۔

چند محبت کے لیے ایک تکلیف دہ سناؤ دلوں کے درمیان حائل ہو گیا۔

طارق۔۔۔

جی ہاں۔۔۔

میرا مرض پوچھیے۔

میرے علم میں ہے۔ وہ نظریں نہکا کر بولا تھا۔

بالا۔۔۔ آخری میں نے کی بات آپ پر اظہار تو کیا ہے۔ وہ جیسے خود سے بولی تھی۔

طارق وہ پھر گویا ہوئی۔

فرمائیے۔

اس دن علی جان صاحب کے ڈرائیو آپ نے ایک بات کہی تھی۔ اس دن سے مسلسل

سوچ میں ہوں۔

کیا بات نہ طوطی نے اس کے پیار اور دلکش چہرے پر ایک لمحے کو نظر جمائی۔

آپ نے کہا تھا جو جرم میں نے نہیں کیا اس کے طوطی میرے گلے میں نہ ڈال دیجیے گا۔

کہا تھا ناں

جی کہا تو تھا۔ کس بات کو بید بنا کر کہا تھا۔ جب کہ میں تو آج تک آپ پر کوئی فرد جرم عاید نہیں کی۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی اور نظر سے پرستش کر رہی تھی۔

طوطی نے بروڈن پیکٹ اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ اس نیا دہر کہا تھا۔

فیروزہ نے بڑے مجھے ابھی انداز میں پیکٹ تھام لیا۔ کیا ہے یہ۔ وہ پوچھ رہی تھی۔

دیکھ بیچے۔

فیروزہ نے بصری سے بروڈن کا غڑبھاڑ دیا اور ایک دم بھونچکائی رہ گئی۔

اس کے سفید ہاتھوں کا رونا طوطی نے محسوس کر لیا تھا۔

وہ دم ہلا کر سیاہ ڈاکری کو دیکھ رہی تھی۔ چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔

مناوہ نے یہ کیوں کیا۔ حالانکہ اس کا کوئی فائدہ تو اس تھا۔ وہ کزور سی آواز میں کچھ

دہر بعد گویا ہوئی تھی۔

یہ مقام شکر گزری ہے کہ کچھ لوگ آپ سے جی محبت کرتے ہیں۔ آپ کو زندہ اور خوش

دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔ لیکن آپ کو صرف تارک یک پیسہ دیکھنے کی عادت ہے۔

لوگ نہیں صرف شاہ۔ وہ بھی اس لیے کہ حق ہے اس نے ڈاکری پہنچا پھینک

دی۔

فیروزہ یہ ظلم ہے۔ خدا کے پیسے میری بات توجہ سے سن بیچے۔

نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بات۔ آپ میرے مقام پر آ کر مجھے سوچ ہی نہیں سکتے۔

مسٹر طارق۔ عزت و محنت کے متوالے جو آپ کے معاشرے کی کالی بھڑیں ہیں وہ بھی

ہیں۔۔۔ یہ کان بھڑیں ہمارے دروازے کان راتوں میں کھٹکھٹاتی ہیں۔ اپنے وجود کی بٹی

روح کے قس قس سی سی ہمارے ضمیر کو قفل کر کے رست کی سیاہی میں رو پڑا ہو جاتی ہیں۔

دن کے چالے میں پارسی کی کسمپرسی لیتی ہیں۔

یہ معاشرہ یکسانیت نا انصافی کا گڑھ ہے۔

وہ کالے کام کر کے بھی اجلاس جاری رکھتے ہیں۔ مجھے کونے میں بیٹھ کر بھی عاقبت

نہیں ہے۔

یہ آپ کے عجیب سفر ہیں۔۔۔ مجھے منہ بند رکھنے کے منہ مانگے دام دیتے ہیں۔

یہ آپ کے صدا کی جہیز یہ کے پاسان طارق صاحب۔

سکون مجھ میں ڈھونڈتے ہیں۔ نسل بیکار سے چلاتے ہیں۔ جب میں ان کے قائل

ہوں تو ان کی نسل۔ ان کے خاندان کے قائل کیوں نہیں ہوں بتائیے مجھے۔

انہیں شرافت کی چھتری تلے سکون نہیں ہے۔ کالکٹل کر بھی معزز رہتے ہیں۔ میں خود کو

پارسی کی چادر میں لپیٹ کر بھی دیتا ہوں۔

یہ کیسا انصاف ہے۔

ابھی ایک گھائی کا نو حصد یوں دینا پڑتا ہے۔

وہ چھوٹ چھوٹ کر روئی تھی۔

طارق کا حساس اور نجیب دل اس روئی کی آغوش میں اتر گیا۔

اب جب آپ بھید پائی گئے ہیں تو اس لیجیے۔ آپ میرے اصل کا تقاضا ہیں۔ میری

ایک کسٹمر لڑکی جو مجھ سے بہت باتیں کرتی ہے۔ اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے مجھے بتا

رہی تھی کہ وہ اسے بہت عرصے سے جانتی ہے۔ وہ معاشقہ اور سہانی و معاشی لحاظ سے مجھ سے

کتر ہے۔ مگر مجھے ساری دنیا میں سب سے ہند لگتا ہے۔ اس لیے کہ وہ پینا ہو گئیں ہونے کے

باوجود بہت ریزہ رو رہنے کا دعویٰ ہے اس نے کسی اور لڑکی کو اپنے دہم میں۔ نے کی کوشش نہیں

کی۔ جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ اس مرکز توجہ میں ہوں تو مجھے پتی ذلت پر افتخار ہوا۔

وہ مجھے بتا رہی تھی کہ بڑی گید رنگ ہو یا چھوٹی وہ سوائے میرے اور کسی طرف متوجہ دکھائی

نہیں دیتا۔ حالانکہ ایک سے بڑھ کر ایک شخص اس کے رویہ و ہوتا ہے۔ اس کی حرکات اس کے

دل کی تلقین کھینچتی ہیں۔ ورنہ وہ تنہا طور پر بتا ہے کہ حد نہیں۔ میری عزت و وقار کی خاطر وہ ضبط کے

پہاڑوں سے ٹکراتا ہے۔ آج کل اس کا ارشید آ رہا ہے۔ اور وہ ساری دنیا کھنکھرا کر اسے پانا چاہتی

ہے۔ کہ وہ کھوٹ میں اس کا انتخاب ہے۔ نیک و فاضل کے قدر شناس نے اسے چاہا ہے۔

اس نے اپنی وفاتیں اس معصوم لڑکے کے نام کر کے اس کی چنانہ عزت افرامی کی ہے۔

اس کے وقار کو شہر رکھا ہے۔ یہ آپ کی سوسائٹی کی ایک لڑکی ہے جس کے لیے چھابرمنا کوئی

مسئلہ نہیں مگر وہ خود سے اظہار سہانی پوزیشن میں مکرور مرد کا ساتھ قبول کرنے پر اس لیے تیار

ہے۔ کہ کسی کی مرکز توجہ صرف وہ اور وہ ہے۔ یہ بات اس کے لیے باعث افتخار ہے۔ اسے

صدقہ دل نے چاہا گیا ہے۔ اس کا تمنا نہیں بتایا گیا۔

اہم عورتیں ہیں۔ تھی و یو ای بی ہو کر تھیں۔

وقار و شوہر نامہ اور عطا جس کے لیے مسئلہ نہیں تھا وہ خوشی سے پاگل ہو رہی ہے۔ تو پھر

میری طرف دیکھ کر سوچے۔ میری زندگی میں دن سوسوں کا تصور بھی نہیں ہے۔ آپ میری

عزائم کو اپنے کا کوئی پیار لے آئیے۔ اگر سکتے ہوں۔

میں عزت و وقار کے لیے اتنی حساس ہوں مگر مجھے اس بات کی ضمانت مل جائے کہ

میرے جان دینے کے عمل سے مجھے عزت سے خواہ ایک ہا رہی یا دکائی جائے تو میں جان بھی

دینے کو تیار ہوں۔

عزت و وقار کی پیاس میں اتنی شدت ہے طارق کہ میرے احساسات کی نہایت پرکاشنے

پڑ گئے ہیں۔ اور ہر نکل رہی ہے۔

میں اس قدر عزیز بیٹ ہوں کہ میں نے اور کسی عام آدمی کی بجائے آپ کو شدت سے

سوچا۔ آپ کی تمنا کی۔

آپ صبر پارہا مرد کسی خوش نصیب کے ہی دل کا چین ہو سکتا ہے۔

مناورہ کے اس عمل کے بعد میں اعتراف کر رہی ہوں کیونکہ ثبوت آپ نے سچی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

دگر میں ٹھٹ ٹھٹ کر مر جاتی اور آپ کے فرشتوں کو خبر نہ ہو پاتی۔

اس لیے۔۔۔ کہ جس پتے ہیں انہیں پریشان نہیں کرتے۔

کہاں میری گرد آلود روح۔۔۔ کہاں آپ کا مقام۔ وہ لمحہ بھر تک کروں۔۔۔ طارق

گئی۔۔۔

مجھے معاف کر دیجیے گا۔ میں نے آپ کی انسلٹ کی ہے۔

کیوں کر۔۔۔ وہ گہری سوچ کر جاگ کر تعجب سے پوچھ رہا تھا۔

آپ کا تصور وہ بھی مجھ جیسی بچہ میں وحشی ہوئی روح والی عورت کرے۔ آپ کی بہت

بڑی توبین ہے۔ مجھے اس کا لالہ ہے کہ یہ انکشاف آپ پر کیوں ہوا۔

مجھے اس قسم کا کوئی احساس نہیں۔ آپ خیال نہ کریں۔

وہ کہہ رہا تھا۔ مگر وہاں جیسے ہوا میں مطلق تھا۔

آپ یہ بتانے کے لیے مجھ سے منا پتے تھے کہ آپ میرے راز سے واقف ہو چکے

ہیں۔ فیروزہ نے پوچھا۔

نہیں۔۔۔ وہ نجد ہونٹ دبا کر کچھ سوچ رہا تھا۔

پھر۔۔۔ وہ کچھ تجسس نظر لاتی

جنگ کہ یہ زندگی آپ کو یکساں رہی ہے۔

جنگ کے لیے زندگی آسودگی اور مہارت ہوتی ہوئی ان کو ایک پار دو پار کی پروا ہوتی

ہوئی۔ وہ تیزی سے طارق کی بات کاٹ کر ٹھنکارتی۔

یہ آپ کے دل میں مجھے کچھ عجیب نظر آیا ہے۔ معاف کیجیے گا۔ اس نے ایک دم چالباز

بہد بدل لیا تھا۔ اور عجیب کل گہری سی دکھائی دینے لگی تھی۔

طارق نے اپنے اندر دینی تاثرات کو کنٹرول کر کے سولہ نظروں سے اسے دیکھا۔

بعض اوقات چاہا جانا بھی ایک مرض بن جاتا ہے۔ دوسروں کی ٹرپ کا تماشا دیکھنا بھی

ایک مشغلہ بن جاتا ہے۔ وہ طنز یہی۔

آپ مجھے سمجھنے نہیں آئے۔ آپ کو مجھ سے کوئی غرض ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بھی درست

نہیں کہ آپ کو مجھ جیسی لڑکی سے کوئی اہم روی ہو سکتی ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ۔

ہلیز خاموش ہو جایا۔ طارق نے اپنی جڑی خود اعتمادی سے کام لے کر، نہتائی ناگواری

سے اسے خاموش رہنے کے لیے کہا، ایک طرف تو آپ مجھ میں غر خاب کے پرائنگٹی پھرتی

ہیں۔ پھر اس قسم کے گت بھی رکھتی ہیں۔ مجھے شاید دیکھنے سے مطلق دلچسپی نہیں ہے۔ یہ

بات مجھ جیسے حساس شخص کے لیے اذیت کا سبب تھی کہ ایک انسان میرا نام لے کر اپنی زندگی

برہادر کر رہا ہے۔ پھر مجھ سے خفا بھی رہا ہے۔ یہ عمل تو اس کے خلوص اور سچائی کو برا کرتا ہے۔

اس قسم کے انسان کو اپنی آنکھوں کے سامنے دم توڑنے نہیں دیکھا جاسکتا۔

پھر مجھے یہ بھی خیال گزرا کہ میرے کسی عمل کے سبب آپ کسی غلطی کا شکار نہ ہوگی ہوں۔ حارثؓ میرا اللہ گواہ ہے۔

جانتی ہوں میں۔ مت کیجیے گو وہ بلند بخت انسان ہیں آپ۔ انوارم و دشنام کے سوا رے راستے تو ہماری حقست آئے ہیں۔

وہ تو زانا اگر میرا مقدر ہے تو آپ مجھے کو تکہ بچا سکتے ہیں۔ رہی میرے غصوں اور سچائی کی بات تو اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ کوئی مفت بھی اس کا طلبگار نہیں ملے گا۔ وہ ہنس دی۔ ساتھ ہی آنکھیں ہلکے دھکی تھیں۔

کاش میں آپ کی مدد کر سکتا۔ بس آپ اتنا کیجیے جن گناہوں سے آپ صاحب ہو چکی ہیں ان کے قریب دوبارہ نہ جائیں۔ یقین کیجیے میں آپ کی روح کی قدر کرتا ہوں۔ آپ کے ایسے پر میرا دل کڑھتا ہے۔

ایسے ایسے قدر و نوا تو ہمیں تمہاری میں بہت مل سکتے ہیں مرقی صاحب۔ کوئی یہاں بھی ہوتا جو مجھے پناہ نام دیتا۔

آپ کا اسلام اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔ وہ بڑے طعنے پوچھ رہی تھی۔

مذہب اور آداب عقیدہ و مرقی کی مٹی کا جڑ تھا۔ وہ تپ کر رہ گیا۔ پھر سوچا۔

(اسے تو کسی بھی دن کا پاس نہیں)

اسلام تو بہت وسیع و وسیع مصدر ہے۔ اور اتنا کھل کر سمجھ کے کمال کو تصور میں بھی نہیں

لا سکتے۔

اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔ کمی ہے تو ہم کھل اور یا کاروبار میں ہے۔

آپ کا تصور نہیں ہے میڈم فیروزہ۔ آپ کی پرورش و پروردہ دستِ انور نے کی ہے۔ تربیت کرنے والے ہاتھ بھی وجود میں روشیں منتقل کیا کرتے ہیں۔ میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ اس لیے کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ یہ در اس لیے ہوں کہ اللہ پر ٹوٹ یقین رکھتا ہوں۔ مگر چہ میری ٹیکسوں کا رجسٹر وہ ہے۔ وہ رک جھپڑ

بالآخر اس نے کہا

میں آپ کو نامہ دوں گا۔ صرف نام۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

فیروزہ ناقابل یقین، انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک دم دائیں جانب ڈٹے کی تھی۔

رات جب وہ نہ سکون اعصاب کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں کوئی نہیں تھا۔ وہ آنے والے کا وقت اسحو عمل

ترتیب دے چکا تھا۔

اسے خود تعجب ہوا تھا کہ اسے تو غصہ، پریشانی کا منظر ہونا چاہیے تھا۔ کچا کہ یہ حالت تھی۔ کہ عرصے کے بعد اس نے اپنی اعصابی نظام میں بہتری محسوس کی تھی۔

کچھ دیر بعد مطالعہ کرنے کے بعد آرام سے سو بھی گیا تھا۔

لیکن فون کی گھنٹی ٹھیک ساؤسے پورے صبح آج اٹھی تھی۔
 پلو سانس نے نیند میں ڈوبنا آواز میں مخاطب کیا۔

اس بول میں ہوں تمہاری۔ مبارک ہو۔ اللہ نے جڑوں کی پچھلی کی نعمت سے تمہیں خوش
 کیا ہے۔

ایک لڑکی ہے اور ایک لڑکا۔ ماشاء اللہ۔ اتنے پیارے ہیں کہ نظر دانتے وہم آتا ہے۔
 اللہ ہر رسی چا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ عابدہ بیگم کی آواز خوشی سے کانپ رہی تھی۔

جی۔۔۔ وہ ابھی تک کسی خواب کے ماحول میں تھا۔

کیا۔۔۔ لگا رہی ہے۔ اس قسم کی خبر تمہارے لیے کوئی اچھا تو نہیں ہے وہ مرغوشی کی
 کیفیت میں پوچھ رہی تھیں۔

اور ابھی تمہاری خبر بھی تو لینی ہے مجھے ابھی۔ حد ہوتی ہے غرض و دہری کی۔ یہ طور طریقے
 تم نے کب سیکھے۔

یہاں ایسے ایسے مرد و عورتوں سے ملے نہیں۔ ان کی عورتیں اندر جین و
 وہ تکلیف میں جا رہی۔ اور پھر سوئیے ہوتے ہیں۔ شوہر ہونے کے ناتے کسی وقت ابھی تمہاری
 اہم ضرورت پر دست کر سکتے ہیں۔ وہ تو شکر ہے کہیں نازل تھا۔ بارہ بجے تک احسان بھائی یہاں تھے
 پھر ان کا نوکر یہاں آ گیا۔ سن رہے ہو۔

جی۔۔۔ جی۔۔۔ احساس جرم سے اس کی آواز خاموشی پرست تھی۔ جلدی سے جی ٹی کر کے

وہ گیا۔

اور غصہ غم کا طوق۔۔۔ تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ نور جہاں ابھی سے آنکھ
 ملا تے شرم آ رہی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا میں فاروق کو ساتھ لے آتی۔ لیکن دستخط وغیرہ کی
 ضرورت تو پڑتی تو یہ کام وہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شاباش ہے میرے بیٹے۔ باپ تم بنے ہو۔ نام
 تمہارا ہوگا۔ خدمت تم ہو گے۔

میں آ رہا ہوں، ماں جان دو گھر کر تیزی سے پلو تھا۔ عابدہ اس جان کا گھا جھڑا مل
 کلام ہو۔

کام تو سب ہو چکے ہیں بیٹے تمہاری خام ضرورت تو نہیں ہے۔ تین ہزار روپے در یہ
 کے پرک میں تھے۔ کچھ تمہاری ساس نے دے دیے۔ ان کا قرضہ ڈکانے کے لیے کچھ پیسے
 ساتھ لیتے آنا۔ میں تو گھر اسٹ میں اپنا پرس وہیں لٹا رہی میں بھول آئی تھی۔ وہ بدستور
 ناراض بچے میں کہہ رہی تھیں۔

خوشی میں قہر بھول گئی تھیں۔ خوشی نکلنے کی تو قہر ہو کر آ گیا تھا۔

طریق نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر ریسوور رکھ دیا تھا۔

پھر تیزی سے لباس تبدیل کیا۔ پرس لال کر قمقمہ لٹکی۔ ذرا سا لعاب لگا جلدی جلدی
 نوٹ گئے۔ پھر اسی تیزی سے پرس پینٹ کی جھکی پاکٹ میں پھنسا دیا۔

باہر میں برش کیا۔ مونچھوں پر انگلیاں چلائیں۔ آنکھوں میں لال ڈورے کی نیند

سے پیدائی کی تلقینی قبول رہے تھے۔

تم لوگوں کو بھی اسی وقت آنا تھا۔ وہ عجیب سے جذبات کے تحت مسکرا کر خود سے مخاطب ہو تھا۔

چائیاں اسی کی ٹیبل پر تھیں۔ فرقات کو جگانا اس نے مناسب ٹیکس سمجھا سوچا وہیں سے اسٹون کروے گا۔

آہستگی سے دروازے کھٹک کر گئے وہ گاڑی تک آیا تھا۔

تیس مسند کے اندر وہ میٹرونی ہوم میں موجود تھا۔ اس جان اسے کارڈیڈور میں مل گئیں۔ وہ کچھ ڈرا۔

شکر خدا کا سولہ گھنٹوں بعد تیار رہا۔ وہ ناراضگی سے بولیں۔

سورہ اب جان۔۔ مہری کچھ مجبوریاں بھی تو ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی تو سوچیں۔۔۔ ذریعہ کیسی ہے وہ گفت آمیز انداز مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

اللہ کا حسان ہے، اچھی ہے۔ دونوں بچے بھی نارمل اور صحت مند ہیں۔

دوبچس کی بیک وقت خبر سے وہ بڑے منقرعہ احساسات سے دوچار ہوا تھا۔

وہ اسے لے کر دوریہ کے روم کی طرف بڑھ گئیں۔

بیز چارہ اڑھتے دوریہ شاپ سوری تھی۔ نور جہاں ممائی نے تھکے تھکے انداز میں داکو دیکھا تھا، ورثہ پیدل چلے تھکن آؤنگی تھی۔

فور آگے بڑھ آئیں۔

اور اس کی پیشانی پر بوسہ کر کے مبارکباد دی۔

اور وہ تمہاری ہے لیکن میرے بھی بہت سے خوب چورے بنوے ہیں۔ وہ خوشی سے بولیں۔

شکر یہ۔ وہ ممائی جان میں ڈرا۔۔۔ دراصل مجھے یہ علم نہیں تھا کہ یہ صورت حال اتنی جلدی پیش آ جائے گی۔

یہ کوئی بات نہیں بیٹے۔ میں تو عابدہ بیگم سے کہہ رہی تھی اسے مجھ سے کہہ کر لے والے موجود ہیں ماسی یہ طہیت میں، پروائی ہے۔

وہ اسے آہستہ لکڑی کے بڑے سے کاٹ کے پاس لے آئیں۔

وہ معصوم حسینہ میں طارق کی آنکھوں کے سامنے تھیں۔ محبت آمیز لہریں طارق کے قلب پر نازل ہوئے لگیں۔ یہ سب آفاطری تھا کہ وہ کسی شعوری کوشش سے ان احساسات کو پچھے نہیں دھکیل سکتا تھا۔

اس نے تھک کر بچوں کے رخسار میں حقیقت کو محسوس کیا۔

دونوں کی شکلوں میں بہت مشابہت ہے مگر۔۔۔ اللہ نے مشکل سہا کر دی ہے۔ تمہاری بیٹی کے بال سنہری ہیں، اور بیٹے کے ایک دم۔۔۔ سیاہ تمہارے باپ کے رنگ جیسے۔ نور جہاں ممائی کا حرف جیسے شہد میں بھیگ رہا تھا۔

یہ تو بالکل عارضی تھی ہے۔ طارق مسکریا۔

بہر صورت تمہاری ہے۔ نور جہاں شرارت سے مسکرائیں۔

میں میں تو کوئی شک نہیں۔ ویسے بال تو وہ یہ کے بھی سفید نہیں۔ وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔

نور جہاں زور سے ہنس دیں۔ ہاں جان بھی منہ موڑ کر مسکرائیں۔ انسان فطری طور پر

خوس ہو تو اس کی شعوری منصوبہ دہرے کے دہرے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ وہی نظر اٹانے لگتا

ہے۔ جن جذبات کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔

دن کی والدہ محترمہ کب سوئی تھیں اس نے چٹ کر دیر کے سمت دیکھ کر سانس سے

دریافت کیا۔

موتو ہنس رہی جاگ رہی تھی۔ دیر نے انہوں نے آواز دی

جی۔۔۔ اس کی تحیف سی آواز ابھری۔

بیٹے۔ طارق آئے ہیں۔

”کھادہ تمہیں ساتھ دو لپٹی کی بیٹی دکھاؤں۔ شام تک تو کوئی آتا نہیں تھے۔ ابھی ابھی

نرس بتا کر گئی ہے۔ نور جہاں تند سے مخاطب ہوئیں۔

(گویا۔۔۔) اتنے لکھلکھڑے میں تعلق یہاں بھی قائم ہو چکے ہیں۔ طارق نے سوچا۔ نور

جہاں۔ اور وہ بد شکم باہر نکل گئیں۔

وہ دیر کے نزدیک چلا آیا۔

دیر نے کے کو دیکھ کر چلا آیا۔

دیر نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ طارق کو پوزیشن لینے میں چند

سیکھ لگے۔

آنکھوں میں مٹا مٹا کا جل تھا اور چہرہ ایک دم سفید۔ سیاہ چمکدار ہنسی نیچے پر نکھری ہوئی

تھیں۔

طارق کو اپنی جانب دیکھتا ہوا اس نے نظریں نہمکا لیں۔

وہ پھر کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اس کے چہرے پر نظروں کو خود کو کنٹرول کر لیا۔

کیسی ہو۔

ٹھیک ہوں۔

ویسے اصول تو تمہیں میرا شکریہ دیکھنا چاہیے۔ لیکن۔۔۔ بہر حال شکریہ تمہارا۔۔۔ بہت

اچھے تھے چہ۔

وہ کرسی چھو کر اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

ساتھ ساتھ تو بہت آگے جا چکی ہے۔ اور تم براہر چپک اپ بھی کراتی رہ ہو۔ اس کے

باوجود تمہیں کسی نے بھی نہیں بتایا کہ تم ڈال سے کھیل کا آغاز کرو گے۔

وہ پوچھ رہا تھا۔ اور دیر نے کو ماضی کے گرم گشتہ طارق کی جھلک نظر آئی تھی۔ اس کا دل چاہا

وقت میں ختم جائے۔

ڈاکٹر کو تو بہت پیسے ہی شک ہو گیا تھا۔ اس نے، الزام ڈھکڑھکڑ کرنے کی ہدایت بھی جلدی دے دی تھی۔

پھر۔

میں نے ڈرامہ لکھ دیا۔

تو تمہیں پتا تھا۔ وہ متعجب ہوا۔

مجھے کیوں نہیں پتا۔

آپ پوچھتے تو میں بتاتی۔ دریا کو قدرت نے جتانے کا موقع زخود دے دیا تھا۔

آپ نے تو کبھی بھی پوچھنے کی تکلیف نہیں کی کہ ڈاکٹر کی کہہ رہی تھی یا کوئی مسئلہ تو نہیں

ہے۔

حارث کو چلی مٹلی کا حساس تھا ہد ایک دم پچھ ہو گیا۔

الزام ڈھکڑ کے بعد تو کفر ہو گیا تھا۔ کس قدر روٹی تھی میں اس رور۔ اس قید خانہ

میں کوئی میرا وہ حال دیکھنے والا نہیں تھا۔

وہ ہوش کا نچے ہوئے آہنگی سے کہہ رہی تھی۔

لیکن مجھے نابل ہونا پڑا۔ مجھے خوش باش رہنا تھا اس لیے کہ مجھے ہر صورت اپنے بچوں کو

صحت مند دیکھ تھا۔ میری کوتاہی میرے اپنے لیے مزید عذاب کا سبب بن سکتی تھی۔

اور۔ آپ سے یہ باتیں کرنے کے لیے کوئی نہیں موجود نہیں تھا۔ کیسے بتاتی۔ بچا یہ ہے میں جتنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اس نے دوبارہ بچی، آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔

حارث بغور اس کا کام سن رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

تمہارے ساتھ جو مسائل ہیں، ان میں سے ہر ایک کی ذمہ داری خود ہوو۔ یہ میں ہر لازم سے بری ہوں۔ پھر مزید گویا ہوا۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے دل میں تمہارے لیے جد پھر روٹی تک پیدا نہیں ہوتا۔

بھی کچھ قتل وہ موت کے آسمان کو چھو کر آئی تھی۔

قتل کا اسے صحت سلام کر کے کی تھی۔

موت و زندگی کی کشمکش میں اس کے، نگر و نگر و حید ہو گئے تھے۔

یہ ہر تم۔ وہیں کا وہیں ہے۔

کاش اس وقت میں میری موت ہو جاتی۔ اس نے انتہائی سچائی سے تم کی تھی

حارث دوبارہ کاٹ کے قریب جا کھڑا ہوا تھا

رخسار کے نیچے بندھنی دبانے سہری کی گڑبانے اسے خصوصیت سے متوجہ کیا تھا

دریا اس نے آواز دی۔

تھی۔ یہ بادل غماز است لوی

کیا میں انہیں اٹھا کر پھاڑ کر سکتا ہوں۔ وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔
 ڈوبے میں سخت مسکراہٹ نہ روک سکی۔

تو کیا ہائٹنس بنو نہیں گئے۔ اس نے بغور طارق کو دیکھا۔

اس کی کشش کی گہری اس کے وجود میں پھر سے آخرین۔ پھر عزم تو ہوا۔

ابھی سمسز آنے کی تو اس سے کہہ دیجیے گا یا پھو پھوے۔ آپ خود تکلیف نہ کیجیے گا، کہیں
 یہاں ہو گا آپ کے ہاتھ میں صرف کبل ہو اور۔۔۔ وہ معنی خیز غماز میں رک گئی۔

بھئی میں اس جان سے تو نہیں کہہ سکتا۔ چھاپا نہیں لگے گا۔ وہ سوچیں گی۔ باپ بن کر
 حواسوں میں نہیں ہو رہا۔

یہ وہ رنگت دان سمسز نے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کا جہد من لیا تھا۔ وہ فیس پڑی۔

بھی ایڈوائس جھانے میں۔ مرد ہو کر تاجا جاتی سرم مسٹر۔

(اس نئے زمانے میں مرد ہو کر اتنی زیادہ شرم)

طارق نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ وہ کارڈ پیمبل پر کچھ کھڑی تھی۔

سمسز ڈر پارٹی ہوئی ان پچھ کو تو نکال کر دکھاؤ۔ اس نے غرہ کش کی۔

پیسے میرے کو دیا ہو۔۔۔ آپ بھی اپنی سز کے ساتھ پیر آ پا۔ موت سرم کا ہات ہے مسٹر

طارق۔ پرافٹ رہے سو کرنا نکلا۔۔۔ مذہم۔ بالکل غیر کے کاک۔۔۔

چاہیں یا نہیں کے لگ بھگ وہ یہ جتنی سی فز اس پر سے اس کی پڑ پڑ کرتی زبان۔

اس نے تو طارق کے چپکے چہرہ دیے تھے۔ دریکو بہت طعنے آ رہا تھا۔
 سمسز نے گڑبٹا اٹھا کر اس کی گود میں بوسے دی۔

وہاں کے ہارڈوور میں آ کر خستہ زمانہ کرکسمائی۔ طارق نے فوراً شوق و محبت سے
 اس کے رخسار پر نرمی سے بوسہ دیا۔

تھے جدوں کی عید ادا۔۔۔

اس کی تقدیر کا یہاں ہر قسم کی۔

وہ دیر کی سمت چلا آ پا۔

طارق کے چہرے پر پچھیتی جاتی سی روشنی۔

ڈریہ کو پٹا صبح کا۔ غار محسوس ہوئی۔ بہت سا بوجھ سر کا۔

بھئی۔۔۔ تمہارے روم میں اس میڈوٹا کی ڈیوٹی نہ آف۔۔۔ سب کھلو گی یہاں سے۔۔۔ وہ

آہستگی سے اس کو نظر بچا کر دیر سے پوچھ رہا تھا۔

ڈریہ۔۔۔ جتنی شرمینے کی خواہش کے باوجود زیادہ محنت سے فیس کی عمر سے گد گدیاں

بہت ہوئی تھیں۔

(کاش طارق تم بالکل ایسے ہی ہو پاؤ۔۔۔ جیسے اب ہو رہے ہو) اس نے دعا کی۔

تم ہنسنا، گنگنا مسز طارق۔۔۔ ابھی یہاں کثیر ہیں ہر مینڈ۔۔۔ ام سوچتا تھا تمہارا لڑائی سے

ہے ہر مینڈ۔۔۔ تمہیں angry ہونے کا راز ملے گا۔

وہ شہادت سے کہتے ہوئے، جسے کوٹھا کر اس کی قریبیہ لے آئی۔

اسے مارے۔ تم میری بیوی کو روٹھا رہی ہو سسٹر۔ ایسے انسان سے خداوند ناراض ہوتا

ہے۔ وہ

بیٹے کے رخسار چھو رہا تھا۔

مزمط رقی۔۔ سسٹر نے مسکرا کر رقی کا جاذب چہرہ بخود دیکھا۔

ہوں۔۔۔ در یہ نے بہت ہشتنگی سے ہٹکار بھرا۔

ابھی تمہارا جرمینڈ بہت کلیو اسے اس سے پوچھتا مانگتا۔۔۔ یہ ڈیوری ڈیوریشن میں

کدو کو قابض ہوتا۔

سسٹر اس کی کھپائی کر رہی تھی۔ اس کے انداز میں بہر طور بہت اجناسیت۔ در محبت ہی تھی۔

لیکن رقی کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح اس کا جھلکا تھا۔

ڈیوری ڈیوریشن میں کہاں تھا۔ (تخلیق کے دورانیہ میں وہ کہاں تھا)

وہ ایک دم جیسے اس ماحول سے کٹ گیا۔

وہ فیروزہ کی سسکیاں پھر سے سن رہا تھا۔

اس نے گڑبگ کی چیخالی پر یوسر دیا اور آہستہ سے اسے کاٹ میں لٹا دیا۔ اور سسٹر کے

ہاتھ سے اپنے سینے کو لے لیا۔

تمہارے خیال میں ان کے کیا نام رکھنے چاہیں۔ وہ خود کو سنبھال کر رو رہے سے مخاطب

ہوں۔۔۔

پھو پھو سے پوچھیے۔

ہوں۔ اس نے گہری سوچ کر دوسیاں ہوں کہا تھا۔

در یہ گھر میں کیا آئی کہ گھر کے در و دیوار پول پڑے

کرچی سے، باغیان، فاروق، حمید اور بیچہ آئی تھیں۔

نیچے لرقان کا پورشن بھی انہی کے زیر استعمال آ گیا تھا۔ ہر وقت گھر میں شور و غل برپا

رہنے لگا۔

رقی کی اقامت گاؤں رنگ روم ٹھہر تھا اس لیے کہ رات اور فجر کے وقت جب تین

تین بچوں کا رونا بینا شروع ہوتا تو کان پڑی آواز سنائی دیتی۔ ایک کے شروع ہونے کے

بعد دوسرا اٹھ دس پوزیشن لے لیتا اور بیچہ کی بیٹی کو بھی اتحاد کا مظاہرہ کرنا، زگی ہو جاتا۔

رقی نے تو پیسے ہی دن صورت حال میں پائی تھی، اور امداد صبر رہاں، اور بھی کو، پنا

گھر کا پیش کیا تھا۔

حمید فاروق اور فائق احمد نیچے ہوتے تھے۔

کام کے دوران جب بچوں کی چیخ پکار شروع ہوتی تو وہ ڈرائنگ روم کی کھڑکیوں اور

دروازے بند کر لیتا۔

نیچے رات میں پلنگ ڈال کر سویا لرقان امداد جاکر کھڑکام پر رقی کو مشورہ دیتا کہ یا

یہ بھی سے کہہ چوں کو گریپ وائر چائیں۔ شاہان کے پیسہ میں تکلیف ہے۔

ہارنڈر تین تین پر ٹیکٹل قسم کی خواتین ہیں۔ عالم ہاں سے وارو ہونے والے ابھاری مشوروں پر کان نہیں دھریں گی۔ وہ جمل کر خوب دیتا۔

آج وہ فائنل پر، جیکٹ کے مسئلے میں بہت خوف کن جانے کے لیے تیار ہوا تو ماں جان نے لوک دیا۔

جدی "جانا۔" آج وہ یہ چھٹی نہائے گی۔ نیاز ہوگی۔ تمہارے ماںوں ممی بھی "نیں" گے۔

چھٹی۔ وہ ابھی۔

ارے کئی چھ دن کا نہائے گی۔

تو کیا اب وہ محترمہ چھ چھ دن بعد تمہیں کریں گی۔ اس کی صفائی شدہ طبیعت میں کراہیت پیدا ہوئی۔

اماں نے سر پیٹ لیا۔ حد ہے ٹم سے۔

چھوٹی یہ بھی چھ دن بعد تمہیں یا چھ سو دن بعد۔ اس بحث کو چھوڑیے، پیسے بچوں کے نام فائدہ کنز کر بیچے۔ حسیب نے سنجیدگی سے ہات کا رخ موڑا۔

کیا مطلب۔۔۔ اس جو ہا جان نے نام بتائے ہیں، جو ان کے سر غفلت میں لکھ دیے گئے وہی نام ہیں۔ فاروق نے حسیب کو تعجب سے دیکھا۔

اس کا مطلب ہے لڑکے کا نام ہفتہ یا چھ ماہ، وغیرہ ہو تو زیادہ بہتر ہے یہ مجھ سے کہہ رہا تھا چھوٹے بھائی کے بیٹے کو ہر صورت ڈکنز بنانا ہے۔ رانچیکر بہت ہو گئے ہیں۔

پھر لیول بھی ڈکنز جمع سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے ہفتہ ٹھیک رہے گا۔ ڈکنز جمعہ کے بعد ڈکنز ہفتہ ویسے بھی نہ کی پیدائش کا دن ہفتہ ہے۔ فاروق بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

حسیب کا خون کھول کر رہ گیا۔ آپ کے ہاں غالب ڈکنز تو رہتے ہوتے ہوں گے۔ وہ تنگ کر بولا۔

پروفیسر، تو رہی ہو سکتے ہیں۔ یہ پروفیسر تھے نہ بھی نہیں ہوتے۔ فاروق شریر ہوا۔

میری طرف سے آپ مہینوں پر نام رکھیں یا دنوں پر۔ مگر مجھ پر اسے سیدھے لازم لگانے کی ضرورت نہیں۔

دیکھا ہے ہیں "پ چھوٹے بھائی۔" آخر میں اس نے شکایت انداز میں کہا۔ ارے فاروق کیوں ہاتھ دھو کر بچے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ ماں جان زنج ہو کر یو لیں۔ وضو کر لیا کریں۔ کم از کم شیطان تو بھاگ چاہا کرے۔ حسیب بڑبڑا۔

وضو تو میں کروں۔ مگر کیا کروں۔ تمہاری جدی گو، رانچیکر۔ فاروق پھر شریر خدا زمین گو یا ہوا۔

آفس میں اس کی بہت مصروفیات تھیں۔ سر کھانے کی فرصت نہیں تھی۔ سختی سے پیسے اسے اپنے یہاں کے تمام کام مکمل کرنا تھے۔ ایک مقرر تاریخ کو ٹوٹا ہڈیوں میں چاروں سنبھالنا تھا۔

ریڈ ہارڈ کپ رٹ پر، حقیقت سے استعمال کرتے ہوئے سے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا جب فون کی گھنٹی بجی پڑی۔ پیسہ ریٹ کپ رٹ پر حقیقت سے ہر کر اس نے جھلاتے ہوئے موڑ میں بیٹھ گیا تھا۔

فیروزہ اس کیلنگ۔ یہ پیش میں آؤں آ بھری۔

وہ فوراً سنبھل گیا۔ اس پاس کے ماحول سے کٹ کر اس کی میں پھر بیدار ہوئی۔

طارق بول رہا ہوں۔ اس نے ایک ہاتھ سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبایا پھر سگریٹ کا شعلہ کھنکھایا۔

جیہتی ہوا ہے یا رواہ بھی۔ اس کی مدد آؤں پھر آ بھری۔ وہ ایک دم مستعد ہو گیا۔ کیا مطلب ہے۔

جب لوگ مطلب و معنی دریافت کرنے لگیں تو یہ ریڈنگل سمجھنا پڑے۔ فیروزہ کی ہلکی سی ہنسی آ بھری۔

جو میرا خاک ہٹا چکی ہو کیا ابھی اس میں سیاہ رنگ مہر تاقی ہے۔ طارق نے سے بہت

کچھ بتایا ہے۔

ریچرڈ اور سے فکس آئیں۔ طارق بھی بیٹھا سخت مسکرایا۔

چھوڑ دیا۔۔۔ مٹ ستایا کرو۔ طارق نے حسیب کو محبت سے اپنے کانڈھے سے لگالیا۔

کیا تمہیں باجیٹ کے رکھے ہوئے نام پسند نہیں آئے۔ وہ حسیب سے پوچھ رہا تھا۔

یہ بات نہیں ہے۔ میرا مطلب تھا اتنے ڈھیر سارے نام سب بتا رہے تھے کہیں آپ

ان میں سے کوئی نہیں رکھ رہے مجھے بچوں کے گزے ہوئے نام پسند نہیں ہیں۔ میں پتا ہوں یہ

اپنے اصلی ناموں سے پکارے جائیں۔

طارق نے اس کی پیچیدگی پر مسکرایا۔

باجیٹ کے رکھے ہوئے نام کوئی بدل نہیں سکتا۔ تم شوق سے انہیں ناموں سے پکارو۔

اس نے حسیب کا شانہ تھپتھپایا۔ وہ آگے بڑھا گیا۔

جدی آیا نا طارق۔۔۔ اس جاں نے پھر یہ وہانی کر لی۔

ٹھیک ہے۔ پوری کوشش کروں گا۔ وہ آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

سو پ پیتے ہوئے دریا نے جسے سجائے سنگدل سے طارق کو دیکھا۔

جب سے وہ گہرائی تھی اس سے بات کرنے کو جس کی تھی۔ (نیت تو ابھی سے ٹھیک

نہیں چھو چھو۔ بہت پوری کوشش کروں گا) اس نے برتن سا ریڈنگل پر سج دیا۔

طارق نے اس کا یہ انداز نوٹ کر لیا تھا۔ اس کی حیثیت بہت تیر تھیں مگر انجان بن کر

لے لینے کی مست بڑھا گیا تھا۔

الغدر کرے۔ وہ جیسے کانپ کر پڑی تھی۔ لیکن ایک خوشگوار سی دھڑکن اس کے سینے میں
بیدار ہوئی تھی۔ وہ آپ سے خیر چکا تھا۔

بھرب۔ وہ پوچھ رہا تھا۔

مقدّر سے کچھ تک من پائی خوشی نہیں پائی۔ ابجے تو سناتے ہیں۔ وہ بولی۔

ایسا کرو۔ وہ کچھ سوچتے ہوئے بور۔

ہوں۔ فیروزہ کی ہوں ایرٹیں میں ابھری۔

میں غزوات میں ایک کمرہ بک کر کر تھیں بسر دیتا ہوں۔ مجھے تم سے کچھ ضروری اور
ستجیدہ باتیں کرتا ہیں۔ فون پر مناسب نہیں ہیں۔ میرے فون کا انتظار کرو۔ اس نے مسوور
کریڈل پر ڈال دیا۔

پھر اپنے اسٹنٹ کو بنا کر کمرہ بک کرنے کی ہدایت دی۔ پھر پیسے کی طرح اپنے کام
میں لگن ہو گیا۔

شاہد زحے چھ بجے جب وہ پرل کائناتیں کے ایک پڑھکھوہ کرے میں بہت جھیل کے
انداز میں فیروزہ کا انتظار کر رہا تھا تو فیروزہ پور پانچ بجے تک نہیں آئی تھی۔

سرخ قیتی گھر وہ سوٹ میں بیوی تھی۔ چھوٹی چھوٹی دو چوٹیاں اسے بہت معصوم بنا رہی
تھیں۔ سرخ چمکدار اسٹنٹ۔ گہرا کمرہ کا میل۔ سرخ گلوں کی چھوٹی چھوٹی جھمکیاں کانوں
میں جھول رہی تھیں۔ پائری وئیر چھوٹا سا پرس اس نے بائیں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

طارق کے سامنے ایک وہ فیروزہ بھی تھی جو جائز ویران اپنے گھر میں نہ ہونے کا غلات کر
رہی تھی۔

ایک فیروزہ اس طارق کے مقابل تھی۔ زندگی سے بھرپور سرخ رنگ کے حصار میں۔

وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

ٹھیک ہو۔ اس نے اس امتحان سے نظر بچا کر سگریٹ سلگانے کا مشغلہ اختیار کیا۔

صرف ٹھیک۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

مجھے دوبارہ زندگی ملی ہے۔ اگرچہ آپ نے اس ایک ہفتے میں ایک مرتبہ بھی پتی بات
دہرائی نہ رہا۔ قائم کیا۔ وہ بیڈ پر پڑ کر تکلف خد ز میں بیٹھتے ہوئے بول۔

کیا یہ ضروری ہوتا ہے وہ سرخ کا کرکٹ لیتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

آپ کی حد تک تو شاید نہیں۔ بعض اوقات نسبتاً سرخ اعتبار ہوتے ہیں۔

وہ مسکرائی۔ مرد ہونے کے نامے طارق کے قلب میں کچھ گڑبڑ ہوئی۔

پڑھکھوہ باحوال۔

خود پیرنگی کے تمام جذبات سمیت

ایک حسین جوان لڑکی۔

وہ ایسے کمزور دھڑکن سے خود کو بچانے کا خاصا ماہر ہو چکا تھا۔ ایک دم سنبھل گیا۔

فیروزہ بول۔

میں تم سے یہ تو نہیں کہوں گا کہ خوش نہ ہو یا اپنی خوشی ذرا مٹاؤ گی کرو۔ بہت اتنی بات
 تمہارے کوئی گناہ کرنا چاہوں گا کہ میں جو کہنے جا رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ بڑی سنجیدگی اور
 حقیقت کی کڑواہٹ کو قبول کرتے ہوئے۔

فیروزہ کا دل کانپ گیا۔ وہ بستر پر سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا۔

مجھے مر جانے کا مشورہ دے دینا راق۔ لیکن فارغاؤ سیکھ۔ اپنی امان سے نہ بھڑنا۔
 اس نے پناہی ہاتھ راق کے شانے پر رکھ کر جیسے لہجہ کی تھی۔

طاق راق کچھ جڑ بڑھا۔

فیروزہ اتنی تیز ہلکی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ میں تو خالص گہکارا انسان ہوں۔ ہم جب تک
 کسی قانونی بندھن میں نہیں بندھ جاتے بہتر ہے ذرا فاصلوں سے گفتگو کریں۔ اس نے
 آتش کی آگ سے کہا۔

فیروزہ نے ایک دم اس کے شانے سے ہاتھ ہٹا لیا، اور ذرا فاصلے پر بیٹھ گیا اس جیسے سے
 اگرچہ وہ جھل بھی ہوئی تھی مگر اس جیسے میں اس کے یہ تقویت بھی تھی۔ بہت صاف سے وہ اپنے
 آپ کی رقعہ اٹھائے تھے۔

دو خاصا مہمکن ہو کر اس کی جانب متوجہ تھی۔

اس بات کا تو مجھے بخوبی احساس ہے کہ میں نے تمہیں زبان دی ہے۔ اور مجھے ہر حال
 میں کہہ پورا کرنا ہے۔

مگر یہ سب کچھ سوچتے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہم حقیقت کے کائناتوں سے
 بے دنیائیں رہتے ہیں۔ کبھی طعنے ہوش رہا نہیں۔

مجھے احساس ہے عارقی فیروزہ نے اس کی مشکل آسان کی۔

تم بخوبی جانتی ہو کہ میں ایک مکمل فحش ایک گراؤ رکھتا ہوں۔ شادی شدہ ہوں۔

رشتے میرے پاؤں کی رنجبر ضرور ہیں مگر میں اپنی میں کو قسم کر کے زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں تمہیں یہ سب بھی نہیں دکھانا چاہتا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ درحقیقت مجھے اس قدر
 چاہیگا ہے کہ مجھے شاید خود غرضی کی بیماری آتی ہوگی ہے۔ یعنی مجھے محبت دینا نہیں آتا۔ اور
 میں نے اس جانب میں پرتوجہ بھی نہیں دی ایک بار یہ جذبہ بیدار ہونے لگا تھا۔ قسمت سے جلد
 ہی فنا ہو گیا۔

دریہ سے آپ کی۔۔۔ سو میری نہیں ہے۔ فیروزہ نے متعجب، انداز میں اس کی بات ٹاٹ
 بکری بچھا۔

میں اس نے آگے کی طرف جھک کر سگریٹ کی رکھنا۔ دل ہلنے میں جھڑی۔

وہ۔۔۔ گویا اور شام میری تھی۔ وہ پھر خود ہی عارقی خاموش رہا۔

تمہیں یہ حقیقت قبول کرنا ہوگی کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ غور و فکر سے پیدا نہیں
 ہو سکتا۔ میں تمہارے ساتھ نہایت کامیاب رہ کر رکھنے کا وعدہ تو کر سکتا ہوں، محبت کرنے کا
 نہیں۔

دوسری بات۔ اس انسان دوستی کا فیروزہ مجھے اپنے اہل خانہ کی ناراضگی کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔ تمہیں استقلال سے میرے ہمراہ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کا نہیں۔

تیسری بات۔ میں فی الحال اس گیس میں صرف دریہ کو رز دہانا چاہتا ہوں۔
دریہ کو فیروزہ نے چونک کر پوچھے گی۔

ہوں۔ اس لیے کہ وہ بہت بڑا سانحہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ (کاش تم مجھے یوں پاگل نہ بناتے) وہ یہ سنا کہ کہہ کر سوچے گی۔

طارق۔ وہ جھک کر رک گئی۔

یوں۔

مگر دریہ نے جازت نہ دی۔ اس کا کلیجہ کانپ رہا تھا۔ کاسیہ آب جیسے ہونٹوں کو چھو کر پھر دہشت رہا تھا۔

سب سے اہم چیز کسی مرد کا قول ہو سکتا ہے۔ خواہ اس کی حقیقت ایک نہیں کئی زندگیوں ہو۔ اس نے اپنی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا۔

فیروزہ کی ڈھارس سی بندھی

لیکن ان زندگیوں میں آپ کی زندگی شامل نہیں ہونا چاہیے۔ وہ ہتھی سے گویا ہوئی۔
طارق نے آپ کی نظروں کی سمت کی گھر کہا کچھ نہیں۔

میرے سفارشی سوٹ میں جیوس، اپنی ذات کی ہمیت اور اعتماد سے پھر نشان کا تقریباً
اور اتنا دور تھا۔ فیروزہ کی ساری خود اعتمادی اس کے سامنے آ کر ہوا ہو جاتی تھی۔ حالانکہ
اس کا کتنا دل چاہ رہا تھا وہ مستقبل کے حوالے سے اس سے باتیں کرے۔ خواہ دور بیٹھ کر ہی
کھی۔

میرے خیال میں یہ دریہ کے لیے آسان نہیں ہوگا۔ وہ پھر گویا ہوئی۔

وہ ہر صورت میری خواہشات کی تکمیل کرے گی۔ مگر جو وہ اپنے اس دعوے میں یچی ہے
کہ وہ مجھ سے اپنے آپ سے زیادہ محبت کرتی ہے، اور سے یہ سنا کرنا ہوگا۔ اس نے بچے
مخصوص دو ٹوک اور قطعی انداز میں کہا۔

میں اپنی خود مرضی پر نامور ہوں۔ آپ کے خاندان والے۔

میرے خاندان والے مجھے اپنی مرضی سے خاصا استعمال کر چکے ہیں۔ دوسری بات
تمہارا مرضی صرف میرے علم میں ہوگا۔

ڈریہ۔ میرے ساتھ کوئی س سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔
اس نے صوفی کی پشت سے ٹیک لگا کر اطمینان سے جواب دیا۔

فیروزہ کو ایک ہار پھر اہل پر شک آیا۔

(سب تمہیں چاہتے ہیں۔ تم کسے چاہتے ہو۔)

فیروزہ۔ تم مجھ سے کبھی جڈ پاتی قسم کے محبت کا مطالبہ نہ کرتا۔ میں نے تمہیں صرف نام

وہ بچے کا وعدہ کیا ہے۔ اس لیے روئے زمین پر کوئی نیا احساس و مت کے ہاتھوں دم توڑنے سے بچ جائے۔

میں آپ کا قرض نہیں اتار سکتی مگر اس کا بوجھ بیٹھے لگا تھا۔

میری نیت کتنی سچی ہے اسی سے ثابت ہے کہ آپ جیسا انسان میرے یہ وقت و زمانے سے ٹکرا رہا ہے۔ آپ نے مجھے معزز کیا ہے۔ میری طرف سے کبھی کسی اور خوشامیاد کا ظہار نہیں ہوگا۔

اس کی آواز زندہ کی تھی۔

میں نے یہ قدم اس لیے نہیں اٹھایا کہ میری پرستش کی جائے۔ مجھے احساس ہے کہ مجھ پر لوگوں کی وابستہ محبتوں کے عظیم احسانات ہیں۔ مگر ایک میرے اندر کا بھی آدمی ہے۔ میں اس کی تفر دیت کو تباہ نہیں کر سکتا۔ میں نے اس کی حفاظت کا عزم کیا ہو ہے۔ اس لیے تمہیں حقائق کو جاننا چاہیے۔ میرے سامنے میرے ہر عمل کی توجیہ موجود ہے اس لیے کہ میں رہا کاری سے نفرت کرتا ہوں۔ جو میرے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر نہیں آتا۔ تمہیں ان حیرت انگیز خیالات کو سمجھنا ہوگا۔ بلکہ تعاون کرنا ہوگا۔

فیروزہ

جی۔۔۔

میں کسی کو سزا باغ نہیں دیکھ سکتا۔ حقیقت بہت تلخ بھی ثابت ہو سکتی ہے تمہارے لیے۔

شاید تمہارا کسے تصور سے بھی نیا دہ۔

مجھے احساس ہے۔ وہ بولی۔ مزید گویا ہوئی۔

طارق۔ آپ جیسا کہمرا اور خاندانی آدمی میرا شریک سفر ٹھہرے۔ مجھے جینے کے لیے یہ احساس بہت ہے۔

تو پھر ٹھیک ہے۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

میں تم سے خود بخود قائم کروں گا۔ براہ کرم تکلیف نہ کرنا۔ اور مطمئن رہنا۔

اور سو۔

فیروزہ کی چوری توجہ اس کی سمت تھی۔ جی۔۔۔

اب اس قدر ہجوم سے آج کر نکلنے کی خاص ضرورت نہیں۔ ہمارے خاندان میں خود تین باہر نکلنے وقت چارویں استعمال کرتی ہیں۔ میرے خیال میں چاروں وزہ کر عورت بہت باوقار نظر آتی ہیں۔ ذریعہ شادی سے پہلے چار نہیں ہوتی تھی۔ میری خوشامیاد پر وزن ملے گی ہے۔

خاص طور پر عورت جب تھو ہو تو چاروں کے لیے حصار کا کام کرتی ہے۔ دیکھنے والے بھی اس کا احترام کرتا ہے۔

میرا خیال ہے تم چاروں میں بہت اچھی لگوگی۔ دو آہستہ سے مسکریا۔

فیروزہ کا دل خوشی سے کانپ گیا۔ اچھی لگوگی۔

تمہیں بھی، چچی نکور۔۔۔ اس سے زیادہ چاہیے بھی کیا۔

اوپر کے۔۔۔ ہاں۔۔۔ وہ بھی خوشی سے نظریں نہکا کر مسکرائی۔

اچھا۔۔۔ اب میں چلتی ہوں۔ میرے خیال میں تمہیں مجھ سے پہلے۔۔۔

وہ رک گیا۔۔۔ یہ تو قصبہ معنی خیز تھا۔

گازی لی ہو۔

ہوں۔ ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔ پھر ایک دم رکی۔ ایک لحظہ روق کو دیکھا۔۔۔ (شادی

میں خواہ دیر کر مگر صورت جلدی جلدی دکھائی دینا) وہ کہتا چاہتی تھی مگر کہ نہ سکی۔

کچھ کہنا چاہتی ہو۔ اور خود پوچھنے لگا۔

نہیں۔ وہ سست پناگی۔ اچھا۔ ہائے۔

اللہ حافظ۔۔۔ ط رق نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال سنوارنے شروع کر دیے

تھے۔

اس نے کمرے میں ط رازانہ نگاہ ڈالی۔ ایک دن کے کمرے پر حاصل کیا گیا یہ کمرہ اسے

اپنا جائے پناہ محسوس ہو رہا تھا۔ ٹی نہیں چاہ رہا تھا اس تنہائی سے نکلنے کو۔

مقام بخیر تھا۔ اسے آج ہر صورت جلد گھر پہنچنا تھا۔

وہ ایک دم چونک پڑ۔ جلدی مگر سے تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔

وہ میرے خدا۔۔۔ کا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم گیا۔

اس نے کلائی پر بندھی دست دہائی پر نظر دوڑائی تو دماغ گھوم گیا۔

کمرے کی چابی سیاہیز نیل سے اٹھائی اور باہر کی سمت قدم بڑھائے۔ اسی دم دروازہ

کھلا۔۔۔ فیر ذرا پھر کمرے سے نکلی۔

خیر یہ سچا۔۔۔ وہ چونک پڑا۔

خیریت ہی ہے۔ گازی تک پہنچی تو دھیان آیا۔ آپ کو مبارکباد تو دی نہیں۔ ہم انسان

غنت خود غرق واقع ہوئے ہیں۔ اپنی ذات میں اتنے مجھو ہو جاتے ہیں کہ بس۔

مبارکباد۔۔۔ ول ایچا۔

ہاں ہائے کی۔۔۔ وہ مسکرائی۔

اوپر کے انہی نے گھر اساقس لیا۔ شکریہ۔

کیسے ہیں۔

کچھ دنوں بعد خود ہی دیکھ لیتا۔ اپنی اور۔ تو سب ہی کو، چچی لگتی ہے۔ اس نے مسک کر

جواب دیا۔

پھر تو مجھے دیکھ ہی لگیں گے۔ فیر ذرا لے ڈو معنی جسد کہا۔

ط رق نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر مسکرا دیا۔ اچھا

اب آپ پہلے تشریف لے جائیں۔ یا میں چلاؤں۔ یہ کتنی نینٹل ہے۔ شو بڑا بس والوں کی

بساط اورن کی دوسکتھتے ہوئے رپرڈر۔ فوٹو گر لفر۔

میں پہلے چل جاتی ہوں۔ وہ اس کی بات سمجھ گئی۔

اچھا۔۔۔ جائے۔۔۔

اللہ کا نام بھی لیا کرو۔ طارق نے پتہ پید کیا۔

اب تو بس اسی کا نام ورد زبان ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے زینا یوسف کو پانے کے بعد

یوسف کو بھول کر اللہ کی ہو گئی تھی۔

وہ جس کراٹے بڑھ گئی۔ اللہ حافظ و ناصر۔

طارق کو اس کے الفاظ خوشبو کی طرح محسوس ہوئے تھے۔

اس نے ڈرتے ڈرتے غدر قدم رکھا تھا۔ مواد پہلا ٹکڑا، وہاں سے ہو جائے۔ گھر میں

یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تقریب ہو رہی ہو۔ قہقہے۔۔۔ وائیں۔۔۔ برتنوں کی کھنک۔

نوبہا بن خصوصاً تو اب آ رہے ہیں سفار دوق نے اسے دیکھ کر ہانک لگائی۔

مہماں خصوصاً جو ظہرے۔۔۔ ماں جان سمجھ گئی تھیں۔ جل کر بولی تھیں۔

وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ خاموشی سے اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔ سے محسوس ہو چکا تھا اس کا

کوئی غدر تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ہے خاموش رہے۔

کمرے میں پہنچا تو دروازہ لگائی کا درانی کا سوٹ پہنے ڈالین کی طرح جی ہوئی تھی۔ سے

دیکھ کر چہرہ سوز لیا۔ گویا ظہار ناراضگی تھا۔

نوشی۔۔۔ بھی تو خوش تھا۔ دھڑکے بھی نخرے اٹھانے لگا۔ طارق نے سوچا۔

یہ کیا ہوا ہے گھر میں اس نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

پوچھو سے پوچھ لیں۔ اس نے پہلو میں لیٹے بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر ٹکڑا توڑ جواب

دیا۔

مگر گھر میں تو تم بھی ہو۔ وہ جیسے بگڑ کر پور تھا۔

ذریعہ خاموش رہی۔

کچھ نہیں بیٹے۔ کچھ نہیں ہو رہا۔ اس پر بگڑنے کی ضرورت نہیں۔ تم۔ بچے کاموں میں

مصرف رہو۔

تمہاری والدہ کی خوشی کمر ہے تھوڑی۔۔۔۔۔ اور تو کوئی خاص بات نہیں۔

ماں جان اندر آ چکی تھیں سخت ناراضگی سے گویا ہوئی تھیں۔

تم تو گھر بھر میں سب سے زیادہ ذمہ دار تھے۔ اللہ جانے کیا ہو گیا ہے تمہیں نیچے جاؤ۔

تمہارے ساس سنسر سالیان۔ اور یہ کی سہلیاں۔ مائی داتا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کہہ کر

واپس چلی گئیں۔

بھی وہ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ یہ کی سہلیاں کمرے میں آئیں۔

اب کیا ہے۔۔۔ وہ تپ کر چیل پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

دریہ فی سائیڈ سے لٹو پیچہ اٹھا کر ناک پر ٹنچی۔

تپ کو حساس تک نہیں ہے۔ دودھ بچے کس طرح سنبھالے گی۔ چچی جان مشکل میں

پڑی ہے۔ لے کے وہ درویشی۔

اچھا۔ وہ اس پر ہنسنا۔ اب یہ بھی مشکل ہے۔ یعنی یہ تو آخر کار ہوتا ہی تھا۔

ہو سکتا تھا گلے پر کس قسم پھر دوپٹوں کو۔

خدا کے لیے عادی درویشی نے گھر کر اس کی بات کاٹ دی۔ خدا کے لیے جتنی چاہیے۔
آئیں۔ میرا صرف آپ کی محبت ہے۔

میں نہیں مانتا۔ ایک انسان کی خود غرضی کو محبت کا نام نہیں دے سکتا۔

محبت ہی انسان کو خود غرض بناتی ہے۔ ورنہ کسی ایسے غیرے کی کس کو پروا ہوتی ہے۔
آپ نے بھی اس طرح کسی کو پا ہوتا تو حساس ہوتا۔ مجھے گورنر کا انتظام کر کے دیں۔ ورنہ
میں ایک بچہ پھوپھو کے یا مٹی کے حوالے کر دوں گی۔

پھر مجھے نہ کہیے گا۔ اس نے گویا دھمکی دی۔

جتنی جلدی اہمیت ہائیں گیں۔ ہو سکتا ہے میں کم رتسم گیر رہ چوں کی اس بنا چاہوں تمہیں۔
جن سے محبت کرتے ہیں ان کی خواہشات کا بھی تو احترام کرتے ہیں۔ وہ سے سنا کر مسکرا رہا
تھا۔

درویش نے خوفزدہ ہو کر اس کی صورت دیکھی۔ گیا رہا بچہ۔

کیا کم ہیں اس دنگ سے پوچھ رہا تھا۔

”آپ تو خدا سے چاہتے ہیں میں مر جاؤں۔ وہ پھر رونے لگی۔

کوئی نہیں مانتا۔ میں نے تو دیکھا ہے بعض خواتین کے ہاں سولہ سولہ بچے جنم لیتے ہیں۔
بڑی خوش باش بہت محنت نظر آتی ہیں۔ بہر کیف۔ جنہیں میرے بچوں کو ادھر ادھر تقسیم کرنے کا
کوئی حق نہیں۔ وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور یہ آج تم لوگوں کس خوشی میں غی ہو اب اس نے اس کا جائزہ لیا۔

مرتے مارتے ہنسی ہوں شاید اس لیے۔ وہ جل کر بولی۔

اچھا۔ میں سمجھا۔ شاید آج پھر تمہیں ہتمام سے پیش کیا جائے گا۔

وہ جیب سے کلمہ وغیرہ نکال کر سائیکل پر رکھتے ہوئے چھین رہا تھا۔

میں آپ کی بیوی ہوں۔ بیویان خوش نہیں ہوتیں۔ کچھ خوف جدا بھی کر لیا کریں۔ وہ
بھڑک کر بولی۔

اللہ کی شان۔ خوف خدا۔ وہ ہلنریہ مسکرایا۔

آف اللہ۔

درویش۔ کہا تھا نا ایسے مرد سے شادی نہیں کرتے جس کا رمانہ دلو نہ ہو۔ پھر پھر دے گا دوتا
ہے ایسا مرد۔۔۔ اور یہ یہ تمہارا منہ اس قسم کا شوہر گھر بنا کر اس انتظار گاہ میں بٹھائے ہوئے
ہے۔ نہ رہا ہائی دیتی ہوئی کمرے میں نازل ہوئی تھی۔ نالود کبر رہی تھی کہ کیا غضب کا مرد ہے
درویش کا شوہر۔ ادھر محفل میں آیا ادھر ہر چیز زندہ ہو گئی۔

میں نے آج درویش سے پوچھو۔ محفل میں زندہ کرتے ہیں اور انہوں کو مار دیتے ہیں۔ کیوں

دوری۔

کیا تھی ہادی دوری۔ اور شخص نے کیا بنا دیا۔ وہ شرارت سے طاری کو چھین رہی تھی۔
طاری مسکرایا۔ السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ۔۔

ہی۔ ویسی نہیں ہوں۔ وہ بھرہنی۔

فوزی، ٹوٹی کے برتن وجود کو ہاتھ گل گئے ہیں۔ ہائے چاریس۔ کوئی فل ناہم ملازم
بھی نہیں دیا آپ نے دوری کو۔

میرے ہاؤس میں کیا خیال ہے وہ شریر ہوا۔

اللہ کی شان۔ سن رہی، ہادی۔

دریہ خاموش رہی۔

بھی، میں غریب آدمی ہوں۔ آپ کی دوست کو چھی طرح ہاتھ کر چھپ ہوا تو نہیں تھا
نہ ہے۔

کیا بات ہے آپ کی غربت کی، ہر دور روپے کی اور پینل پر ٹیوم، استعمال کرتا ہے
تمہارا غریب شوہر۔ پانچ سو

سے کم کا قلم استعمال نہیں کرتا تمہارا بچہ مفلس شریک سفر۔ ہا۔۔۔ کس قدر قابل
رحم ہے۔ پانچ سو۔ ووطاری کو چھین رہی تھی۔

چلیے جلدی بیچر سب کھانے پر تیار کر رہے ہیں۔ ہوک سے دم نکالا جا رہا ہے۔ گھر پر

کو بھوکا اور پیاسا ہے۔ تم نے کھانا دی۔ وہ سبکی کی طرف ہٹتی۔
ہوں۔۔ وہ ہوں کر کمرے کی۔

موڈ کیوں آف ہے۔ کیا طاری بھائی لے ڈنٹا ہے اس نے تیز نظروں سے دریہ کا چہرہ
جانچا۔

خود تو اچھی اچھی صورتوں سے میرا کر آئے ہیں۔ یہ بچادی ہانگ سے میاں کو بھی
نہیں دیکھ سکتی۔ کیسے منہ موڈ موڈ کر کھڑے ہیں۔ ڈارنا اچھی طرح خبری۔

طاری بے اختیار مسکرا دیا۔

ارے بھی سن کے عین مقابل بیٹھ کر لگوئی کر رہا تھا۔ پوچھو۔

ڈارنا سستی ہوئی اس کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

مگر دریہ ہزار کوشش کے باوجود مسکرا بھی نہ سکی۔

زورینہ۔۔

بالا دوری۔

وہ جو میں نے سوئے غن کر دیا تھا، پٹی، اس سے کہنا اس کے پیسے تیرے یا کو دے دے۔
میری نماز کی چادر پھٹ گئی ہے۔ مجھے سن بیسویں کی چادر منگا دینا شوہر سے، اور ایک کتاب قصص

الاولیہ مانا لکھ کر دینا تھا میں نے۔ یہ سو۔ ویں روپے اور رکھو۔

خیر ہے ادبی۔ ضرورت ہوگی تو لے لیں گے۔ یہ تم، بھی اپنے پاس رکھو۔ ذریعہ نے دس کا

نوشٹ لینے سے انکار کیا۔

رکھو۔ بچیں تو وہیں کرونا۔ تیرا بیا بھی غریب آدمی ہے۔ کہاں ہیں گے اس کے پاس
فالٹو پیسے۔

ہوئی۔ میں نے اپنے چاچا کو خط لکھا ہے۔ تم دیکھو کوئی غلطی تو نہیں ہے۔ ایک لڑکی
نہایت اندر داخل ہوئی۔

راقبہ اس نے ہاتھ بڑھا دیے۔ پھر ایک دم پیچھے ہٹ گئی جیسے کچھو نے ڈانک مارا ہو۔ وہ نہایت
کے پیچھے دیکھ کر مستعد رہی ہو گئی تھی۔

مئی۔ بشر اس کی سمت دوہانہ بڑھا تھا۔

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی وارفتگی کا جواب دیا۔ ٹوٹے سینے سے لگا لیا اور پھوٹے
پھوٹ کر رو دی۔

مئی۔ سپ کر پچی والے گھر میں کیوں نہیں رہتیں۔۔۔ میرے گھر میں بالکل ولی نہیں لگتا۔
روشن کی جھنپیں نکل گئیں۔

”تمہاری معصوم محبت کی صورت قدرت میرے من پر مہر فرمے اور رہی ہے۔ میرے
الفاظ اس کی چکیاں بندھ گئی تھیں۔

مئی۔ آپ گھر بیٹے نار۔

عمر بھائی۔ وہ گڑبگڑ بھی نہیں ہیں۔ میں رست کو روٹا ہوں۔ مجھے بہت یاد آتے ہیں۔ اور

مئی۔ آپ بھی۔ بھئی۔ روشن نے ہانکوں کی طرح اس کا منہ چوم لیا۔

مجھ سے خدا کا قریب ہے۔ جیری آنکھ سے گرنے والا ایک آنسو میرے لہجے کا کھونٹ
روا بن جائے گا۔

یہ جانتی تو پناہ تیرے ہی دل تلے بچا دیتی۔ مگر تجھے کبھی۔ وہ جھک جھک کر رو رہی تھی۔
مئی آپ روئیں نہیں ورنہ میں بھی رو دوں گا۔ شرمد ہاتا ہو گیا۔

میں اپنی ہنسی خوشی سب تیرے نام کر چکی ہوں۔ وامن پھین کر تیرے حصے کے ڈکھا لگتی
ہوں۔ سب تم نہیں روؤ گے۔ میں روؤں گی۔ جب عورت پیدا کی گئی ہے تو اس کی سزا

میں دوا ہے کیسے ہو جاتے ہیں۔ میرا کیجہ تو تجھے سینے سے لگا کر بھی ٹھنڈا رہ سکتا ہے۔

مئی۔ آپ روئیں نہیں ڈائریس پہنچ کر لیں۔ ہمارے ساتھ چلیں۔

ہمارے روشن کے بہتے آنسو قہقہے گئے۔ محاذ ہڑا کر کھڑی ہو گئی اور چاروں طرف سے چہرہ

مٹھ کر پشت دروازے کی سمت کر لی۔ وہ بہت علی شاہ جاتے کب سے اس کا پاگل پن دیکھ
رہے تھے۔

اسلام علیکم۔ روشن کی کانٹتی ہوئی ہنسی ہنسی آواز ابھری۔

علیکم السلام۔ وہایت علی شاہ کی بھاری آواز گونجی۔

روشن کو جھٹکا سا لگا۔ سوامی کا جواب آیا تھا۔ مگر وہ مڑی نہیں۔ دونوں لڑکیاں باہر نکل گئی

تھیں۔

بشرچا، جینے میاں صاحب کے پاس بیٹھیں انہوں نے بشر کو حکم دیا کہ کیا۔

بشر چپ چاپ سمجھا سمجھا ہر چلا گیا۔

(اب کیا تعویذ لے ہیں۔) وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔

روشن۔ اوریت علی شاہ کی آواز میں مویج کا تاثر غالب تھا۔

بوسہ تک آنے میں، میں نے صدیاں طے کی ہیں۔ یہ روحانی فاصلے شعور سے دور

ہوتے ہیں۔ اس گزرتے وقت نے تمہارے حق میں وکیل صفائی کا کردار ادا کیا ہے۔ جو لوگ

مجھے حق ہیں وہی تمہارے قلوب کے ناسور ہیں۔ مگر میں احساس جرم و ضمیر کی ملامت کے جہنم

سے دور ہوں جب کہ تم باوجود درسن سوئی اور جانگاہی کے عذاب سے ہر لمحہ واصل ہو۔ میں اللہ کے

محاسنات میں مدد غفلت کر کے شرک کا مرتکب ہو رہا تھا۔ وہ منصف تو ہر لمحہ اپنی مخلوق سے

فیصلوں میں متکین ہے۔

اور دس عروسی اس کی شکل کو ترسنے کا عذاب تمہارے ساتھ اس کا انصاف ہے۔

مجھے یاد نہیں برا تھا کہ اس بھی جانا ہے۔ حساب کتاب کے لیے وہ مقتدر کافی ہے۔

بیچھے آؤ۔ میاں صاحب انتظار کر رہے ہیں۔

روشن چونک کر پلٹ گئی۔ وہ ہکا بکا واریت علی شاہ کی صورت دیکھ رہی تھی۔ اوریت علی شاہ

کو اسے پہچاننے میں دیر لگی۔

سادہ کس کر بندھی ہوئی چوٹی۔ بیل فافو کشور جیسا چہرہ۔ بوسیدہ رنگ انڑے کپڑے جو

چاندی سونے دھماکے کا استعمال خراب کر رہے تھے۔ سفینج کی ٹانگے لگی تھیں۔

جگہ جگہ سے پگھلی ہوئی چارواں۔

یہ تو نہ جانے کون عورت رات کے مقابل کھڑی تھی۔ وہ بڑی حسب و آدابان روی

طرز حدی روشنی تو نہ جانے کہاں کم ہو چکی تھی۔

نہ وقت تھا نہ، محل۔ باور نہ ہی وہ دل۔ کہ تمام حقوق کا استعمال کرنے کو جی چاہے۔

پٹی انگلیوں کے پوروں سے اس کے رنبا روں پر بستے آلو صاف کرتے۔

پلکوں پر چپکتے ستارے اپنے سنگلتے لبوں سے پختے۔ اپنے کشادہ سینے کو اس کی رفاقت

سے عزیز بناتے۔

آگ بجھ جاتی ہے۔

مگر کائنات ان دیر تک گرم رہتا ہے۔

پانی چھڑک دیا جائے تو وہ۔ بھی گرم ہو جاتا ہے۔

میں اب حسب کا ڈال ہوا پانی، بھی گرم تھا۔

یوں بھی روح کے لب بدترج کھلا کرتے ہیں۔ وہ چند ٹائیے دم سوسے کھڑے

رہے۔

وقت کے سحرت کی کوئی حد نہیں اس لیے کہ وقت کی باگ احمد و قادر مطلق کے ہاتھ

میں ہے۔

میاں صاحب روشن نے خوف و استہجاب کی طی ملی کیفیت میں ان کی سمت دیکھا۔

ہوں۔ وہ آہستگی سے ہوں کہہ کر وہیں پٹ گئے۔

روشن دل تھا اسے ان کی پشت دیکھ رہی تھی۔

اسے اس صورت حال کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بے اعتباری کی کیفیت میں دم بخود تھی۔

وریت علی شاہ کا پر جلال نفرت آمیز تاثرات کا حامل چہرہ آج عجیب رنگ ایسے ہوئے

تھا۔ نہ نفرت۔ نہ محبت۔

نہ صروت و رواداری۔

اور تیز ادراکی۔

وہ ان کے تاثرات کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

مٹی۔ آپ کو میاں صاحب بار ہے ہیں۔ بشر بھگتا ہو پھر کمرے میں چلا آیا تھا۔

وہ قدم بڑھانے لگی۔ چوں۔ اس نے بشر کا ہاتھ اس طرح تھا، گویا کوئی مضبوط سہارہ بچا

رہی ہو۔

بشر نیچے کون کون ہے بیٹے۔

ہاں ہیں۔۔ میاں صاحب ہیں۔۔ اور ہاں غلام محمد۔

کیوں مٹی۔۔ بشر نے چہرہ اوپر اٹھا کر استفسار کیا۔

(میر ہاتھ تو تم سے مل گیا ہے بشر۔ نظر ہل رہی)۔ ایسے ہی چوچھ رہی تھی بیٹے۔ روشن

نے چادر پیشانی سے بہت آگے کھینچ لی تھی۔

میاں صاحب نے اسے ٹیڑھ طے کر کے نیچے آتے دیکھا تو آنکھ کھڑے ہوئے۔

السلام علیکم بیٹی۔۔ میاں صاحب کی کوشش ہوتی تھی کہ ہوسلام میں جاہل کریں کہ یہ بہت

آسان سنت نبوی ہے۔ دوسرے اس سے انسانیت کی دشمن بیماری تکبر و نخوت و احساس

برتری کا بہت خوبصورت علاج ہو جاتا ہے۔ روشن خلیفہ کی ہو گئی۔ میاں صاحب کا کھڑے ہو

کر سلام کرنا وہ برداشت نہ کر سکی۔ ان کی قدم بڑی کو بیٹھ رہی سے آگے بڑھی۔ اس کا کلیجہ چٹنے

لگا تھا۔

بیٹی۔ یوں نہیں کرتے مگر صرف اللہ کے حضور جھکنے کے لیے ہے۔

وہ ایک دم پیچھے ہو گئے اور شفقت سے روشن کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

اللہ تمہیں۔۔۔ علم اعلیٰ سے عین اعلیٰ کے مقام تک پیچہ ڈھوپ پیچانے۔۔ اور بیٹی

محبت کا نور تمہارے قلب پر نازل فرمائے۔۔ آمین۔۔

آؤ غصہ نہ ہوں نے موڑ دھکی کی سمت اشارہ کیا۔

روشن بیٹھ گئی۔

وہ تو میاں صاحب سے ملنے کو ترس رہی تھی۔ سن سے بہت ہی باتیں کرنے کو بیٹھ رہی تھی۔

اب وہ اس کے سامنے موجود تھے۔ لیکن۔۔

وہایت علی شاہ کو موجودگی میں نظر اٹھانے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

وریت علی شاہ۔۔

جی میاں صاحب۔۔

اس کو کھٹک گئی آگ اس کے یہ کفارہ ہے۔ وریت علی شاہ

نہن رہا ہوں میاں صاحب۔۔ وہ جلدی سے گویا ہوئے۔

جب بندہ ہر معاملہ اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے تو دراصل غوث باللہ اللہ پر ہے

انتہاری کا اظہار

کرتا ہے اپنی سانس پر تھپ نہیں۔۔ اور محاطات اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔

یہ ظلم ہے۔ وریت علی شاہ۔۔ اس کا خود پر۔۔

غور سے دیکھو۔ یہ وہ عورت نہیں ہے جس کی درہائی و دلبری نے تمہاری آنکھوں پر رخصت

کی پٹ باندھ دی تھی۔

یہ یکدم عورت ہے۔ وہ شقی القلب کہیں ٹم ہو چکی ہے۔

اب اس کے سینے میں دل نہیں۔۔ آبد ہے۔۔ ہم فطرت کی طرف نہیں جھکیں گے تو

فطرت ہمیں ٹھکالے گی۔ ادھر پاؤں ہے۔

روشن۔۔۔ جی۔۔۔ ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ وہ روشن کی سمت متوجہ ہوئے۔

روشن تو گر گر پڑی تھی۔ کم خور کی، دکھ تہائی، احساس جرم۔۔۔ سے کھوکھلا کر چکے

تھے۔

الحالہ ادب و وریت علی شاہ کو آگے بڑھنا تھا۔

بشر کو نے لگا تھا۔

میاں صاحب نے بشر کو پاؤں میں لے لیا تھا۔

رو نہیں بیٹے۔ حیرت اس تکلیف میں ہے۔ جا پانی لئے بیٹے۔

وریت علی شاہ نے روش کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کر دی تھیں۔

مشین کے انداز میں وہ اپنے کام میں مشغول تھے۔

وہ ہوش میں آئی تو وریت علی شاہ اسے سہارا دے کر بڑے کمرے تک لائے۔ بشر اور

میاں صاحب بھی پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔

بشر نے۔

جی ہاں وہ معصوم سہا ہوا تھا۔

اپنی مکی کو پانی چاہا بیٹے۔۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ بشر کا اس لیے آگے بڑھنا اور روشن کے

ہونٹوں سے لگا دیا۔ میاں صاحب مبہم سا مسکرائے۔

وریت علی شاہ۔۔

جی میاں صاحب جب۔

یہ کام ایک بشری کر سکتا ہے۔ انہوں نے بہت گہری بات کہی تھی۔ بشر کا روشن کر پانی

پرانہ انہوں نے بہت لطیف شاہ کیا تھا۔

ہے۔

مجھے کیا کی تھی جو یہ کورسز کی بڑا بہن جان لے لی۔ وہ جلد جاتے تھے۔ بعض اوقات تو صرف پانچ چونت کے لیے وہ رخصت لے کر۔۔۔ اس کی خاطر۔۔۔

صرف اس کی خاطر پاکستان آتے تھے۔

وہ اسے امیرپورٹ سے فون کیا کرتے تھے۔ اچانک خوشی دینا بھی اچھا لگتا ہے۔ دیرینا بھی۔ وہ دیتے تھے زیادہ اس کا خیال کرتے تھے۔

دروازے پر تھاپ پڑتے ہی وہ مدھم مدھم روٹیوں کے بجائے گیت خود کھول کر ان کا استقبال کرتی تھی۔

کوئی تیز رنگ کا بیوی پہننے۔۔۔ باور میں پھول ٹانگے۔۔۔ اتنی عمر پر۔۔۔ اس اپنی خوش قسمتی سے خوف آئے لگتا تھا۔

وہ بھر سوتے نہیں تھے۔ نو کے موسم کی پیاس ہوتی تھی۔ سیر نہیں ہوتے تھے۔

پھر انہیں زندگی کا یہی رنگ بہت پسند آ گیا تھا۔

کئی دنوں کی جدائی۔۔۔ اور بھر میں۔۔۔ اب زندگی اور یہ وہ خوبصورت لگتی تھی۔

وہ خود کہا کرتی تھی۔

شہ صاحبہ۔۔۔ اتنے دنوں بعد پھر آپ مجھے وہی پہنے دن والے لگتے ہیں۔ آپ مجھے چھوٹے ہیں تو پھر پہنے دن کی کی طرح میں کاغذ جاتی ہوں۔ کتنی خوبصورت لگتی تھیں اس کی

ہاتھیں۔

وہ خود سوچا کرتے تھے۔ کہیں کچھ ہونہ جائے۔ اتنی آسویں اور خوشی کس انسان کو ملتی ہے۔

جب کے قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو مشقت سے پیدا کیا یعنی جیتے ہی انسان بھی آئینہ ذیل کھنکھائیں پاسکتا۔

اس کی زندگی میں کوئی نہ کوئی پریشانی۔

کوئی نہ کوئی غلام ہوتا ہے۔

کوئی نہ کوئی مال یا دکھ اس کی مٹی کی۔ گہ ہے اس کے خیر کی بغیر وہ ہے۔

یہی خوف ہمیں سستا تھا۔

یہی خوف پھر سامنے آیا تھا۔

چند روزہ خوشیوں کی کتنی بھاری قیمت وہ کب سے ادا کر رہے تھے۔

تم اتنے یہاں رہو روشن اور وہاں۔

مگر اب دل میں کہاں۔

ان کی یادیں میری بھرپور تورا کو کہن لگانے کے لیے کافی ہیں۔

مجھے اب تمہاری طلب شاید ملی ہو۔

میں صاحبہ روشن کی مرضی۔۔۔ اس کی خوشی۔

ماضی میں کسی کی محبت پائی ہو تو دل کبھی نہ کبھی وہ تراز نگاہ بھر چا بتا ہے۔

بعض اوقات ماضی کے باوقار حوالے دل کی ڈھارس بندھا دیتے ہیں۔

روشن کا دل ابھرا بھر ڈوب گیا۔

شکریہ۔۔۔ سب سے شکر یہ۔

نہ کا غلی کارہاں یاں انہم ہوتی ہیں نہ ساج کی جھکڑ بند پاں۔ اصل تعلق تو بھروسے کی پہلی

ایکٹ سے شروع ہوتا ہے۔ وہ پٹ گئی۔ بھر رک گئی۔

میں آپ لوگوں کے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔ کیا پسند کیجیے گا۔

وہ بشر کی پیشانی سے ہال سیٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

ایک جھجک تھی جو اس کی آواز اس کے لبے سے ہو رہی تھی۔

جتنے کنسرٹ وہ کر چکا تھا کہ آپے گھر۔۔۔ آئیڈیل گھر کی خیر درکھ سکے۔ اب اسے ماہر

میں تو رہنا نہیں تھا۔ گھر اس نے کر چکی تھی میں شروع کیا تھا۔ فرم ہی غیر ملکی تھی۔

اکی شاد راجاب پھر اتنی کھاتوں کے ہمراہ۔ ہر کسی کو خاص طور پر ہم عمروں کو اس کی تقدیر

پر شک آیا تھا۔

پھر سڈنی جیسے خوبصورت، خوب جیسا شہر۔۔۔

اس نے فون پر فیروزہ کو بھی مطلع کر دیا تھا اور تسلی دی تھی کہ وہ تدریجی مراحل طے کر رہا

ہے۔

اس نے ایک رات بہت غری و دروستانہ انداز میں ڈریہ کو گھر کا نقشہ دکھایا تھا۔ تنہا
آرٹھک سا گھر۔۔۔

کتنے لوگوں نے طاری سے اس کی شادی اور بھر کرنے کے گھر میں رہنے کو خاصے
ناقدرانہ انداز میں دیکھا تھا۔

گمان اس کے باپ کے درست نکلے تھے۔ انہوں نے نور جہاں سے کہا تھا۔ دیکھا یہ لڑکا
ترقی کی تپتے والے پر پہنچے گا۔

جس عمر میں یہ اتنا بڑا اعتماد ہے، اتنی عمر میں تو لوگ اپنی شناخت دھونڈتے رہتے ہیں۔

اس کے بے وقوفی مردم شناس نسبت ہیں۔ میں نے تو اس یونٹی جنہیں چاہ لیا۔ میں نے
تجربہ رسی ترقی یافتہ نظر نہیں رکھیں۔

یہ کاغذ پر تناؤ بصورت ہے تو حقیقت میں کیا ہوگا۔ وہ واقعی مسرت سے مسکرائی تھی۔

اس کی کلر اسکیم کیا ہوگی۔ وہ تھری سے گویا تکمیل چاہتی تھی۔

اسٹیل پنک اور برنسٹ ریڈ۔

وہ۔۔۔ وہ خوشی سے کانپ گئی۔ ویری ہائس۔ اس کے منہ سے یہاں سے نکل گیا۔

رات چاروں طرف ہے۔ یہ جو کارڈینور ہے اس کے تین داخلی دروازے ہیں۔ تینوں

دروازوں کے سامنے پانچ پانچ اسٹپس کے ذریعے ہیں۔ پنک کارڈینور۔ زیریں پر ریڈ

کار۔۔۔ بیکار چور ہے۔ تین جڑی کار میں کھڑی ہو سکیں گی۔ پنک کلر کار پورچ۔ سرخ کار۔

سرخ لگے۔

واہ! سنو رہی ہے۔ کیا لگ رہا ہے جو دنی منظر۔

اب اس میں تعمیراتی کاریاں ہیں۔ وہ کوئی بہر تعمیر ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس نے مسکرا کر نقشہ رول کرنا شروع کر دیا۔ وہ یہ بحر زدہ سی کھڑی تھی۔

اتنا خوبصورت گھر۔ تعمیرات کا شاہکار۔ اس میں طاری کا ساتھ۔

ہستے کیلئے۔ پھول جیسے حسین و جمیل۔ بچے۔

اس کا دل خوشی کی انتہا پر کانپ گیا۔

طاری کی جھلک میں یہ سب دکھ۔

خدا کرے مجھے اس آ جائے۔

گھنٹیں انسان کو کس قدر تو ہم پرست بنا دیتی ہیں۔ اس کی نظروں میں پھر نقشہ گھوم گیا۔

جس کے دروازے پر پہنچے ایک خاص بناوٹ کے تھے۔ وہ انہیں میں سے کسی ایک در پہنچے میں

جا کھڑی ہوئی۔ سامنے سے طاری کی سرخ کار آ رہی تھی۔

اسی دم گڑیا کدو نے کی آواز آئی۔ وہ چونک گئی۔

عابدہ بیگم گورنر کی گود میں بچپن کی پردوش کے خلاف تھیں مگر دوریہ کے استدلال کے

سامنے نہیں جھکنا پڑا۔ واقعی دو بچوں کی پردوش سماعت مرحد نہ تھا۔

دوریہ نے دیکھ گورنر نے گڑیا کو گود میں اٹھایا تھا۔ اس نے غصہ من ہو کر طاری کی سمت

دیکھا۔ وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔

لگا نہیں ملنے پر وہ مسکرا دیا۔ دوریہ کو یہ شب طاری کی شب خوش اخلاقی محسوس ہوئی مگر

ساتھ ہی اچانکے دھموں کے بحر دھول دھڑکا۔

دوریہ۔ وہ بستر پر جا بیٹھا اور ابھی ہوئے اندر میں سرکٹ سلگائی۔

جی وہ سبز کپڑوں میں مبوس بہت کھڑی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس بننے کے بعد تو اس

میں خاص چسب نظر آنے لگی تھی۔ عجیب مبہوت کر دینے والا حسن نظر آتا تھا۔

طاری نے نظر بچایا۔

ادھر آ کر۔

دوریہ نے سوچ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کی نظر میں وہ مخصوص بڑا دل تو اس تھا

جو عورت اس رشتے میں بندھ کر شوہر کے بچے سے پہچانے لگتی ہے۔ وہ آہستہ سے اس کی سمت

ہنسی۔

دعوت بھی نہیں ہے۔ محبت بھی نہیں ہے۔ پھر وہ اسے کس سے یہاں رہا ہے۔

طاری نے بیل میں لگے بٹن دبا کر ٹیبل لیسپ آت کر دیا۔

ٹیبل بند کرتی آگاہی اس کی بھاری آواز کمرے میں اُبھری۔ دوریہ کے قدم ٹھہر گئے۔ اس

نے آگے بڑھ کر ٹیبل بند کر دی کمرے میں ٹیبلوں اچار ٹیبل چکا تھا۔

دوریہ دوسری جانب بیل کے کنارے پہنکتے لگی۔

اُدھر نہیں۔ دھڑلے آؤ۔ اس نے بیڈ پر ہاتھ رکھ کر بچے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

الٹی خبر۔۔۔۔۔ (یوں تو طارقی نے کبھی بھی نہیں کیا)

وہ جلیپڑا تار کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ طارقی کے میوے سے اٹھنے والی مخصوص مہک اس کے حواس پر چھانے لگی۔ طارقی نے چہرہ موڑ کر دو تین کش ایک ساتھ لیے۔ پھر منہ سے دھوس نکال کر گویا دھوئیں میں کچھ تلاش کرنے لگا۔

پھر چند لمحوں بعد

طارقی نے قمیض اتار دی۔

دریہ نے شیشا کر اس کی سمت دیکھا۔

ایزی ہونا چاہتا ہوں۔ وہ اس کی نظروں کی، بھنک سمجھ گیا۔ فسکر اگر گویا ہوا

اور ہا فرد پھینک کر دریہ کو تھام لیا تھا۔

دریہ کے رگ و پ میں سنسنی بٹ دوڑنے لگی۔

(راج یہ کیا ہو رہا ہے) اتار دینی ہوں کہ خوشی اور خوش نصیبی کے تمام بھی اس آتے۔

ذریعہ۔۔۔

جی۔۔۔

کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

یہ کیا سوال ہے۔ تو رگ و ایک بھ۔۔۔ یہ ایک ایک گناہ یا گونہ بہت نہیں۔

اس نے دل میں اول میں حیرت ہوتے ہوئے اکتا سوال جڑ دیا۔

جو میں تمہارا اندر دھوس تو تم۔

میں نے، پناہ دار، اپنا مقام دواؤ پر لگا کر تب کو پایا ہے۔ جان دے دوں گا مگر آپ کو۔ وہ اس کے شانے سے سر لٹکا کر رو پڑی۔

آپ کو حاصل کرنے کے خیال، اور پانے نہ پانے کے، دھوس کے ہمراہ دوزخ سے گزر رہی ہوں۔ آپ کو اعتبار کیوں نہیں آتا۔ کب ختم ہوگی میری، زبانش کب کھڑا کریں گے مجھے کو بھڑی پوڈیٹ پر

اس کی سسکیں اُبھریں۔ وہ مرحلہ کیوں آئے کہ آپ میرے نہ رہیں۔ کیا ہی چھا ہو جو میں ہی نہ ہوں۔ طارقی نے شوہر تہا استحقاق استعمال کرتے ہوئے فاصلے اور کم کر دیے۔

دریہ۔۔۔ جو محبت کرتا ہے، صحیح مستوں میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینا چاہتا ہے۔ کیوں وہ پوچھ رہا تھا۔

آپ کے پاس۔۔۔ آپ سے عروہ۔۔۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہوگی۔

اس نے اشک صاف کیے۔

لیکن یہ تو تم نسیم کر دیتی تم نے میرے ساتھ زیادتی کی۔ مجھے اپنا آپ استعمال کرنے موقع نہیں دیا۔

پیسے خاندان کی زنجیریں میرے پاؤں میں تھیں پھر تم نے اپنی حسیہ کا فائدہ اٹھا کر

یکہ طوق میرے گلے میں ڈال دیا۔

میں آپ کے بغیر مرجاتی طاریق۔ میں جینا چاہتی تھی۔

لیکن یہ تو خود فری ہوئی ناس۔ اپنی زندگی بچانے کے لیے دوسری زندگی کی قربانی نہ نکلا۔

وہ بھی حرم طریقے سے۔ وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

مجھے اپنی برخط کا اعتراف ہے مگر آپ میرے جذبات کی نبی بھی تو جانچے۔ یہ بھی تو

سوچے کہ میں نے یہ سب آخر کیوں کیا۔

ہوں۔ سداہ ہوج میں ڈوب گیا۔

میں جذبات بالکل بھی جذبہ اگر کسی اور عورت کے دل میں میرے لیے پیدا ہوا تو تم کیا

اسے بھی یہ حق دے سکو گ کہ وہ اپنی زندگی بچا سکے۔

ذریعہ اس سے دور اس طرح ہوئی جیسے پھونے ڈنک مارا ہو۔

اس سے بہتر ہے کہ میں اس دنیا ہی میں تیرا ہوں۔ وہ کانپ کر پوئی۔

کیا تمہارے ملاوہ نام میں سے کسی کو زندہ رہ کر پنے آپ کو اس حال کرنے کا حق ہے۔

طاریق کا بوجہ جتنا ہو گیا۔

میں آپ کو کیا نہیں دے سکتی وہ پوچھ رہی تھی۔

یہ سب تو تمہیں ہر اس مرد سے مل سکتا تھا جو تمہیں اپنی شریک حیات بناتا۔

آپ کھن کر بات کر رہیں۔ دریا کا دل سوکھنے کی طرح کانپ رہا تھا۔

میں تو فری شادی کرنا چاہتا ہوں۔

میں قدر ہونا کہ آنشور کی ہوئی تھی اس کے وجود میں۔

اسے کہنے کا نور پرستہ نہیں آیا تھا۔ اس نے وحشت زدہ نظروں سے اس کی سمت

دیکھا۔

یہ مذاق میری طاقت سے بہت زیادہ ہے طاریق بلا آخر اس نے کہا۔

یہ مذاق نہیں ہے دریا یہ مذاق وہ تھا جو میرے ساتھ ہوا ہے۔ اس نے دائیں طرف جھک

کر ایش رے میں راکھ جھڑکی۔

اس کا بوجہ بدل چکا تھا۔ دریا کی جان سولی پر لٹک گئی تھی۔

کیا کی ہے مجھ میں کیا نہیں دے سکتی میں آپ کو۔

درجہ میں کیا کی ہے کہ میں اپنی زندگی خود استعمال نہیں کر سکتا

میں مرجاتی طاریق۔ اس کے لہجے کی سفاکی پر زور دیتا رہا وہی۔

میں ہوا میں ہوا ہوں۔ وہ بیٹ گیا۔

خاموشی کمرے میں دریا کی سسکیاں اُٹھنے لگیں۔

میں محبت کی شادی نہیں کر رہا ہوں دریا۔ یہ لکیر تو میرے ہاتھ میں ہے ہی نہیں۔ وہ جھکے

جھکے آغاز میں کہہ رہا تھا۔

یہ بھی جمود کی شادی ہوگی۔ مگر مجھے اس کی داپہندہ گئی ہے عشق کی آگ میں وہ خود

نطس رہی ہے۔ منہ رہی ہے مگر وہ مجھے مٹانا نہیں چاہتی تھی۔

بٹنے والے لوگ دل میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ انکشاف بھی مجھ پر ہو ہے۔

وہ میرا خیال کر رہی تھی۔ مجھے اس کا یوں خیال رکھنا پڑا۔

دُریہ۔۔

ہوں۔۔۔ وہ بادل خواستہ یوں۔

دُریہ! ہر کوئی عورت سر پر چادر پہنا چاہتی ہو تو یہ اس کا حق ہے۔ مگر ہمارا

معشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اس کے بنائے ہوئے قوانین میں ترمیم کر دیں۔

بہت مذہبی قوانین پس پشت ڈال دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ وہ تنگی سے بھر۔

مردھو، نہیں موقع من پرندہ ب کو ڈھال بنالیتے ہیں۔ دُریہ طنز یہ یوں۔

میں صرف اللہ کو جب وہ وہیں۔ مجھے ڈھال ڈھونڈنے کی قطعی ضرورت نہیں۔ میری

نری خوشامد یا مکرور نہ بھی جائے۔ میں تو بطور انسانیت تمہارے احساسات کا پاس کر رہا ہوں۔

خاک پاس کر رہے ہیں۔ لگا رہا ہے پھر بھی احساسات کے پاس کا

دوئی۔۔ ہونہ۔

وہ اس سے مزید دور ہٹ گئی۔

یا تو وہ مرجائے گی یا کالے راستوں پر پٹ چائے گی۔ میں تو اسے صرف نام دے رہا

ہوں۔ سائے کو وہ میرے نام پر خاموشی سے ٹھک رہی ہے۔

تم نے جو حیثیت چھین کر حاصل کی ہے اس پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تمہیں میری ماں کی ہے اپنے ہاتھوں۔۔

یہ محبت کی شادی تمہیں ہوگی۔ مجھے اس سے صرف ہمدردی ہے۔ بعض احساسات ایسے

ہوتے ہیں کہ ان کی ترجمانی کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ بہر حال۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہے

مگر وہ میرے نام پر رہا وہ رہی ہے۔ لوگوں نے اس کا عزت سے رہنا حرام کر دیا ہے۔

دُریہ کے بے تڑپ بھڑکی سے محرومی۔ اتنا آسان نہیں یوں بھینا۔

ماں کی نگاہ میں تمہاری گرم نوذری کے سبب گر کر مجھے نوازدہ ہو تھا کہ جب نہ صرف

عزت و وقار کے لیے۔ حساس ترین ہودور امی سے محروم رہے تو اس کے دنا کیسے بسر ہوتے

ہیں۔

اس کی ہاتھیں کیوں کھٹکتی ہیں۔

یہ تنگی مجھے تمہاری مہربانی کے سبب ملی۔

اب کوئی بھی عزت کا پیرا مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔

وہ عزت بھی ناک واد نہیں۔ بلکہ بیادلی۔

میں اس مسئلے میں اب تمہا حساس ہوں کہ۔۔۔ دو چپ ہو گیا۔ شاید یہ تنگی مجھے حقیقی

سکون بخش دے۔ وہ پھر گویا ہوا۔

شادی۔ اور نکی بہت غروت فل عمل ہے۔ دریا ستہر ایسا انداز میں بولی۔

میں تمہیں یہ یقین دے رہا ہوں تو ہن کھوں گا کہ میں عیاش نہیں ہوں۔ اس لیے کہ میں اپنے خدا اپنے ضمیر کو جواب دہ ہوں۔ صرف۔

کہن ہے وہ ڈسٹن۔ بلکہ دکا رہ۔ وریہ پھر مسک پڑی۔

تم مل چکی ہو اس سے۔

دریہ سینڈ کے ہر رویں جسے میں اصل تک پہنچ گئی۔

فیروزہ۔ اس نے چونک کر طارق کا چہرہ دیکھا۔

مجھے رسوا ست کیجیے طارق۔ وہ صرف اپنی نگاہوں سے مجھے چھٹی کدے گی۔

وہ ایسی نہیں ہے دریہ۔ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

میں۔۔۔ پاپا۔۔۔ آپ کو کبھی یہ قدم اٹھانے نہیں دیں گے۔ گویا دریہ نے میکے کی دھونس

دی تھی۔ بلکہ طارق کوڑ رہا تھا۔

میرا نکاح تمہارے ساتھ ہوا ہے پورے سسرال کے ساتھ نہیں۔ اس نے پھر جواب

کہہ دیا۔

اور چھو پھو۔۔۔ وہ تو ساری عمر آپ سے بات بھی نہیں کریں گی۔

دریہ نے ذہر دست نماز میں قرب کا پتہ پھینکا۔

یہ تو قسمت کی بات ہے کہ تم فاذل نہیں کر بھی آ سائیں پر چڑھی بیٹھی ہو اور میں چائے

کے ساتھ سرنگوں۔ طارق کے بچے میں ایک گریب سمٹا ہوا۔

یہ جو میرا دل ہے کھل کر ہی نہیں دیا۔ اب تو مجھے صرف زندگی کا ایسا مصروف ہے جو

صدق چار یہ بن جائے۔ طارق نے بچہ ہونٹ دسٹن تلے دھا کر گویا ہانڈا دکھ بننے سے روکا تھا۔

دریہ اپنے رونے دھونے میں اس کے حساسات نوٹ نہ کر سکی۔ پھر غصے سے برس پڑی۔

ہونہ۔۔۔ ایک سڑی میں اور ایک پاکستان میں تاکہ ہاریٹ نہ ہو۔

تم میری مضبوطی آزمائیں۔ تمہارے طے تمہارے ہی خالی پن کا ظہار ہیں۔

دریہ جذبات کے تکرار سے گزرا۔ وہ میں تمہیں ساری حقیقتیں بتانا چاہتا ہوں۔ یہ تم

جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے تمہیں اندھیرے میں رکھ کر کسی سے غلط نہیں کیا۔

محبت کی پینکٹیں بس بڑھاؤں۔ اگر میں ایسا کرنا چاہتا تو کون روک سکتا تھا مجھے

میں نے تو جسے قول دیا ہے اس پر استحقاق کی ایک نگاہ بھی نہیں دی۔ حقیقت کیا ہے تم

نہن سو تو بہتر ہے اس لیے کہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ بلکہ اب تو تمہاری سزا سن رہی ہے۔ اگر واقعی تمہیں

مجھ سے محبت ہے تو کڑی دھوپ میں میرا ہاتھ

تھا موگی۔ سچ ہم سفر کا کردار ہو کر ہوگی۔ تمہیں میرے چانس لینا چاہئیں۔ اور ہر آؤ۔

نہن رہی ہوں۔ وہ دھڑلے دھڑلے انداز میں بولی۔

دھڑاؤ۔ میں کہہ رہا ہوں اساتذہ نہیں۔ دریہ اس کے قریب آ گئی۔

طارق نے جلی پار پوری آ، وہی کے ساتھ اس کی پیٹنی پر بکھرے ہاتھ کی مہینا اور

انگلیوں کی پوروں سے اس کے رخسار صاف کیے۔

وہ پھر کسی مرعزا میں نہ رہے۔ پھر ایک دم چونک گئی اور بول پھر بھرتیا۔ (کیسے پارسی ہوں تمہیں)

حارث نے آہستہ آہستہ فیروزہ سے بڑی پھلی ملاقات سے لے کر، بسک کی ایک ایک بات اسے بتانا شروع کی۔ وہ دم بخود رہی تھی۔ حارث کا لہجہ سچے سچے یوں کا غماز تھا۔ فیروزہ کے دکھوں سے بہتے ہوئے دیکھ لگا تھا۔ گزرے دنوں کی ایک ایک تصویر یہ دیکھے حارث کے حاضری میں ابھر آئی۔

ایک روز تین بچے اس کا واپس آنا۔ پھر، لگ تھلک کان ڈٹری لے کر بیٹھنے، پھر تقریب میں فیروزہ سے دوسرے دوسرے، ٹیڈز میں گفتگو کرنا۔

ایک ایک منظر اس کے سامنے مٹھ کر تھا۔

حلقہ کے خوبصورت سب متحرک تھے۔ چہرہ منجیدہ۔ وہ اس کے بازوؤں میں تھی۔ اور
لقدیر کا تمنا ملا حظہ کر رہی تھی۔

آپ مجھے ذہر کے ٹکڑے کہیے مگر یوں مجھے جیتے تھی نہ ماریے۔ وہ اس کے سینے سے چھوڑ دینا
 کر بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تم تمہارے ہمارے دعوے جھوٹے ہیں ذریعہ تم نے میری محبت میں یہ سب نہیں کیا بلکہ اپنی انا کی تسکین کے لیے مجھے آواز کا بیٹا ہے۔ پھر میں بھی کہنے پر مجبور ہو جاؤں گا ورنہ یاد

آسمانی سے انعام کا مرکز سکون کا۔

تھیں وہی محبت کے احساس نے تو مجھے اس وجہ چھٹا ہوا کربات کرنے پر تیار کیا تھا۔
 دیگر نہ فیصلہ تو میری سے بھی ہو سکتا ہے۔

فرق کیا پڑتا ہے۔ میٹھی چھری سے قوت کیا جائے یا کڑوی۔ وہ دکھ سے طاریق کے
 سینے پر اپنا خردی ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوئی۔ "نور خساروت پر بھر بہا نکلے تھے۔
 طاریق نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

تم ہزار عام سہی مگر مجھے تم پر گزرنے والی قیمت کا احساس ہے۔ مگر میں مجبور ہوں۔ میں اپنا آپ استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ کسی کی عزت، فخر کی کر کے، پنہ پیٹنے اور خوش رہنے کا بہانہ چاہتا ہوں۔ خدا جانے محبت کیا ہوتی ہے۔ کس قدر بد بخت ہے وہ انسان جس کے پیچھے لوگ محبتیں لگاتے کہ سر پرستہ ہو رہے ہوں۔

کسی خود پسند کے لیے تو یہ امر باعث فخر ہو سکتا ہے۔ مگر میرے لیے یہ سزا ہے۔ زندگی سزا ہو گئی ہے۔

اپنی شناخت ڈھونڈتے ڈھونڈتے پیٹھناخت ہو کر رہ گیا ہوں۔ جو کرو میں تھا اس سے بھی
محیا۔

مجھ سے آیا بروئی کے دکھ برداشت نہیں ہوتے ڈریہ تمہیں میرا ماتھو دینا ہوگا۔
گر آپ مٹی مجھ پر کر رہے تو کیا تب بھی آپ فیروزہ سے شادی کا وعدہ کر لیتے۔

ذریعہ نے بہت زبردست سوال کیا تھا۔

شاید پھر، حول دوسرا ہوتا۔ اور جو آگئی اور شعور مجھے ناپسندیدہ اور غیر موافق حالت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ حاصل نہ ہوتا۔ تو خیال ہے اور مقاصد مختلف ہوتے۔
میں نے ہر چند سچ کے ساتھ جو دیا۔

حالات کی خدمت نے ذریعہ کو آگئی بہت گہرا اور پارٹیکل بنایا تھا۔ وہ طرزی کا مطلب سمجھ گئی۔ پچ ہو کر رہ گئی۔ گر میں اجازت نامے پر دستخط نہ کروں تو۔

تو بہت سے راستے ہیں۔ ہو سکتا ہے تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جاؤ۔ کیونکہ پھر قول کا سوال آ جانے گا۔

دوسرے۔ وہ رکا۔

تم تو عزت و ادب ایک نام، اہل مرتبہ باپ کی بیٹی ہو۔ مگر وہ بالکل خالی ہے۔ ہر سست ہے۔

تو اس میں میرا کیا تصور۔ وہ جھگڑ گئی۔

تو تادمیر کیا تصور تھا۔ رقی نے تیری سے سوال کیا۔

ذریعہ کو پھر گھٹنوں کے بل گر پڑی۔

کیا یہ آپ کی دشمنی ہے۔ دور سے اس کا دل پھنسا جا رہا تھا۔

نہیں۔ مجبوری۔

وہ سترہ ہو کر رو پڑی۔

طارق۔

ہاں، اگر قی ہوں تو آپ میرے نہیں رہتے۔ نا کرتی ہوں تو آپ میرے نہیں رہتے۔
ایک محبت کی، اتنی طویل سر۔ وہ ڈر و قطرہ دروہی تھی۔ تازہ دیا ہے آپ نے کہ سب تو ہر وقت نکلیں جلتی رہتی ہیں۔

اس کے لیے میں اتنی سچائی اور بھائی تھی کہ طارق کے سب جیسے مل گئے ورنہ وہ کہنا چاہتا تھا۔ کہ تم اپنی حالتوں کے نتیجے میں روتی رہی ہو۔ میرے سرائی نام نہ لگاؤ۔

اس نے خاموشی سے اس کے رخسار صاف کیے۔ صرف ذریعہ کی سسکیاں کمرے کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں ورنہ ایک سکوت سا چھا چکا تھا۔

اس نے خاموشی سے اس کے رخسار صاف کیے۔ صرف ذریعہ کی سسکیاں کمرے کی فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں ورنہ ایک سکوت سا چھا چکا تھا۔

تم میری داماد رہی ہو۔ میں تمہیں کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تم یقین کرو جب میں ایک کے لیے دنیا سے نکل سکتا ہوں تو تمہاری حق تلفی کیسے کر سکتا ہوں۔ اسے، اگر ایک رات تو تمہیں دو۔ وہ کبھی تمہارا حق نہیں لائے گی۔

اپنے دن رات آپ کے لیے مجھے تو صرف آپ کا دل چاہیے۔ میں کیوں کر جیتوں آپ کو۔ وہ کبھی کیوں لیتے ہوئے ہو۔

دور یہ وہ مقام جو شاید تم قیامت تک میری نظر میں نہیں جاسکتی تھیں قدرت نے تمہیں موقع دیا ہے۔ کہہ۔ کہ مجھ پر احسان کر کے خریدو۔ وہ کہہ رہا تھا۔
دور یہ بنگا بنگا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

یہ طاری ہے کیا واقعی یہ سچ کہہ رہا ہے۔ میری جان کے غرض یہ میرا مال ہو جائے گا میرے قدموں کی استقامت بن گئیں تو میں تمہارا مقروض ہو جاؤں گا۔ تمہاری محبت کی انتہی نے تو مجھے اس قابل کیا ہے کہ میں تمہیں رازدار کر رہا ہوں۔
وگرتہ میں تو یہ وطن ہی چھوڑ رہا ہوں۔ تم سے فائدہ کھینے کو کیا میرے سامنے راستے نہیں تھے۔

وہ میری محبت نہیں ہے۔ میری اناہ میرے غرور میری مردانگی کا مسئلہ ہے۔ میں تمہیں کیوں کر سمجھاؤں۔
میں آپ کی محبت نہیں ہوں۔ وہ آپ کی محبت نہیں ہے۔ پھر کیوں خود کو کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں۔

میں تمہارا فیصلہ سنا چاہتا ہوں۔ دور یہ روٹی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد گویا ہوئی۔
آپ اسے کہیں رکھیں مگر بھی بھول کر بھی اسے میرے سامنے نہ لائے گا۔ وگرتہ ٹراویٹر دیے گا۔ یا تو وہ باقی رہے گی یا پھر میں۔ وہ رو رو کر پیا گل ہو رہی تھی۔ اور وہ جو گھر بن رہا ہے وہاں بھی وہ بھول کر بھی پاؤں نہیں رکھنے لگی۔ سن رہے ہیں

طاری نے تھک کر اس کے چہرے پر پھول کھلے۔ پھر سرگوشی کے انداز میں گویا ہوں۔
مجھ پر اعتبار کرو۔ آج سے تمہارے مجھ پر بددق رہے ہیں۔ ایک محبت کا ایک قربانی کا۔
درحقیقت ذریعہ طاری کی آزمائشی کوئی پرکھری اتری تھی۔ اس سے اس کے دل کا آج واقعی محسوس ہوئے تھے۔

وہ تو اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ وہ تو اس سے نفرت کرتے رہنا چاہتا تھا۔
مگر ماحول اس قدر بدل چکا تھا کہ وہ اصل حقیقت کھل کر اس کے شک پر پھٹنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

ایک ہفتے کے اندر اندر اسے سنبھل رہا تھا۔
کراچی میں ایک دن کا قیام کرنا تھا۔ بہت سے لوگوں سے اودھنی ملاقات کرنی تھی۔ دو تین جینتوں کی ریپکارڈنگ بھی کرنا تھی اور سب سے ضروری کام فیروزہ سے قلعہ ہاندھنا تھا۔
فرقان تو اس کا دل کی ہمرات تھا۔

مگر چرس نے دور یہ کے لیے بہت زیادہ امدادی کا ظہار کیا تھا مگر وہ طاری کو قائل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جب گوہ جانتا تھا کہ وہ قطعی انداز کا لنگ ہے۔
آج صبح جب وہ پچاس کو پیادہ کر کے گھر سے روانہ ہو رہا تھا تو دور یہ نے اس کا ایک ایک انداز نوٹ کیا تھا مگر خاموش رہی تھی۔ طاری تے متے دنوں کی رفاقت میں بھی اسے خدا کا نظر نہیں کہتا تھا۔ مگر آج وہ اسے شلوں سے تھا مگر خدا کا خط کہہ کر گھر سے باہر نکلا تھا۔

دوبلے کاٹی چاہا کہ زنجیر ہن کے اسکے پیروں سے پھٹ جائے۔ اسے روک لے اس کے
بڑھتے قدم اس کی تقسیم کے مرہے تھے۔

آج شاید وہی میں دیر ہو جائے گی۔ گھبراہٹ میں۔ اس نے اس سے نظریں نہ کر کہا
تھا۔ میں جب تک اسے معشرے میں سرخ رو نہیں کروں گا اس پر پناہ حق متعال نہیں کروں
گا۔ مبادا ہو یہ سچ لے لوگ اسے پیر سے روکے کر حاصل کر گئے ہیں اور میں نے کاج کے کاغذ
اسمعال کیے ہیں۔

ابھی شاید خاصا عرصہ ہے۔ اس کے حصے کی شب اسے دینے میں۔ تم اپنا ذہن نہ سکون
رکھنا۔ اس نے دوبارہ کی طرف سے پشت موڑ کر کہا تھا۔ مگر کمرے کی دال کب تک خیر متائے گی۔
بڑا اہم ہو چکا۔ وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

طارق سہ پہر کی کچھ چوٹی پہنچ گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے تین چار دوست بھی فرقان
کے مرہ آگئے تھے۔

وہ آفس کی گاڑی میں آیا تھا۔
پانچ بجے کے قریب اس نے فیروزہ کو لینے کے لیے گاڑی بھیج دی تھی۔

بہت ہی عجیب سے احساسات جو رہے تھے۔ ایک خوبصورت سادہ و سہوار زندگی
گزارتے ہوئے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی یوں بھی ہوگی۔

دوبارہ کی خود غرضی نے اسے پناہ منوانے کا ذہن بخش تھا۔

دوستوں نے طارق سے پتھر چھاز کا مسئلہ شروع کر رکھا تھا۔ چائے اور دیگر لذت
سے بھی انصاف جاری تھا۔ قاضی کی آمد پر کمرے کی فضا میں منجید کی پھیل کی تھی۔ پر جھٹکی اور
جیسا جھٹکی نے زنجیر پہن دی تھی۔

خاصے انتظار کے بعد فیروزہ نے کمرے میں قدم رکھا تھا یا لک انجان نوگوں کو سامنے
دیکھ کر تھوڑا سا گھبرائی تھی۔ طارق سیاہ شلواری میں ملبوس اپنی تمام تر دلکشی و وجاہت کے
ہمراہ اس کے سامنے تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ طارق سے ملی تھی۔ جواب میں طارق نے
دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے نظریں اٹھکان تھیں۔

السلام علیکم۔ اس نے بہت ہی سستہ آواز میں سلام کیا تھا۔
سرخ ساڑھی پہنے ہوئے تھی اور ایک بڑی سی گریم کلر کی چادر میں اس کا وجود چھپا ہوا
تھا۔

طارق نے پہلی مرتبہ اسے دوسری نظر سے دیکھا تھا۔ چادر کا ہلکا سا گھونگھٹ اگرچہ اس
نے کیا ہوا تھا مگر جتنا چہرہ نظر رہا تھا وہ نگاہ کو ساکت کر دینے کو بہت تھا۔

یہ بھی سب آپ اوجھڑا جائیں۔ فرقان نے طارق کے پیلو سے اٹھ کر اسے پیٹنے کے
لیے کہا تھا۔

یہ بھی۔ فیروزہ۔۔ جیسے کہکشاں پر چل نکل تھی۔ واقعی۔ کسی نے اسے احترام سے

یہ بھی کہا ہے۔ یہ وہ خواب میں ہے اس نے ہول کر خود سے پوچھا تھا۔

یہ بھی، اوہ میرے خدا اس نے فرقان کی سمت دیکھا۔ سے وہ سارے اس لوں سے
خوبصورت دکھائی دیا۔ اس کا حرم سے پرندہ جیسے اس نے فیروزہ کو خرید لیا۔

اس کا مکی چاہر فرقان کے پاؤں نہو لے۔ لہذا ہمیں عزت کی محروم دے۔ اس کے دل
سے دعا نکل گئی تھی۔

یہ سب تمہارے سبب ہے۔ وگرنہ یہی تو وہ انسان ہیں جو مجھے دیکھ کر دم سلا چا کرتے
ہیں۔

اس کے خیال کی روٹھی۔ وہ آہستگی سے اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

ٹھیک ہو۔ طارق نے خیریت دریافت کی۔

آپ نے ٹھیک کر دیا ہے۔ وہ حتیٰ بہتنگی سے گویا ہوئی کہ مشکل طارق ہی سن سکا۔

مہر کے بارے میں آپ لوگوں نے کیا سوچا فاروقی صاحب

قاضی صاحب نے پیشرو انداز میں فارم کی خاموشی کرنے کے دوران پوچھا۔

جتنا لکھو ناچ بتی ہو لکھو دو۔ چھوڑنا تو ہے نہیں جو بیٹے کا درہو۔ وہ مسکرایا۔

مرد فی عورت کے پہلو میں بیٹھا ہے تو خود بھی بیا ہو جاتا ہے۔ جتنی عورتیں اس کی زندگی

میں آجائیں، وہ اتنے ہی روپ میں آسکتا ہے۔ بڑی لکڑی رٹی سے بتایا ہے قدرت نے مرد

کو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات تو وہ یہی بولی کی کی مٹی تو لکھنے کا تھکا دیتی نہیں کرتا۔

مہر شرعی ہو گا۔ فیروزہ نے بولی آہستگی سے جیسے طارق کے کان میں کہا تھا۔

سوچو۔ طارق نے زور دیا۔

پیر تو بہت ہے۔ اس۔ وہ معنی خیز انداز میں بات دھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

ٹھیک ہے۔ ہم اللہ کیجیے۔

تم دوہا ہو پت پت رہو۔ یہ ہمد میرے حصے کا تھا۔ فرقان نے ٹوکا۔

کمرے کی فصاحت میں کئی قہقہے بلند ہوئے۔

لکڑی کے بعد کھانے پینے کا سلسلہ ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ تمام دوست رخصت ہو گئے۔

سوئے فرقان کے۔ جب وہ آنکھ کھڑا ہوا تو طارق نے اسے مخاطب کیا۔

ظہیر آیا رہا تھوڑی دیر میں گے۔

فرقان وہ فیروزہ نے اسے تعجب سے دیکھا۔

تم بیچرے ستورین میں بیٹھو آتا ہوں ابھی۔ بلینز۔

وہ نیچے چلا گیا۔

فیروزہ نے چادر اتار کر صوفے پر ڈال دی اور تھکے تھکے انداز میں صوفے کی پٹخت سے

مرہٹا کرتے کھینچیں سوئے لیں۔ طارق نے اس کے حسین چہرے پر لگا ہیں جی دیں۔ مرد کو کسی حسین

عورت پر تھی دل جائے۔ اور وہ اسے استعمال نہ کرے بہت ہی غیر فطری سی بات ہے۔ اس

کے دل میں بھرا ایک ہر انگ تھی، مگر اس نے خود پر قابو پا کر کہا تھا۔

”نمید ہے کہ میں سرفرو ہوں۔ مگر ہم دہلی یا راکشے شب اسی وقت گزاریں گے جب میں مرحلہ وار معاشرے میں نہیں پانا خاندانی نام و مقام دے دوں گا۔“

یہ مرحلہ جادو کی چمڑی کے ذریعے طے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ حقیقت بہت کھٹن، دھنک، ہوا کرتی ہے۔

نکاح کرنے میں اس لیے جلدی کی ہے کہ میں باہر جا رہا ہوں۔ تمہارے اطمینان اور تحفظ کے لیے غیر میں تمہیں وہاں بلاؤں گا۔ فکر نہ کرنا۔

اس لیے کہ در یہ تمہا نہیں ہے مگر تم تہ ہو۔
ایک اور بات فیروزہ۔

فیروزہ نے آنکھیں کھول کر اسی زاویے میں بیٹھے بیٹھے سوچ لیا انداز میں دیکھا۔
میری غیر موجودگی کے دوران اس بات کی، حقیقت رکھنا کہ تمہارے دور یہ سے سنا مناد ہو۔

مکن ہے وہ کچھ کر بیٹھے۔

تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات۔

جی۔۔۔ بہت اچھی طرح۔ وہ اسی طرح نیم دراز تھی۔

طارق۔۔۔

ہوں۔۔۔

جانے سے پہلے مجھے کچھ وقت نہیں دیں گے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو گیا ہے۔ لگتا ہے آکھ کھوں کی تو یہ خوب یہ عزم ڈٹ جائے گا۔

طارق اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گیا تھا۔

ہولے سے اس کا شانہ چھپایا۔ قلم دینے والے انداز میں مسکرایا۔

بھر جیسے ایک دم کچھ یاد آ گیا۔ قمیص کی بگلی جیب سے ایک چمکتی ہوئی ٹھوٹھی نکالی اور

فیروزہ کا موی ہاتھ تھا مہلیا۔ فیروزہ کا ہاتھ ہولے ہولے رز رہا تھا۔ طارق نے ہست سے اس کا ہاتھ دھوا دیا۔

ایسے نہیں آں م سے فیروزہ۔ یہ سب حقیقت ہے اسے فیس کرو۔ ماری دنیا کی عورتوں کی طرح تم بھی ہر طرح کا حق محفوظ رکھتی ہو۔ تمہیں کچھ کی نہیں ہے۔ جو گناہ آدھ لکات سے

ماحول سے چیز اور رہتا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ قرار رہتا ہے۔ وہ بڑا اصول قس جوتا ہے۔
بہت ہلکا۔

اس نے فیروزہ کے انگلی میں ٹھوٹھی چبنا دی۔

قبول کرو۔

فیروزہ تھری سے اٹھی اور طارق کے گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

میں آپ کے پاؤں کی جوتی سے زیادہ حقیر ہوں۔ کہاں پہنچا ہوا ہے آپ نے مجھے۔

وسا۔۔۔ ہوں۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے۔ بہت غلط بات ہے۔ ایسے نہیں کرتے۔ طارق نے

سے شہنشاہوں سے کچڑ کراٹھاتے ہوئے کہا۔

تمام انسان ایک سے حقوق و فرائض رکھتے ہیں۔ سادہ دل، غاصب لوگ، گرجا، قتل کے بل پر معاشرے میں رہنے قوانین رائج کر لیں تو دوسری بات ہے۔ فطرت کے قوانین سب کے لیے ہیں۔ سادہ دل سے ہیں۔

میں بہت معمولی سا انسان ہوں۔ مجھے اس طرح ذرا بڑا کر دیا۔

اس نے اسے صوفی پر بٹھا دیا۔ سامنے ٹیبل پر ٹشو کا پیک موجود تھا۔ طارق نے ایک ٹشو پھیر لے کر اس کے رخسار صاف کیے۔

فیروزہ جیسے ہوش میں پرواز کرنے لگی تھی۔

اچھا۔۔۔ میں چلوں۔۔۔ پھر اطمینان سے ملاقات ہوگی۔ فیروزہ اسی طرح سر اٹھکا کر سسکیں بھرتی۔۔۔ نور سوس کر رہی۔

اگر تم نے مجھے میری شادی پر مبارکباد تو دی نہیں۔ اس نے شہزاد سے مسکرا کر اسے دیکھا۔ فیروزہ نے تہنیتی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہ میں جانے کیا تھا۔ اس نے فوراً پلوں کی جھلک لگا رکھی تھی۔

عورت کو کیا بھی ٹوٹ کر صرف اسی عروے ساقی ہے جس کے قریب کے بے وہ دیوانی ہو کر رہتی ہے۔

آج فیروزہ پر یہ کشاف بھی ہو گیا تھا۔

اسے پتا چلا تھا کہ چاہنے اور چاہے جانے والے مرد کی نظروں سے نظر ملنا بھی بعض لحاظ میں مسخرہ کر دیتا ہے۔

اللہ حافظ تم کو آج سنیں ہو۔۔۔

ہوں۔۔۔ ساری ہوئی ہیں۔ میں نے دن سے سواٹ کا بہانہ کیا ہے۔ اسی لیے صبح کو آپ کو فون کر دیا تھا۔ ریزرویشن کے لیے۔

چھا خدا خدا۔

وہ پیاسی نظروں سے دروازے میں کھڑی طارق کو پشت دیکھ رہی تھی۔

گلے روز جب وہ گھر پہنچی تو یہ جان کر حیرت کی تہ نہ رہی کہ ستارہ اس کو فیصلہ سنا چکی ہے۔ اپنی شادی کا، رات کا کوئی شیخ سے ملکہ بنا کر لے جا رہا تھا۔ شدید تکلیف سے ہائے ہائے کرتی بڑھیا نے حسب سابق آسمان سر پر نہیں اٹھایا بلکہ بڑے سکون سے ستارہ کا فیصلہ سنا۔

ستارہ شوٹنگ کے سلسلے میں میا لگی ہوئی تھی۔ آج صبح ہی پہنچی تھی۔ فوراً شاہدوں سے فیروزہ سے پوچھا تھا کہ بات کہہ سکتی ہیں فیروزہ نے بیساخت سے گلے لگا لیا تھا۔

میں فیروزہ طارق احمد سے ملو۔ وہ سرگوشی میں گیا ہوئی تھی۔

رہے نہیں۔ ستارہ نے حیرانی اور خوشی سے فیروزہ کو شاہدوں سے تمام کر بخور دیکھا۔
ج۔۔۔ وہ مسکرا دی۔

واقعی بہت بہت مبارکت ہو۔

میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے۔ ورنہ میں تو شاید آج کسی سنی ٹوریم میں کھنس کھانس کر نہیں یاد کرو رہی ہوتی۔

نہیں۔ ہوں۔۔۔ ستارہ نے شہزاد سے آنکھیں میچ لیں۔

چلا چھا اتفاق ہے۔ میں اپنے گھر۔ تم اپنے گھر۔ وہ چھوٹے انداز میں کھلکھلادی تھی۔

آیا تو کروڑی منے۔ فیروزہ نے اس کی بات سمجھ لی تھی۔

ارے اس کا ہا پلین ہے۔ پسے ہی پیا کروں گی جیسے ہرنی یا ملتان روڑا جاتی ہوں۔ بچی

خوشیوں کا نگل اس کے چہرے پر چھلکا رہا ہے۔

تم بھی موقع پا کر ماں کو بتا دو اب تو سب کچھ ہو ہی گیا ہے۔

ویسے روزیہ حیرانی کی بات نہیں کہ ماں چپ رہیں۔ کچھ بھی نہیں بولیں۔ شاید بیماری

نے کچھ چھڑا دیا ہو۔ وہ جیسے خود ہی نتیجے پر پہنچ کر بولی۔

لیکن ہو سکتا ہے میں بھی یہاں نہ رہوں۔ وہ پرسوں سفر ہی جا رہے ہیں۔ مجھے بھی واپس جانا

پس گئے۔ کہہ رہے تھے۔ فیروزہ اپنے ہی دنیا لوں میں تھی ابھی تک۔

وہ قول کا چکا اور سچا آدمی ہے۔ ضرور جانے گا۔ بڑی لگی ہو۔ کہاں وہ ہر فانی شہر۔ کہاں

مارا۔ دوسرے جب تک آباد۔

تم تو موسموں کو دھوکا دینے والی ساری ساری بات کہو گی۔ تمہارا محل میں سفر ہی بنا

دے گا۔ ایک شمارے پر تمہارا شیخ نعمان العیاض۔ وہ منس کر بولی۔ ستارہ بھی جیسے گنگنا کر مسکرائی تھی۔

ارے۔۔۔ یہ بھی سوچا کہ بچوں کا کیا ہوگا۔ فیروزہ نے اچانک یاد آیا۔

میرا حصہ بھی تمہیں پرورش کر لینا۔ سہیہ بھی لے لینا اور پھل بھی۔ ستارہ تو بالکل پر وہ

اور اپنی ہونرالی تھی۔

مگر یہ راستے ترک کر دینے کے بعد وہ سارے لیے کیا حلیہ رکھیں گے۔ اب تو ہمیں

اپنی اور وہ وہ رک گئی۔

نشانی۔ ستارہ ہر خوشی کی کیفیت میں اسے چھیڑنے لگی۔

مگر۔۔۔ ہمیں ان بچوں کے بارے میں سوچنا ہوگا۔ کہ۔

کہاں ٹھکانے لگائیں۔ ستارہ نے بات کاٹ کر ٹکڑا لگا دیا۔

اللہ نہ کرے۔ فیروزہ نے گھبرا کر روکا۔ ٹھکانے لگائیں ان کے دشمن۔ مین تو ان بچوں سے

اپنی محبت کرنے لگی ہوں کہ شاید خود سے بھی زیادہ۔

یہ تو ماں نے پھنسا دیا۔ خواہ مخواہ ستارہ نے مہ بنایا۔

ہم انہیں کتنا ہی سر پر رکھ کرنا چاہیں۔ پروہ ہمارے کپ ہوئے۔

اسی وقت بلا حیا لے آواز دی۔

ستارہ۔

دلور بہت خبری کہ علم میں جب کمرے میں آئیں تو بڑھیا رو رہی تھی۔

کیا ہوا ماں۔ فیروزہ بیقرار ہو کر آگے بڑھی۔

بڑھیا دیر تک سسکتی رہی۔

بولتی کیسا تپیں ماں

میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ وہ کرب سے گویا ہوئی۔

دلور یہی گئی تھیں کہ بڑھیا کو ت کے محلات کی بھنگ پڑی ہے اور وہ ظہار ناراضگی

کے طور پر ان سے واقفیت کا اعلان کر رہی ہے۔

کیا ہوا ماں۔ ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔ فیروزہ نے اہمیت کو کے پوچھا۔

بہنی مجھے صاف کر دو۔ خود ہی سوچو مجھ جیسی بد شکل عورت تم جیسی پری چیرہ چھو کی ماں

ہو سکتی ہے۔

کوہ سے لڑتی بدشگونی یہاں۔ ہو رہی ہوں صرف یہی بتا لے۔ بیٹی جب تک انسان کو

زعمہ رہنے کی امید رہتی ہے گناہ کے سہلے ہیں روکتا۔

مگر جب موت سر پر کھڑی ہو تو پوری عمر قلم کی طرح نظر کے سامنے چھڑے لگتی ہے۔

میں اسی بازار میں پیدا ہوئی۔ مگر میں اس قابل نہیں تھی کہ تو کو آجائے کرتی۔ اس بازار میں

پیدا ہونے والی لڑکی اگر بد صورت ہو تو کوڑھی سے زیادہ بد نصیب ہوتی ہے۔

مجھے اس بازار میں رزق کرنے والیوں کی جو تیاں سیدھی کرتی تھیں۔ ت کے پاس میں

پھول ملتی پرونا تھے۔

شکور کا من لگنے پر مجھ پر جیسے زندگی ٹک ہو گئی تھی۔ اپنی ہم عمروں کے ٹکٹا ہٹ۔ بخش

وہ مارا ہو کچھ کر توں کو گھسی تھی دن کو تر پتی تھی۔ میں اپنی بد نصیبی کو قبول نہیں کر پا رہی تھی۔

یہی گئی مجھے یہاں تک لے آئی۔

تیری ماں کا تعلق فیروزہ۔ بڑھیا رک گئی۔

فیروزہ جو دم سادھے بڑھیا کا ایک ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔ اس کا دل اچھل کر خلیق

میں آ گیا۔

تیری ماں کا تعلق گرچہ اس بازار ہی سے تھا مگر وہ پاکستانی نہیں تھی ایرانی تھی۔ بہت

حسین اپنی بیٹی تو گلے سے جھٹکا تھا۔ عمر کے دلور میں کالے کپڑے پہنتی تو چوڑھویں کے

چاند کی طرح دکھتی تھی۔ سارے محرم بچے پاؤں دھاتی تھی۔ میسے کو بے بھی اس کا سنگھار میں جاتے

تھے۔

بڑے بڑے لوگ اس سے شادی کا رمان کرتے تھے۔

وہ اسے محلے میں جب آئی تو بچیس میں برس کی تھی مگر بد شکل، ٹھارہ میں کی دکھائی پڑتی

تھی۔ بہت ہمز اور خوش مزاج تھی۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پے ہوئے تھی۔ مگر معصیت اس کا

اصل حسن تھا۔ اللہ مظلوم کی راز تھا۔

وہ بولتے بولتے پٹ پٹ ہو گئی۔ فیروزہ اور ستارہ نے خالی خان نظروں سے ایک دوسرے کو

دیکھا۔

سکتے لوگ اس کی خاطر نوحی چڑھنے پر تیار رہتے تھے مگر اس کا دل آیا تو کس پر۔ ایک غریب لڑکے پر۔

ساری سہیلیوں نے اس کو روکا تھا۔ مگر یہ لگتا تھا جیسے اس شخص نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ اس نے کسی کی نہیں سنی۔ اس کا نام شہ پارہ تھا۔ مگر وہ کلبوں اور بڑے لوگوں میں قائم سرگسے نام سے مشہور تھی۔

ٹوہا نکل اپنی اس پرگئی۔ مگر یوں۔ مگر بٹانے کی شوقین۔

تو کیا میری اور قیروزہ کی اس ایک نہیں ستارہ جو بہت چل سے بیٹھی نس رہی تھی، چپ نہ رہ سکی۔

نہیں۔ بڑھیا نے پھر دھماکہ کیا۔

حیرتی اس کو نہ تھی۔ حیرت باپ کون تھا۔ خدا کو کہ ہے۔ مجھے نہیں معلوم۔

ستارہ کا کچر جیسے کسی نے نوحی لیا۔

پھر میں گون سے آسمان سے گری تھی۔ اس نے چڑھ کر پوچھا، انکشافات کے اس، حول میں ہر ایک کے تنفس کی رفتار بدل چکی تھی۔

تو حیدرآباد کے ایک شہر خانے میں بل رہی تھی، تہی حسین تھی کہ مجھے، پتے پیش ورام کا خیال آ گیا۔ جنوب، معلوم ہو کر کرتے تھے۔ بڑی مشکوک سے تجھے حاصل کیا تھا۔

کسی بھی ہزاری عورت کو یکہ لڑکی کافی نہیں ہوتی۔ یہی خیال ہوتا ہے کہ خدا معلوم کیسی نکلے۔ جی وال روٹی کا خیال رکھنا تو سب کی مجبوری ہے۔

بڑھیا پھر رونے لگی۔ مجھے محاف کر دو تم دونوں۔ آؤ۔۔۔ عیش ہو یا غربت۔ موت۔۔۔ حرکت کر رہے۔ آخری دم یہ یہ وہاں مرنے نہیں دیتے۔ آؤ جی شہرگ کئی رہ جاتی ہے جیسے۔ یہ سن کیا کر بیٹھی ہوں۔ ستا بڑا گناہ۔۔۔ اور میں بیا ریل کی پوٹ کیسے مہروں۔ بڑھیا نہ ڈھانپ کر رہی تھی۔

وہ دونوں جیسے خانی الذہن بیٹھی تھیں۔

تیری اس نے کتنے محرو سے تجھے میرے حوالے کیا تھا۔

کتنی منت سے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا کہ تجھے حیرے باپ تک پہنچا دوں۔

کیا میرا باپ وہی غریب آدمی تھا جس سے اس نے شادی کی تھی

وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی اپنی خوش نصیبی کا یقین نہیں۔ رہا تھا کہ اس کے ابو میں اندھیرے نہیں ہیں۔ بلکہ کروڑوں روپے ہی میں سے ایک ہے۔ یعنی سرخرو اسٹور کی جماعت سے ہے۔ اس خوشی میں اسے بڑھیا کی نیا دتی کا بھی دھیان نہیں آیا۔

ہاں۔۔۔ وہی غریب لڑکا۔ ساری دنیا سے لڑ کر جسے سرکا تاج پہلا تھا۔

بڑھیا نے وہی، قمر کیا جس کی گودھی اس کا دل نوا بھی دے رہا تھا

یسے لگا۔ جیسے لورنی فرشتوں کے چروں نے سے ہوا دی ہو۔

کیا بچ۔ وہ سرخروئی کے احساس سے غور بوجھ کا نظم بھی بھلا تھی۔

تیری ماں کی دوست نے حیرے باپ کو سنا ہو کاروں کی صف میں رکھ کر کیا تھا۔ مگر اس نے دھوکہ دیا۔ بڑا نظم کیا یہاں نے بھی۔ آہ۔۔۔

کیا کیا۔

بس نہ پوچھو۔

ی چابی لے لی۔ اور میرے سوٹ کیس میں بلیشیا کا تھیلا پڑا ہے۔ سے نکال کر۔۔۔ پھر بتاتی ہوں اس نے کیا کیا۔ آئے ہائے۔ وہ کراہی۔

آج پھر وہ بڑ بھگڑ کر نکلے تھے۔

وہ باپ بیٹے کا اختلاف تھا۔

باپ کی خواہش تھی وہ علیٰ تعلیم حاصل کریں۔

اور سن کا صبر اور وہ تیری سے دانت کے تہینے طے کریں۔ اس سلسلے میں وہ جائیداد جیڑے راتے سے گزرنا چاہتے تھے۔ مرہ کے کالج میں داخل ہو کر علم کا شوق کم ہو گیا تھا۔ وروست مند بننے کا یہ وہ۔

عادتیں بھی، میر نہ دور کی اختیار کر دی تھیں۔

کچھ خس ووجاہت کی بناء پر مزاج میں خود پندگی کا دخل بھی بہت تھا۔

باپ کو بیٹے کا مستقبل غیر یقینی دکھائی دینے لگا تھا۔ اس سوچ نے باپ کو ہر دم متلکی بھنی بنا

کو روک دیا تھا۔

ان کے والد ہر بار غصے کی انتہا پر بھی جمد ان کی ماں سے کہتے تھے۔ آئے کیو یہ رنگ ڈھنگ بدلے مگر نہ اس گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے اس کے لیے۔ اس دن بھی بد مزہ ہو کر وہ کلب میں داخل ہو گئے تھے۔

بڑے نامی گری لوگوں کو اس کلب کی ممبر شپ حاصل تھی۔ بکڑے نواب و نواب زب دیار، فلمی ستارے، ایک جنت ہو کر تاتھا۔ کلب تقسیم۔ خوشیاں، خود لڑکیاں۔

وہ اپنے کلاس فیلو وید کے ہمراہ ایک ٹیبل پر بیٹھے کسی مسکے پر بات چیت کر رہے تھے۔ کہ بجلی جسے ان کی ٹیبل پر گری تھی۔

ان کے کئی دوستوں کے ہمراہ وہ نیلے، بنے بیسوں میں کسی جمل پری ک سناچے میں داخل دکھائی دی تھی۔

ان سے ملوان کے دوست نے تعارف کرایا۔

جنگم آہمرا۔

ٹوٹے دوس کا آسرو کسی نے جمد پڑھایا تھا۔

ڈوبتے کوٹھکے کا آسرو۔ دوسرے نے ٹکڑا لگا پایا۔

میں ختم تقسیم رہے تھے۔

اور جناب یہ ہے ہمارا شہزادہ گلغاہر۔ احسان علی۔ ان کے ایک بچے رنگ کے احساس

کتری سے چوروست لے کر گویا بڑی جڈلہ نچی کا مظاہرہ کیا تھا اپنی دوست میں۔

کلید لومیٹ پر۔ مسٹر، حسان علی۔ فارسی لب و لہجہ میں انگریزی خوب نچی تھی۔ گھائی اہر
ہارے تھیلی ان کے سامنے تھی۔ اور وہ دم بخود۔

حسن میں وارفتگی و پستاحتی بھی شامل ہو جائے۔

تو جیسے اچھوں کی عقل سلب ہو کر رہ جاتی ہے۔

پھر گھوس وہ۔ نوخیز۔ بازیافت و قہس کے رستے کے راہرو۔
چمکتی پلکتی حر۔

امتحان اس وقت تک آسان سمجھے جاتے ہیں۔

جب تک امتحان سے خود نہ گڑا جائے۔

پھر ہاتھ خود آگے بڑھا تھا۔

سمندر کناروں سے شاذ ہی آتے ہیں۔

جو اور ہلے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

اس حسن بے کمار سے کیونکر گزرا جائے۔

وہ کہ شاد و بھی نہیں تھے۔

بلکہ کچھ زیادہ ہی نازی تھے۔

ہاتھ بھی دے دیا تھا۔

اور دل بھی۔

جو یوں بھی ڈھنگ نہ رہا تھا۔

کئی بار اچھے کرنے سے بچا چکے تھے۔

کہ بعض دل و لے پیدایشی۔ پر وہ ہوتے ہیں۔

زیادہ دن دل کی رکھوائی نہیں کر پاتے۔

کبھی کرنے پر چڑھا دیتے ہیں کبھی کہیں اجرتا محافظت میں دے دیتے ہیں۔

شاید ان کے دوستوں نے شرارت کی تھی۔

نہیں محسوس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے کھٹک گئے تھے۔

وہ کچھ گھبراہٹ سے گئے تھے۔

یہ لہجے۔ ایک سرخ معطر رومال ان کی سست بڑھایا گیا۔

نچی وہ سمجھے نہیں۔

بابا۔ جیسے چاندنی کے نکلے فرش پر گر پڑے تھے۔

پینت پو پو لہجے۔ اپنی پیشانی سے۔ آپ کی مردانگی پر حرف آ رہا ہے۔

وہ شرمست اور سرگوشی میں گویا ہوئی تھی۔

یہی کوئی بات نہیں ہے۔ انہوں نے خود کو مستحیال کر بڑے بڑے عقائد و انداز میں مسکر کر

آج سے قبل انہیں اندازہ بھی نہیں تھا کہ عورت پہلی ملاقات ہی میں فاضل اور غائب بھی ہو سکتی ہے۔

کتنے آئینے خانے لے ریت میں ملائے ہیں سب تک
بہن کی مردگی کا مسئلہ تھا۔ ہذا کچھ تو کہنا ہی تھا
چہ۔ خوب وہ، نذر و برپائی اور جبرائی کو یکجہ کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

لہذا دو گنا میری شان کے خلاف ہے مسز احسان علی اس نے کینڈل اسٹینڈ اپنے چہرے
کے نزدیک کرتے ہوئے انہیں، جواب کیا تھا۔

سوئی شمعوں کی روشنی سے اس کا چہرہ منور تھا اس کے چہرے کی پنوں سے سوئی شمعیں وہ
مہبوت سے اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

آج اس کلب میں اس عورت نے انہیں صف اول کی ہستی بنا دیا تھا۔ وہ مقام جو برسوں
بعد شاید انہیں، سب کل میں ملتا۔ وہ بھوں میں مل گیا تھا۔

مہرے مہران کی نگاہ نیگم، سراپا اور نیگم، سراپا بھی دعوت نگاہ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔
کیا ششے سے جی ہوئی عورت تھی، ہر حرکت بیا و زہوتی تھی۔ جیسے تیرنے والے شے
ہو۔ چنے والی نہیں۔

ڈانگ فلور سب سے کامیاب مشاطہ ثابت ہوتا ہے۔
بعض چہرے شانوں سے اتار کر دل میں آ جاتے ہیں۔

اس رات جو احسان علی اپنے گھر میں داخل ہوا۔
وہ اس گھر کا نہیں رہا تھا۔

شہ پاد عرف، سر نیگم نے احسان علی کو بتایا تھا۔
میں نے ایک مصری سے شادی کی تھی۔ منہ شہر وہ تھا۔ مگر وہ اُسے اپنے خاندان کے
سے ملنے حاضر کرنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

دو برس وہ گھٹ گھٹ کر بچھڑ بچھڑ رہیں سکتی تھی۔
جب وہ کسی کی مشکوک بن کر بھی سرخرو نہیں رہ سکتی تھی تو بڑی حالت ہی بہتر تھی جس میں

پابندیوں اور خوف نہیں تھے۔
ہذا اس نے طلاق لے لی تھی۔

اُس کے ہمراہ وہ پہلی مرتبہ پاکستان میں داخل ہوئی تھی اور نیگم اس کے نام سے مشہور
ہوئی تھی۔

اُس نے یہ بھی بتایا تھا۔ کہ اس کا قایم کا کاروبار بھی ہے۔ لندن اور چیمبر میں اس
کے شوروم موجود ہیں احسان علی۔ جو دس روپے کے لیے گھر میں جرح کرتے تھے اُن کے تو
حواس ہی نہم ہو گئے تھے یہ سب سن کر۔

وہ پہلی فرصت میں نیگم، سرا کو شریک حیات بنا لینا چاہتے تھے۔ مگر اس کی محبت اس کی
شرایط کے ستونوں پر کھڑی ہوئی تھی۔

ملی گھبراہٹ میں بس اتنا ہی کہہ سکا۔

جو کام وہ کرتا ہے اور جو کام اس نے کیا ہے۔ رات ہی اس کی میت ہو سکتی ہے۔ مگر گھر ہو۔
وہ اسے میری گھڑی نہ سمجھ لے۔ اور کل کو اس سے بڑا طوفان میرے دردِ دل سے پر نہ لے
تے۔ وہ کھڑے ہو گئے تھے۔

نیچے آئے تو، حسان ملی، ورثہ پارہ جو زلیخا پر کھڑے ہوئے تھے۔
السلام علیکم شہ پارہ نے ان کا بڑا جلال چہرہ دیکھا تو تیری سے سلام کیا۔
وعلیکم السلام۔

شادی کی ہے ناقرائیل۔

یہ میری منکوحہ ہے۔ حسان ملی نے تیری سے بات کاٹ دی تھی۔

بی بی وہ شہ پارہ کی آواز ابھری۔

عابدہ دم بخود اس پری لڑکھو دیکھ رہی تھی۔ حتیٰ حسین بعد بھی اس کے تصور سے بھی زیادہ۔
مگر وہ ایک دم چونک پڑی تھی۔ اس عجب باپ کی آواز میں گرج تھی۔

جب سب کچھ پتا تھا تو اس دروازے پر آنے کی ہمت کیسے ہوئی

کیا ماں اور باپ دونوں ہی مٹی تھے ہیں ماں نے ناگورنی سے پوچھا تھا۔

خدا کرے ہوں۔ شہ پارہ نے دل میں کہہ کر، حسان ملی کا شاندار تھام لیا تھا۔

یہ تو ہمیں ایک قدم آگے بڑھنے بھی نہیں دے رہے۔ کیا ہوگا۔

میں تو تمہیں پیسے ہی اچھی طرح بتا چکا تھا۔

تمہیں بہت شوق ہو رہا تھا۔ فیملی ممبرین کر رہے تھے۔ میں یہ لے آیا تھا کہ تم خود کچھ نہ
کرتے۔ قدر کمزور تو جو ہے ہمارا گھر۔
چلو۔

گھر یہ میں ان سے کچھ بات تو کروں۔

بس بس لڑکی کوئی ضرورت نہیں ہم سے بات کرنے کی۔ لہ جائے کہاں پڑی مل جاتی
ہیں۔

ایسے نہیں کہتے اس گھر۔ عابدہ نے جھل ہو کر ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

یہ بھی کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں اس قسم کی عورتوں کو۔ تم خاموش رہو۔ وہ تو جیسے
ان کو میں گھڑی تھیں۔

نجام کار جب منہوں نے یہاں نہ کٹائی نہیں تو کیوں زبان آلود کرتی ہوں۔ سن سے کہہ دو
بلکہ حسان اسے کہہ دو اس کا ہمارا رشتہ ختم۔ ہمیں نہیں معلوم یہ کون ہے۔

انعام ملی پٹ گئے۔

آپ میری بات سن لیجئے ہا جان۔ یقین کریں میرے پاس بہت دولت ہے۔ مجھے
صرف اسلی سہارے چاہئیں۔ اچھے اور اعلیٰ لوگوں کے سہارے۔ ایسے سچے لوگ جو روح و
قلب پر غور کر لیں۔ اس کی آواز بھر گئی۔

دیکھو بی بی بات یہ ہے اگر تم رئیس زدی چھوڑ کسی ریاست کی ملک بھی ہو تو بھی ۱۷۱
جو اسب وہی ہے جو پہلے تھا۔

خدا کے لیے احسان علی سے لے کر نکل جاؤ اس سے قبل کوئی سر نہ ملے۔
وہ وہیں زیچے کی سمت بڑھ گئے تھے۔

احسان علی کب یہاں رہنا چاہتے تھے۔ وہ تو محض شہ پارہ کی وجہ سے یہاں آئے بھی
تھے۔

وگرتہ دن کی کدورت دل تہہ پر نہیں تھوں پر مشتمل تھی۔ دن کے نزدیک دن کے باپ کا
صبا سے بڑا غم تو غریبی تھا۔

مخزن کے باپ نے ان داستان کا انتخاب کیوں نہیں کیا تھا کہ جس کے باعث وہ
آسودہ اور محزون شہری ہو سکتے تھے۔

وہ تو یہی خط معاف کرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ تو پتہ تو جتے تھے کہ کیونکر یہاں سے نکلیں۔
جب مال نے بات چیت کے تمام دروازے بند کرنے کا اعلان کر دیا تو شہ پارہ نے
بٹسی سے ان کی صورت دیکھی اور جیسے آتھیا ڈال دیے اور وہ بٹسی کے لیے مڑکی تھی۔

نعمان علی اور عابدہ چاہنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے تھے۔

احسان علی اُس گھر میں تباہ ہو گئے جو شہ پارہ کی رقم سے انہوں نے حال ہی میں خریدا

وہ اپنے خوابوں کی تکمیل پر تھک سکا تھا۔
ایٹا لنگ کا روپا شروع کر دیا تھا۔

نعمان علی سے ان کا ہر رابطہ تھا ہی کے ذریعے وہ خاندانی معاملات سے باخبر تھے۔
ایک روز نعمان علی کے ذریعے انہیں خبر ملی کہ ان کے والد پر فاق کا تہہ ہوا ہے اور وہ

موت کے منتظر سے واپس آئے ہیں۔

ایک ہلکا سا احسان ندیمت ان کے دل پر مسدود تھا کہ شاید وہ اپنے والد کو یہاں تک
پہنچائے کہ ذمہ دار ہوں۔

نعمان نے یوں کیا کہ نعمان علی کو اپنے پاس ہی ملازم رکھ لیا اور اس میں بڑی رازداری
برتی تھی۔

اس طرح سے انہوں نے اپنے گھرانے سے تعاون کا رستہ نکالا تھا۔

کچھ دن گزرے تو انہیں والدہ کی بھی علامت کی خبر مل گئی بقول نعمان علی کہ والدہ نے ان
کے فرق میں رازداری سمجھیں سفید کون تھیں اور عابدہ بھی اس گھر کا ایک مسئلہ تھیں۔

جائے کون گھڑی تھی کہ احسان علی کے دل میں گداز پیدا ہوا اور سوچ نے پلن کھا دیا وہ بے
اختیار گھر چلے آئے۔ اپنے والدین کے بٹسی کی حالت میں دیکھ کر جیسے ان کا دل پگھل کر رہ
گیا تھا پھر ماں کے شک بھی انہیں کچھ کرنے کو کہہ رہے تھے۔

شب انہیں یہ ڈرامہ کرنا پڑا کہ انہوں نے علان کر دیا کہ وہ بٹی غلطی پر نام میں اور بی

انہوں نے پھر چمن بنانا چاہا مگر والد کی یہ دھمکی کہ اگر ان کی بات خراب کی گئی تو وہ یہ گھر چھوڑ دیں گے خواہ انہیں فٹ پاتھ پر پرہیزا پڑے تو احسان علی کو اس مجاہد پر بھی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ پھر یہ سوچ کر خوشگلی دی کہ وہ اپنے بہنوئی فاطمہ حمید روٹی کو اپنے ساتھ شریک کار بنانا کراپنے معیار کے قریب لے آئیں گے، اگرچہ یہ ایک عویل راستہ تھا مگر یہی راستہ تھا بادل خواستہ نہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔

والد کے چارہ ہونے کے سبب ان کی ملازمت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا اور سرکاری کوارٹر بھی خالی کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس یقین دہانے کے بعد کبدہ اس لڑکی کو چھوڑ رہے ہیں۔ ان کے والدین ان کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ نے گھر میں "نے کے بعد وہ شہ پارہ سے عارضی طور پر دور ہو گئے تھے اپنی بہن کے نام پر انہوں نے قربانی چاہی تھی۔ جو کچھ پس و پیش کے بعد ان کے پاس خورے دی تھی۔

والد علاج کے عمل سے بدترین رو بصحت ہو رہے تھے والدہ بنوز بیا تھیں اور بیٹی کی شادی کے لیے فکر مند تھیں۔

اس معاملے میں بھی احسان علی کی ایک نہیں سنی گئی دوران کے والد نے اپنے ایک وقار دار دوست سے دوستی کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے بیٹی کا رشتہ دے دید۔ احسان علی بہت جربز ہوئے۔ سب وہ اپر کا اس کا حصہ تھے اور اپنی موجودہ حیثیت کے مطابق بہن کو اونچے گھرانے میں بیاہنے کے متمنی تھے۔

مخلص اسی وجہ سے تو وہ شہ پارہ سے عیدگی کا ناک کر رہے تھے۔

عابدہ کا رشتہ ایک متوسط گھرانے میں ملے دیکھ کر انہیں اپنی ساری محنت، کار و کھار و لگ رہی تھی۔

انہوں نے پھر چمن بنانا چاہا مگر والد کی یہ دھمکی کہ اگر ان کی بات خراب کی گئی تو وہ یہ گھر چھوڑ دیں گے خواہ انہیں فٹ پاتھ پر پرہیزا پڑے تو احسان علی کو اس مجاہد پر بھی ہزیمت اٹھانا پڑی۔ پھر یہ سوچ کر خوشگلی دی کہ وہ اپنے بہنوئی فاطمہ حمید روٹی کو اپنے ساتھ شریک کار بنانا کراپنے معیار کے قریب لے آئیں گے، اگرچہ یہ ایک عویل راستہ تھا مگر یہی راستہ تھا بادل خواستہ نہیں یہ سب کچھ برداشت کرنا تھا۔

مگر عابدہ کی شادی کے بعد انہیں سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے بہنوئی حد درجہ خود دار اور غیرت مند ثابت ہوئے، انہوں نے احسان علی کی ہر قسم کی معانت قبول کرنے سے معذرت کرنی تھی۔

احسان علی متفاد حالات کا شکار تھے۔ شہ پارہ کو تسلیم دیتے تھے کہ حالات مناسب اور موافق ہوتے ہی وہ اسے خاندان کے سامنے لے آئیں گے۔ اور وہ صبر کے پریچ راستوں کے لیے بہت استقلال سے گزر رہی تھی۔

عابدہ شادی کے بعد کراچی چلی گئی۔ اور نعمان علی کو انہوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھجو دیا۔

نعمان علی بھائی کا رازد ر تھا اور شہ پارہ کے سپے کے سپے باعث تقویت تھا اس کے جاننے کے بعد شہ پارہ کو بہت خلا کا احساس ہوا تھا۔

احسان علی چاروں طرف سے گھرے ہوئے رہا اور سوچا کرتے تھے محبان کی زندگی

میں پھر تبدیلی کے کاربند ہوئے۔

ان کے مقابل گھر میں ایک، مرگن شہریت کا حامل خاندان آگے بڑھا تھا۔ بے حد دوست مند اور یارواری۔

۴۲ جان کے ذریعے ہی نہیں معلوم ہوا تھا کہ سہائے بلی جون ٹریکس کی وجہ سے پاکستان آئے ہیں۔ تاکہ ان کی وجھے گھرنوں میں شادیاں کر سکیں۔

خدا معلوم، احسان علی کوئن لوگوں نے کس وقت، کس زاویے سے دیکھا تھا۔ ہاتھ دھو کر چمے پیچھے پڑ گئے تھے۔ طرز مذاقات بدل بدل کر سہائے آئے تو احسان علی کوئنس لینا پڑا۔

وہ پورا مٹی، وہ پرست تھے۔ امر، روساں کا توٹس لیس پن کے لیے پانڈیٹس یہ خیال ہی ان کے لیے باعث مسرت تھا۔

پھر جو آرجار ہوئی تو، احسان علی تقریباً پھنس ہی گئے۔ یہ بات ٹٹ کے لیے مزید باعث کشش تھی کہ ان کی ہر لڑکی، کھون کی جائیداد کی، لک تھی۔

اس پر ستر اوک ان کے والدین کو پناہ، بنانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔
شہ پارہ ہرنس کے سلسلے میں لندن چلی گئی تھی۔ ان فاسلوں نے ملی کہانی میں مزید رنگ بھرے وہ خود وہاں جانے کے لیے پر تول رہے تھے۔ طیس والدین کو تنہا چھوڑنا بھی مستند تھا۔
نہیں نعمان علی کا تھا۔ دھما اور ان کی اس کوئی شادی کا۔

شہ پارہ آنکھ سے تو دور تھی دل سے تو دور نہیں تھی۔ سبکی وچ تھی مسایوں کا جادو، گردن

میں چلتا تھا تو رات میں ٹوٹ جاتا تھا۔

نعمان علی کے آتے ہی انہوں نے بوریا بسٹر سمیٹا اور حدن سدھا دے۔ جہاں شہ پارہ نوشتہ تقدیر پر نظر جمائے اس تر اس کے سمٹانوں سے گزرتی تھی۔

دلہٹ کر کے کوٹ میں بیوی سرخ بیٹ، ورنسرخ پرس کے ساتھ وہ پتھر و پتھر پورٹ پر بڑی یقرا رہی سے ان کی فٹکرتھی۔

اس کی تڑپ دیکھ کر احسان علی کو کرے ہوئے، ایک ایک دن پرندہ صحت ی محسوس ہوئی تھی اس کا سفید ستانے میں متعید ہاتھ تھا جتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا۔

اس مٹی مری خوشی ہے۔ سب میں اس غریب میں نہیں آؤں گا۔
مگر ان کی طبیعت کے حساب سے یہ خیانت کا رضی لک ثابت ہوئے۔

پھر محبت کا تعلق تو روح سے ہوتا ہے۔
جوشادی، جو تعلق، دیت کی سر زمین پر تعمیر ہوتا ہے۔ سے حار کے مخالفت کا معنوی ہا

ملوفان محلوں میں نیست و نابود کر دیتا ہے۔
اس سے تعلق باندھ کر وہ بہت سی حقیقی خوشیوں سے دور تھے۔ اس طرح پھپھ کر
اس سے نہا رہے تھے کہ قید ہا مشقت کا حساس کاری رہنے لگا تھا۔
پانچ برس کے طویل عرصے میں وہ محض کچھ عرصہ ہی اس کے ساتھ رہے تھے۔ ہر مذاقات
شہ پارہ کہتے لوگوں سے شروع ہوتی تھی۔

اور ان کی بے فریب تسلیوں پر ختم ہوتی تھی۔

جبکہ دوسری طرف مسایوں کی بے مشقت زندگی تھی۔

ان کی لڑکی کی اعلیٰ تعلیم اور خوبصورتی تھی۔

اس بابا پر رشتے دار، قارب، اس رشتے کے متعلق تھے۔ جس کے باعث ایک آزاد

بے فکر، بے تعلق زندگی ان کے قدموں میں بکھرنے کو تیار تھی۔

ہمیشہ کے یہ اعلیٰ طبقے کا حصہ بننے کے درمیز ہونے کے مستحق تھے۔

شہد پارہ کچھ دنوں کے یہ ایران کی تو خاصے طویل عرصے بعد وطن ہونے۔

یہ دیکھ کر انہیں حیرت و خوشی ہوئی کہ مسایوں کی خوش طواری طرح دار بیٹی ان کی نظر

تھی۔

پھر وہ آویگیا جو ہونا ہی تھی۔

بکنے والی عورت، خواہ کس قدر حسین ہو، تنک سے بنا مکان ہوتی ہے، جسے کبھی بھی چرچی

سے بہید جا سکتا ہے۔

نور جہاں، اگرچہ شہد پارہ جتنی حسین نہیں تھی مگر اعلیٰ خاندانی پس منظر اسے شہد پارہ

سے بہت اونچا کر رہا تھا۔

انہوں نے طلاق کے کاغذات سرن ہی بھجو دیے تھے۔ مع حق سہر۔ اور معذرتی خط

میں، اپنی بیوی کو دیتے وہ ان بھوریوں کا ذکر بھی کیا تھا۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں

نے ان کا کیڑا بنانے میں جو دست خرچ کی ہے وہ تھوڑی تھوڑی کر کے اُسے وہ پس منظر میں
کے پہلی قسط کے طور پر پانچ، کھ کا ڈرافٹ انہوں نے طلاق نامے کے ہمراہ بھیج دیا تھا۔ اور اس
سے درخواست کی تھی باہمی کے تعلقات کا پاس کرتے ہوئے وہ ان کی فی شرع ہونے والی
زندگی میں کچھ کھوٹے سے پرہیز کرے۔

جب نور جہاں ان کی زندگی میں داخل ہوئی تو عابدہ کی گود میں چار پانچ ماہ کا طاق تھا۔

وہ اپنے گھر میں بہت مطمئن تھی۔

اور والدین کی مرضی سے بھائی کی شادی پر بہت خوش مگر چنان کے شوہر فلک احمد اور

احسان علی کے، زمین ناقابل عیور فاصلے دتے تھے۔ کہ احسان علی نے فلک احمد کی عزت نفس

بخر دیا تھا اور بہت جلدی کا ہی تھا۔ وہ اپنی خود، رطبیہ کے بموجب ان سے فاصلے پر جا

کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ احسان علی کو اپنے متوسط رشتے داروں کا

ساتھ ہنگ محسوس ہوتا ہے۔

فیروزہ دم بخود بڑھیا کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

اُس کے ہاتھ میں احسان علی کی طرف سے بھیجا ہوا طلاق نامہ اور آخری خط تھا۔ کچھ

تصاویر تھیں۔ جو وہ پارہ پارہ کچھ رہی تھی۔

وہ جو قتال عام مشہور تھی، اس کے مقابلے میں تو اس کا حسن کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ تجھے گود میں لے کر پاکستان آئی تھی۔ مگر احسان علی، اپنی بیوی کے ساتھ پاکستان سے

شب وہ اپنے ملازم خواجہ اور تجھے قابل اعتبار سمجھ کر حیرتی ذمہ داری سونپ گئی تھی کہ میں تجھے حسان علی کو پہنچا دوں۔

اللہ بہتر جانتا ہے پیسے میری نیت میں کھوٹ نہیں تھا مگر جب شہ پادہ کے مرنے کی خبر آئی اور احسان علی سے ملاقات نہ ہو پائی تو میں نے یہ پاپ کیا۔

اگر تو مجھے معاف نہیں کرے گی فیروزہ تو میری جان نہیں لگے گی۔ عزت داروں کے خاندان کی لڑکی بازار میں سچا کر میں نے نظم ہی کیا ہے۔

بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

فیروزہ نے ہونٹ بھیج دیے۔ اس کے گلابی رخساروں پر آنسو ٹپک اٹھے۔

ظلم تو تم نے اتنا کیا ہے ہاں کہ جزیر قیامتیں بھی جہیں کم ہیں۔ یہ تو تھا تو میری بد نصیب ماں کیسے مری تھی کچھ پتا تو ہو گا تمہیں۔

خودکشی کی تھی کیا

نہیں۔ اُسے طلق کا ہر طاق ہو گیا تھا۔

بہت قسمت والے ہیں مسز حسان۔ اگر شہ پادہ خودکشی کرتی تو یہ موت احسان علی کے سر ہی جاتی۔ اصل قاتل تو وہی ٹھہرتے۔ ستارہ نے انتہائی سکوت کے بعد حد لیا۔

فیروزہ نے احسان علی کا محدود پارہ پڑھا۔

اما یہ احسان علی کہاں رہتے ہوں گے کچھ پتا تو ہو گا تمہیں کسی نے سوچتی ہوئی نظر سے پوچھ لیا کو دیکھا۔

اس کا کیا قصور جو تاشا کی میری صورت پر برس فیروزہ میرے منہ پر تھوک دے کچھ تو سنوں ملے گا مجھے۔ وہ خاموش ہو گئی۔ پھر کچھ تو گفت کے بعد گویا ہوئی۔

تو جانتی ہے احسان علی کو وہ اس شہر کا مشہور آدمی ہے۔ کون نہیں جانتا ہے۔

احسان علی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ قاتلوں والے۔ اُس کا دل بیٹھنے لگا۔

خدا تھے انکشافات۔ تھے سانحات کے بعد بھی موت کیوں نہیں آتی۔

میں نے سر تھا مل لیا۔ اس کی نظروں کے سامنے سخت آسمان ٹھوم رہے تھے۔

روز کیا۔ ہوا۔ ستارہ گھبر گئی۔ بڑھیا بھی اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

پانی تو پینا ستارہ۔ پلیز۔

ستارہ خورد بیت کی طرح بکھری ہوئی تھی ہاشم کی شکل اٹھ کر پانی لی۔ فیروزہ نے گھاس تھام

کہا اس کا چہرہ دیکھا۔

اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ کچھ عرصے کے فرق سے وہ اس کی کچھ بھی نہیں رہی تھی۔ اس

نے ستارہ کو شائق سے لگایا۔

ہم سکتے یہ غریب زانوں سے گزر کر آئے ہیں۔ انہیں عمر عزیز میں شامل کیا جائے یہاں

نہیں اس کی۔ دائیں آنسو غائب آگئے۔

تم مجھ سے تو کہہ دو خوش نصیب ہو فیروزہ کم از کم اپنے ماں باپ کے ناموں سے تو واقف ہو اس نے ہونٹ کاٹ کر اشک روکے۔

حس، حوالی کی کمائی سے ہمارے گوشت پوست پنا ہے وہاں سے بہت حسین وجود فریب کے جہاں میں رہ رہے ہیں۔ فیروزہ نے کہا۔

روزہ خدا کے لیے پہلی فرحت میں گڑیا کو اس کی سانس تک پہنچا دو۔ کہ اس ظلم کی معافی نہیں ہے۔

میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں کچھ کر گزروں۔ اس نے نفرت سے بڑھپا کر دیکھا۔ اور ایک ہنگامے سے آنکھ کو باہر چلی گئی۔

ساتھ کہاں چارنگی ہو پھر تو۔

فیروزہ تمام چیزیں سمیٹ کر گتھ کھڑی ہوئی۔

مگر ساتھ ساتھ ہر نکل چکی تھی۔

حالات ضد پر اترے ہوئے ہوں اور پھر اپنی صداہیتوں کا ظہار بھی کرنا ہو۔ اتنا آسان

نہیں ہوتا انسان گے۔ یہ۔ یہ سب۔

وہ پاکستان میں جو میراث چھوڑ کر آیا تھا وہ سے زنگ آ رہا تھا کہ کو کافی تھی۔ مگر اس نے

جو انفرادی سے سب کچھ جھینے کا عزم کر لیا تھا۔ خود کو تنہا شاکام میں ابھال لیا تھا۔

فون وغیرہ وہ کرتا رہتا تھا مگر یہ بات اس کے لیے کوفت کا باعث بن رہی تھی کہ وہ یہ

اسے فون پر نہیں ملتی تھی۔

جتنی مرتبہ رنگ کیا پانچا نہیں ہے۔ بچے، جتنے چھوٹے تھے کہ فون پر ان سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے سڈلی روانہ ہونے کے فوراً بعد ہی ڈیریاپے سیکے کا روٹ ٹاؤن چلی گئی تھی۔
چارنگ نے اس نے زور دے کر کہا تھا کہ وہ کراچی میں رہے ساس سنسر کے ساتھ۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔

یہ پہلا قطعی اندازہ انکار تھا شادی کے بعد ورنہ وہ تو اس کی نہ، سنے وہی باتیں بھی مان لیتی تھی۔

میرا گھونٹا مضبوط ہے طاق میں یہاں رہو یا وہاں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس نے مرد انداز میں جواب دیا تھا۔

دھر فیروزہ کی طرف بھی کوئی خون نہیں اٹھاتا تھا۔ جب مشعل وچ میں تھا کہ پاکستان سے فوراً جہاں مہمانی نے آئے فون پر ٹویپ کی شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ اور کہا کہ اسے ضرور ضرور شریک ہونا ہے۔

وہ خاصے دو کا شکار تھا۔ ملازمت کی فی تھی لمبی چھٹی نہیں مل سکتی تھی ہلکے حشرے میں بھی وہ اپنے مسائل کا حل وہاں جا کر ڈھونڈ سکتا تھا۔ سب شادی سے تین دن قبل وہ رات کے آخری پہر گارڈ ٹاؤن میں موجود تھا۔

شادی کا گھر تھا رائق اپنے عروج پر تھی۔ کراچی سے چار جہاز کے علاوہ تمام گھر والے آچکے تھے۔

فاروق اور فوزیہ سے لینے، سلام آدا دینے تھے۔

ذریہ کیوں نہیں آئی فوراً ذہن میں یہ سوال ابھر اٹھا۔

اس نے بڑی بیتابی سے پوچھا تھا۔

ذریہ کہاں ہے ٹھیک ہے

ٹھیک کیوں نہیں ہوگی جب آپ جیسے ٹھیک کر لے والے موجود ہوں گے، فاروق نے

کھڑا لگا دیا تھا۔

ڈبلی گئی ہوئی ہیں۔ آپ کی گھر والی فوزیہ نے مسکرا کر اظہارِ عیسیٰ کیا۔

ڈبلی ہو وہ خاصا حیران ہوا تھا۔

نئی ہال ٹوبہ کے حجر کے لیے ڈیکوریشن پیس خریدا ہے۔ باقی خریدا ہی تو مہی کر چکی تھی۔

پھر ایب کو اپنی بھی تیاری کرنا تھی۔ شادی سے پہلے تو وہ اپنی گرمیوں کی شا پنگ، بنگا کا پانڈی میں

کرتی تھیں اور سردیوں کی شا پنگ لندن میں بہت دنوں بعد کی ہیں۔ فوزیہ نے عام سے انداز

میں بتایا۔

پھر چونک کر رہی

آپ کو نہیں پتا توں پر قیامت ہوئی ہوگی

ہاں شاید۔ بتایا ہو۔ مصروفیت میں مجھے وہ بیان قدر ہوا ہو۔

بچے کہاں ہیں ماس نے فکر مندگی سے پوچھا۔

سحر کو لے کر گئی ہیں۔ دوسریہ سینکڑوں رے پاس ہے۔ فوزیہ نے بتایا۔

یہ بے خبری شوہر و بیوی کی کس، کسٹ میں ہے فوزیہ فاروق نے چوری سے طارق

کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کراچی گئے ایک مکان نمبر تین سو، کیس میں۔ طارق نے اس کی بات کا جواب مسکرا کر

خود ہی دے دیا تھا۔

ب۔ بتا بھی بیچر نہیں ہوں۔ ہاں جان اپنے مستقبل کے عزیمت مجھ پر ڈھکا کر چکی

ہیں۔ اس نے فوزیہ کی طرف دیکھتے ہوئے فاروق کو چھیڑا۔

مگر میں آپ through (ذریعے) یہ بات آٹن تک کہلو بیٹا چاہتا ہوں۔ میں انسان

رہ کر اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہتا ہوں۔ گھوڑوں کے لیے گھوڑوں کی موجودہ لسل ہی کافی

ہے۔ فاروق نے فوزیہ کو نکلیوں سے دیکھتے ہوئے بڑے ناراض سے انداز میں جواب دیا۔

مجھے گدھے بھی تاپنا پڑتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ جانوروں سے ہمدردی تو

انسانیت کی نشانی ہے۔ کیوں طارق بھی فوزیہ نے قہقہہ لگا کر حساب برہر کیا تھا۔

راتے مہر تو ان کی دلچسپ ٹوک جھونک میں وقت گزر گیا تھا مگر گھر آ کر اسے انہوں

کے جھگڑنے پر حیرت ہوئی

کا احساس ہو تھا۔

اسے شدت کی ذریعہ کی طلب ہوئی تھی۔

چاہنے والے۔ انہوں کی جیسا کہ بھی بن جایا کرتے ہیں۔

اس کا نتیجہ چاہا وہ تیری سے اپنے بیڈروم میں داخل ہوا۔ اور وہاں ایک طرحہ ری لڑکی خوش لباسی اور جامعہ ترقی کا مظہر اس کی طرف دیوالوں کی طرح دیکھیے۔ اس کا موہت کرے۔

اس کا بیٹھ کیس ایک طرف رکھے۔ جھٹ خشک تویہ لے کر ہاتھ روم کی طرف دوڑے۔

اس کی نائی، ریست واج، چھروائی سے پٹا ہوا اخبار ایک ایک چیز پیر سے سنبھال کر رکھے۔

بات کرے تو اس کا چہرہ دیکھیے۔ آواز پست کر لے۔ اس سے بہت ساری باتیں کہے گئے۔ بار بار کمرے میں ملتی خیر نڈاز میں پھرا لگائے۔

سب ہی لوگ۔ اپنے لوگ ٹھے۔ اسے تعجب ہوا۔ جس ہستی کو وہ دن بھر دیکھی نہیں کرتا اس کی کمی ان درود یار کے بیچ تھی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

اس کے سناٹے کا کتا آغا۔

اس کے بہت سارے غمراہوں کی بلیو۔

اس کے شعور کی رو کو نیا سوز دینے والے۔

زندگی کی ترتیب میں مدخلت کا حرف آغا۔

تویہ۔

پیسے کپڑوں میں بیویں۔ بی سادہ اور پیراختہ مسکراہٹ کے ہمراہ اس کے سامنے تھی۔

نکرا اس کا ذہن ذریعہ میں لگا ہوا تھا۔

یہ کتنی وضع حقیقت تھی۔ وہ حیران پریشان کھڑا سوچ رہا تھا۔

سحر یہ کو دیکھ کر ایک عجیب طبعیت اور آسودگی کا احساس آ بھر تھا۔ بی کو گو د میں اٹھانے

جب وہ سکی مہمان سے باتوں میں مصروف تھا۔ تو فاروق نے شور مچا دیا تھا۔

وہ چھوٹے بھائی۔ وہ۔ بدلتا ہے رنگ آسٹا کیسے کیسے۔ جب گل چھوٹی بھ بھی

آجائیں گی۔ تو ان کا پرہیز اور بچہ کے کپڑوں کی بائسٹ بھی آپ کے ہاتھ میں دیکھی جائے

گی۔

یہ عجیب ایک تصویر برتاوا جائے۔ کسی فلمی اخبار کے لیے تاکہ فلمی پریس کو حقیقت بتا

کرلوں۔ وہ رین حاصل کیا جائے۔

چھوڑ دیں فاروق بھائی کیوں چھوٹے بھائی کی مارکیٹ وہیو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

حسب لے اظہار اہم دہائی کیا تھا غالباً

سے ہاں۔ ورنہ۔ جو پٹے پر ہاتھ دھرتے نہیں دیتے تھے۔ آج کیسی گیل پڑی ہوئی ہے۔

طارق کی تائی اسامی شریک ہوئیں۔

طارق بمشکل مسکرایا تھا۔

اس کا ذہن مسلسل ذریعہ کے طرز عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے دونوں میں فوٹ پر اس کا نہ مٹنا۔ پھر وہی چپے جانا وہ بھی بغیر اطلاع دیے۔

اسے غصہ بھی آ رہا تھا۔

’مجھ کو بھی ہو رہی تھی۔‘

وہ اتنی جلدی کسی فی صورت حال کا سامنا کرنا نہیں چاہ رہا تھا۔

اس رات تو تھکن کی وجہ سے اپنے نیند آگئی تھی۔ مگر صبح پھر نوکیلی حقیقتوں کے ہر لمحہ منہ پھاڑے ہوئے تھی۔

نہ جانے کیوں اس نے خود ہی سے ضد پانچویں تھی کہ ذریعہ سے ملے بغیر فیروزہ سے ملنے نہیں جائے گا۔

ذریعہ رات کو وہیں ہو رہی تھی۔ اسے ایک ایک بل کا شواہد شمار ہو رہا تھا۔

روشنیوں کی برسات میں بیٹھا ہو کر پورٹ اردن وچیل پہل۔ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ اس فطرت میں سورج بھپ چکا ہے اور تناوے فیصد تباہی جو خواب ہے۔

اسے پراساقتہ وہ وقت یاد آ گیا جب ذریعہ پہلی مرتبہ ان کے گھر آ رہی تھی۔ وہ اور طارق اپر پورٹ پہنچے تھے۔ ٹریٹل پر ہلکے گئے تھے۔

اور تاجیہ صفا تھا زمین اس کے پاؤں کے نیچے ٹھکڑا کر رہی تھی۔ کراچی وہ ہو رہا اسلام آباد کے آئیے پورٹس اور ان کا چپے چپے اسے از ہر ہو چکا تھا۔ ہلکے آتے وہ لٹو کر چکا تھا کہ دنیا اسے ایک شہر کی وسعت تک محسوس ہونے لگی تھی۔ بلین تو خاصی دیر ہوئی آچکا تھا۔ گھر میں شور ہو رہا تھا اپر پورٹ جانے کے لیے بطور چٹک سب تیار تھے۔ ذریعہ کی کزنز۔ طارق حبیب وغیرہ۔

کوئی ضرورت نہیں ہے تاجیہ، لشکر تیار کرنے کی۔ طارق خود لے آئے گا۔ پھر جہاں اللہ آ کر گویا ہو میں تھیں۔

کیوں می فوزیہ مہمانی۔

طارق نے کہا ہے۔ وہ وہاں ملنے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

سب جھگ کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ جب طارق نے کہا ہے تو ظاہر ہے۔ میں بات کرتی ہوں طارق بھائی سے۔

اوج۔ ہوں۔ نور جہاں جاتے جاتے پھر پائیں۔ اور بیٹی کو مر رہی کی۔

یہ طارق بھائی خوب ہیں۔

کبھی تو رنگ جاتے ہیں۔ کبھی رنگ میں بھگے والے دیتے ہیں۔ فوزیہ نے منہ بٹایا۔

کے ذرا سنہل کے۔ میرے بھائی کی ترائی میرے ہی سامنے۔ طارق نے پوزیشن سنبھالی۔

پہلی ایسی عبارت ہے کہ فوزیہ نے چھکریوں۔

سکھیں کے لیے فاروق نے شریہ نڈر لائے ہیں پوچھا تھا۔

فوزیہ گزیرہ کریمہ کی تھی۔

ویسے کوئی مجبور دی نہیں ہے مابھی تو فاروق نے پھر اسے چھوڑا۔

کٹ۔ حبیب نے گویا بڑھکتی کی۔

تو یہ تو میرا ہاٹا لگ سے فوڑ لگا، ایک کڑی نے، خراب دور کو بچھو کر تو بھڑکی

تقریریں

حقوق کے کانوں میں یہ سب آوازیں مڑ رہی تھیں۔ اور وہ، رپورٹ جاننے کے سے

رہا تھا۔ سکھسم وغیرہ کے چکر میں درجہ کا اہل نہیں تھا۔

حاصلیہ کر کے دیکھو، لے آؤ گے کہ یہ نظر کیا تھا۔ سرخ شریف ملک میں

میں نے اس کے لئے ایک نیا نام رکھا ہے۔

شماره پنجم - فصل دوم - آذر ماه ۱۳۸۵

سرتانی امریکا کے ساتھ جو باتیں ہو رہی ہیں

یہ سب کچھ پڑھ کر دیکھو کہ کون سا کلمہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔

معدود پانچ سو روپے تک

سے جیتے میل میں نکلا۔

ہوؤں تو اور کلر بھی۔

مشرق و مغرب کا ملا جلا سا تاثیر، بھر رہا تھا۔ کانور میں بندے ناگ میں لوٹ گئے، گلا کیوں

میں چھوڑیوں اور مردانہ لباس

اسلام علیکم وعلیٰ آسرا کیسے جہاد نماز میں ہم کو ملے ہوئی تھی۔

طریقے سر کی جستجو سے اُسے جو اُسے فوج

جسے پکڑ کر زنجیر میں لٹکا دیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے سجدہ کو بھاری رقم کی ہمت پر منع کیا۔

مادامہ کہ یہ فیض و محبت اور ہرگز کہہ سکتا تھا ہاتھ بندھ کر نہ کر سکتا تھا نہ

۱- کتب و رسائل

کے کارروایاں پانچ پانچ کے پورے کرنا۔

2000

چند روز بعد از آنکه در آنجا رسیدیم

مہمان بہت ہے سمیرک سب دیر لے لی۔ آپ اسے لے کر درانیو پر چلے جائیں پھر۔

دریہ سے نہریں کسی مسجد کو کسی کے گھر کے لئے بہائے گئے۔ ایک ہدف پہنچ کر وہ دریہ و علیہ لکھوہ مارا۔

کے لیے تقاریر

حاشیہ

اور چھائی ہوئی۔

جیسے اس کی پروا نہ کرتے والے۔

اس نے آہستگی سے سعد کو قاپو کیا وراں سمت قدم بڑھائے جہاں کارپارک تھی۔

میں نے گاڑی کا رخ زبردستی کی سمت موڑ دیا تھا۔ یہاں شہر بکھڑا تھا۔ وہ دُور یہی تبدیلی کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ دُور یہی کی تبدیلی سے اس شدت سے محسوس ہو رہی تھی کہ اسے فیروزہ کی گمشدگی پر سرور خاموشی بھی بھول گئی تھی کہ فیروزہ کی محبت کو صرف محسوس کیا تھا جبکہ دُور یہی محبت کو برتا تھا۔ اس لیے دُور یہ کا غائب ہونا تعجب کی بات نہیں تھی۔ دُور یہ کے لمس سے اس کا وجود شائع تھا۔

اور فیروزہ کے صرف احساسات سے

اُسے انگشتات میں چمک کر کسی نتیجے میں پہنچنا تھا مگر سعد اُسے اس امر سے باز رکھنے کی ہر پور کوششوں میں مصروف تھا۔

اس نے ساتھ والی سیٹ پر حشر پر پا کر رکھا تھا۔ جبکہ ابھی میں نے صرف بیٹھنا شروع کیا تھا۔

باپ کا ہاتھ گھیر کی سمت بڑھتا تو سعد مستعد معاون کی طرح تیری سے اُس کی تقلید کرتا۔ وہ تو شکر ہو، کہ رات کا وقت تھا اور گاؤں کا کوئی گاڑی گزر رہی تھی۔ خاصہ وقت تو سعد کو کنٹرول کرنے ہی میں گزرا تھا۔ دُور یہ تک تو بہت کم راستے ہوئی تھی۔ جب وہیں ایر پورٹ پہنچا تو دُور یہ سہاگن کے ہمراہ اس کی منتظر کھڑی تھی۔

اُس نے سہاگن کا رنگ رکھا شروع کیا۔ دُور یہ کو اس نے گاڑی میں بیٹھنے کو کہہ دیا تھا۔ جب

وہ دُور یہ تک سیٹ پر آیا تو دُور یہ سعد کو فیروزہ سمجھائے۔ انھیں موندے سیٹ کی بجائے سے کمر لگانے بیٹھی تھی۔

اُس نے بھی تھوڑی دیر سناٹا چاہا۔ خاصہ لہجہ سننے کو تھا۔
سگر پٹ سگایا کر اُس نے پشت لگائی۔

آپ کب آئے اس نے دُور یہ کی آواز سنی۔
کل ہی میں آیا ہوں۔

وہ بھی ساتھ آئی ہے دُور یہ کی آواز میں عجیب سا کرب تھا۔

وہ میرے ساتھ نہیں گئی تھی۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ میں نے خاصہ ترخہ ہو کر جواب دیا تھا۔

دُور یہ استہرا یہ شکر، کرکڑی سے پاہر دیکھنے لگی گویا جتنا رہی تھی کہ اُسے کس کی بات کا اظہار نہیں ہے۔

تمہیں غبار نہیں ہے۔ مجھے ضرورت کیا ہے بھوٹ بونے کی وہ اس کے انداز پر جھکا گیا۔

میں تو جب سے چمپا ہوں، اس سے رابطہ ہی نہیں ہو سکا ہے۔ اگر کہو تو اپنے بچوں کی قسم۔
ممت، میں میرے بچوں کو بچ میں۔ وہ غریبی خالو نہیں ہیں میرے بچے۔
وہ کچھ کات لگا رہی تھی۔

وہ شخص اس کے ڈکھ کا احساس کرتے ہوئے حتی بات کہہ گیا تھا۔ دیر کا صبا و بچہ دیکھ کر اس کی خوشحالی نمود کرتی۔ اس نے تیزی سے کار کا دروازہ بند کیا اور دو تین گھنٹے لے کر سڑک کا باقی ماندہ ٹکڑا ہر پھینک دیا۔

تیری سے گاڑی چمک کی۔

یہ تم نے حلیہ کا ہی بنا رکھا ہے۔ اس جان کی ہوئی ہیں۔ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے لیں گی۔

اس نے ڈیرہ کو تاقدر انداز میں دیکھا۔

پتا ہے نہ گاؤں میں جس سوہائی کی پروردہ ہوں اس میں یہ کوئی انہونی نہیں ہے۔ وہ منہ

بنا کر بولی۔

مگر تم ان کی بہو اور میری بیوی بھی ہو۔ اس نے سہجہ نرم کر لیا۔

بیوی تو ایک اور بھی ہے آپ کی۔ اسے۔

وہ اگر تمہارے مقابلے میں میری اس کے معیار کی ہوئی تو اسے ہی گئے، تا پڑے گا۔

اس نے بات کسے ساتھ موڑ بھی کا نا۔

وہ اگر تجھ گزرا بھی ہو تو پوچھو اس کی بجائے مجھے ہی حلیے میں قبول کریں گی۔

اس نے عاقبت درجے کے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔

بہر حال۔ وہ میرے ہمراہ نہیں تھی۔ بلکہ چار ماہ سے مجھے اس کا کچھ پتا نہیں تھا۔

پچھلے کی نہیں تو اپنے سر کی قسم تو کھا سکتا ہوں۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈیرے کا شتہ تھام لیا۔

ڈیرے نے اس کا چہرہ دیکھا۔ صندوق اس کا آئینہ دار ہر قسم کے فطر سے جاری تھا۔ تو آپ کو تو بہت پریشان ہونا چاہیے۔ وہ واقعی بہت حیران ہوئی تھی۔

ایک تہائی حیرانی تو اس نے نظا ہر بھی نہیں کی تھی۔

ہاں آنکھیں تو ہے بہر حال۔

ڈیرے کا دل سکڑا اور پھر پھینکا۔ دلوں میں خون نہیں، انکار بندوڑے تھے۔

عموماً وہ یورپ جاتی رہتی ہے ممکن ہے۔ تا تو مجھے اطمینان ہے کہ۔ خیر چھوڑو۔

میں اس کا صرف پیچھے ہوں اور تمہارا گھر ہوں۔ میں نے اسے معاشرے میں سرخرو

رہنے کے لیے سہا۔ تو دیا ہے مگر وہ میرے محبت بھرے جھول وڑا، مائی راتوں کی تھنائی نہیں

ہے۔ میں تمہیں پسند بھی بنا چکا ہوں۔

اقرار محبت کے لیے معذرت کر چکا ہوں اس سے۔ نہ ہی بھلی جیسی بھی ہو اسے تو اہم تم

ہی ہو۔

آہ۔ بعض من چاہے لفاظ اس وقت نیسے کو ملتے ہیں جب حروف ٹکھو چکے ہوتے

ہیں۔ ڈیرے نے ڈکھ سے آنکھیں بند کر کے گویا آنسو روکے طارق نے خاموشی میں بہتری لگھی

کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر سو پوائنٹ پر، یہی اسٹارٹ کر دیا تھا۔

فوزی۔ یا درویش کہاں ہے میں نور کے جسم غفیر میں۔۔۔ ڈیرے کی تلاش میں ناکامی کے بعد

ہو تو ڈیرے کے پاس آ پاتھا تھا۔

میں نے، تکانہ جبر شوہر آج تک نہیں دیکھا۔ فوزیہ مہنی۔

ریڈیو جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ کہیں چلی بھی نہ کی ہوں مگر آپ کو بتانے بغیر کیسے چا سکتی ہیں۔ اس نے غصہ ہی، ہٹی بات کی تردید کی۔

ریڈیو۔ سوال بھی تھا اور استعجاب بھی۔ کیا مطلب ہے۔

ریڈیو کیوں جارہی ہیں محترمہ دوسرا سوال بھی بیساختہ مرزدہوا۔

ریڈیو۔ کیوں جاتے ہیں تو وہ ناس حسانہ کا موٹو گرام دیکھتے

فوزیہ نے جو ب میں سوال کیا تھا۔

طارق نے سخت خشکی سے اس کی سمت دیکھا تھا۔

اپنے بیڈ روم میں۔ ہیں۔۔ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ ویسے آپ کی کے ساتھ آج

آپ بھی چپے جائیں۔ ریڈیو دواں کا سوٹو ہے اور دو گوں سے خوش اسلوبی سے بات کرو۔

فوزیہ اس کے ذہن کی گہری عیوں میں ترے بغیر براہِ مذہبی کیسے چپے جا رہی تھی۔

وہ تیزی سے وہدہی کی سمت بڑھ رہی تھی جس کے آخری سرے پر ڈریہ کا بیڈ روم (آج

کل) واقع تھا۔ وہ خاصی چیزی سے اندر داخل ہو تھا۔ لیکن ڈریہ کی آواز پر قدم ٹھہر گئے تھے۔

سرور دراز طارق صاحب دے سارے کپڑے استری کر کے وارڈ روم پہنچا دے۔

ہور۔ دیکھ چٹکی طرے۔ صاحب توں شکایت ہوئی تے سمجھ وائے کی تیتھوں سویرا میں

دیکھیا۔ ناشتا ناں دی مرضی و نہیں سی۔

بی بی۔ گھر رنج پرا بنے ہوئے۔

سرور اس نے کچھ کہنا چاہا۔

ٹھیکس پتھامیوں۔ پروئے ہوں استہوں۔ اناں نور شکیت ٹھیں ہوئی چاہی وی اے۔

سینڈ ڈریہ نے باؤں میں تیز تیز برش چلاتے ہوئے قطعی نعرہ میں کہا۔

پنگاچی۔ سرور اس نے کہا۔

چل چھتتی فیر۔ صبر کیسے، اے ناں وی طبعیت وچ۔ شاوا۔

ڈریہ کے بچے میں بے پناہ غلٹ تھی۔ راولی سے وہ چلی ہوئی۔ اس کا احساس کرتی وہ

اتنی عجیب، اتنی پٹی کی محسوس ہوئی کہ وہ یکدم کھڑ رہ گیا۔

کہاں کی تیاری ہے

ریڈیو پر گیت ریکارڈ کرنا ہے۔ مستقل پروگرام میں بلک ہوں وہ راپروٹی سے ہوں۔

کس کی اجازت سے

اپنے دل کی اجازت سے۔ اس نے گاڑی کی چابیوں اٹھا لیں۔

تمہارے دل کی اجازت نامہ سرینڈ پڑ نہیں ہو سکتا۔ تم پر جذبات کا غلبہ کثرت سے رہتا

ہے۔ اس نے خاصی قوت برداشت کا مظاہرہ کیا۔

ہاں یہ تو ہے۔ وہ بڑے طنز سے مسکرائی۔

بلکس۔ کل گھر رہی ہو وہ اخبار اٹھا کر بیڈ روم ز ہو گیا۔

کاش کر سکتی۔ وہاں تک پہنچ کر آپ بھی کرتے رہے ہیں اتنے برسوں۔ میری چاہت کتنی بڑی خطا نہیں۔ یہ بھی سوچا آپ نے
 اُس نے پرس اٹھا کر بغل میں دیا۔
 میں یہ سب برداشت نہیں کروں گا۔ اُس نے جھکے سے اخبار اپنے چہرے کے سامنے
 پھیر دیا۔ دُور یہ نے اُس کی سمت دیکھا۔
 پھر گپا کریں گے

اگر مے ہاں زبان دراز احمد سے بڑھنے والی عورتیں بالکل پسند نہیں کی جاتیں۔ اپنی
 حدود قائم کرو۔ دُور۔
 دُور۔ دُور یہ نے دانت چبے۔
 دُور۔ طارق نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے شعلہ چالنگا ہوں سے ٹھکورا۔

میں تمہارے ہاتھوں پر ایک میل نہیں ہوں گا۔
 میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے حرف صحیح بتایا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے۔ تم صدمہ سے
 سطحی سے انسانوں میں زندگی گزارنے والی، کیا معلوم ہے تمہیں کہ عالمگیر نسبت کیا ہوتی
 ہے۔

عورت کو رقیق، القہب کہا جاتا ہے۔ جبکہ میں نے اس سے زیادہ سفاک ذی روح
 روئے زمین پر نہیں دیکھی۔ خود غرض۔ تنگ دل۔

خود جس شے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ دوسرے کے لیے وہی شے قوم سمجھتی ہے۔
 عیاشی نکاح کے بندھن نہیں پاندھتا۔ محض خالقون۔
 تم جیسی عورتوں نے زمین کو جھلک مسائل کا کھڑ بنا کے رکھ دیا ہے۔
 ہاں چار ٹاڈیوں کی اجازت دی جائے خوشی خوشی، مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔
 دُور یہ نے استہزائیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

لکس پرست انسان کی سوچ صرف بس۔ بس۔ تک پہنچ سکتی ہے اس سے آگے نہیں۔
 تمہارے نزدیک دو افراد کا قریب یا محض تسکین و اطمینان ہے۔
 دو افراد ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ عہد وفاداری بشرط ستوری لکس سے
 آگے بھی کچھ ہوتا ہے۔ محترمہ۔

اُکھٹا کھٹا کا سا، غصا بیوی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ بیوی کی صورت ایک انسان کو اس روئے
 زمین پر عزت کے ساتھ رہنے کا حق دیا جاتا ہے۔ وہ گلی محبت کی بات۔ تو مجھے تاہنا ہے کہ مجھے
 اس زمین و آسمان کے بچا کسی سے نفرت نہیں ہے۔ میری نگاہ بہت آگے تک دیکھتی ہے۔
 میری نگاہ کے ساتھ دُور یہ۔ جیت تو چکی ہو۔ ہم مرد واقعی بہت احمق ہیں۔ وسعت قلب و دُور
 عورت سے پتہ چلتے ہیں۔

دو کی منجانبش بھی دُور ہے۔ دو تکیاں۔ دُور ہو سکتی ہیں۔ دُور یہ طنزیہ بولی۔
 حساں جنکے وال، بہت بڑا خنسیس ہوتا ہے۔ مجھے محبت کرنے والی دُور یہ سے اچھے

چھوٹے پن کی امید نہیں تھی۔ برواشت سے فیصلہ کیا ہے تو نبھاؤ بھی۔

اور کیا کر رہی ہوں۔ دوری کی آواز بھرا گئی۔

کیا ہم ہمیشہ جھگڑتے رہیں گے وہ پوچھ رہا تھا۔

دور یہ فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

طارق کچھ دیر پہلے وہی دریہ کو سوچ رہا تھا۔ جو سرداروں کو ہدایت دیتی ہوئی کتنی اپنی سی لگ رہی تھی۔

کاش دریہ تم کی طرف پسند کو معیار زندگی نہ ظہر تیں۔ اس کا ذہن ان حالات کے انجام کی طرف سوچ رہا تھا۔ جواب سوائسٹن ان کرس مئے کھڑے تھے۔

تین چار ماہ کوئی مضمون غرض نہیں ہوتے۔ اس عورت کے لیے جو مل جاتا اس کے لیے تڑپا ہوا۔ پھر اس کے نکاح میں آ کر تھی بے نیاز ہو جائے۔ حدودِ رحمت کی بات تھی۔ ٹھیک ہے اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ وہ مہر سے وقت کی موافقت کا انتظار کرے مگر پرہیز آئے۔

مگر یہ بھی نہیں کہا تھا کہ اس سے بھی رابطہ نہ رکھے۔ بہرٹی والا یونیک تو اس نے نکاح سے پہلے ہی فروخت کر دیا تھا۔

کرائے کی کوٹھی خالی تھی۔

چکرنا، ایک قدورتی سحر تھا۔ اب وہ اُسے کہاں تلاش کرے۔ نکاح کا بندھن تو اس نے فیروزہ کی تعویذ سے بے باک تھا۔ بس ایک روائی تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

مگر راجد وہ کہاں۔ قاصد تھی یہ بات اس کے لیے معمولی نہ تھی۔

بار بار۔ جھگڑوں کی نظروں کے سامنے آتا تھا اور اس نے اللہ سے پناہ پائی

تھی۔ کہ جس جب اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے، اگر یہ سب ضائع ہو گیا

تو بیکہ کی بارت۔ لے دن فرقان آیا تھا اس سے ملے وہ چھٹیوں پر پنڈی گیا ہوا تھا اس

نے ایک خاص بڑا اتفاق سے سمجھا۔ کہ یہ رشتہ کی ماہ قبل آئی تھی اور وہ اُسے سڈنی روانہ کرنا

اس لیے بھول گیا تھا کہ والد کی غلاست کی وجہ سے وہ چھٹیوں پر کئی ماہ سے پنڈی میں ہے۔ سوچا

تھا کہ یہ بھی کوڑے دوسرے مگر پیچھے بھیجنے والے کا نام دیکھ کر مایوس ہو کر رہا۔

طارق نے جلدی سے اتفاق پٹا، پیچھے فیروزہ کا نام اور رہائشی جگہ کا پتا لکھا ہوا تھا۔

فرقان کو لکھانے پینے میں لگا کر وہ بڑی جلدت میں بیڈروم میں آیا تھا۔

اور ایسی انداز میں اتفاق چاک کیا تھا۔

چند تصاویر پھسل کر اس کی گود میں آ گئیں۔

اس نے ایک تصویر اٹھائی۔

احسان ماموں سے شک ہو گیا ان کی جودائی کی تصویر۔ مگر یہ ساتھ میں کون ہے۔ وہ اُن

کے ساتھ بیٹھی پری جمال کو بہت دیکھتا رہ گیا۔

فیروزہ میں مل تو رہی تھی یہ محبت مگر فیروزہ سے بہت زیادہ جیس تھی۔

اس نے عام فقیر و سگوت میں باقی تصویریں دیکھنے کا پروگرام ملتوی کر کے تہ شدہ خط

پڑھنے کو ولایت دی۔

اسی دم نعمان علی نے اندر کمرے میں قدم رکھا تھا۔

کس کا خط ہے بیٹے

کسی کا نہیں، ماموں جان۔ وہ چند سطریں ہی بمشکل پڑھ پڑھا تھا۔

یار، باریت تو کہیں شام گئے آئے گی۔ یہ بچے جلویا رنگ چلے کو کہہ رہے ہیں کیا خیال

ہے۔ چار سال پہلے آئے تھے تو وقت بہت کم تھا۔ یار انہیں بھی پاکستان دکھانا لازمی ہے۔

بہت شکایت کرتے ہیں۔

میرے خیال میں چھوٹے ماموں، شادی کے بعد ہی یہ پروگرام ٹھیک رہے گا۔ اس

بڑو ٹھگ کی چٹک میں کسی کو مزا نہیں آئے گا۔

کسی نے باتوں کے دوران تمام چیزیں وہیں لٹا دیں میں ڈال ڈالی تھیں۔ وہ مجھ عالم

اقبیت میں تھا۔ عزیز زبانا ماموں برسوں بعد واپس آئے اور وہ واقعی طور پر غائب۔

نعمان علی تو برسوں سے لندن میں رہ رہے تھے۔

کس کہانی کے وہ راز دار تھے۔ وہ کبھی طارق احمد فاروقی کے ہاتھوں میں تھی ورنہ علی

کے ساتھ دنگان میں بھی نہ تھا۔ کہ اس وقت کیا صورت حال ہے۔

تم ہی نہیں جانتے کرو۔ نئی لڑائی کے کان کھارہے ہیں ابھی جتا ہوں تمہارے پاس۔

نہیں نہیں۔ میں خود ہی رہا ہوں۔ دھور پڑا ہوا خدا اس کے اعصاب چٹخا رہا تھا۔ جلدی

سے ماموں گورو دکا۔

اُٹھ کے چلے ہی وریہ آئی۔

سہرہ اس کی گود میں تھی۔ شام کو سوٹ کا نہیں گئے۔

یا ابھی۔ سب کو اسی وقت مجھ سے رابطہ قائم کرتا ہے۔

ہوں۔ اُس نے جان بھر دی۔

یہ کس کی تصویر ہے ذریعہ نے ٹھک کر اس کے پاؤں کے نزدیک پڑو ٹو گرام ٹھہرایا۔

مگر ایک دم جیسے اس کا چہرہ غمگین ہو گیا۔

اس نے خوفزدہ، تھلاؤ میں طارق کی صحت دیکھا۔

یہ تو۔

یہ۔ چپا میں کتنا مل رہے ہیں۔ کون ہیں یہ۔؟ وہ جیسے کسی خیال سے جھپٹا چھڑنے

ہوئے ہوئی تھی۔

منے کی ابھی کوئے حد ہوتی ہے۔ اگر مشابہت کی، غائب ہوتی تو نعمان ماموں پر ہوتی۔

طارق نے خاصہ دکھ سے کہتے ہوئے فوٹو گراف اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔

کی مطلب ہے آپ کا؟

یہ آپ کے سہیلی ہیں۔ فوٹو گراف کی خوشگلی سے اندازہ نہیں ہو رہا کہ کتنا پرانا ہے؟ طارق

نے چٹائی لگا دو رہے کے دھواں دھواں چہرے پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

تو پھر ان کے ساتھ کون ہے؟ اس نے طارق کے ہاتھ سے پھر تصویر لے لی۔ اور غور سے دیکھنے لگی۔ کو باخود کلاسنیال نکلی تھی۔ اور حقیقت کی میت کھٹنے کے قابل ہو چکی تھی۔

باپ کا معاملہ تھا وہ بھی طارق کے ساتھ۔

کیا ہے طارق؟ کچھ بتاتے کیوں نہیں؟

مجھے بھی فی الحال کیا دانی نہیں معلوم۔

یہ اختیار نما خط ابھی پور نہیں پڑھا میں نے۔ اس نے براؤن لفافے اس کے سامنے ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

یہ کہاں سے؟ کس نے دیا ہے آپ کو؟ وہ جیسے کب پرے خیال کے تھک کاٹنے لگی تھی۔

ایک درمیانی عورت۔ ہوش رہا چہرہ۔ اس کے باپ کے ساتھ، مجھے وہاں نہ انداز کے ساتھ۔

کیوں؟ اس نے سعدیہ کو بیٹہ پر ڈال دیا۔

”یہ مجھے دیجیے۔ کیا ہے؟“

طارق نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

یہ تمہارا بے نام نہیں ہے۔

پھر کس کے نام ہے؟ وہ جیسے عا جرتی ہو رہی تھی۔

میرے نام ہے۔

وہی تو پوچھ رہی ہوں کس نے مجھ کا ہے؟

قدروانی ہو گئی۔ نہ جانے کیوں طارق کے سامنے ایک عجیب سا احساس توہین اسے

اپنے حصار میں قید کر رہا تھا۔

فیروزہ نے۔

طارق خود ایک گونگوں کی کیفیت میں تھا اس کی تشکی کا کیا معاملہ کرتا۔ لہذا مختصر جواب دیا

اور دوبارہ خط لکھا اور بیٹہ پر بیٹھ گیا۔

میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر پڑھ سکتی ہوں؟ اب پھر وہ بڑی مجبوری دکھائی دینے لگی تھی۔

بڑی جیتا بی تھی اس کے انداز میں۔

میں پڑھ کر تمہیں ہی دینا گرفتار کران تھا رے ہاتھ نہ بھی لگلا۔ شریک حیات ہونے کا

عہد جمع کر رکھا ہے۔ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ شادی سے پہلے میرا عقیدہ تھا کہ میں بیوی کو ایک

دوسرے ہی حریہ مکان کا بولنا چاہیے۔ اعتبار کے بغیر یہ شہ نہ بندھن نہیں قید با مشقت ہے۔

لیکن میری شادی ہی اس انداز میں ہوئی کہ میں سر سے پاؤں تک جزئیات میں تقسیم تھا۔ مجھے

احساس ہے میری مائے نے مجھے ہٹا کر دروازہ کر کے نہیں دیا ہے۔ مگر یہ سچ ہے کہ میں نے تم سے

کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔

اس نے دریا کی حالت کے پیش نظر بعد غمی سے اسے ناراض کرنے کی کوشش کی۔

تو اس نے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دور یہ بیٹھنے لگی مگر چاہے کچھ کر چھاٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک منٹ۔

اس نے دروازے کو بند کر کے لاٹک کاٹن دیا دیا تھا۔ سحر یہ بہت اطمینان سے ہاتھ پاؤں راح رہی تھی۔ بہت، مجھے سوڑ میں تھی۔ دور یہ طارق کے ساتھ بیٹھ کر خط پر نظر کر دوزخ لگی۔ اس کا خڑوٹی ہاتھ طارق کے مضبوط شانے پر تھا۔ اور اسی ہاتھ کی خنجر سے طارق کے دل کی کیفیت سے آگاہ ہو رہا تھا۔

(عقد نیو رک سے ارسال کیا گیا تھا اور کئی ماہ قبل کی تاریخوں میں تھی)

کس خطاب سے پکاروں۔ کوئی رشتی ہے نام بھی تو نہیں۔

آداب

طارق احمد فاروقی جیسے کے یہ حقیقت ہے کہ پھول کھلتے ہیں۔ اور جس طرح یہ سج ہے کہ آگ جلاتی ہے۔

بالکل اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ عورت اپنے مرد کی تقسیم برداشت نہیں کر سکتی۔

خواہ کتنی حساس ہو۔

کتنی مہربان ہو۔

کتنی ہی بیمار پیش ہو۔ خواہ اس کی وسعت قلبی کے کتنے ہی وقت تک سج چکے ہوں۔

مگر کوئی عورت اپنے مرد کو تقسیم ہونے کی اجازت دے سکتی ہے۔ تو یقین کریں طارق

احمد فاروقی۔

پھر وہ زندہ نہیں رہتی۔ زندگی اس کے ہے ایک دم بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ روز مرنے اور زندہ نہ رہتی ہے۔

اور اتنی ہمت وہی کر سکتی ہے جسے اپنے مرد سے محبت نہیں۔ عشق ہو۔

اور وہ کسی قیمت پر اپنے مرد کو منظر سے ہٹا ہوا دیکھنا برداشت نہ کر سکتی ہو۔

طارق۔ یقین کریں اس سے بڑا دکھ اس سے بڑا حساس تو صحن کوئی مرد اپنی عورت کو دے بھی نہیں سکتا۔

آج زندگی کہ اس سوز پر مجھے دور یہ کے ساتھ ہونے والا قلم اپنے وجود پر نازل ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔

آپ کو سوج رہے ہیں کوئی سوڑ۔؟

یہ وہ سوڑ ہے جس نے راتوں رات مجھے اس کا لڑکا دیا ہے۔ وہ حقیقتیں سامنے آئیں ہیں

کہ شوق نے کئی زماں کا فاصلہ ایک جھٹ میں طے کر لیا ہے۔ دراصل عمارتوں تو وہ ہے نا۔

جو اپنی اور انسانوں کی سمجھ رکھتا ہو۔ اور۔؟ یہ وہ سوڑ ہے طارق۔

جہاں آپ کو انتخاب کا امتحان درپیش ہو سکتا تھا۔

مگر میں نے اس امتحان سے آپ کو بچا لیا ہے۔

ذرا سنبھل کر طارق۔ آپ کے لیے۔

یہ حقیقت جڑی عصبانیت ہو سکتی ہے۔ کہ میں اور دور یہ۔ ایک ناپ کی اور اوڑھیں۔

اس کی تفصیل اس خط میں سب سے آخر میں آپ پڑھ سکیں گے۔

اور ہمارے مذہب میں یک باپ کی دو لڑکیاں ایک شخص کے نکاح میں یک وقت

نہیں رہ سکتیں۔

اور میں اور میرا ایک باپ کی اور دو ہیں۔ نہیں ہیں۔

یہ انکشاف جب ہو تھا تو میرا دل چاہا تھا خدا کرے یہ لفظ ہو۔ یہ احسان علی کوئی اور

ہو۔

کتنی امیدیں ہمارے دل میں ٹکبر گئی تھیں ان کو شوروم میں بغور دیکھنے۔

آہ۔

طریق۔ اگر آپ در یہ کے علاوہ محترم بزرگوار والد صاحب (احسان علی) کے سامنے یہ

واقعہ ظہر کریں۔ تو اتنا ضرور کہہ دیجئے گا۔

کسی کو مشکوہ بنا کر نئے بیخبر بھی نہیں رہتے۔ ہوگا۔ اپنی اور دو تلاش کرنا فرض اول ہونا

چاہیے

تھا۔ اور طریق۔ جس جس کے والدین تک آپ کی رسائی چاہتے ہیں کو یہ پیغام ضرور دیجئے

گا۔ کہ اولاً کو پر قیاس حال دیں نہ دیں۔ خوش نام ماضی ضرور دیں۔ اس سے چھٹی وراثت شاید

ہی ہو۔ جب لوگ مجھے ہیرے پیش کرتے تھے تو چندی ت کے لیے میرا وجود و روح ہوتا

تھا۔

310

آج، مئی ہیروں میں سے کوئی ہیرا ہمیشہ کیلئے اس جسم کو کیسٹ روح سے چھٹکارا کا دے

گا۔

در یہ سے کہیے گا مجھے معاف کر دے چچا دل سے۔

اس حقیقت سے واقف ہو کر جب کلی حقیقت سامنے آئی کی اب آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا۔

آپ میرا انتخاب کرتے ہیں یہ دیکھا۔

تو آگئی کہ اس دور میں مجھے در یہ کے عظیم دکھ کا اندازہ ہو جو میں نے اپنی خود غرضی کی

وجہ سے اس کی جھولی میں ڈالا تھا۔

جب مجھ پر یہ خوفناک تصور حاوی ہو، آپ کو پانے کے بعد کھانے کا مرحلہ درپیش ہے تو

مجھے احساس ہوا کہ در یہ نے تقسیم کا مرحلہ کس طرح طے کیا ہوگا۔ یقین کیجئے، اپنے وجود سے

نظرت محسوس ہوئی۔ مگر ساتھ ساتھ یہ بھی علم میں آیا کہ در یہ راہنما راہنما کرتی خود را، مجھ میں چکی

ہے۔ مگر نا آپ کا یہ عمل اسے ہمیشہ کیلئے آپ سے دور کر دیتا۔ اس لیے اس کا مستقبل ہر طرح

سے محفوظ ہے۔ اس کا کوئی معاشی مفاد یا معاشی مجبوری آپ سے وابستہ نہیں ہے مگر اپنے

تجربے کی روشنی میں کہہ رہی ہوں اسے آپ کا وجود آپ کا نام مجھے آپ سے وابستگی دیکھ

ہے۔

کتنا ظلم ڈھایا ہے میں نے اس پر اس کا دل اویہ ہے کہ میں آپ سے ہر تعلق و ہر رشتہ

ختم کر رہی ہوں۔ اور آپ سے محبت کے ہر دعوے کو لازم کی صورت واپس لے رہی ہوں۔

اس پاپائے مست میں جب امر کی پائیس میرا وجود، حیرت و جود ٹھانے آئے گی تو ہاتھ لگ
بھی حیران نہیں ہوگی کہ۔

یہ یہاں کے معصومات میں سے ہے۔ اسی لیے اتنی دوسری آئی ہوں۔

شور و مین جب اپنے معزز باپ کو دیکھا تو دل ہلک ہلک کر کہہ رہا تھا کہ ایک بامرن
کے سینے سے لگ کر اپنے سارے آنسو بہا رہے ہوں۔ مگر پھر مشکل ہو جاتی اور میں بھی دل میں
اتنی گنجائش کہوں کہ جس ہستی نے میرے وجود سے غفلت برتی۔ میری زندگی سے میری
ماں سے ترک تعلق کیا۔ میری موتی جیسی زندگی کو چٹان کا ذرہ بنا کر رکھ دیا۔ واضح نسب کے
باوجود مجھے، تو ہم جیسی زندگی دی۔ میں اس سے محبت و عزت کے ساتھ ملتی۔

مرتے وقت اہل بیت یہ سکون بہت ہے کہ میں اس معاشرے کی گالی نہیں ہوں۔ میرا باپ
ہے۔ معزز و خوش نام باپ۔ سن رہے ہیں طارق۔ حسان علی میرے باپ ہیں۔ سریندا نیڈ
باپ۔

اب بیٹے، میں ثابت کروں کہ کیسے۔

دور یہ کی آنکھوں سے دھمک روں شے دل کی عجیب سی حاست ہو رہی تھی۔ محاس نے
طارق کے شانے سے سر ہلا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اپنے باپ کی رسوائی پر دونا آ رہا تھا۔

یا فیروزہ کی جیسی پر۔

یا پھر اپنی بدگمانیوں پر۔ جو طارق سے جدائی کے ان گھنٹوں میں پر رات اس کے قلب
میں خیر بن کر اترتی تھیں۔

ہر رات یہ بھیا تک تصور سے سونے نہیں دیتا تھا کہ طارق اس سے دور ہے اور فیروزہ
اس کے پیلو میں۔ کہاں اس کی وہ نقایح حاست، اور کہاں فیروزہ کی موجودگی میں آہنگ کے
ساتھ تعلق۔

دور یہ سوچا کہ وہ مسکراہٹ جو اس کے سینے پر لپٹنے کا خواب ہو چکی ہے۔

وہ مسکراہٹ فیروزہ کو نہال کر رہی ہوگی۔

مگر۔

یہاں اس وقت اس خط نے طارق کی تمام چابیوں کو ثابت کر دیا تھا کہ وہ سٹڈی میں

تجربہ تھا۔

مہر صد اوقات ایک ایک طرح سے بہت تھی۔

بالا اس نے اسی طارق کو چاہا تھا۔ یہ ہے علی بیبا، اونچی، بلند، غیر معمولی۔ اس نے جو سمجھا
تھا حقیقتاً وہی تھا۔ کیا بات ہے دور یہ؟ اب کیوں رو رہی ہو؟ طارق کی مضمون می آواز بھری۔ میں
تہہ رے سے مٹے کسمی اس واقعے کو نہیں دہراؤں گا۔

احسان علی، اگر تمہارے والد کا نام ہے تو میرے حقیقی ماس کا نام ہے، اگر وہ تمہاری ماں
کی سرخرو کی کاؤر یہ ہیں تو میری بھی ماں کی عزت کا سوال ہے۔

انہیں۔ کمرشل رکھدور میں کھولتا ہوں دروازہ۔ اور دیکھو۔ چہرہ صاف کر رہا۔ میاں ٹاٹ یہ
 نکھیں کہ میں کمرہ بند کر کے تمہیں زود کو باہر کر رہا تھا۔
 دریں نے جلدی سے دوپٹے سے چہرہ پونچھ ڈالا۔ تھا۔ بوجھل سے، حوصلے سے۔
 اس کا یہ دل بڑے لطیف سے احساسات پیدا کر چکا تھا۔
 اس نے دروازہ کھولا۔

میرے فوزیہ نے بھی اور دوسری لڑکیاں کھڑی تھیں۔ میرا کچھ خیال کرو۔
 پتہ ہے بہت دنوں بعد ملے ہو گریہ و دہائی کرنا بھی ضروری ہے کہ شادی کا گھر ہے۔
 میں۔ بارگاہ کاوت ہے۔ نعمہ بھی نے طبیعت صاف کی۔
 ممافی جان کہہ رہی ہیں کہ یہ کو ہوٹل پیسے پہنچنا چاہیے، نگاہات دیکھنے، اس لیے کہ وہاں
 والے وقت کے بڑے پابند ہیں۔ وہ مزید گویا ہوئیں۔
 ٹوبہ پار گئی؟ در یہ کو معایا آیا۔

آج کی؟ فاروق نے پیچھے سے آ کر کلک لگایا۔ سنا ہے پرفٹے زمانے سے ان کا قیام و
 طعام وہیں ہے۔
 سنی سنائی پر کان دھرنے والے اپنا جھوٹا کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ در یہ نے شگفتہ انداز
 میں جھوٹ کر کے اپنے غدر کی تھکن کم کرنے کی کوشش کی۔
 اور آپ سے رشتہ دار قی تو میں سمجھتا ہوں۔ وہ کب چپ رہنے وار تھا۔

شرم کیجیے۔ بڑی بھائی کو جو یہ دے رہے ہیں۔ فوزیہ نے نوا کر
 ہاتھ دے دیں۔ ہا ہوں۔ آپ لے لیجیے۔ اس نے شرارت سے دے دیا۔
 اس شور و شرابے میں۔ اس کے سینوں پر پڑے۔ نگاہ سے کچھ سروے ہوئے تھے۔
 اور بان سنو۔ وہ تہہ داری سازمی پریس ہو گئی ہے۔ فائنٹ تیار ہو جاؤ۔ نعمہ نے در یہ سے
 غلٹ کے انداز میں کہا۔
 ٹھیک ہے۔ سنیں آیا کو بھیج دیں۔ سعدیہ کو لے جائے گی۔
 افس خدایا! آپ کس قدر رنج ہو چکی ہیں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کہ آپ ایک
 دن ایسی ہو جائیں گی۔ تکی خوش خوشی بچے پال رہی ہیں۔ تعجب ہے۔ کبھی سعدیہ پاس ہوتی ہے
 کبھی سعدیہ فوزیہ نے در یہ کی دست دیکھا جو بچی اٹھانے بیل کی دست بڑھی تھی۔
 دراصل پھوپھو کو بچوں کو آیا کے پاس تمام وقت چھوڑنا پسند نہیں ہے۔ اس نے ذرا
 جھینپ کر اپنی ایک کزن سے مسکرا کر کہا۔

ایسا لگتا ہے آپ کی غلطی کی مراد ہی ہے، نعمہ نے۔ ذلل ڈال بیڑو۔
 آپ بھی اللہ کا خوف کریں بوجھے ہوئے کھنڈر آپ نہریں۔ ایک ہی دفعہ میں بڑھک۔
 ان کے رشتے کی بات جیت چل رہی تھی جس کی بھنت فوزیہ کی کزنز کو مل چکی تھی۔
 فاروق کی بات پر میں خستہ قہقہے برے تھے۔ فوزیہ نے گھوڑ کر اسے دیکھا تھا۔ تعظیم سے
 فراغت کے بعد غفکری کے موسم میں زیادتی تھی، سارٹ ہو گیا تھا۔ سائیڈ سے طارق کی جھلک

ماننے لگا تھا۔

سجدہ کو اٹھا کر دریا کے حوالے کر آئی تھی۔ کمرے میں عجیب مائل شروع ہو چکا تھا۔
طارق ہاتھ روم میں تھا۔ ان دونوں میاں بیوی کی ذمہ داری تھی کہ وہ ہونٹل کے انتظامات چیک
کریں۔ ویسے ان کی سپر وژن میں جسے راحت تھی۔

کمرہ خالی کر کے دریا تیزی سے تیاری میں مشغول ہو گئی تھی۔ پارہ جانے کی ضرورت
نہیں تھی کہ بال ترشے ہوئے تھی۔ آنکھوں کا میک اپ وہ مہارت سے کر لیتی تھی۔

چٹنی کوٹ اور جاکوڑ پہنے جب وہ ہاتھ روم سے باہر آئی تو طارق اسے آپٹنے میں دیکھ کر
چونک اٹھا۔

ارے یہ کیا وہیات ڈر نہیں ہے؟ وہ جو عجیب مجھے مجھے انداز میں تیار ہو رہی تھی اس کی
بات سمجھ کر مسکادی۔

ابھی یہ وہیات ڈر نہیں ہے اس پر مجھے گز کپڑ پہینا پاتی ہے۔

اوہ۔ وہ گہر ماس لے کر باہر میں برش چلانے لگا۔

ابھی تک دونوں گزروے وقت میں محو تھے۔

مگر ایک مرتبہ بھی کوئی بات نہ ہوائی تھی نہ اثرات دیے تھے۔

میں سوچ رہی ہوں کتنا مشکل ہے، اندر سے ٹوٹا دہرے خوش نظر آتا۔

تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔ وہ بلا راہ کہہ بیٹھا تھا۔

دیر ایک لمحے کو کسم پسی ہوئی شاید کوئی چوب سوچ رہی تھی۔

مجھے سینک پانچ تھیں ہیں۔ ایک دل میرے پاس بھی ہے۔ انسان کا دل۔ خواہشات و
تمن میں اچھی جگہ۔ آنکھوں پر دھجی ہونا بظہری سہ حساس ہے۔
کوٹ ہرٹس کہاں ہے؟ طارق نے جیسے بات نالی تھی۔

دریا نے چنگی دروازے کوٹ ہرٹس نکالا۔ بچوں کی وجہ سے دروازوں میں چیزیں رکھنا پڑتی
ہیں۔ (اس کا اشارہ مہمان بچوں کی طرف تھا)۔

پھر وہ طارق کے قریب آئی۔

فان کلر کے جاکوڑ اور چٹنی کوٹ میں اپنی گلابی رنگت کے ساتھ وہ لندن کے جاکوٹ خانے
کا ایک مجسمہ دکھائی دے رہی تھی۔ ڈرامیڈ کی ٹونگ نے جیسے چہرے پر چڑھا س کر دیا تھا۔

وہ طارق کی کوٹ پر ہرٹس کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو رک کر اس کی نالی کی ناٹ چیک کی اس
کے ایک ایک عمل میں اتنی بنائیت و حقیقی پن تھا کہ وہ گہمی نظر سے اس کا ٹوٹس لینے پر مجبور
ہو گیا تھا۔

یہی کیا بات ہے مجھ میں؟ کیوں اپنی زندگی کو کاغذ پر ڈال؟ خواہ مخواہ کے دکھ۔ خود پر
تس نہیں آتا کبھی؟ وہ اس کی آج و بقی قربت سے پھیل رہی تھی۔ اور وہ سفاکانہ سوال کر رہا
تھا۔

کوئی تو بات ہوگی۔ پیچھے ہٹے گی۔

طریق تھے اس کا بازو تھا کم کر کے قریب کیا۔ جواب نہیں دیا تم نے۔

کوئی حتمی جواب نہ دیا ہوتا ہے کہ اس سے ملنے والے دکھ بھی مزہ دیتے ہیں۔

وہ اس کی سپینڈنور تکھوں کی چمک سے شہنشاہ کر بس بھی کہہ سکی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

چلو موجودوں میں تو بہر حال نام جوا۔ چند کھٹے قیل کے واقعات سے اپنا بھی پیچھا چھڑاتا

چاہتا تھا اور یہ کانجی۔ اسی کوشش میں یہ جملہ کہہ تھا۔

اچھا سنو۔

ہوں۔

کل ولیم ہے۔ پرسوں صبح ہی مجھے سوت روانہ ہونا ہے۔ پتا نہیں ان بچوں کا کیا پلنگہ

ہے۔

میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔ دوریہ نے اشتیاقی غابریل۔

نہیں میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں ہوگا۔ دو بچے تمہارے ہونگے، دو وہاں۔ ہوگ

دیکھیں گے تو مجھ پر ترس کھائیں گے۔ تمہاری اہمیت کو وہ دیکھیں گے۔ اس نے شہنشاہ سے کہا۔ کہ

اسی کم عمر میں؟

دور یہ بری طرح جھینپ گئی۔ پھر یوں۔

خیر لوگوں کے ہاں تو دین بن بھر ہوتے ہیں کوئی ترس کھاتا ہے ورنہ۔

مجھے کوئی حتمی نہیں۔ وہ شریر ہو اس کی بات کاٹ دیتی تھی۔

صاف کہہ دیں مجھے لے جانا نہیں چاہتے۔ اتنی باتیں کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

دو ہفتہ کرساڑھی واروہوب سے نکالنے لگی۔

دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔

وہ صبح صبح موت پہنچ گیا تھا۔

احساناں نے لگی دروازہ کھلی کہ اتنی دیر جھنکی میں سوت جانے کی وجہ کیا ہے۔

وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔ دل بیساختہ پورا تھا۔

آپ کی فصل کا لگان شاید میرے حق میں لکھا گیا تھا۔ مگر وہ زہان سے کچھ کہہ نہ سکا

تھا۔

اس کی اور دوریہ کے، مبین ایک خاموش سمجھوتا ہو گیا تھا۔ اور دونوں خود ہی اس موضوع

سے بچ رہے تھے۔ بلکہ دوریہ تو طریق سے چھپ کر کئی مرتبہ وہ تصاویر دیکھ چکی تھی جیسے پناہ شک

مٹانا چاہتی ہو کہ اس کا کہانی کا کردار حسان علی حقی اس کے چہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔

اور قیر وہ نے پناہ کوئی پتہ ورنشائ نہیں چھوڑا تھا کہ طریق اس کے سر پر ایک تازہ

گلاب ہی رکھ آتا۔ پا کوئی سپر شاخ مرقد کے سر ہانے آہا کر تاکہ اس سبز خٹک سے اس کی

آنچ دی جی عمر وہاں خٹکی رکھ کی صورت میں بدل جاتیں۔

اس نے دوریہ کے سامنے خود کو بہت نارمل اور متوازن غابریل تھا۔ مگر اس بات کا رنج

بہت تھا کہ احسان، مومن اتنے وقت دیکھ کر پرست ہیں کہ مال کا کوئی ذرہ ان کے خوب میں
نہیں دھڑکتا۔ وہ جوتے بڑے اٹھلا ب کے حرف اول ہیں۔

پھر ایک دم سے خیال آیا۔

وہ یہ کیسے سوچ سکتا ہے۔

اس کے اندر بھی تو قیامتیں برپا ہیں، اسی کہانی کے حوالے سے مگر کسی کو احساس بھی نہیں
ہو سکتا تھا کہ وہ خود پر قابو پانے کی چھٹی صاحبیت رکھتا ہے۔

ہو سکتا ہے احسان، مومن بھی اندر کی جنگ سے تباہ ہوتے رہے ہوں۔

نئی سوچوں میں غلط جب وہ منگورہ پانچا تو ایک ادھیڑ عمر آدمی اسے اپنا منظر ملا۔ پتا چلا
خوب ہے۔

ہو طارق صاحب۔ آپ کدو ہوتا تھا صاحب بولا تھا بچے طارق صاحب کے حوالے
کر دیتا۔ پھر چار مینے (مینے) سے آپ کا منظر ہوتا تھا صاحب بھی، امریکہ سے واپسی
نہیں آیا۔ خوب واقعی سخت پریشان تھا۔

گل زر مینے بھی لڑتا ہے کہ جھٹی نہیں ملا وہ اپنے گاؤں نہیں گیا۔

چوتھ ٹکڑے کروا صاحب گل زر مینے کی جھٹی ہی جھٹی۔

یہ مکان بھی صاحب کا ہے؟ طارق نے گھر پرانگا ڈالی۔

ہاں جی۔ یہ چھوٹی ٹھکانے کا نام کر گیا ہے۔ آپ کو خبر ہے چھوٹا بھی صاحب عرب چلا گیا

بہت شادی کر کے۔

وہ طارق کے لگاؤ غایا ستارہ کے پارے میں ارشاد ہوا تھا۔

میں اسی وقت اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ فیروزہ نے یہ میں ستارہ کا کوئی تذکرہ
نہیں کیا۔

اس کا مطلب ہے ستارہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی خیال پر اس کا یقین قائم ہو
گیا تھا۔

بہت وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ جب فیروزہ کو بچہ کے ہاپ کا فون نمبر معلوم تھا تو اس
نے خود اسے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا۔ اب یہ معذور روز مشرق مل ہو سکتا تھا۔ یا پھر عمر کے
ذریعے حقیقت معلوم ہو سکتی تھی۔

صاحب چھوٹا صاحب مری میں ہے۔ ویک اینڈ پر ہم اس کو ملتا ہے۔

میرے پاس خود بہت تھوڑا وقت ہے۔ ویک اینڈ میں تو تین دن باقی ہیں۔ کیوں نہ میں
خود فون کر کے کہہ دوں کہ بچے کی جائیں۔ اسے خیال آیا۔

مگر اب یہ تجسس بھی پیدا ہو چکا تھا کہ فیروزہ کا سن بچوں سے کیا تعلق ہے پھر فیروزہ نے
خفت تاکید کی تھی کہ وہ خود ان کے ہاپ کے حوالے کر کے آئے۔ ہر حال میں صرف ان کے
ہاپ کے حوالے کرنا ہے کسی تھوڑے پر سن کو اس معاملے میں ڈنکے سے کس نے منع کیا تھا۔ ہند وہ
اسی تھا۔ پابند تھا۔

کی نگل۔

جب تم پہنچا کے پاس پہنچ جاؤ گے تو بتاؤں گا کہ وہ کب تو نہیں گی۔

وہ محسوس ہو تھا مگر اس نے فیروزہ کی موت کی خبر اسے ستا دی تو یہ برداشت نہ کر سکے

کا۔

عمر نے بھی، صبر نہ کیا۔ شاید پہلی ملاقات کی بھجک تھی۔

بچہ کو آیا کے پاس چھوڑ کر وریہ بھی دو دن کے لیے اس کے ہمراہ کر پئی آئی تھی۔ عمرو

مگر پا کا بے حد خیال رکھ رہی تھی۔ عمر تمام واقعات فرد شوٹ کر کے اس خوشی میں سرشار تھا کہ وہ

اپنے بچے کے پاس جا رہا ہے، جیتے اس نے بشر کا وقت بارہا دیا۔ وہ طارق سے کیا اور وہ دونوں

سوچ میں پڑ گئے تھے کہ بشر کو کیا ہوا تھا۔ بہت کریدنے کی ضرورت اس لیے محسوس نہ کی تھی کہ

اب تو وہ وہاں ہی جا رہے تھے جہاں سے انہیں تعلق خود بخود معلوم ہو جاتا تھا۔

کرچی وینٹس پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ بہت علی شاہ کو کھد گئے ہوئے ہیں، ان کا بیٹا بشر بھی

ان کے ہمراہ ہے، ایک ہفتے سے پہچان کی واپسی نہ ہوگی۔

ڈر، یور، اور بٹلر نے جس طرح بچہ کو دیکھ کر تعجب اور بے پناہ خوشی کا اظہار کیا تھا اس

سے کہیں زیادہ عمر نے جھل کو دیکھا کر خوشی کا ظہار کیا تھا کہ بشر بچہ کے ساتھ ہے۔

اس نے تنہائی بستراری کے ساتھ طارق سے اصرار کیا تھا کہ وہ کوٹھ چلے جب کہ طارق

خود بھی ایسا ہی کرتا پتا تھا کہ وہ بھی ایک ہفتہ انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

بچہ نگل۔ شاید انہوں نے کراچی واپسی نے میرے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔

یاد نہیں ایسا نہ ہو میں پاگل خانے کی روتی بڑھانے لگوں اور تم پھر غیر مل شدہ سوال بین

کر رہ جاؤ۔ یہی فرصت میں اپنا سامان لے آؤ۔ جو نہ چاہتے ہو۔

طارق تو جلد۔ قتل جیسے الفاظ سن کر ایک دم کھڑ ہو گیا تھا۔

آپ کی کے کزن ہیں؟ عمر جاتے جاتے پٹا۔

ہو۔ اس نے ہوس میں ایک جگہ کا اعتراف کیا۔

پتا نہیں مگر اتنے دنوں سے کیوں نہیں آئیں۔ ورنہ بھی نہیں کیا۔ بہت دنا پیسے ان کا

فون آیا تھا، امریکہ سے کہ تمہارے طارق نگل آئیں گے، وہ کراچی تمہارے بچے کے پاس

چھوڑ آئیں گے۔

ویسے تو میں خود بھی کیا کر چکی جا سکتا ہوں۔ میں بڑا ہونچکا ہوں۔ مگر گریڈ چھوٹی ہے۔

اب مجھے اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ آفٹر آل آئی۔ ایم۔ یڈر برادر۔ (شر میں بڑ بھائی

ہوں۔)

طارق کو ہر وہاں سے بولتے ہوئے معصوم بچے جوڑ کہیں کی حدوں کو ہنس پھلا گئے تھے وہ تھا۔

بہت پیار لگا۔

آپ کو پتہ ہے کی کب آئیں گی؟ وہ پوچھ رہا تھا۔

کوئی دن۔ امریکہ واپس؟ طارق نے اس کا معصوم چہرہ دیکھا۔

البتہ اس کا ذہن بدستور الجھا ہوا تھا کہ عمر نے خدا تعالیٰ سے بشر کے نقل کا تذکرہ کیا تھا۔ اسے خود بخود اس گہرائی سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔

پہلی فرصت میں ان کے ڈرائیور کو ساتھ لے کر گوشت خانہ روانہ ہوئے۔ کہ وصیت کے مطابق بچے صرف ان کے باپ کے حوالے کرنا تھے۔ اسے اس اصرار کا رد بھی معلوم کرنا تھا۔

گوشت خانہ پہنچ کر عجیب و غریب نظارے دیکھنے کو ملے۔ دریہ اور وہ دونوں دم بخود تھے۔ ولایت علی شاہ جیسے قوی ہیکل مرد کو انہوں نے سرتا پا لرزتے اور آنسو بہاتے دیکھا تو حزیہ سوالات پیدا ہوئے۔ وہ عمر اور گڑیا کو آغوش میں سیٹھ پھاٹک کے عین درمیان بچوں کی طرح رو رہے تھے۔

پھر انہوں نے اندر کی سمت شور اٹھتا دیکھا۔ معمولی سے کپڑوں میں ملبوس ملل کی چادر لپیٹے ایک عورت دیوانوں کی طرح بھاگتی آئی تھی۔ اور ولایت علی شاہ سے بچے جھپٹ لیے تھی۔

دریہ نے بیوی الجھن اور حیرانی سے طارق کی سمت دیکھا تھا، ادھر بھی حال مختلف نہیں تھا۔ پھر ولایت علی شاہ نے طارق کے ہاتھ تمام کر دقت بھری آواز میں پوچھا تھا۔

میرے محسن۔ آئیے۔ اندر تشریف لائیے۔ آپ بھی۔ وہ دریہ کی سمت متوجہ ہوئے مگر وہ دونوں روشن کی سمت متوجہ تھے جو بیہوش ہو چکی تھی۔ اس نے ولایت علی شاہ کو متوجہ کیا۔

ولایت علی شاہ چونک کر پلٹے۔ عمر کے چہرے پر بڑی ترسی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اور جھٹ کر

روشن کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ وہ سمجھی ان کے پیچھے ہو لیے۔

طارق نے دیکھا کہ محسن کے بچوں کے ایک پروقار سا بزرگ چھڑی تھامے کھڑا ہوا تھا۔

وہ بھی سمجھا کہ ولایت علی شاہ کے والد ہیں۔ اس نے دریہ کو بھی اشارہ کیا کہ انہیں سلام کرے۔ دریہ نے جیسے ہی انہیں دیکھا نیلا آنچل اپنے سر پر ڈال لیا۔ کچھ تھا ان میں کہ اس سے بے ساختہ یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔

اسلام و علیکم طارق نے مودبات کہیا۔

علیکم اسلام۔ اللہ کرے یہ طوفان بخیر گزر جائے۔ وہ بہت گمن سے انداز میں گویا ہوئے

جی۔؟ طارق گڑبڑا گیا۔ طوفان۔ کونسا طوفان؟

جوانی۔ طوفان نقل تو ہوتی ہے۔ اور دعا جب ہی مکمل ہوتی ہے جب حال اور مستقبل دونوں کو مد نظر رکھ کر دی جائے۔

عجب آسودہ سی مسکراہٹ اور بیخیزی سے جواب دیا تھا۔

طارق کے تو جیسے حواس گم ہو چلے تھے۔ اتنی گھمبیر باتیں کرنے والا یہ طنطی چھلپا کی طرح محسوس ہونے والا بڑا ہا۔ اسے ہل میں متاثر کر گیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ جیسے اسرار و عجائب کی دنیا میں آ گیا ہو۔ یوں لگ رہا تھا۔ یہ تمام اقرار پر اسرار ہوں عجیب و غریب بے دازوں کے لیکن۔

اس کے تجسس کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اس فیما نہ کا سب کی تہہ تک پہنچ جان چاہتا تھا۔

یہ؟ وہ دریا کے سر پر ہاتھ رکھے طارق کی سمت متوجہ ہوئے۔

بیوی ہے میری۔ وہ جلدی سے بولا۔ میاں صاحب مسکرا دیے۔

ایک دوسرے کو حقوق کا خیال رکھنا، یہاں بھی خوش۔ وہاں بھی خوش۔

وہ جیسے خود ہی سے کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے جہاں عمر، بشر سے والہانہ انداز میں مل رہا تھا اور پوچھ رہا تھا۔ کہ وہ کہاں کھو گیا تھا۔ بشر اس سے ان سوال کر رہا تھا کہ اسے اور گڑیا کون لوگ پکڑ کر کے گئے تھے؟

عمر نے جب طارق اور دریا کو کھڑے دیکھا تو انہیں بھی وہیں لے آیا جہاں اس کے والدین اور میاں صاحب موجود تھے۔ گڑیا روشن کی گود میں تھی چار سال کی صحت مند بچی کہیں بڑی لگ رہی تھی۔

روشن میاں صاحب کے گھٹنے پکڑ کر ہلکے ہلکے کہہ رہی تھی۔

میاں صاحب میرے اعصاب بہت کمزور ہو چکے ہیں نہ اچانک خوشی برداشت ہوتی ہے نہ غم۔

اب تو شاہ صاحب کو میری نیت کی درگی کا یقین آ جانا چاہیے کہ اللہ نے ہماری آزمائش ختم کر دی۔ میں ان کی۔ اور ان کے بچوں کی یاندی ہوں۔ میاں صاحب آپ شاہ صاحب کو

یقین دلاؤں گا۔

میاں صاحب محبت اور شفقت سے روشن کے سر پر ہاتھ بھر رہے تھے۔

ولایت علی شاہ نے مہاتوں کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھے تو مسکرا دیے۔

میرے بچے جس طرح آب سے پیش آ رہے ہیں۔ یہی ثبوت کافی ہے کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ ان کے دوست ہیں ہمارے دوست ہیں۔

اور دوستوں سے کوئی بات راز نہیں رکھی جاتی۔ آپ حیران نہ ہوں۔ ابھی تو آپ کی ہم نے سنا ہے اور آپ نے ہماری۔

انہوں نے سرخوشی کی کیفیت میں طارق کو مثالوں سے قہام لیا تھا۔ اور دریا کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

ولایت علی شان نے بعد اصرار دریا اور طارق کو روک لیا تھا کہ قد اپنی رہائش گاہ واقع کراچی میں جشن منانا چاہتے تھے۔ اور متنی تھے کہ یہ دونوں بھی شریک ہوں۔

دریا تو اس ارادے سے نہیں آئی تھی کہ وہاں کوئی جشن بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس نے طارق سے شاپنگ کے لیے کہا تھا۔ بمشکل چند گھنٹے نکال کر وہ لوگ شوپنگ کے لیے روانہ ہوئے تھے، طارق کو اگلے چند دنوں میں کراچی میں بھی منسنا تھا اور سڈنی بھی روانہ ہونا تھا۔

دریا؟

جی۔

یاد رہ روشن بھابھی تے جو اہم دکھائے ہیں، ان تصویروں میں اور موجودہ روشن بھابھی میں کتنا فرق ہے۔ کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا۔ کیوں؟

جی۔ مگر اس میں ایک سبق ہے آپ کے لیے اس نے نچلے محنت دانوں تلے دھا کر منہ موڑ لیا۔

کیا؟ وہ واقعی نہیں سمجھا۔

مگر ایک مرد کی وسیع الفکس وہاں، اس مقام پر ظاہر ہوتی ہے، جہاں اس کی کوئی توقع بھی نہیں کر سکتا۔ اور آپ اس میلے کو اتنا ایم بنا بیٹھے کہ کسی کے سیدھی راہوں سے بھٹکنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔

مگر فیروزہ کے لیے جو کچھ میں نے کیا ہر غرض سے مالا ہو کر صرف انسانیت کے سوال پر۔

مگر مجھے تو وہاں پہنچا رہے تھے، جہاں سے فیروزہ کو لا رہے تھے۔ در یہ نے بات کافی۔

طارق لا جواب ہو گیا۔ کچھ توقف کے بعد گویا ہوا۔
ہاں۔ بالکل یوں جیسے کوئی دورو پے کمائے اور دونوں ہی خربش کروے۔ اس کی آنکھوں سے گہرا انگڑا ہٹا تھا۔

آپ سے ایک بات پوچھوں؟ پر ہم نہ ہو جائیے گا؟ در یہ نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔

ہوں۔ پوچھو۔

اگر فیروزہ یہ سب نہ کرتی اور انتخاب کا مرحلہ واقعی پیش آ جاتا؟

دیکھو دور یہ اتنے سارے تجربات کے بعد یہ بات سمجھ میں آئی ہے۔ جب قدرت کسی واقعے کو ظاہر کرنا چاہتے ہے تو یہاں سے وہاں تک وہ ہر شے میں ترتیب و تناسب اور گنجائش پیدا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے اس دنیا میں روزنی بات ہوتی ہے اور جذبہ ہو جاتی ہے۔
اس لیے کوئی بھی انسان اگر کے آگے کی خالی جگہ نہیں بھر سکتا۔ would کے ضمن میں کوئی حتمی رائے دی ہی نہیں چا سکتی۔

بس یہ بات تمہارے لیے قلمی بخش ہونا چاہیے کہ اللہ نے تمہیں لاکھوں انسانوں سے زیادہ خوش نصیب بنایا ہے۔

در یہ نے اس کی ہمت دیکھا۔ پھر سوچنے لگی واقعی۔

ولایت علی شاہ نے سخاوت کی انتہا کر دی تھی۔ اتنا صدقہ خیرات گھر سے نکالا تھا کہ محسوس ہوتا تھا آج اس شہر میں کوئی بھوکا نہیں مرنے گا۔

گھر پر مدعو مہمانوں کی الگ جی کھول کر تواضع کی تھی۔ طارق کا تعارف مہمانوں سے کراتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ یہ ہمارے ملک سے مایہ ناز آرکٹیمٹ ہیں عترت پر ہمارے ہمسائے ہونے والے ہیں فیر میں یہ اپنا شاہکار تیار کر رہے ہیں۔

میاں صاحب نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ماشا اللہ گویا بہت ہوشیار جوان

طارق نے ان کے ہاتھ تمام لیے۔ میاں صاحب مجھ سے کہنے کی اجازت دیجیے۔ ہم میں سے ہر فرد ہر مند ہے۔ کام کی شکلیں مختلف ہیں۔ جیسے کہ آپ اپنے عمل کی وضوح عام سے انسان کو شاہکار بنا دیتے ہیں۔ اس نے گلابی چادر میں پلیس دور دور کام میں مصروف روشن کو دیکھ کر کہا تھا۔

آپ کے ہنر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ آگ کا سمندر ہر ایک کہاں عبور کر سکتا ہے؟

بیٹے اللہ سے توفیق مانگتے ہیں۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

اللہ تمہیں دین و دنیا میں سرفراز کرے۔ تمہاری آگنی اور شعور کو راہ ہدایت کے ساتھ مکمل کرے۔

انہوں نے طارق کی پشت پر اپنا منہ ہاتھ پھیرا اور خوبصورت دعا دی۔

وہ یہ مستقل کراچی آگئی تھی آخر اس کا گھر بھی تو یہیں بن رہا تھا۔

طارق واپس سڈنی روانہ ہو رہا تھا۔ ایک جہوم دوستان اسے رخصت کرنے آیا تھا۔

وہ بمشکل بیچ بچا کر وریہ کے نزدیک آیا تھا جو پرانے میں دونوں بچوں کے ہمراہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

کچھ کہنا تو نہیں ہے؟ وہ مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

وہ یہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ میری بر خطا سنا کر کے یہ میں چھوڑے گا۔

دیکھو یا مشکل میں نہ ڈالو۔ کہ میں چلنا کر اپنا نیت کا کوئی مظاہرہ عام کر ڈالوں۔

وہ یہ ہم سچ کے شریک زندگی ہیں، محض نام کے نہیں۔ تم میرے بہت سے براؤں کی اہمیت اور میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ یہ ہماری اتنی ریاضتوں کا حاصل ہے۔

میں ہزار زندگیوں میں بھی اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ وہ یہ نے اعتراف کیا۔

مگر کوشش کرنا طارق نے بوجہ کہا۔

کس چیز کی؟ حسیب نے صاف دھل در معنوںات کی کوشش کی تھی۔

آپا کو تلاش کرنے کی۔ چھوٹے بچے کو آپا کا مسئلہ روچش ہے۔ کیا تم فارغ ہو؟

طارق نے بھی طارق کا آخری جملہ سن لیا تھا لہذا فوراً ہی حسیب کی کھنچائی کی کئی مروانہ

تہمتوں میں وریہ کی دلکش ہنسی بھی شامل تھی۔

The End..... اختتام

www.paksociety.com